پیغمبرانہ منہاج دعوتؐ

ڈاکٹر خالد علوی

Marfat.com

پیغمبرانہ منہاج دعوت

ڈاکٹر خالد علوی

احباب پبلشرز لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

مصنف = ڈاکٹر خالد علوی

کتاب = پیغمبرانہ منہاج دعوت

پبلشر = احباب پبلشرز، لاہور

بار اول = مارچ 1999ء

تعداد = 500

قیمت = 350 روپے

احباب پبلشرز

G - 40 شمع پلازہ، 72 - فیروز پور روڈ لاہور

فون: 7587987 فیکس: 7551078

ملنے کا پتہ:

ادارہ مطبوعات طلبہ 1 - اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور

Marfat.com

فہرست مضامین

مقدمہ	17
آدم علیہ السلام	43
تخلیق آدم	43
آزمائش	44
ابلیس کی دشمنی و فریب کاری	47
آدم کی سادگی و خطاکاری	50
آدم و ابلیس کا فرق	51
ہدایت ربانی	54
آدمؑ کی دعوت	56
نوح علیہ السلام	61
دعوت کا موضوع	62
دعوت کا انداز	69
دعوت کے مخاطبین	76
دعوت کا ردعمل	77
ملاء (سرداران قوم) اور دعوت الی اللہ	78
تین اعتراضات	80
دعوت سے انکار کا انجام	87
طوفان	88
نوحؑ کی آخری آزمائش	89
یقین و ایمان	93
اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد	94
آزمائش و ابتلاء	95

Marfat.com

حضرت ہود علیہ السلام 101

قوم عاد 101
عاد کا مسکن 101
عاد کا زمانہ 102
عاد کا مذہب 103
دعوت کا موضوع 103
دعوت کا انداز 105
دعوت کا ردعمل 106
ہودؑ کا جواب 108
طلب نصرت 111
انجام 111
ہود اور ان کے رفقاء کی نجات 114

حضرت صالح علیہ السلام 119

قوم ثمود 119
ثمود کا مسکن 119
ثمود کا مذہب 122
صالحؑ کی دعوت 122
دعوت کے دلائل 123
ردعمل 127
قوم ثمود کا انجام 133

حضرت ابراہیم علیہ السلام 141

معاشرتی پس منظر 141

خاندانی پس منظر 144
دعوت کا شعور 147
دعوت کا ردعمل 164
ہجرت 167
آزمائش 169
بیٹے کی قربانی 171
قربانی کی جگہ 173
کامیابی و کامرانی 178
تکریم ابراہیم 181

لوط علیہ السلام 189

قوم لوط 191
لوطؑ کی دعوت 191
انذار و تبلیغ دعوت 193
دعوت کا ردعمل 194
لوط کی دعا 196
قوم لوط کا انجام 197
عذاب کی صورت 200

یوسف علیہ السلام 209

آزمائش 210
آزمائش کا پہلا مرحلہ 211
آزمائش کا دوسرا مرحلہ 215
یوسفؑ کا ردعمل 220
آزمائش کا تیسرا مرحلہ 222

Marfat.com

کامیابی کی منزل	226
کامرانی کی آخری منزل	228
مشیت الٰہی کا آخری مظہر	229
داعی کے اخلاقی اوصاف	232
یعقوب کی شخصیت	241
پیغمبرانہ فراست	242
شعیب علیہ السلام	**249**
قوم شعیب	249
مدین کا علاقہ	249
قوم شعیب کی خرابیاں	253
شعیب کی دعوت	254
طریق دعوت	258
قوم کا رد عمل	260
شعیب کا جواب	264
قوم شعیب کا انجام	266
عذاب کی نوعیت	268
ایوب علیہ السلام	**273**
ایوبؑ کی شخصیت	274
امتحان اور آزمائش	277
اجابت دعاء	283
اللہ کی خصوصی عنایت	284
نصائح	285
ابتلاء	285

Marfat.com

صبر 288

رجوع الی اللہ 289

حضرت موسیٰ علیہ السلام 293

تاریخی پس منظر 293

تدبیر الٰہی 302

موسیٰ کی پیدائش 303

فرعون کی بیوی کا کردار 311

بچے کا اپنی ماں کے پاس لوٹنا 312

ابتدائی زندگی 315

قبطی کا قتل اور موسیٰ کا مصر سے خروج 317

مدین میں ورود 327

شیخ مدین کے ہاں حاضر 328

شیخ سے رشتہ مصاہرت 330

شیخ مدین کا تعین 332

ایفاء مدت 334

بعثت 338

دعوت کا موضوع 352

دعوت عمومی 352

معجزات کا عطیہ 356

دعوت خصوصی 362

بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلانا 362

موسیٰ کے عہد کا فرعون 364

بعثت نبوت پر موسیٰ کا رد عمل 365

اسلوب دعوت 371

Marfat.com

دعوت کا مقصد	372
فرعون کا ردعمل	373
فرعون کے سامنے دعوت حق	376
ربوبیت الٰہی کی تحقیر	376
فرعون کا دعوائے الوہیت	379
معجزات کا اظہار	385
معجزات پر فرعون کا ردعمل	388
موسیٰ اور جادوگروں کا مقابلہ	396
اتمام حجت اور دعوت عام	397
غلبہ حق	401
فرعون کی چال	402
ایمان باللہ کا کرشمہ	405
مقابلہ کے اثرات و نتائج	406
نوجوانوں کا توکل	410
معنی خیز دعاء	411
فرعون کی شکست اور بنی اسرائیل کا ابتلاء	412
موسیٰ کا دوسرا کام	413
موسیٰ و بنی اسرائیل	414
دینی تنظیم	416
موسیٰ اور آل فرعون	418
نو نشانیاں	419
موسیٰ کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی	424
موسیٰ کی دعاء	427
قبولیت دعاء	429
بنی اسرائیل کا خروج اور فرعون کا تعاقب	430

Marfat.com

فرعون کا غرق ہونا 432
قرآن کا بیان 433
عظیم معجزہ 436
فرعون ایک سامان عبرت شخصیت 440
موسیٰ کی کامیابی 444
بائبل کا بیان 446
موسیٰ فرعون کے دربار میں 450
خدا کے وعدوں کی تجدید 454
موسیٰ و ہارون کا نسب نامہ 457
فرعون کے سامنے معجزات 459
بنی اسرائیل کی روانگی 492
شرع فطر 495
پہلوٹوں کی شرع 497
بحر قلزم کا عبور 499

☆ معجزہ و سحر کا فرق 507

سحر کی حقیقت 507
سحر کی شرعی حیثیت 511
انبیاء علیہم السلام کے معجزات 513
معجزہ کی حقیقت 514
معجزہ اور سحر کا فرق 515

☆ ہامان کی شخصیت 518

ہامان کی سیاسی اہمیت 518

حضرت عیسیٰ علیہ السلام	**543**
تاریخی پس منظر	543
مریم کی کفالت	546
مریم کا خصوصی مرتبہ	547
مسیح کی پیدائش	549
مسیح روایت	555
مسیح علیہ السلام کی ابتدائی زندگی	561
مسیح علیہ السلام کی آزمائش	572
مسیح کی شخصیت	574
بعثت و رسالت	575
مسیح کی دعوت	594
تورات کی تصدیق	600
حضور اکرم کی بشارت	601
اعمال صالحہ کا انتظام	611
مسیح کی تعلیمات عہد نامہ جدید کی روشنی میں	612
انقلابی جدوجہد	614
حق و باطل کی کشمکش کا تصور	614
قربانی کے لئے تیاری	615
صبر کی تلقین	616
فکر آخرت کی دعوت اور حب دنیا کی نفی	617
مذہبی قیادت پر تنقید	619
دعوت کی نوعیت کا جامع بیان	620
مسیح کا اسلوب دعوت	629
معجزانہ اسلوب	630
معلمانہ اسلوب	641

Marfat.com

دعوت کا ردعمل	651
مخالفت	655
گرفتاری و مصلوبیت	657
قرآن کا تبصرہ	667
منکرین دعوت کا انجام	677
مسیح کی دعوت اور موجودہ عیسائیت	679
مسیح کا نیا امیج	679
الوہیت مسیح	680
عقیدہ کفارہ	682
محبت کی تعلیم	684
آسمانی بادشاہت کا حصول	685
نجات کا تصور	688
شریعت کی منسوخی	689
ختنہ کی منسوخی	690
قرآنی تبصرہ	691
عبدیت مسیح	692
الوہیت مسیح اور ابنیت مسیح کی نفی	693
مصلوبیت کی نفی	697
تحریف	698
انتہا پسندی (غلو)	699

Marfat.com

بعثت
مسیح
تورات
حضور ا
اعمال ص
مسیح کی تع
انقلابی جدو
حق و باطل
قربانی کے ل
صبر کی تلقین
فکر آخرت کی
مذہبی قیادت پر
دعوت کی نوعیت
مسیح کا اسلوب دعو
معجزانہ اسلوب
معلمانہ اسلوب

Marfat.com

مقدمہ

دعوت الی اللہ بنیادی طور پر ایک عملی پرگرام ہے جو تعلیم و تعلم' تربیت و اصلاح و بالاخر حق و باطل کی عملی کشمکش پر مشتمل ہے۔ علماء امت اور صلحاء ملت نے دعوت اسلامی کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کے لئے عمدہ کتابیں لکھیں۔ دور حاضر میں دعوت اسلامی ایک مرتب علم کی صورت میں سامنے آئی ہے اور مختلف اسلامی جامعات نے اسے اپنے نصابات کا حصہ بنایا ہے۔ کلیۃ الدعوۃ اور دعوۃ اکیڈمی کے نام سے کئی ادارے وجود میں آئے جو دعوت اسلامی کے علمی و عملی کام کا مربوط مطالعہ پیش کر رہے ہیں۔

دعوت کے مفاہیم' طریق کار' دعوت کے کارکن کے خصائل' دعوت کی مشکلات اور تاریخ دعوت سے متعلق معیاری کتابیں لکھی گئی ہیں۔ دعوت کے انفرادی پہلوؤں کے علاوہ مجموعی حیثیت پر بھی علماء و مفکرین نے قلم اٹھایا ہے اور یوں دعوت اسلامی پر ایک معتدبہ لٹریچر تیار ہوگیا ہے۔

اس موضوع کا سب سے زیادہ موثر حصہ تاریخ دعوت کا ہے جس میں داعیان الی اللہ کے اسالیب و تجربات کی حیثیت روشنی کے میناروں کی طرح ہے۔ دعوت الی اللہ کے کارکنوں نے ہر دور میں حق و صداقت کے لئے شاندار مثالیں قائم کی ہیں جو بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے راہنمائی کا کام دیتی ہیں۔ دعوت الی اللہ کی تاریخ طویل بھی ہے اور صبر آزما بھی۔ اس کی حیثیت ایک کہکشاں کی ہے جس میں لاتعداد ستارے چمک رہے ہیں۔ تاریخ دعوت کا نقطہ آغاز انبیاء علیہم السلام کی شخصیات ہیں جو سورج چاند کی طرح چمک رہی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اس دنیا کی وہ نورانی شخصیتیں ہیں جو انسانی زندگی کا معیار ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانے میں خیر کو عام کرنے اور شر کو مٹانے کے لئے شاندار مساعی کی ہیں۔ ان کا بنیادی رول داعی الی اللہ کا ہے۔ چونکہ تمام

Marfat.com

برائیوں کی جڑ اللہ تعالیٰ کے متعلق لاعلمی و غلط فہمی اور اس سے غفلت و دوری ہے اس لئے ان حضرات کا اولین کام انسانوں کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف بلانا تھا۔ تمام الہامی مذاہب میں بالعموم اور اسلام میں بالخصوص ان شخصیتوں کے تذکرہ کو اہمیت دی گئی ہے۔ ان کے حالات و واقعات میں عبرت و نصیحت اور موعظت و اصلاح کے بہت سے پہلو ہیں۔ جنہیں اہل فکر و نظر اور ارباب عمل و اخلاق پیش نظر رکھ سکتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سیرتیں دعوت الی اللہ کے لئے ہمیشہ اسوہ حسنہ رہیں گی۔

انبیاء علیہم السلام کی حیثیت

انبیاء علیہم السلام زندگی کے تمام پہلوؤں کی طرح دعوت میں بھی اسوہ و قدوہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن نے مختلف انبیاء کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں واجب الاتباع قرار دیا۔ ارشاد باری ہے:

اولئک الذین هدی الله فبهداهم اقتده [1]

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی سو تم انہی کی ہدایت کی پیروی کرو۔

اسی طرح ابراہیمؑ کا ذکر کرتے ہوئے حضور اکرمؐ کو حکم دیا کہ آپ دین ابراہیم کی پیروی کریں!

ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراهیم حنیفا وما کان من المشرکین [2]

پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو یکسو تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

عام مسلمانوں کو بتایا گیا کہ ابراہیمؑ اور ان کے رفقاء اور محمد کریمؐ ایمان کے لئے اسوہ حسنہ ہیں۔ لہٰذا تم اپنی زندگیاں انہی نمونوں کے مطابق ڈھالنی چاہئیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

قد کانت لکم اسوة حسنة فی ابراهیم والذین معه اذ قالوا لقومهم

انا براء منکم ومما تعبدون من دون اللہ (۳)

تم لوگوں کے لئے ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔

خاتم الانبیاء والمرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو فرض قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنہ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرا (۴)

درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

انبیاءؑ کو اسوہ اس لئے قرار دیا گیا کہ ان کی شخصیتیں مکمل ہوتی ہیں۔ ان میں کوئی جھول نہیں ہوتا کوئی پہلو کمزور نہیں ہوتا وہ ہمہ پہلو قائدین ہوتے ہیں۔ غیرانبیاء کی شخصیتوں میں اگر کوئی پہلو ابھرا ہوا ہے تو دوسرا کمزور ہے۔ کتنے ہی ایسے سیاسی اور عسکری قائدین ہیں جو عملی اعتبار سے کمزور ہیں اور کتنے ہی علماء و مصلحین ہیں جو قوت، حجت، غزارت علم اور کثرت نشاط و تحریک کے اعتبار سے بہترین نمونے ہیں لیکن مادی معاملات کی تنظیم یا اولاد کی تربیت میں ناقص ہیں۔ اس کے برعکس تمام انبیاء بالعموم اور خاتم النبینؐ بالخصوص ہر مسئلہ میں انسانیت کے لئے راہنمائی کا نمونہ ہیں۔

واجب الاتباع

قرآن نے انہیں واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (۵)

اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس لئے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے

اور حضور اکرمؐ کے بارے میں فرمایا:

فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (۶)

اے محمدؐ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سر تسلیم خم کریں۔

معصوم عن الخطاء

انبیاءؑ کو اسوہ و قدوہ قرار دیا ان کے اتباع کو لازم قرار دیا کیونکہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی نگرانی، اس کی ہدایت اور تربیت کی وجہ سے شرک و ضلالت کج روی و نفس پرستی اور فسق و معصیت سے محفوظ تھے۔ ان میں سے کوئی بھی گناہ کبیرہ کا مرتکب نہیں ہوا بلکہ ان سے کبھی کبھی ایسے امر کا بھی صدور نہیں ہوا جو مروت و شائستگی کے منافی ہو۔ یہ حضرات اپنے معاشرے کے نفیس ترین لوگ تھے۔ اخلاقی صفات کے لحاظ سے بھی اور حسب و نسب کے لحاظ سے بھی اشرف ترین تھے۔ اللہ نے انہیں منتخب کیا اور پھر ان کی حفاظت فرمائی۔

انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وکل من الاخیار (۷)

وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔

واصطنعتک لنفسی (۸)

میں نے تم کو اپنے کاموں کے لئے بنالیا ہے۔

حضور اکرمؐ کی رسالت پر جب اعتراض کئے گئے تو مشرکین نے کہا کہ ہم اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ہمیں بھی وہ تجربہ نہ ہو جس کا دعویٰ محمدؐ بطور رسول کرتے ہیں۔ تو قرآن نے کہا:

Marfat.com

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ [9]

اللہ تو بہتر جانتا ہے کہ پیغامبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے

چونکہ انبیاء اللہ کے منتخب کردہ لوگ ہوتے ہیں اس لئے وہ اس کی مرضی کے بغیر لب کشا نہیں ہوتے۔ حضور اکرمؐ کے بارے میں ارشاد ہے:

وما ینطق عن الھویٰ ان ھوالا وحی یوحی [10]

وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے یہ تو ایک وحی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے

انبیاء اللہ تعالیٰ کے زیر نگرانی ہونے کی وجہ سے کوئی ایسا اقدام نہیں کرتے جو انسانیت کے لئے نقصان دہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی یہی حیثیت ہے جس کی بناء پر یہ حضرات دعوت الی اللہ کے میدان بھی اسوہ و قدوہ ہیں۔ تاریخ دعوت میں ان کی حیثیت اولین معیار کی ہے۔ لہٰذا دعوت الی اللہ کا کوئی کام جو ان کے منہاج سے متصادم ہے قابل قبول نہیں ہوگا اور اسے دعوت اسلامی نہیں کہا جائے گا۔

انبیاء کے خصائص

انبیاء علیہم السلام نے ایک خاص طریق سے کام لیا اور مخصوص اصولوں کا پرچار کیا۔ چونکہ یہ کام ہدایت ربانی کی روشنی میں کیا گیا اس لئے یہی اصول دعوت کی بنیاد ہیں اور یہی طریق معیاری ہے۔ یوں تو اصول دعوت اور طریق دعوت کے اختصاصات کا ذکر ہر نبی کی سیرت میں ہوگا لیکن یہاں مشترک نکات کو پیش نظر رکھنا مفید ہوگا۔

اصولی دعوت

پیغمبرانہ دعوت کی عمومی نوعیت یہ ہے کہ یہ اصولی و نظریاتی دعوت ہے۔ اس کا تعلق شخصی، علاقائی، قومی، قبائلی، نسلی، لسانی یا گروہی مفادات سے نہیں۔ پیغمبر کا کام لوگوں کو توحید الٰہی کی طرف بلانا اور تقویٰ کی راہ پر چلانا ہے۔ ان کے اندر مکارم اخلاق پیدا کرنا اور انہیں ہر قسم کی برائیوں سے پاک کرنا ہے۔ انبیاءؑ اپنی اپنی قوم کے اشرار کو یہی سمجھاتے رہے کہ اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور نیکی کی روش اختیار

کرو۔ فرعون نے جو خدائی کا دعویدار تھا اور اپنی قوم کو ذلیل کرکے انہیں اپنی غلامی پر آمادہ کرچکا تھا' اللہ کے پیغمبر موسیٰؑ کی دعوت ٹھکرا دیا تھا بالاخر انہیں قتل کرنے کے درپے تھا ایسے میں اس کی اپنی قوم کے ایک فرد نے جو ایمان لاچکا تھا اسے اور اس کے اعیان سلطنت کو موسیٰؑ کی دعوت کی حقیقت سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ قرآن نے اس کا جو بیان نقل کیا ہے وہ پیغمبرانہ دعوت کی اصولی نوعیت کی شاندار توضیح ہے۔ مومن آل فرعون نے اپنے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

ویقوم مالی ادعوکم الی النجوة وتدعوننی الی النار تدعوننی لاکفر باللہ واشرک به مالیس لی به علم وانا ادعوکم الی العزیز الغفار لا جرم انما تدعوننی الیه لیس له دعوة فی الدنیا ولا فی الاخرة وان مردنا الی اللہ وان المسرفین هم اصحب النار (11)

اے قوم آخر یہ کیا ماجرا ہے کہ میں تو تم لوگوں کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم لوگ مجھے آگ کی طرف دعوت دیتے ہو! تم مجھے اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں اور اس کے ساتھ ان ہستیوں کو شریک ٹھہراؤں جنہیں میں نہیں جانتا حالانکہ میں تمہیں اس زبردست مغفرت کرنے والے خدا کی طرف بلا رہا ہوں۔ نہیں' حق یہ ہے کہ اور اس کے خلاف نہیں ہوسکتا کہ جن کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو ان کے لئے نہ دنیا میں کوئی دعوت ہے اور نہ آخرت میں اور ہم سب کو پلٹنا اللہ ہی کی طرف ہے۔ اور حد سے گذرنے والے آگ میں جانے والے ہیں۔

جاہل قیادتیں چونکہ شخصی' گروہی' لسانی' نسلی اور جغرافیائی بنیاد پر اٹھتی ہیں اس لئے وہ لوگ پیغمبرانہ دعوت کو بھی انہی پیمانوں سے ناپنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ انبیاءؑ کی طرف سے ہمیشہ اصرار رہا کہ ان کی دعوت اللہ کی بندگی اختیار کرنے کی طرف ہے اور اس مین کوئی دنیاوی مفاد نہیں ہے۔ انبیاء نے بار بار اپنی بے لوثی اور بے غرضی کا نہ صرف اظہار کیا بلکہ اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ بے لوثی کے متعلق ان کے بیانات آگے آرہے ہیں۔

۵۱۳۲ے

اس اصولی دعوت کی تین بنیادی خصوصیات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

دعوت الی اللہ

انبیاء کی دعوت کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صحیح معنوں میں دعوت الی اللہ ہے۔ ہر نبی نے شرح صدر کے ساتھ لوگوں کو رب تعالیٰ کی بندگی کی طرف بلایا ہے اور انہیں شرک سے روکا ہے۔ یہ انسان کو مافوق الفطرت قوت کے ساتھ مرتبط کرتی ہے۔ تمام انبیاء کی دعوت کے مشترکہ نکتہ کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ (۱۲)

اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں

انبیاء کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے قرآن نے غیر مبہم انداز میں کہا:

ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت (۱۳)

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا؟ اور اس کے ذریعے سب کو خبردار کردیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم انہ لا الہ الا انا فاعبدون (۱۴)

ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو

ہر وہ دعوت جس کا مرکزی نقطہ بندگی رب نہیں ہے وہ یقیناً پیغمبرانہ منہاج دعوت سے ہٹی ہوئی ہے۔ قرآن نے حضور اکرمؐ کی زبان سے کہلوایا ہے:

قل انما امرت ان اعبد اللہ ولا اشرک بہ الیہ ادعو الیہ ماب (۱۵)

آپ کہہ دیں کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ میں اللہ ہی کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ انا ومن اتبعنی و سبحان اللہ وما انا

Marfat.com

من المشرکین (۱۶)

آپ ان سے صاف کہہ دیں میرا رستہ تو یہ ہے میں خدا کی طرف بلاتا ہوں اور میرے پیرو بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں

پیغمبرانہ منہاج دعوت میں توحید الوہیت کا اثبات اور شرک سے اجتناب کی حیثیت بنیادی پتھر کی ہے۔ کوئی دعوت بھی اس کے بغیر بے بنیاد اور بے نتیجہ ہوگی۔ دعوت الی اللہ دراصل اسباب کی غلامی سے نجات کا پیغام ہے جس سے انسانی شخصیت کو بے پناہ استحکام ملتا ہے۔

اطاعت رسول

پیغمبرانہ دعوت کی دوسری خصوصیت اطاعت رسول ہے۔ رسول کی ذات انسانی زندگی کی تنظیم کا مرکزی نقطہ ہے۔ پیغمبر کی ذاتﷺ وہ مرئی وجود ہے جس کے گرد جماعت کی پوری زندگی منظم ہوتی ہے۔ ہم اس سے پہلے اطاعت رسول اور اسوۂ رسول کے حوالے سے وہ آیات نقل کرچکے ہیں جو واضح کرتی ہیں کہ اطاعت رسول کتنی اہمیت رکھتی ہے۔ انبیاءِ کی دعوت کے سلسلے میں قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں یہ جملہ بار بار دہرایا گیا ہے:

انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ واطیعون (۱۷)

میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو

ہر نبی اپنے دور میں دعوت الی اللہ کے کام میں خود معیار ہوتا تھا لہٰذا اس کی قیادت و سیادت از خود مسلم ہوتی تھی۔ اس کے بغیر دعوت کا کام مکمل نہیں ہوتا تھا آنحضرتؐ چونکہ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کسی اور نبی نے نہیں آنا اس لئے آپ ہی کی ذات قیامت تک کے انس و جن کے لئے معیار کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضور اکرمؐ کی بعثت کے بعد سے قیامت تک کا دور دراصل محمدی دور ہے اس عرصہ میں

Marfat.com

آپ کے حوالے کے بغیر کوئی دعوت معتبر نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلق عظیم کے مرتبہ پر فائز کیا اور اسوہ حسنہ کا خطاب دیا۔

اخروی زندگی کی فلاح

انبیاء کی دعوت کی تیسری خصوصیت اخروی زندگی کی فلاح ہے۔ بالعموم انسانی سرگرمیوں کا رخ دنیوی زندگی کے فضائل کے حصول کی طرف ہوتا ہے۔ ایک عام انسان سے لے کر بڑے بڑے دنیوی رہنماؤں تک کی ساری تگ و دو فوائد دنیا کے حصول کے لئے ہوتی ہے۔ دولت و ثروت' عزت و جاہ' شان و شوکت اور اختیار و اقتدار وہ مقاصد ہیں جن کے لئے انسان ہمیشہ سرگرم عمل رہا ہے۔ یہی اس دنیا کی رونق ہے اور اسی کی وجہ سے یہاں فساد و خونریزی اور ظلم و استحصال ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی اہم اساس دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دوامی زندگی کا اثبات ہے۔ تمام انبیاء کی دعوت میں توحید کے ساتھ آخرت کا لازمی ذکر ہے۔ کسی نبی کی دعوت آخرت کے ذکر سے خالی نہیں۔ یہاں آخرت کی تفصیلات اور عقیدہ کے دلائل مہیا کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ تمام انبیاء نے اپنی دعوت میں اسے اہمیت دی۔ چند ایک مثالوں سے ہماری بات واضح ہوجائے گی۔ مثلاً نوح علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان اعبدوا اللّه واتقوه واطیعون یغفرلکم من ذنوبکم ویوخرکم الی اجل مسمی ان اجل اللّه اذا جاء لا یوخر لوکنتم تعلمون (۱۸)

اللہ کی بندگی کرو' اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اللہ تمہارے گناہوں سے درگذر فرمائے گا اور تمہیں ایک وقت مقرر تک باقی رکھے گا حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آجاتا ہے تو پھر ٹالا نہیں جاتا کاش تمہیں اس کا علم ہو۔

ھودؑ کے مخالفین کا ذکر کرتے ہوئے قرآن ان کے انکار آخرت اور دنیوی زندگی ہی کی خوشیوں کا تصور بیان کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وقال الملاء من قومه الذین کفروا وکذبوا بلقاء الاخرة واترفنهم فی الحیوة الدنیا ما هذا الا بشر مثلکم۔ ۔ ۔ ایعدکم انکم اذا متم وکنتم ترابا وعظاما انکم مخرجون هیهات هیهات لما توعدون ان هی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین (۱۹)

اس کی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ کر رکھا تھا وہ کہنے لگے یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا۔ ۔ ۔ یہ تمہیں اطلاع دیتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی ہوجاؤ گے اور ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جاؤ گے اس وقت تم (قبروں سے) نکالے جاؤ گے؟ بعید بالکل بعید ہے یہ وعدہ جو تم سے کیا جارہا ہے زندگی کچھ نہیں مگر بس یہی دنیا کی زندگی یہیں ہم کو مرنا جینا ہے اور ہم ہرگز اٹھائے جانے والے نہیں۔

موسیٰؑ کو جب نبوت عطا کی اور توحید اور نماز کا حکم دیا تو اس کے ساتھ قیامت کا ذکر بھی کیا۔ فرمایا:

ان الساعة آتیة اکاد اخفیها لتجزی کل نفس بما تسعی فلا یصدنک عنها من لا یومن بها واتبع هوله فتردی (۲۰)

قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔ پس کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش نفس کا بندہ بن گیا ہے تجھ کو اس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

حضور اکرمؐ کے ذریعہ آخرت کی زندگی کی تفصیلی تصویر پیش کی اور اس کی حقیقت کو مبرہن کرکے پیش کیا۔ ارشاد باری ہے:

وهوالذی یتوفکم باللیل ویعلم ما جرحتم بالنهار ثم یبعثکم فیه لیقضی اجل مسمی ثم الیه مرجعکم ثم ینبئکم بما کنتم تعملون (۲۱)

وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے' پھر دوسرے روز تمہیں اسی کاروبار عالم میں واپس بھیج دیتا ہے تاکہ زندگی کی مقررہ مدت پوری ہو۔ آخر کار اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ تمہیں بتادے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

مزید فرمایا:

یاایھا الناس انما بغیکم علی انفسکم متاع الحیوۃ الدنیا ثم الینا مرجعکم فننبئکم بما کنتم تعملون (۲۲)

لوگو تمہاری یہ بغاوت تمہارے ہی خلاف پڑ رہی ہے۔ دنیا کی زندگی کے چند روزہ مزے ہیں لوٹ لو پھر ہماری طرف تمہیں پلٹ کر آنا ہے اس وقت ہم تمہیں بتادیں گے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔

قرآن کی آیات کے علاوہ آنحضورؐ کی بکثرت احادیث ہیں جن میں آخرت کی حقیقت اور اس کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اس کا دوسرا پہلو دنیا کی بے ثباتی کا ثبوت ہے۔ قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ کتب حدیث کے ابواب الزھد دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں پیغمبرانہ رویے کے اظہار سے بھرے پڑے ہیں یہاں صرف ایک آیت کا ذکر کرنا کافی ہے۔

وما ھذہ الحیوۃ الدنیا الالھو ولعب وان الدرا الاخرۃ لھی الحیوان لوکانوا یعلمون (۲۳)

اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا۔ اصلی زندگی کا گھر تو دار آخرت ہے کاش یہ لوگ جانتے۔

بے لوثی و بے غرضی

پیغمبرانہ دعوت کی چوتھی خصوصیت بے لوثی و بے غرضی ہے قرآن مجید نے انبیاء کی دعوت کے سلسلے میں ان کی بے غرضی ثابت کرنے کے لئے مندرجہ ذیل بیان بار بار دہرایا ہے:

Marfat.com

وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین (۲۴)

میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے

اسی بات کو الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ اور مقامات پر بیان کیا ہے:

قل لا اسئلکم علیہ اجرا ان ھو الا ذکر للعالمین (۲۵)

میں (اس دعوت و تبلیغ کے) کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ یہ تو ایک عام نصیحت ہے۔ تمام دنیا والوں کے لئے

ویقوم لا اسئلکم علیہ مالا ان اجری الا علی اللہ (۲۶)

اے برادران قوم! میں اس کام پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے

یقوم لا اسئلکم علیہ اجرا ان اجری الا علی الذی فطرنی افلا تعقلون (۲۷)

اے برادران قوم! اس کام پر میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا' میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا کیا تم عقل سے ذرا کام نہیں لیتے؟

قل ما اسئلکم علیہ من اجروما انا من المتکلفین (۲۸)

اے نبیؐ ان سے کہہ دو کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹی لوگوں میں سے ہوں

انبیاء علیہم السلام کے سامنے دنیوی فوائد نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کی جدوجہد دنیوی سیادت و قیادت کے لئے ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ دکھ اٹھاتے' تکلیفیں سہتے اور مشکلات برداشت کرتے ہیں لیکن کسی دنیوی فائدے کے لئے حق پر مفاہمت کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔

پیغمبرانہ منہاج دعوت جس طرح فکری اعتبار سے منفرد ہے اسی طرح عملی اظہار کے لحاظ سے بھی خصوصی نوعیت کا حامل ہے۔ یہ منہاج ہر لحاظ سے پاکیزہ اور صاف ستھرا ہے۔ اس میں منفی ہتھکنڈوں' زیر زمین سرگرمیوں اور ناجائز ذرائع کے استعمال کی

Marfat.com

کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ایک اعلانیہ دعوت ہے جس کے مقاصد اور اہداف واضح اور جس کا طریق کار نکھرا ستھرا ہے۔ ہر نبی نے اپنے وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے وہ تمام طریقے استعمال کئے جن سے دعوت الی اللہ کے کامل ابلاغ میں مدد مل سکتی تھی۔ ان میں تقریر' تحریر' اجتماعی خطاب' انفرادی ملاقات' اعتراضات کے جوابات' مباحثہ اور معجزات کا اظہار وغیرہ شامل ہیں۔ معجزہ تو خصوصی طور پر انبیاء سے مختص ہے لہذا اس کے علاوہ جتنے طریقے ہیں انہیں ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اختیار کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً پریس کی ایجاد نے تحریر کو جو وسعت اور قوت دی اسے کتابوں' رسالوں' اخباروں اور اشتہاروں کی صورت میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح الیکٹرانک میڈیا ایک زوردار طریق ابلاغ ہے جسے شیطانی قوتیں اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کر رہی ہیں۔ اگر اسے دعوت الی اللہ کے لئے استعمال کیا جائے تو یہ پیغمبرانہ منہاج کے دائرے ہی میں ہوگا' بشرطیکہ پیغمبرانہ اخلاص و اوصاف کو سامنے رکھا جائے۔

اسی طرح خدمت خلق کے مختلف اسالیب جن میں صحت کے ادارے' یتیموں کی کفالت کے ادارے' تعلیمی ادارے اور غربت و افلاس کے مارے ہوئے انسانوں کی دستگیری کے منصوبے اور محروم الوسائل لوگوں کے لئے قانونی اعانت کی صورتیں وہ ذرائع ہیں جنہیں کام میں لاکر انسانوں کو ان کے خالق کے ساتھ جوڑا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر بے لوث خدمت ہوگی تو اس کے اخلاقی اثرات کا مرتب ہونا یقینی ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانے میں ربانی حکمت کے مطابق دعوت الی اللہ کے لئے ضروری اقدامات کئے اور اس منہاج کی واضح مثالیں ان حضرات" کے ذکر میں موجود ہیں۔ یہاں ہم صرف تین خصوصیتوں کا ذکر کریں گے جو پیغمبرانہ منہاج دعوت میں مشترک حیثیت کی حامل ہیں:

دعوت کی زبان

پیغمبرانہ منہاج دعوت کی اولین خصوصیت زبان کی لطافت اور فصاحت ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی زبان اور ان کا اسلوب بیان انفرادیت کا نمونہ ہوتا ہے۔ اس طرز کلام

Marfat.com

میں پیغمبر کی شخصیت صاف جھلکتی دکھائی دیتی ہے اس میں نرم روی (مخاطب کی ذہنی سطح اور نفسیات کے مطابق الفاظ کا انتخاب شامل ہے) ہر نبی اپنے دور کا سب سے بڑا فصیح و بلیغ انسان ہوتا ہے۔ (شعیبؑ کے بارے میں مفسرین نے "خطیب الانبیاء" کالقب استعمال کیا) ہے۔ (مولانا سیوہاروی کے بقول شعیبؑ بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے) شیریں کلامی، حسن خطابت طرز بیان اور طلاقت لسانی میں بہت نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔[۲۹]

داؤد کے بارے میں قرآن نے بیان کیا۔

وآتیناه فصل الخطاب[۳۰]

ہم نے انہیں فیصلہ کن خطاب سے نوازا

موسیٰؑ کو اظہار بیان کے لئے مشکلات کا احساس تھا تو انہوں نے نبوت ملتے ہی خدا کے حضور طلاقت لسانی کی درخواست پیش کردی۔ قرآن کے مطابق انہوں نے دعا کی:

رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدہ من لسانی یفقھوا قولی[۳۱]

پروردگار میرا سینہ کھول دے میرا کام میرے لئے آسان کردے میری زبان کی گرہ کھول دے میری بات لوگوں کے دلوں میں اتر جائے۔

اس دعا کی تاثیر تھی کہ موسیٰؑ بے تکان بات کرتے اور دعوت الی اللہ کے بیان میں فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ معیار پیش کرتے۔ دعا کی تاثیر کا یقین ہونے کے باوجود بارگاہ ایزدی میں اپنے بھائی کی معاونت منظور کراتے ہیں اور اس درخواست میں اپنے بھائی کی فصاحت کا خصوصی ذکر کرتے ہیں۔

واخی ہارون ھوافصح منی لسانا فارسلہ معی ردا یصدقنی انی اخاف ان یکذبون[۳۲]

(میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح ہے اسے میرا مددگار بنا کر بھیج دو تاکہ میری تصدیق کرے مجھے ڈر ہے کہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے)

(حضور اکرم ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا:

انا افصح العرب[۳۳]

میں عرب کا سب سے زیادہ فصیح انسان ہوں

واعطیت جوامع الکلم (۳۴)

مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں

انبیاء کی زبان اپنے عہد کی معیاری زبان اور پاکیزہ ہوتی ہے ان کے ہاں کسی قسم کا ابتذال نہیں ہوتا اور ان کے اسلوب میں وقار کے منافی کوئی جملہ نہیں ہوتا لیکن ان کی فصاحت و بلاغت کے علاوہ زبان کے بارے میں ایک اور پہلو بھی اہم ہے اور وہ ہے داعی اور مخاطب کی زبان کی ہم آہنگی' دعوت کا اصل مقصود پیغام کا ابلاغ ہے اگر ابلاغ نہ ہو تو ساری کاوش بیکار ہے۔ کامل ابلاغ کے لئے ضروری ہے کہ داعی کو مخاطبین کی زبان' اس کے محاورہ اور اس کی تنسیق کے بارے میں مکمل علم ہو۔ وہ جب خطاب کرے تو اسے اس زبان میں اظہار پر کوئی دقت پیش نہ آئے یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء اپنی قوم ہی کی طرف مبعوث ہوئے۔ وہ قوم کی زبان بولتے اور ان کی معیشت و معاشرت سے پوری طرح واقف ہوتے۔ قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم (۳۵)

ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان میں بھیجا ہے تاکہ صاف صاف بیان کردے۔

تاریخ انبیاء شاہد ہے کہ ان حضرات نے اپنے بیان کی قوت اور زبان کی سلاست سے اپنے مخاطبین کو مسحور کیا۔ کسی نبی کے مخاطبین نے اس کی زبان اور اس کے بیان پر اعتراض نہیں کیا بلکہ زبان کی فصاحت اور بیان کی وجہ سے انہیں جادوگر اور شاعر کہا۔ قرآن مجید نے مشرکین مکہ کے اعتراض کو رد کرتے ہوئے کہا ہمارا پیغمبر شاعر نہیں ہے۔ شاعر کی زبان اور پیغمبر کی زبان میں فرق ہے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

وما علمنہ الشعر وما ینبغی لہ (۳۶)

ہم نے ان کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ ان کے شایان ہے۔

نبی کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے اور اس کی ساری سرگرمیاں اسی مقصد کے

Marfat.com

گرد گھومتی ہیں اس کی زبان کا اسلوب' اس کے انداز بیان' اس کے دلائل اور اس کی ساری سرگرمیاں اسی مقصد کے گرد گھومتی ہیں اس کی زبان کا اسلوب' اس کا انداز بیان' اس کے دلائل' اس کی تمثیلات سب اسی مقصد کی تفہیم کے لئے وقف ہوتے ہیں۔ چونکہ شاعر اپنی خواہشات و احساسات کا تابع ہوتا ہے اس لئے اس کے بیان کا حسن اور زبان کی ندرت کسی بھی مقصد کے لئے استعمال ہوسکتے ہیں۔ شعراء کے متعلق قرآن کا تبصرہ مندرجہ ذیل آیت میں ملاحظہ کریں:

والشعراء یتبعھم الغاوون الم ترانھم فی کل وادیھیمون وانھم یقولون مالا یفعلون (۳۷)

اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سرمارتے پھرتے ہیں اور کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں۔

انبیاء کی زبان بلاشبہ ان کی قوم اور ان کے مخاطبین کی زبان ہوتی ہے لیکن وہ رطب و یابس سے محفوظ اور اپنی نوعیت کی منفرد زبان ہوتی ہے۔ الفاظ و تراکیب وہی ہوتے ہیں لیکن اس کا نظم انبیاء کے شایان شان ہوتا ہے ان کے لہجے کی مٹھاس اور الفاظ کا در و بست ایسا ہوتا ہے جس کا استعمال صرف انہی کے بس میں ہوتا ہے۔ وہ مخالفین کے استہزاء اور معاندین کی رکیک زبان کا جواب اس انداز میں دیتے ہیں کہ اسے پیغمبرانہ اسلوب کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ نوحؑ سے لے کر محمد رسول اللہؐ تک ہر نبی کو گھٹیا اور بازاری زبان کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنی مقام رفیع سے نیچے نہیں اترا اور کوئی ایسا لفظ یا محاورہ نہیں استعمال کیا جو پیغمبرانہ شان سے فروتر ہو یہی دعوت الی اللہ کا تقاضا ہے۔ ایک داعی کو اپنے مخاطبین کی زبان کا ایسا ادراک ضروری ہے جس سے وہ ان کے دلوں پر دستک دے سکے اور جب ان سے مخاطب ہو تو وہ کسی قسم کی اجنبیت نہ محسوس کریں۔ اس کے ساتھ اسکی زبان میں کوئی ایسا اشارہ نہ ہو جسے وہ اس کی شخصیت کے خلاف استعمال کرسکیں۔ قادر الکلامی' پاکیزہ انداز اظہار' شستہ و شائستہ زبان' دعوت الی اللہ کے لئے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ پیغمبرانہ منہاج دعوت میں اسے اولین اہمیت حاصل ہے۔

مضبوط استدلال

پیغمبرانہ منہاج دعوت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک مضبوط استدلال پر مبنی ہے۔ انبیاء نے اپنے مخاطبین کو غور و فکر کی دعوت اور تفکر و تدبر کی راہ پر ڈالا۔ جہاں عقلی دلائل کی ضرورت پڑی وہاں عقلی دلائل مہیا کیے جہاں مشاہداتی براہین کو ضروری سمجھا وہاں انہیں پیش کیا اور جب معجزہ دکھانا ناگزیر ہوگیا تو معجزہ کے ذریعہ حق کو مبرہن کیا۔ انبیاء کی دعوت بے دلیل اور ان کا پیغام عقل کے خلاف نہیں ہوتا تھا۔ دعوت کے تینوں بنیادی اصولوں۔ توحید' آخرت اور رسالت پر دلائل کا وسیع سلسلہ موجود ہے۔ نوحؑ سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک ہر نبی کے ذکر میں پرشکوہ دلائل موجود ہیں۔ تفصیلات تو ہر نبی کے ذکر میں موجود ہیں لیکن یہاں نمونہ کے طور پر چند ایک درج کی جاتی ہیں۔ انہیں بیان کرنے سے پہلے قرآن کا بیان ملاحظہ کریں جس میں دلیل کی قوت کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

(لیهلک من هلک عن بینة ویحیی من حی عن بینة وان الله سمیع علیم [۳۸]

تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو جیتا رہے وہ دلیل سے جئے اور اللہ ہے سننے والا اور جاننے والا)

قرآن میں عقلی و مشاہداتی دلائل کا ایک شاندار سلسلہ ہے مثلاً مخاطب کو دعوت دیتے ہوئے کہا:

(قل هل عندكم من علم فتخرجوه لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون قل فلله الحجة البالغه [۳۹]

اے پیغمبر آپ فرمادیں کہ تمہارے پاس کوئی یقینی علم ہے کہ اس کو تم ہمارے لئے ظاہر کرو تم تو گمان ہی کے پیچھے چلتے ہو اور تم تو اٹکل ہی کرتے ہو۔ آپ فرمادیں کہ اللہ ہی کی ہے پہنچی ہوئی دلیل۔)

وکاین من آیة فی السموت والارض یمرون علیها وهم عنها

Marfat.com

معرضون (۴۰)

اور آسمانوں اور زمین میں (خدا کی توحید کی) کتنی نشانیاں (دلیلیں) ہیں جن پر وہ گذر جاتے ہیں اور ان پر غور نہیں کرتے۔

وفی الارض آیات للمومنین وفی انفسکم افلا تبصرون (۴۱)

اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے اور خود تمہارے اندر نشانیاں ہیں تم دیکھتے نہیں؟

انبیاء کے مضبوط استدلال کی ایک مثال نوحؑ کا بیان ہے جسے قرآن نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

فقلت استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموالکم وبنین ویجعل لکم جنت ویجعلکم انهارا مالکم لا ترجون لله وقارا وقد خلقکم اطوارا الم تروکیف خلق الله سبع سموت طباقا وجعل القمر فیهن نورا وجعل الشمس سراجا والله انبتکم من الارض نباتا۔ ثم یعیدکم فیها ویخرجکم اخراجا والله جعل لکم الارض بساطا لستلکوا منها سبلا فجاجا (۴۲)

میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو' بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا' تمہارے لئے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کے لئے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے۔ حالانکہ اس نے طرح طرح سے تمہیں بنایا ہے۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہہ بر تہہ بنائے اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا؟ اور اللہ نے تم کو زمین سے عجیب طرح اگایا پھر وہ تمہیں اسی زمین میں واپس لے جائے گا اور اس سے یکایک تم کو نکال کھڑا کرے گا۔ اور اللہ نے زمین کو تمہارے لئے فرش کی طرح بچھا دیا

تاکہ تم اس کے اندر کھلے راستوں میں چلو

قرآن نے ان مباحثوں کو بھی نقل کیا جو انبیاء کو مختلف معاندین سے کرنا پڑے۔ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے مباحثے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ غیر اللہ سے مانگنے کے سلسلے میں قرآن کا استدلال ملاحظہ کریں اور اندازہ ہو کہ پیغمبرانہ استدلال کی ربانی آواز کس درجہ موثر ہے۔ فرمایا

له دعوة الحق والذين يدعون من دونه لا يستجيبون لهم بشئى الا كباسط كفيه الى الماء ليبلغ فاه وما هوببالغه وما دعاء الكافرين الا في ضلل (۴۳)

حقیقی پکارنا تو صرف اس کو پکارنا ہے رہے وہ جن کو یہ اس کے سوا پکارتے ہیں تو وہ ان کی کوئی بھی داد رسی نہیں کرسکتے۔ ان کو پکارنا ایسا ہی ہے کہ کوئی اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف بڑھائے کہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے دارانحالیکہ وہ کسی طرح اس کے منہ تک پہنچنے والا نہ ہو۔ ان کافروں کی فریاد محض صدا بصحرا ہوگی۔

اسی طرح یوسف کا جیل کا وعظ (۴۴) پیغمبرانہ محکم استدلال اور شکوہ بیان کا نمونہ ہے انبیاء کی دعوت اتنے محکم دلائل پر مبنی ہوتی ہے کہ منکرین و معاندین لاجواب ہوتے ہوئے محض ہٹ دھرمی اور ضد سے اس کا انکار کردیتے۔ قرآن مجید ان معجزانہ دلائل سے بھرا پڑا ہے۔ دعوت کی صداقت کا زور اس کے دلائل کے زور سے ثابت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی نبی بھی دلائل کی قوت سے محروم نہ تھا اور جہاں ضرورت پڑتی وہاں آخری اور حتمی دلیل معجزہ بھی مہیا کردی گئی تاکہ منکرین پر اتمام حجت ہوجائے۔ غیر نبی داعی کے لئے معجزے کے لئے علاوہ سارے دلائل کا موجود ہونا ازبس ضروری ہے۔ عقلی اور مشاہداتی دلائل کے ساتھ عمدہ نصیحت بھی لازمی ہے جو داعی کی خیرخواہی اور بے غرضی کو ثابت کرے گی۔

قیادت کو خطاب

انبیاء علیہم السلام کی دعوت اگرچہ عمومی نوعیت کی حامل ہوتی ہے لیکن پیغمبرانہ

Marfat.com

منہاج کی خصوصیت یہ ہے کہ اولین مخاطب اس قوم کی قیادت ہوتی ہے یہ الگ بات ہے' ان کی قسمت　 اس دعوت پر لبیک کہنا نہیں لکھا ہوتا اور وہ اولین مخالفین میں ہوتے ہیں۔ انسانی معاشروں کی ساخت ایسی ہوتی ہے کہ اس میں کچھ انسانوں کو قیادت کا مقام حاصل ہوتا ہے وہ اپنی قوت' اثر و رسوخ اور دولت و ثروت کے باعث عام انسانوں کے لئے نمونہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنی گفتار و کردار کے لحاظ سے رائے عامہ پر اثرانداز ہوتے ہیں ان کے اثر و رسوخ میں اچھے عوامل کا ہونا ضروری نہیں ان کے ظلم و عدوان اور جبر و تشدد کی وجہ سے بھی عام انسان مجبوراً ان کی متابعت کرتا ہے اور ان کے طے کردہ ضابطوں کی پیروی کرتا ہے۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح رائے عامہ پر اثرانداز ہوتے ہیں اور عام معاشرے پر مسلط ہوتے ہیں۔ معاشرے کی بہت سی برائیاں اور خرابیاں انہی کی وجہ سے ہوتی ہیں اور ان کی اصلاح سے معاشرے پر اچھے اثرات مرتب ہونے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں اس لئے انبیاء علیہم السلام سب سے پہلے انہی کو مخاطب کرتے ہیں۔ معاشرے کے با اختیار لوگوں کا دعوت قبول کرلینا عام آدمی کے لئے آسانیاں پیدا کردیتا ہے اور ان کی مخالفت کی وجہ سے عام آدمی کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے وہ دعوت کے پیغام کو درست سمجھتے ہوئے بھی اکثر اوقات خطرات کے باعث قبول حق کے لئے پس و پیش کرتا ہے۔ یہ ایک قدرتی ترتیب ہے جسے عقل عام قبول کرتی ہے اور انبیاء علیہم السلام نے اسے خصوصی حکمت عملی کے طور پر اپنایا ہے ورنہ دعوت الی اللہ کا مزاج عمومی ہے اور اس کا پیغام ہر فرد بشر کے لئے ہوتا ہے۔ تاریخ انبیاء سے واضح ہوتا ہے کہ گو اولین مخاطب سرداران قوم یا صاحب اختیار فرد ہوتا ہے لیکن قبولیت دعوت کا اولین شرف معاشرے کے پسماندہ طبقوں کو حاصل ہوتا ہے نوحؑ سے محمد رسول اللہ تک اولین مومنین کا تعلق محروم طبقات سے تھا اور انہیں استہزاء اور ایذاء کا سامنا تھا۔ بلال حبشی' آل یاسر اور اسی طرح کے دوسرے لوگوں کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ تاریخی حقیقت ہے۔ نوحؑ کو اپنے متبعین کے حوالے سے جس طرح طعنوں کا سامنا تھا اسے قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فقال الملاء الذین کفروا من قومه ما نرلک الا بشرا مثلنا وما

Marfat.com

نرلک اتبعک الا الذین ھم اراذلنا بادی الرای ومانری لکم علینا من فضل بل نظنکم کاذبین (۴۵)

اس کی قوم کے سربراہوں نے جنہوں نے کفر کیا' جواب دیا کہ ہم تو تم کو بس اپنا ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں اور ہم تمہاری پیروی کرنے والوں میں انہی کو پاتے ہیں جو ہمارے اندر کے ذلیل لوگ ہیں بے سمجھے بوجھے تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں اور ہم تم لوگوں کے لئے اپنے مقابل میں کوئی خاص امتیاز بھی نہیں دیکھ رہے ہیں بلکہ ہم تم کو بالکل جھوٹا خیال کررہے ہیں۔

موسیٰؑ کو براہ راست فرعون کی طرف مبعوث کیا گیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ زعماء اور اعیان سلطنت بھی شامل تھے۔ ابراہیمؑ کو بھی وقت کے اقتدار کے سامنے اپنی دعوت پیش کرنا پڑی۔ حضور اکرمؐ نے بھی اپنے قبیلے کے اشراف کو بلا کر ان کے سامنے دعوت پیش کی۔ قرآن اسے وانذر عشیرتک الاقربین (۴۶) یعنی اپنے سب سے نزدیک اہل خاندان کو آگاہ و ہشیار کرو کے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ آپ نے تمام عربوں کو بھی مخاطب کیا اور آخر کار گردو پیش کے حکمرانوں کو بھی خطوط لکھے لیکن آپ کی دعوت کے اولین مخاطبین اشراف قریش تھے۔

تاریخ انبیاء سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دعوت کی مخالفت میں یہی صاحبان اثر و رسوخ پیش پیش ہوتے ہیں۔ چونکہ ان کی نظر سطحی احوال پر ہوتی ہے اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ اس دعوت کو قبول کرنے کے نتیجے میں انکی سیادت اور ان کا اثر و رسوخ ختم ہوجائے گا حالانکہ نئی دعوت کی کامیابی کی صورت میں قیادت انہی کے پاس ہوتی ہے جو سب سے پہلے اسے قبول کرتے ہیں۔ غالباً" سب سے بڑی وجہ ان کی شرپسندی اور بغاوت ہوتی ہے جو انہیں اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی متابعت سے روکتی ہے چونکہ وہ دعوت کو رد کر بیٹھتے ہیں اس لئے اسکے خلاف دلائل بھی مہیا کرتے ہیں اور عملاً صف آرا بھی ہوتے ہیں قرآن مجید نے اس لئے مخصوص گروہ کو الملاء سے تعبیر کیا ہے اور نوحؑ سے لے کر موسیٰؑ تک ان کے دلائل اور ان کے تبصروں کو نقل

Marfat.com

کیا ہے۔ انہوں نے نہ صرف انبیاء کی تحقیر اور ان کا استہزا کیا بلکہ عملاً" بھی انہیں نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی بھی کی۔ یہ تو مشیت ایزدی کی مداخلت ہے جس سے وہ اپنے متبعین سمیت تباہ ہوتے ہیں اور انبیاء اور ان کے پیرو کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔

پیغمبرانہ منہاج دعوت میں صاحبان اثر و رسوخ کو دعوت کا اولین ہدف قرار دینا بالکل واضح ہے لہٰذا ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاشرے کی قیادتوں کو نظرانداز نہ کرے۔ ان پر محنت کرے، انہیں بار بار خطاب کرے اور ان سے اس وقت تک تعلق نہ توڑے جب تک وہ خود دشمنی پر آمادہ نہ ہوجائیں۔ نوحؑ کا طرز عمل مثال ہے۔

ثم انی دعوتھم جھارا ثم انی اعلنت لھم واسررت لھم اسرارا (۴۷)

پھر میں نے ان کو ہانکے پکارے دعوت دی پھر میں نے علانیہ بھی ان کو تبلیغ کی اور چپکے چپکے بھی سمجھایا

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دعوت الی اللہ ایک **Elitist Process** ہے اور عام انسانوں سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ دعوت الی اللہ کا مزاج عمومی ہے اور عام انسان تک اس پیغام کا پہنچنا ایک بدیہی امر ہے۔ مخصوص گروہ کو شامل کرنے کی خاطر عامتہ الناس کو نظرانداز کرنا کسی طرح بھی دعوت کے مزاج کے مطابق نہیں ہے یہ تو صرف آغاز کی بات ہے۔ داعی کو حالات پر نظر رکھنی چاہیے اور جہاں جہاں بھی دعوت کی قبولیت کے سامان ہوں وہاں اجتماعیت کی تشکیل پاجانی چاہیے اور بالاخر داعی کو طے کرنا ہوتا ہے کہ وہ کب تک صاحبان اثر و رسوخ کی طرف متوجہ رہے گا۔ ان کے رویے، ان کی زبان/اور ان کے طرز ہائے عمل واضح کردیں گے کہ ان تلوں میں تیل نہیں ہے تاریخ انبیاء سے ہی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدقسمت گروہ بالاخر محروم ہی رہتا ہے اور عامتہ الناس ہی کا ایک طبقہ لبیک کہتے ہوئے دنیا و آخرت کی بھلائی سمیٹ لیتا ہے۔ چونکہ داعی ہمدرد و خیرخواہ ہوتا ہے اس لئے وہ آخری لمحے تک کوشاں رہتا ہے کہ یہ لوگ آگ اور عذاب سے بچ جائیں۔

عملی تصادم سے گریز

پیغمبرانہ منہاج دعوت میں ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ داعی عملی تصادم سے گریز کرتا ہے۔ وہ مصائب پر صبر کرتا ہے' مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے اور اذیتوں کو برداشت کرتا ہے لیکن عملی تصادم سے گریز کرتا ہے۔ اگر حالات برداشت سے باہر ہوجائیں تو پھر ہجرت کی راہ ہے نوحؑ سے لے کر مسیحؑ تک یا صبر اور ہجرت ہے اور یا مخاطبین کی تباہی و بربادی اور داعی کی کامیابی۔ ابراہیمؑ کی ہجرت اور حضور اکرمؐ کی ہجرت بطور مثال پیش کی جاسکتی ہے دیگر انبیاء کی قومیں اس دنیا میں عذاب و تباہی کا شکار ہوئی ہیں۔

قوم نوحؑ' قوم عادؑ' قوم صالحؑ' قوم موسیٰ اور فرعون موسیٰؑ سب اپنے انجام کو پہنچیں۔ مسیحؑ کی مثال منفرد ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے بچالیا اور حضور اکرمؐ کی مثال بھی منفرد ہے کہ انہیں عملی تصادم کی اجازت ملی اور ہجرت کے ساتھ جہاد کا اصول بھی قائم ہوا۔ ہجرت و جہاد کا' دعوت الی اللہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ لیکن انہیں ہم حضور اکرمؐ کی دعوت کے بیان تک موخر کرتے ہیں۔

ان مختصر گذارشات کے ساتھ ہم انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تفصیلی بیان پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ کتاب دعوت کے طلبہ اور اساتذہ کے لئے بالخصوص اور دینی کتب کے عام قاری کے لئے بالعموم مفید ثابت ہوگی۔ اسے ہم نے مسیحؑ تک رکھا ہے کیونکہ حضور اکرمؐ کی ذات گرامی کے لئے مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ موسیٰؑ کے حالات کو بھی غرق فرعون تک رکھا ہے۔ قلزم عبور کرنے کے بعد موسیٰؑ کو اپنی قوم سے سابقہ تھا۔ یہ لوگ بگڑے ہوئے مسلمان تھے ان میں کام کی نوعیت بالکل مختلف ہے جسے ایک اور انداز سے پیش کرنے اور تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ بشرط زندگی اگلے ایڈیشن میں یہ حصہ بھی شامل ہوجائے گا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے قبولیت بخشے اور باعث نفع بنائے۔ آمین

خالد علوی

برمنگھم ۲۰ر جون' ۱۹۹۸ء

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ الانعام / ۹۱
۲۔ النمل / ۱۲۳
۳۔ الممتحنہ / ۴
۴۔ الاحزاب / ۳۱
۵۔ النساء / ۶۴
۶۔ النساء / ۶۵
۷۔ ص / ۴۸
۸۔ طہ / ۴۱
۹۔ الانعام / ۱۲۵
۱۰۔ النجم / ۹ ۔ ۱۰
۱۱۔ المومن / ۴۱ ۔ ۴۳
۱۲۔ الاعراف / ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵، ھود / ۴۰، ۶۱، ۸۴، المومنون / ۲۳، ۳۲، النمل / ۴۵، العنکبوت / ۱۶، ۳۶، نوح / ۳
۱۳۔ النحل / ۳۶
۱۴۔ الانبیاء / ۲۵
۱۵۔ الرعد / ۳۶
۱۶۔ یوسف / ۱۰۸
۱۷۔ الشعراء / ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۴۴، ۱۵، ۱۶۳، ۱۷۹، الزخرف / ۶۳، نوح / ۳
۱۸۔ نوح / ۳ ۔ ۴
۱۹۔ المومنون / ۳۳ ۔ ۳۷
۲۰۔ طہ / ۱۵ ۔ ۱۶
۲۱۔ الانعام / ۶۰
۲۲۔ یونس / ۲۳
۲۳۔ العنکبوت / ۶۴

Marfat.com

۲۴۔ الشعراء / ۱۰۹، ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۶۴، ۱۸۰

۲۵۔ الانعام / ۹۰

۲۶۔ ھود / ۲۹

۲۷۔ ایضاً / ۵۱

۲۸۔ ص / ۸۶

۲۹۔ قصص القرآن، ۱ / ۳۴۸

۳۰۔ ص / ۳۰

۳۱۔ طہٰ / ۲۶ ۔ ۲۸

۳۲۔ القصص / ۲۴

۳۳۔ احیاء، ۲ / ۲۶۴، الشفاء ۱۰ / ۴۷

۳۴۔ بخاری، کتاب التعبیر، باب المفاتیح فی الید، ۸ / ۷۶، مسلم کتاب المساجد، ۲ / ۶۴

۳۵۔ ابراہیم / ۴

۳۶۔ یٰس / ۶۹

۳۷۔ الشعراء / ۲۲۴ ۔ ۲۲۶

۳۸۔ الانفال / ۴۲

۳۹۔ الانعام / ۱۴۸ ۔ ۱۴۹

۴۰۔ یوسف / ۱۰۵

۴۱۔ الذاریات / ۲۰ ۔ ۲۱

۴۲۔ نوح / ۱۰ ۔ ۲۰

۴۳۔ الرعد / ۱۴

۴۴۔ یوسف / ۳۱ ۔ ۴۰

۴۵۔ ھود / ۲۷

۴۶۔ الشعراء / ۲۱۴

۴۷۔ نوح / ۸ ۔ ۶

Marfat.com

Marfat.com

آدم علیہ السلام

دعوت کے کام کی طرف پہلا اشارہ ہمیں قصہ آدم میں ملتا ہے اور اس کے بعد انبیاءؑ کی زندگیوں میں دعوت کے عملی نمونے نظر آتے ہیں۔ قرآن پاک نے آدمؑ کو جس طرح متعارف کرایا ہے اس سے چند حقائق واضح ہوتے ہیں۔ ان حقائق کا دعوت کی نوعیت و ضرورت سے گہرا تعلق ہے۔ انسانی فطرت اور اس کے دواعی کا ادراک ایک داعی کا اثاثہ ہے اور اس کی معرفت کے لئے آدمؑ کی شخصیت بے حد اہم ہے۔

تخلیق آدم

سب سے پہلی حقیقت تخلیق آدم سے متعلق ہے۔ قرآن نے تخلیق آدم کو ایک فرد کی تخلیق کے طور پر نہیں پیش کیا بلکہ ایک نمائندہ کی حیثیت سے فرشتوں سے اپنے منصوبے کا ذکر کرتے ہوئے اور ان کے خدشات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ ۔ قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک قال انی اعلم مالا تعلمون(۱)

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتے بولے کیا تو زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو اس میں فساد برپا کرے اور خونریزیاں کرے؟ اور ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کر رہے ہیں۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلاشبہ میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔

آدم علیہ السلام کو خلیفہ کے لقب سے متعارف کرانے کے معنی یہ ہیں کہ آدمؑ اور اس کی نسل کے ذمہ زمین کا انتظام کرنا ہوگا۔ اس کا اشارہ قرآن پاک کی ان آیات میں بھی

Marfat.com

ہے جن میں بنی آدم کی تکریم اور بار امانت کا ذکر ہے۔(۲) اس سے واضح ہوتا ہے کہ نسل آدم کی ذمہ داری ہے کہ نیابت الٰہی کے تقاضوں کے مطابق دنیا کا انتظام کرے۔ یہی وہ بنیادی حیثیت ہے جس کے حوالے سے نسل انسانی میں خیر و فلاح کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ قرآن پاک نے تخلیق کے مقاصد ہی کے حوالے سے یہ اعلان فرمایا:

وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون (۳)

ہم نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس غرض سے کیا کہ وہ ہماری عبادت کریں۔

آزمائش

دوسری حقیقت آزمائش کی ہے۔ قصہ آدم میں ایک طرف فرشتوں کی آزمائش تھی کہ انہوں نے اپنی پاکیزگی' اطاعت بندگی اور تسبیح و تقدیس کی بات کی تھی اور دوسری طرف آدم کی کہ اسے اطاعت الٰہی پر استقامت اختیار کرنا تھی۔ قرآن پاک نے فرشتوں کو آدم کی تعظیم کا جو حکم دیا تھا وہ تخلیق آدم ہی کے حوالے سے تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:

و اذ قال ربک للملائکۃ انی خالق بشرا من صلصال من حما مسنون ۔ فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوالہ ساجدین ۔ فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس ابی ان یکون مع الساجدین (۴)

اور یاد کرو جب کہ آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں تو جب میں اس کو مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح میں سے روح پھونک لوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر جانا تو سارے فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے ان سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کردیا۔

اس آزمائش میں فرشتے پورے اترے لیکن جنوں میں سے ایک فرد ابلیس نے انکار کردیا۔ جن چونکہ ناری مخلوق ہیں اور تخلیقی اعتبار سے فرشتوں سے زیادہ مختلف

Marfat.com

نہیں اس لئے علی سبیل التغلیب اس کلمہ میں شامل ہیں۔ نوری و ناری مخلوق کا گلی سڑی مٹی سے پیدا کئے جانے والے کے سامنے تعظیم بجا لانا حکم خداوندی کی اطاعت کے لئے ان کا امتحان تھا۔ ابلیس کے ذکر میں قرآن نے دو چیزیں واضح کیں۔ ایک یہ کہ ابلیس جنوں میں سے تھا اور دوسرا یہ کہ اس نے استدلال میں آدم کی تخلیقی اساس کو استعمال کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

و اذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ (۵)

(اور یاد کرو جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ سجدہ کرو آدم کو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے، وہ جنوں میں سے تھا، اس نے اپنے رب کے حکم سے انحراف کیا۔)

ابلیس نے انکار کی وجہ بیان کرتے ہوئے تخلیقی بنیاد کو خاص طور پر ذکر کیا۔ قرآن مجید نے اس استدلال کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔

قال یا ابلیس مالک الا تکون مع الساجدین۔ قال لم اکن لاسجد لبشر خلقتہ من صلصال من حماء مسنون (۶)

(اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ وہ بولا میرا یہ کام نہیں کہ میں ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے پیدا کیا ہے۔)

و اذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس۔ قال ءاسجد لمن خلقت طینا (۷)

اور یاد کرو جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ سجدہ کرو، آدم کو تو انہوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے، اس نے کہا۔ کیا میں ایسی ہستی کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟

قال یا ابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی۔ استکبرت ام کنت من العالین قال انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من

Marfat.com

طین۔ (۸)

اللہ تعالیٰ نے کہا: "اے ابلیس تجھے کس چیز نے اسے سجدہ کرنے سے روکا' جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا؟ تو نے یہ تکبر کیا ہے یا تو کوئی برتر ہستی ہے؟ وہ بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے۔

ثم قلنا للملائکة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس لم یکن من الساجدین قال ما منعک الا تسجد اذ امرتک قال انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین (۹)

اور پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں تھا۔ اللہ نے فرمایا۔ تجھے کس بات نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ ہم نے تجھے حکم دیا تھا؟ بولا' اس بات نے کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔

آدمؑ کی آزمائش یہ تھی کہ انہیں اور ان کی رفیقہ حیات کو جنت میں رہنے کا حکم دیا اور یہ ہدایت کی کہ اس درخت کے پاس نہ پھٹکنا یہ بھی حکم خداوندی کی اطاعت کا امتحان تھا۔ قرآن مجید نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

وقلنا یادم اسکن انت و زوجک الجنة وکلا منها رغداً حیث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة فتکونا من الظالمین (۱۰)

اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور اس میں سے جہاں چاہو فراغت کے ساتھ کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ ظالموں میں سے بن جاؤ گے۔

سورۂ طٰہٰ میں جنت کی زندگی کی ہلکی سی جھلک بھی دکھائی گئی ہے۔ فرمایا:

فقلنا یا آدم ان هذا عدولک و لزوجک فلا یخرجنکما من الجنة فتشقی ان لک الا تجوع فیها ولا تعری وانک لا تظموا

Marfat.com

فیھا ولا تضحٰی۔ (۱۱)

پس ہم نے کہا: آدم' دیکھو یہ ابلیس تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں جنت سے نکلوادے اور پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ اس جنت میں تمہیں یہ آسائشیں حاصل ہیں کہ نہ کبھی بھوکے ہوئے ہو نہ ننگے اور یہاں نہ تم پیاسے ہوتے ہو نہ دھوپ میں رہتے ہو۔

اس آزمائش کا عجیب پہلو یہ ہے کہ فرشتے اپنی اطاعت کیشی کی وجہ سے اس میں پورے اترے۔ ابلیس نے بغاوت کا رویہ اختیار کیا۔ اور آدمؑ نے بھی غلطی کا ارتکاب کیا۔ ابلیس اور آدمؑ نے چونکہ اپنے اپنے انداز کے مطابق حکم خداوندی کی نافرمانی کی تھی اس لئے انہیں جرم و خطا کے مطابق خمیازہ بھگتنا پڑا۔

ابلیس کی دشمنی و فریب کاری

ابلیس نے تکبر کیا اور آدمؑ کو حقیر قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کیا۔ اس بغاوت کی بنیاد پر اسے رحمت الٰہی سے دور کردیا گیا۔ ابلیس نے نہ صرف اپنے انکار کے حق میں حجت بازی کی بلکہ رب تعالیٰ سے قیامت تک کے لئے مہلت مانگی تاکہ وہ آدمؑ اور اس کی اولاد کے خلاف کام کرسکے۔ اس کے بقول چونکہ آدم اس کے مردود ہونے کا باعث ہے لہٰذا اس کے خلاف سرگرم عمل ہونے کی اجازت چاہی جو اسے عطا کی گئی۔ قصہ آدم میں یہ بات وضاحت سے بیان کردی گئی کہ ابلیس اور اس کی ذریت آدم اور نسل آدم کی دشمن ہے اور اس دشمنی میں اس کا کام یہ ہے کہ وہ آدم و نسل آدم کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے اور نافرمانی اور بغاوت پر اکسائے۔ دعوت الی اللہ کے حوالے سے یہ بات بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ انسان شیطان کی فریب کاریوں اور وسوسہ اندازیوں سے خبردار رہے۔ دعوت الی اللہ کا ایک اہم جزو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر خبردار اور متنبہ کرنا ہے دوسرے لفظوں میں شیطان کے بہکاوے سے خبردار کرنا ہے۔ شیطان کی دشمنی کا مضمون قرآن پاک میں جا بجا موجود ہے لیکن یہاں ہم آدمؑ کے حوالے سے چند آیات کا ذکر کریں گے:

Marfat.com

فازلهما الشيطن عنها فاخرجهما مما كانا فيه (۱۲)

تو شیطان نے ان کو وہاں سے پھسلا دیا اور ان کو نکلوا چھوڑا اس عیش و آرام سے جس میں وہ تھے۔

شیطان نے آدمؑ کو جو فریب دیا اور جس انداز سے پھسلایا قرآن نے اسے اپنے طریق سے بیان کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیطان مکر و فریب کی کس حد تک چلا جاتا ہے۔

فوسوس لهما الشيطن ليبدى لهما ماوري عنهما من سوآتهما و قال مانهكما ربكما عن هذه الشجرة الا ان تكونا ملكين اوتكونا من الخالدين وقاسمهما انى لكما لمن الناصحين (۱۳)

پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کی شرمگاہیں جو ان سے چھپائی گئی تھیں انہیں کھول دکھائے۔ اس نے کہا: تمہارے رب نے اس درخت سے جو تمہیں روکا ہے تو صرف اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں ہوجاؤ۔ اور اس نے ان سے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ میں حقیقت میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

فوسوس اليه الشيطن قال يا دم هل ادلك على شجرة الخلدو ملك لا يبلى (۱۴)

لیکن پھر شیطان نے آدم کو پھسلایا اور اس سے کہا: آدم تمہیں بتلا نہ دوں ہیشگی کا درخت (جس کا پھل کھا کر سدا جیتے رہو) اور ایسی بادشاہی کہ کبھی زائل نہ ہو۔

شیطان نے اللہ تعالیٰ سے جو مہلت مانگی تھی اسی میں نسل آدم کے ساتھ دشمنی، فریب کاری کی منصوبہ بندی شامل تھی۔ قرآن نے اس کے طریق واردات کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ ہم یہاں صرف چند آیات درج کرتے ہیں:

Marfat.com

ما منعک الا تسجد اذ امرتک قال انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین قال فاهبط منها فما یکون لک ان تتکبر فیها فاخرج انک من الصغیرین قال انظرنی الی یوم یبعثون قال انک من المنظرین قال فبما اغویتنی لا قعدن لهم صراطک المستقیم ثم لا تینهم من بین ایدیهم ومن خلفهم و عن ایمانهم وعن شمائلهم ولا تجد اکثر هم شاکرین قال اخرج منها مذءوما مدحورا لمن تبعک منهم لا ملئن جهنم منکم اجمعین (۱۵)

کس بات نے تجھے جھکنے سے روکا جبکہ میں نے حکم دیا تھا؟ کہا اس بات نے کہ میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اسے مٹی سے۔ فرمایا: جنت سے نکل جا' تیری یہ ہستی نہیں کہ یہاں رہ کر سرکشی کرے یہاں سے نکل دور ہو۔ یقیناً تو ان میں سے ہوا جو ذلیل و خوار ہیں۔(ابلیس نے کہا: مجھے اس وقت تک مہلت دے جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے مہلت ہے۔ اس پر ابلیس نے کہا: چونکہ تو نے مجھ پر راہ بندی کردی تو اب میں بھی ایسا ضرور کروں گا۔ تیری سیدھی راہ سے بھٹکانے کے لئے بنی آدم کی تاک میں بیٹھوں۔ پھر سامنے سے' پیچھے سے' داہنے سے' بائیں سے (غرضیکہ ہر طرف سے) ان پر آؤں اور تو ان میں سے اکثروں کو شکر گزار نہ پائے گا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہاں سے نکل جا ذلیل اور ٹھکرایا ہوا۔ بنی آدم میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو میں البتہ ایسا کروں گا کہ تم سب سے جہنم بھردوں۔

سورۃ الحجر میں یہی بات ذرا مختلف الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

قال رب بما اغویتنی لا زینن لهم فی الارض ولا غوینهم اجمعین الا عبادک منهم المخلصین (۱۶)

اس نے کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھ پر (سعادت کی راہ بند

Marfat.com

کردی تو اب میں ضرور ایسا کروں گا کہ زمین میں ان کے لئے جھوٹی خوشنمائیاں بنادوں اور تمام کو (راہ حق سے) گمراہ کردوں مگر ان میں سے تیرے مخلص بندے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں جو الفاظ نقل کیے گئے ہیں وہ اس کی گہری عداوت کو ظاہر کرتے ہیں:

قال ارایتک هذا الذی کرمت علی لئن اخرتن الی یوم القیامة لا حتنکن ذریته الا قلیلا [۱۷]

اس نے کہا: بھلا دیکھ تو سہی یہ اس قابل تھا کہ تو نے اسے مجھ پر فوقیت دی؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دے تو میں ضرور اس کی نسل کی بیخ بنیاد اکھاڑ کے رہوں۔ تھوڑے آدمی اس ہلاکت سے بچیں اور کوئی نہ بچے۔

شیطان اور اس کی ذریت کی سرگرمیاں جاری ہیں اور اولاد آدم تختہ غفلت پہ سوتی ہے۔ کار دعوت کا یہ اہم پہلو ہے کہ ان سرگرمیوں کا نہ صرف ادراک حاصل ہو بلکہ اس کی فریب کاریوں سے بچنے کا طریق بھی معلوم ہو۔ قرآن کا کمال یہ ہے کہ اس نے اس کی تمام جہتوں کو مفصل بیان کیا ہے اور انسان کو ان خطرات سے پوری آگاہی مہیا کی ہے۔

آدم کی سادگی و خطا کاری

قصہ آدم کی ایک اہم حقیقت آدمؑ کی سادگی و خطا کاری ہے۔ قرآن کے مطابق آدم کے سامنے ابلیس کی شخصیت کو منکشف کردیا گیا تھا۔ نیز یہ بتا دیا گیا تھا کہ یہ تمہارا دشمن ہے۔ اس کے باوجود آدمؑ اس کے فریب میں آگئے اور اس ابدی نعمت کو ضائع کر بیٹھے جو انہیں حاصل تھی۔ حکم خداوندی یہ تھا کہ اس درخت کے قریب نہیں جانا لیکن وہ شیطان کے بہکاوے میں آکر حکم عدولی کر بیٹھے اور اس شجر ممنوعہ کو چکھ لیا قرآن نے آدمؑ کی نافرمانی کی خطا اور اس کے نتیجہ کا ذکر کیا ہے:

Marfat.com

فدلهما بغرور فلما ذاقا الشجرة بدت لهما سوآ تهما وطفقا يخصفان عليهما من ورق الجنة [18]

غرض اس نے دھوکہ دے کر (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا جب انہوں نے اس درخت کا پھل چکھا۔ ان کے ستر ان پر کھل گئے اور وہ بہشت کے درختوں کے پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے لگے۔

فا كلا منها فبدت لهما سواتهما و طفقا يخصفان عليهما من ورق الجنة وعصى آدم ربه فغوى [19]

تو ان دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا تو ان کے ڈھانکنے کی چیزیں عریاں ہوگئیں اور وہ اپنے پر باغ کے پتے کانٹھنے گونتھنے لگے اور آدم نے اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی تو بھٹک گئے۔

آدم و ابلیس میں فرق

قرآن نے آدم و ابلیس کی شخصیتوں کے نمایاں فرق کو واضح کیا ہے۔ دونوں کے مزاج اور خاصیتوں کافرق' دونوں کی حکم عدولی کی نوعیتوں میں اختلاف اور حکم خداوندی کی خلاف ورزی پر دونوں کے ردعمل کا فرق اس امر کی نشاندہی کر رہا ہے کہ دونوں کرداروں کے مختلف قسم کے اثرات ہوں گے جو نسل انسانی پر مرتب ہوں گے۔ ابلیس کے مزاج اور اس کی خاصیت کے بارے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہ کبر اور احساس برتری کا شکار ہے۔ اس کا اظہار اس نے انکار سجدہ کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کیا ہے۔ جہاں تک آدمؑ کے مزاج کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں ہمیں ان کی زبانی کچھ معلوم نہیں ہوتا البتہ آدمؑ کے خالق نے اس کے بارے میں جو کہا ہے اس سے مزاج اور اس کی خاصیت کا کچھ پتہ چلتا ہے:

ولقد عهدنا الى آدم من قبل فنسى ولم نجدله عزما [20]

اور ہم نے اس سے پہلے آدم پر ایک عہد کی ذمہ داری ڈالی تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم کی پختگی نہیں پائی۔

Marfat.com

حکم عدولی کی نوعیتوں میں بھی واضح فرق ہے۔ ابلیس نے جو خلاف ورزی کی وہ اس کا ذاتی فعل تھا اور اس کے استکبار کی وجہ سے تھا۔ اس نے "انا خیر منہ"[۲۱] کہہ کر اس کا اظہار کر دیا۔ جہاں تک آدمؑ کی نافرمانی کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شرارت یا ذاتی اقدام نہیں بلکہ سادگی اور بھول پن ہے۔ شیطان نے بہکایا اور سبز باغ دکھائے اور آدم اس کے چکر میں آگئے۔ فدلٰهما بغرور[۲۲] کے الفاظ آدم کی سادگی کا ثبوت ہے۔

رہا خطا کاری پر ردعمل کا مسئلہ تو اس میں بھی دونوں کے رویوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ابلیس سے جب رب کریم نے انکار سجود کی وجہ پوچھی تو بجائے اعتراف گناہ کے الٹا اکڑ دکھائی۔ جب اس اکڑ کے نتیجے میں اسے مردود قرار دیا گیا تو اس نے نہ صرف اپنے جرم کی ساری ذمہ داری خالق پر ڈال دی بلکہ اسے چیلنج کیا کہ وہ آدم اور اس کی نسل کو برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا۔"[۲۳]

ابلیس کے برعکس آدم کا رویہ بالکل مختلف تھا۔ جونہی وہ اپنی خطا کے نتیجے میں ابدی حیثیت کھو بیٹھا تو اسے شدید احساس ندامت ہوا۔ آدم کے مزاج میں مٹی کی جو عاجزی تھی اس نے رجوع الی اللہ پر مجبور کیا۔ اسی احساس ندامت اور رجوع الی اللہ نے رحمت الٰہی کو دعوت دی اور یوں آدم معافی کا مستحق قرار پایا۔ قرآن نے اس پہلو کو جس طرح بیان کیا ہے وہ اپنے اندر جہان معنی رکھتا ہے۔ ابلیس سے بھی سوال کیا گیا تھا کہ اس نے انکار کیوں کیا ہے؟ اس کا جواب اوپر گذر چکا ہے۔ آدمؑ سے بھی اسی طرح سوال کیا گیا لیکن آدمؑ کا جواب بہت مختلف ہے۔ قرآن نے اس سوال و جواب کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے اسے ملاحظہ کیجئے اور تقابل کیجئے۔ جب درخت کا پھل چکھنے پر آدم اور اس کی بیوی عریاں ہوگئے تو ان سے نافرمانی کی وجہ پوچھی گئی۔

قرآن کا بیان ملاحظہ کیجئے:

وناداهما ربهما الم انهكما عن تلكما الشجرة و اقل لكما ان الشيطن لكما عدو مبين قالا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنكونن من الخاسرين[۲۴]

Marfat.com

تب ان کے پروردگار نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تم کو اس درخت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا اور جتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔

ثم اجتبہ ربہ فتاب علیہ و ھدی [۲۵]

پھر اس کے رب نے اس کو نوازا' اس کی توبہ قبول کی اور اس کو ہدایت بخشی۔

فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم [۲۶]

پھر آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا بے شک وہ معاف کرنے والا صاحب رحم ہے۔

سورۂ بقرہ کی یہ آیت بتاتی ہے کہ معافی مانگنے کا طریقہ بھی رب نے سکھایا کیونکہ آدم کے ضمیر اور مزاج کی وجہ سے اس نے حقیقی ندامت کا اظہار کیا لیکن اسے پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ اپنے رب سے کیسے مخاطب ہو؟ اور کس طرح معذرت کرے۔ رب کی رحمت بے پایاں نے سارے کام کئے۔ مانگنے کا طریقہ سکھایا الفاظ بتائے اور پھر توبہ قبول کی اور معاف کر دیا۔

سو قصہ آدم و ابلیس کی تیسری حقیقت بغاوت و توبہ کا امتیاز ہے۔ کائنات میں ابلیسی و آدمی رویوں کا اظہار ہوتا رہے گا۔ یہ دونوں رویے دعوت کی اساس ہیں دعوت کا اصل مقصود انسان کے اندر رجوع الی اللہ اور احساس ندامت کے رویوں کو پختہ کرنا اور بغاوت و نافرمانی کے رویوں کو ختم کرنا ہے۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ دعوت الی اللہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ لوگوں کا استکبار تھا جو ابلیسی ماڈل کی پیروی تھی۔ ابلیسی رویے بھیس بدل بدل کر ظاہر ہوتے رہے اور اللہ تعالٰی کے خلاف بغاوت کا بازار گرم کرتے رہے۔ شیطان نے تکبر و حسد کی وجہ سے جو رویہ اختیار کیا تھا وہ آدم کی طرح نسل آدم کے لئے وجہ ابتلا رہے گا اور نسل آدم اس کا مقابلہ کر کے

Marfat.com

قرب الٰہی کو حاصل کرتی رہے گی اور رحمت خداوندی کی مستحق قرار پاتی رہے گی۔

ہدایت ربانی

چوتھی حقیقت ہدایت ربانی ہے۔ مشیت الٰہی کی منصوبہ بندی میں آدمؑ کو زمین پہ کام کرنا تھا اس لئے قبولیت توبہ کے بعد آدمؑ کو زمین پر جانے کا حکم ہوا۔ آدمؑ کو زمین پر بطور سزا نہیں بھیجا گیا بلکہ اپنے حقیقی دشمن کے مقابلے کے لئے بھیجا گیا ہے گویا یہ ایک طرح کا امتحان ہے جس میں آدم و نسل آدم کو شیطان کے مقابلے میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے جہاں آدمؑ کی توبہ قبول کرنے کا ذکر کیا ہے وہیں ھبوط ارض کا تذکرہ بھی کیا ہے کیونکہ یہ اس منصوبے کی آخری کڑی تھی۔

ایک اور بات جو لائق توجہ ہے وہ یہ ہے کہ آدم اور نسل آدم کو یونہی زمین پر نہیں چھوڑ دیا گیا۔ ایک غیر مسلح بے یار و مددگار انسان مکار و حیلہ جو شیطان کا مقابلہ کرے۔ اللہ نے آدم اور نسل آدم کو دو مضبوط ہتھیار عطا کئے۔ ان کی بدولت وہ نہ صرف شیطان کا مقابلہ کر سکے گا بلکہ رحمت خداوندی سے بھی کبھی محروم نہیں رہے گا۔ ان میں سے ایک توبہ ہے جو اس کے مزاج کی کمزوری اور شیطان کی وسوسہ اندازیوں اور حیلہ سازیوں کی وجہ سے کسی لغزش کا مداوا ہے۔ توبہ کی وجہ سے وہ کبھی مکمل سیاہ بختی کا شکار نہیں ہوگا۔ توبہ اسے بار بار رب تعالیٰ کے دائرہ رحمت میں لائے گی اور وہ صاف و شفاف قلب کے ساتھ ساتھ مصروف عمل ہو جائے گا۔

دوسرا ہتھیار ہدایت ربانی ہے۔ شیطان نے اگر جنت کی زندگی میں حملہ کرکے آدمؑ کو نقصان پہنچایا تو دنیا میں اس کی قوت و تاثیر کہیں زیادہ اور مہلت کی وجہ سے اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہے اس لئے مشیت ایزدی نے خصوصی ہدایت و تعلیم کا انتظام کیا تاکہ وقتاً فوقتاً ایسا سلسلہ رہے کہ رجوع الی اللہ کی تحریک تازہ رہے اور شیطانی فریب کاریوں کے طریقے بے نقاب ہوتے رہیں۔ قرآن پاک نے جہاں کہیں قصہ آدم و ابلیس بیان کیا ہے اس کا اختتامیہ انہیں تین اجزا پر مشتمل ہے۔ مثال کے

Marfat.com

طور پر سورۂ بقرہ اور سورۂ طہٰ کی آیات پیش کی جاتی ہیں:

قتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه انه هو التواب الرحیم قلنا اهبطوا منها جمیعا فاما یاتینکم منی هدی فمن تبع هدٰی فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون (۲۷)

پھر آدم نے پالیے اپنے رب کی طرف سے چند کلمات تو اس نے توبہ کی اس کی توبہ قبول ہوئی۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ہم نے کہا اترو یہاں سے سب' تو اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے تو ان کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو کفر کریں گے اور جھٹلائیں گے میری آیتوں کو وہی لوگ دوزخ والے ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ثم اجتبه ربه فتاب علیه وهدی قال اهبطا منها جمیعا بعضکم لبعض عدو فاما یاتینکم منی هدی فمن تبع هدای فلا یضل ولا یشقٰی (۲۸)

پھر اس کے رب نے اسے نوازا' اس کی توبہ قبول کی اور اس کو ہدایت بخشی حکم ہوا کہ تم سب یہاں سے اترو' تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے۔ پس اگر تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا' نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ محروم رہے گا۔

ہدایت ربانی کا وعدہ دراصل نسل آدم کے لئے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری رہنے کا پہلا وعدہ ہے تاکہ انسانی فطرت اور انسانی عقل کا وہ ضعف آدمؑ کی لغزش کی وجہ سے ظاہر ہوا تھا اسے وحی الٰہی کی رہنمائی سے پورا کرنے سے وعدہ کیا گیا۔ مولانا اصلاحی کے بقول: چونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو انسان کے بہکانے کی مہلت دے کر انسان کو اس دنیا میں ایک سخت امتحان میں ڈالا ہے اس وجہ سے اس کی رحمت مقتضی ہوئی کہ وہ انسان کی ہدایت اور اصلاح کے معاملہ کو تنہا اس کی عقل و فطرت ہی پر نہ

Marfat.com

چھوڑے بلکہ اس کی فطرت کو بیدار رکھنے اور اس کی عقل کو کجرویوں اور گمراہیوں سے بچانے کا بھی سامان کرے تاکہ جو ہدایت کی راہ اختیار کرنا چاہیں وہ بھی علی وجہ البصیرہ اختیار کریں اور جو گمراہی کی راہ پر جانا چاہیں وہ بھی پوری طرح اتمام حجت کے بعد جائیں۔ نبوت و رسالت کے قیام سے اصل مقصود یہی چیز ہے اور اس امتحان گاہ عالم میں انسان کے لئے دراصل سرمایہ تسکین و تسلی درحقیقت یہی انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہیں۔ اگر یہ چیز انسان سے چھن جائے تو پھر انسان ہر فتنہ کا بڑی آسانی سے شکار ہوسکتا ہے کیونکہ اس کی فطرت کے اندر جو خلا ہیں وہ صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کی پیروی سے ہی بھر سکتے ہیں۔ اس کے بغیر انسان کے لئے شیطان کے فتنوں سے مامون ہونا ممکن نہیں۔ (۲۹)

آدمؑ کی دعوت

اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی کی وجہ سے آدمؑ کی نبوت میں تو کوئی شک نہیں۔ امت میں اس مسئلہ پر کبھی دو رائیں نہیں رہیں۔ حافظ ابن کثیر نے ابوذر سے نقل کیا ہے کہ آدم نبی تھے۔

عن ابی ذر قال: قلت یا رسول اللہ ارایت آدم انبیا کان قال نعم نبیا رسولا یکلم اللہ قبیلا (۳۰)

> ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے: "میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتایئے کہ کیا آدم نبی تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں وہ نبی تھے اور رسول بھی' انہیں اللہ تعالیٰ سے شرف تکلم حاصل ہوا ہے۔"

آدمؑ کی زندگی میں اولاد آدم کے لئے وہی شریعت تھی جسے وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایات کی صورت میں وصول کرتے تھے۔ آدم کے بیٹوں قابیل اور ہابیل کے سلسلے میں قرآن نے جو اشارے کئے ہیں وہ شرعی اصول ہی ہوسکتے ہیں۔ آدمؑ کو حکم خداوندی کی نافرمانی کا جو تجربہ ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی جو سہولت انہیں میسر تھی اس کی بنیاد پر آدمؑ اپنی اولاد کے لئے تعلیم تربیت کا نظام رکھتے ہوں گے۔ قرآن مجید نے

چونکہ تفصیلات مہیا نہیں کیں۔ اس لئے ان کے طریق دعوت و تربیت کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جاسکتی۔ تاہم قصہ آدم میں دعوت الی اللہ کے متعلق بعض اہم اشارات ملتے ہیں۔

سب سے اہم بات جو نسل آدم کے لئے بطور تنبیہہ اور نصیحت کہی گئی وہ تبصرہ ہے جسے سورۂ اعراف میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کی عداوت اور نسل آدم کے لئے اس کی فریب کاریوں سے آگاہ کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا وہ دعوت الی اللہ کا کام کرنے کے لئے ایک موثر استدلال ہے۔ ارشاد باری ہے:

یبنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویک من الجنة ینزع عنهما لباسهما لیریهما سوآتهما۔ انه یرکم هو وقبیله من حیث لا ترونهم انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یومنون (۳۱)

اے بنی آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں پھر اسی طرح فتنے میں مبتلا کردے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھولے وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیاطین کو ہم نے ان لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

ایک داعی کو ہمیشہ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ شیطان کا بنیادی حملہ انسان کے فطری جذبہ شرم و حیا پر ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ انسان اس سے محروم ہوجائے تو ہر قسم کے جرم کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ شرم و حیا کا فقدان شیطانی تہذیب و ثقافت کا بنیادی پتھر ہے۔ اس لئے اسے بے حیائی کے خلاف مسلسل کام کرنا ہوگا۔

حوالہ جات

ا۔ البقرہ / ۳۰ تکریم نبی آدم کے لئے دیکھئے۔ بنی اسرائیل / ۷۰ اور بار امانت کے لئے الاحزاب / ۷۲

۲۔ الذاریات / ۵۶

۳۔ الحجر / ۲۸ ۔ ۳۱

۴۔ الحجر / ۲۸ ۔ ۳۱

۵۔ الکھف / ۵۰

۶۔ الحجر / ۳۲ ۔ ۳۳

۷۔ بنی اسرائیل / ۶۱

۸۔ ص / ۷۵ '۷۶

۹۔ الاعراف / ۱۱ '۱۲

۱۰۔ البقرہ / ۳۵ ' الاعراف / ۱۹

۱۱۔ طہٰ / ۱۱۷ ۔ ۱۱۹

۱۲۔ بقرہ / ۳۶

۱۳۔ الاعراف ۲۰ ۔ ۲۱

۱۴۔ طہٰ / ۱۲۰

۱۵۔ الاعراف / ۱۲ ۔ ۱۸

۱۶۔ الحجر / ۳۹ '۴۰

۱۷۔ بنی اسرائیل / ۶۲

۱۸۔ الاعراف / ۲۲

۱۹۔ طہٰ / ۱۲۱

۲۰۔ طہٰ / ۱۱۵

Marfat.com

۲۱۔ الاعراف / ۱۲

۲۲۔ الاعراف / ۲۲

۲۳۔ تفصیل کے لئے دیکھئے۔ الاعراف / ۱۲ ۔ ۱۸' الحجر / ۳۹' ۴۰' بنی اسرائیل / ۶۲

۲۴۔ الاعراف / ۲۲ ۔ ۲۳

۲۵۔ طہ / ۱۱۲

۲۶۔ البقرہ / ۳۷

۲۷۔ البقرہ / ۳۷ ۔ ۳۹

۲۸۔ طہ / ۱۲۲ ۔ ۱۲۳

۲۹۔ تدبر قرآن' ۱ / ۱۷۴

۳۰۔ ابن کثیر' ۱ / ۳۴

۳۱۔ الاعراف / ۲۷

Marfat.com

Marfat.com

نوح علیہ السلام

تاریخ دعوت میں نوحؑ کی ذات کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ نوحؑ اولین اولوالعزم رسول ہیں جنہیں قرآن نے بطور ماڈل پیش کیا ہے۔[۱] نوحؑ کی شخصیت اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ نسل آدم کے بگاڑ پر اولین تنبیہہ انہی کے ذریعے ہوئی۔ آدم و ابلیس کی کشمکش کے بعد اولاد آدم کے لئے نوحؑ کے عہد تک زمانہ آزمائش کا پہلا تجربہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مرحلے پر ہی اولاد آدم ابلیس اور اس کی ذریت سے شکست کھاتی نظر آتی ہے اور ابلیس اپنے داؤ پیچ کے بل بوتے پر کامیاب نظر آتا ہے۔ نوحؑ کی ذات تاریخ دعوت میں اس لئے بھی اہم ہے کہ دعوت کے منہاج' دعوت کے ردعمل' دعوت کا موضوع اور اس کے نتائج کے لحاظ سے جو نمونہ قائم کیا گیا ہے وہی کم و بیش آنے والے دعاۃ کو سامنے رکھنا پڑا۔ تاریخ انسانی میں کار دعوت کے تسلسل میں نوحؑ کا طرز عمل سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم آدمؑ کے ذکر میں بیان کر آئے ہیں کہ امت مسلمہ میں ان کی نبوت پر اجماع ہے لیکن وعظ و تذکیر اور اوامر و نواھی کے مفصل احکام کے ساتھ جس رسول اولیں نے کام کیا وہ نوحؑ کی ذات ہے۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ روئے زمین پر پہلے رسول تھے۔ ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث شفاعت میں نوحؑ کے بارے میں جو الفاظ مروی ہیں ان کے مطابق لوگ ان کے پاس شفاعت کے لئے جائیں گے اور کہیں گے :

یا نوح انت اول الرسل الی الارض و سماک اللہ عبدا شکورا؟[۲]

اے نوح آپ زمین پر پہلے رسول تھے اور اللہ تعالیٰ نے تجھے عبد شکور کا لقب دیا ہے۔

قرآن مجید نے نوح کی دعوتی سرگرمیوں کا مفصل ذکر کیا ہے اور اجمالی و تفصیلی ذکر تینتالیس (۴۳) جگہوں پر آیا ہے لیکن ان کے بارے میں اہم تفصیلات سورۃ

Marfat.com

اعراف، ھود، مومنون، شعراء اور سورۂ نوح میں بیان ہوئی ہیں۔ انہی سورتوں کے حوالے سے ہم نوحؑ کے کار دعوت کا جائزہ لیں گے۔ چونکہ یہ پہلے رسول اور اولین داعی الی اللہ ہیں۔ لہٰذا ہم ان کے تجربے سے دعوت کے بنیادی اصولوں کا استنباط کر کے مطالعہ کریں گے اور یہی نکات آئندہ کے لئے رہنما اصولوں کا کام دیں گے۔ وہ نکات حسب ذیل ہیں:

- دعوت کا موضوع
- دعوت کا انداز
- دعوت کے مخاطبین
- دعوت کا ردعمل
- نتیجہ

دعوت کا موضوع

نوحؑ کی قوم کا سب سے بڑا جرم شرک تھا۔ شرک کی بنیاد پر ایک پورا کلچر وجود میں آیا جس میں مادہ پرستی، اخلاق باختگی، کبر و غرور اور خدا بیزاری شامل تھی۔ ھبوط آدم سے لے کر نوحؑ تک کے عرصے میں شیطان نے نسل آدم کی گمراہی کے لئے بڑی محنت کی ہوگی کیونکہ قوم نوح نے شرک و کفر میں جس طرح کی پختہ کاری دکھائی وہ شیطان کے گہرے اثرات کے بغیر ممکن نہیں۔ قران نے انسان کی ابتدائی زندگی کے بارے میں امت واحدہ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ جس کی اساس توحید الٰہی کا شعور ہے۔ یہ ابلیس اور اس کی ذریت کی کارستانی ہے کہ انسان نے وحدت ربانی اور وحدت انسانی کے بنیادی اصول ضائع کر دیئے۔

کان الناس امة واحدة فبعث اللہ النبین مبشرین و منذرین و انزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیه وما اختلف فیه الا الذین اوتوه من بعد ماجاء تھم البینات بغیا بینھم فھدی اللہ الذین آمنوا لما اختلفوا فیه من الحق باذنه واللہ یھدی من یشاء الی صراط

Marfat.com

مستقیم (۳)

ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلاف رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلاف رونما ہوگئے تھے' ان کا فیصلہ کرے (اور ان اختلافات کی وجہ یہ نہ تھی کہ ابتدا میں لوگوں کو حق بتایا نہیں گیا تھا) اختلاف ان لوگوں نے کیا جنہیں حق کا علم دیا جاچکا تھا۔ انہوں نے روشن ہدایات پالینے کے بعد محض اس لئے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ پس جو لوگ انبیاء پر ایمان لے آئے' انہیں اللہ نے اپنے اذن سے اس حق کا راستہ دکھایا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔ اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا ہے۔

قرآن نے امت واحدہ کے تصور پر کئی جگہ بحث کی ہے۔ کہیں اسے انسانی اجتماعیت کی اولین حیثیت قرار دیا اور کہیں اسے اصل مقصود قرار دیا۔ لیکن اس وحدت کے بجبر ٹھونسنے کو مشیت ایزدی کے خلاف قرار دیا۔ (۴) شرک کا ارتکاب اور انسانی جماعت میں اونچ نیچ وہ بڑے مسئلے تھے جن کا نوحؑ کو سامنا تھا۔ اس طرح نوحؑ کی دعوت کے بڑے موضوعات میں عبادت رب' شرک کا ابطال اور عظمت رب کا شعوری احساس اور استغفار شامل ہیں۔

عبادت رب

(قرآن پاک نے نوحؑ کی دعوت کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

لقد ارسلنا نوحا الی قومه فقال یقوم اعبدوا اللّٰه مالکم من اله غیره۔ انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم (۵)

ہم نے نوحؑ کو اسی قوم کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا۔ "اے برادرن قوم!

اللہ کی بندگی کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ میں تمہارے حق میں ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

ولقد ارسلنا نوحا الی قومه انی لکم نذیر مبین۔ ان لا تعبدوا الا اللّٰه[6]

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے ان سے کہا کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے اور یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

اذ قال لهم اخوهم نوح الا تتقون ـ انی لکم رسول امین۔ فاتقوا اللّٰه واطیعون[7]

جب ان سے (ان کے بھائی) نوح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

قال یقوم انی لکم نذیر مبین۔ ان اعبدوا اللّٰه واتقوه واطیعون[8]

انہوں نے کہا کہ بھائیو میں تم کو کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کی عبادت کرو اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

(ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ نوحؑ نے اپنی قوم کو بندگی رب کی طرف دعوت دی۔ عبادت رب' تقویٰ اور رسول کی اطاعت) وہ تین اہم اجزاء ہیں جو ان آیات میں مذکور ہیں۔ ظاہر ہے کہ رسالت کی بات تو پہلی بات ہے کیونکہ اسی دعویٰ کے ساتھ باقی تمام اجزاء دعوت منسلک ہیں۔ رسالت رب کے ساتھ خصوصی تعلق کا اعلان ہے۔ اس لئے رب کی عبادت پیغمبر کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔ عبادت رب اور تقویٰ دعوت الی اللہ کا جزو اعظم قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ ہم دیگر انبیاء کے سلسلے میں دیکھیں گے کہ انہوں نے بھی اپنی بات کا آغاز اسی سے کیا ہے۔ بلکہ کسی دور میں بھی عبادت رب کے بغیر دعوت الی اللہ کا کام بے کار ہوگا۔

شرک کا ابطال

قوم نوح شدید قسم کے شرک میں مبتلا تھی۔ قرآن نے ان بتوں کے نام دیئے

Marfat.com

ہیں جن کی پرستش کی جاتی تھی۔ (نوحؑ اپنی قوم کی حب شرک کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

(وقالوا لا تذرن آلھتکم ولا تذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث و یعوق و نسرا (۹)

اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ ود' سواع' یغوث اور نسر کو بھی نہ ترک کرنا۔

ان بتوں کے عربی نام بتا رہے ہیں کہ نزول قرآن کے وقت بھی ان کی پوجا ہوتی تھی۔ بخاری نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ قوم نوح کے یہ بت عربوں نے اختیار کرلئے اور ان کی پرستش شروع کردی:

عن ابن عباسؓ صارت الا وثان التی کانت فی قوم نوح فی العرب بعد۔ اما ود کانت لکلب بدومة الجندل' واما السواع کانت لھذیل و اما یغوث فکانت لمراد ثم لبنی غطیف' بالجرف عند سبا و اما یعوق فکانت لھمدان و اما نسر فکانت لحمیر لال ذی الکلاع۔ اسماء رجال صالحین من قوم نوح۔ فلما ھلکوا اوحی الشیطن الی قومھم ان انصبوا الی مجالسبھم التی کانوا یجلسون انصابا" وسموھا باسماء ھم ففعلوا فلم تعبد حتی اذا ھلک اولئک وتنسخ العلم عبدت (۱۰)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ بت جو قوم نوح میں تھے وہی عرب میں اس کے بعد پوجے جانے لگے ود قبیلہ کلب کا بت تھا جو دومتہ الجندل میں تھے' سواع ھذیل کا اور یغوث مراد کا پھر بنی غطیف کا جو سبا کے پاس جرف میں تھا۔ یعوق ھمدان کا اور نسر حمیر کا جو ذوالکلاع کے خاندان سے تھا۔ یہ قوم نوح کے صالح لوگوں کے نام تھے۔ جب ان نیک لوگوں نے وفات پائی تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ان کے بیٹھنے کی جگہ میں جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے بت نصب کردیں اور اس کا نام ان بزرگوں کے نام پر رکھ دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن اسکی

Marfat.com

عبادت نہیں کی تھی یہاں تک کہ جب وہ لوگ بھی مر گئے اور اس کا علم جاتا رہا تو اس کی عبادت کی جانے لگی۔

حافظ ابن کثیر نے ابن جریر کے حوالے سے لکھا ہے کہ آدم و نوح کے درمیانی عرصے میں صالح لوگ تھے اور لوگ ان کی پیروی کرتے تھے۔ جب یہ لوگ فوت ہوئے تو پیروؤں نے کہا کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو ہماری عبادتیں زیادہ پرلطف ہوں گی۔ جب یہ لوگ مر گئے اور دوسری نسل آگئی تو ابلیس نے سمجھایا کہ وہ لوگ تو ان کی عبادت کرتے تھے اور ان سے بارش طلب کرتے تھے اور یوں انہوں نے عبادت شروع کردی۔(۱۱)

عربوں کے ہاں ان بتوں کی پوجا کے سلسلے میں سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

قوم نوح کے معبودوں میں سے یہاں ان معبودوں کے نام لئے گئے ہیں جنہیں بعد میں اہل عرب نے پوجنا شروع کردیا تھا اور آغاز اسلام کے وقت عرب میں جگہ جگہ ان کے مندر بنے ہوئے تھے۔ بعید نہیں کہ طوفان میں جو لوگ بچ گئے تھے ان کی زبان سے بعد کی نسلوں نے قوم نوح کے قدیم معبودوں کا ذکر سنا ہوگا اور جب از سر نو ان کی اولاد میں جاہلیت پھیلی ہوگی تو انہی معبودوں کے بت بنا کر انہوں نے پھر انہیں پوجنا شروع کردیا ہوگا۔(۱۲)

قرآن کی رو سے یہ شرک کا پہلا اظہار تھا۔ جس پر نسل آدم کے پہلے رسول نے تنقیدی تبصرہ کیا۔ شرک کے آغاز کے سلسلے میں مذکورۃ الصدر روایت اور اسی قبیل کی دوسری روایات کے سوا ہمارے پاس کوئی یقینی ذریعہ علم نہیں کہ نسل آدم اس مصیبت میں کس طرح مبتلا ہوئی؟ لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ ابلیس نے تعظیم و توقیر بزرگان کو عبادت و استعانت کی صورت میں بدل دیا۔ ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے انحراف کی جو راہ نسل آدم کو سجھائی تھی اس نے آگے چل کر ایک تہذیب اور کلچر کی صورت اختیار کرلی۔ مشرکانہ کلچر کی بوقلمونی اور اس کے مظاہر کا تنوع حیران کن جاذبیت رکھتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے توحید، نفی شرک اور عبادت رب کو تمام انبیاء کی دعوت کی اساسیات قرار دیا۔ حضور اکرم ﷺ کو خطاب ہوتا ہے:

وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون [۱۳]

اور جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو میری ہی عبادت کرو۔

استغفار

عبادت رب' اطاعت رسول اور نفی شرک کے ساتھ استغفار کا موضوع بھی نوحؑ کی دعوت کا اہم جزو ہے۔ عبادت رب سے انکار' اطاعت رسول سے انحراف اور شرک میں مبتلا ہونے کے باعث انسان اپنے رب کی رحمت سے دور ہوجاتا ہے اور شیطان کے دائرہ اثر میں چلا جاتا ہے جو پہلے ہی رب کریم کی رحمت سے دور ہے اور مردود بارگاہ ہے۔ نوحؑ کی قوم مشرکانہ اعمال کی وجہ سے شیطان کی گرفت میں تھی اسی لئے وہ مختلف پیرایوں میں انہیں طلب مغفرت پر آمادہ کرتے ہیں۔ مثلاً وہ دعوت کے بنیادی عناصر کو بیان کرتے ہوئے اللہ کی مغفرت کا ذکر کرتے ہیں:

ان اعبدوا اللہ واتقوہ واطیعون - یغفرلکم من ذنوبکم [۱۴]

اللہ کی بندگی کرو' اس کے حدود کی پابندی کرو اور میری بات مانو اللہ تمہارے پچھلے گناہ معاف کردے گا۔

نوحؑ اپنی قوم کو دعوت دینے کا ذکر کرتے ہوئے رب تعالیٰ سے مخاطب ہیں۔

فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا [۱۵]

میں نے کہا: اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو بے شک وہ بڑا ہی بخشنے والا ہے۔

استغفار کا تصور توحید سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس لئے کہ مشرکین یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تک بغیر کسی سفارش کے کوئی درخواست نہیں پہنچتی۔ قرآن نے ان کے اس تصور کو بیان کیا ہے:

والذین اتخذوا من دونہ اولیاء مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفا [۱۶]

جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے حمایتی بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب تر کردیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا اسم غفار استعمال کرکے یہ واضح کیا کہ وہ خودسب سے بڑا مغفرت کرنے والا ہے۔ لہٰذا اس سے زیادہ رحم و مغفرت کرنے والا کون ہے جو سفارش کرنے آئے گا۔ انسان کا اس کی طرف رجوع ہی کافی ہے کہ کسی مزعومہ دیوی دیوتا کی سفارش کی ضرورت نہیں۔ مولانا اصلاحی کے بقول:

یہاں حکمت دین کا ایک نکتہ بھی حرز جان بنانے کے لائق ہے۔ جو سیدنا عمر فاروقؓ کی افادات سے ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ نماز استسقاء میں صرف استغفار پر کفایت فرمائی' دعا میں بارش کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ لوگوں نے پوچھا امیرالمومنین آپ نے دعا میں بارش کا تو کوئی ذکر کیا ہی نہیں: امیر المومنین نے انہی آیات کی روشنی میں لوگوں کو بتایا کہ خدا کی رحمت کی کلید استغفار ہے اور یہ کام ہم نے کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ استغفار ہی جالب رحمت بنے گا۔ ہماری ضرورت اور احتیاج کو ہمارا رب خود ہم سے بہتر جانتا ہے۔[۱۷]

نوحؑ نے اپنی قوم کو بار بار استغفار کی طرف توجہ دلائی کیونکہ استغفار ہی رجوع الی اللہ کا بڑا ذریعہ ہے۔ نوحؑ نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

ویقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ[۱۸]

اور اے میری قوم کے لوگو اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف پلٹو

استغفار کو نوحؑ نے اپنی ذات کے لئے بھی اسی طرح لازم رکھا جس طرح وہ دوسروں کو تلقین کرتے رہے۔ مثلاً جب انہوں نے بیٹے کے بچاؤ کے لئے دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہہ آئی تو فوراً معافی طلب کی۔

قال رب انی اعوذبک ان اسئلک مالیس لی بہ علم و الا تغفرلی وترحمنی اکن من الخاسرین[۱۹]

نوح نے عرض کیا اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے

ایسی چیز کی درخواست کروں جس (کی حقیقت) کا مجھے علم نہیں اگر تو نے (میرا قصور) معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجاؤں گا۔

اسی طرح نوحؑ نے جب کافروں کی ہلاکت کی دعا مانگی تو اپنی مغفرت کو نہیں بھولے فوراً کہا:

رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مومنا و للمومنین والمومنات ولا تزد الظالمین الاتبارا [۲۰]

اے میرے رب میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور ہر اس شخص کی جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا اور تمام مومنین اور مومنات کی مغفرت فرما اور ظالموں کے لئے ہلاکت کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کر۔

استغفار دعوت الی اللہ کی تکمیل کا عنوان ہے۔ استغفار کے بغیر دعوت کے تمام کام بے نتیجہ ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکتے کیونکہ استغفار رجوع الی اللہ کا دائمی نسخہ ہے۔ تمام انبیاء کی زندگیوں میں استغفار ایک لازمی عنصر کے طور پر موجود رہا ہے۔

دعوت کا انداز

دعوت کے انداز میں بھی نوحؑ کا طریقہ رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ دعوت الی اللہ کو پیش کرنے کے سلسلے میں جو تجربات آپ کو حاصل ہوئے وہ آنے والے داعیوں کے لئے سنگ میل ثابت ہوئے۔ نوحؑ کے طریق دعوت میں چند موڑ قابل غور ہیں' ایک انداز' دوسری عظمت الٰہی کا اثبات اور اس کے دلائل تیسرے اخلاص اور بے لوثی اور چوتھے مخاطبین کے لئے شفقت ورحمت۔ قرآن پاک میں دیگر انبیاء کی دعوت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں نوحؑ کا انداز صاف طور پر دکھائی دیتا ہے۔ بعض مقامی اور قومی مسائل کو الگ کردیا جائے تو وہی زبان' وہی اصطلاحات اور اسی طرح کا استدلال نظر آتا ہے جو نوحؑ نے اپنی قوم کے لئے استعمال کئے۔ ذیل

Marfat.com

میں ہم اختصار کے ساتھ ان پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے۔

انذار

انذار کے بنیادی معنی' اطلاع دینے' مشورہ دینے اور خبردار کرنے کے ہیں جیسے کہتے ہیں انذرتہ بکذا۔ (میں نے اسے اس چیز کی اطلاع دی یا اس کے بارے میں مشورہ دیا)۔[۲۱] قرآن میں ہے:

و انذرھم یوم الازفہ اذ القلوب لدی الحناجر کظمین ما للظالمین من حمیم ولا شفیع یطاع[۲۲]

اے نبی ڈرا دو ان لوگوں کو اس دن سے جو قریب آلگا ہے۔ جب کلیجے منہ کو آرہے ہوں گے اور لوگ چپ چاپ غم کے گھونٹ پیے کھڑے ہوں گے۔ ظالموں کا نہ کوئی مشفق دوست ہوگا اور نہ کوئی شفیع جس کی بات مانی جائے۔

اسی سے نذیر ہے جس کے معنی ہیں وہ شخص جو اطلاع دیتا ہے' مشورہ دیتا ہے یا خبردار کرتا ہے۔ قرآن پاک نے نوحؑ کے لئے نذیر کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یعنی وہ خبردار کرنے والا ہے۔ انذار کا تعلق دعوت الی اللہ کے انکار سے ہے کیونکہ اس کے انکار سے جو نتائج مرتب ہوں گے ان کا تعلق اس دنیا سے بھی ہے اور آخرت سے بھی۔ دعوت کا انکار اس دنیا میں عذاب الٰہی کا مستوجب ہوسکتا ہے لہٰذا انبیاء کی اولین ترجیح یہ تھی کہ وہ اپنے مخاطبین کو عذاب الٰہی سے خبردار کریں انہیں اس بے فکری اور غیر ذمہ داری کے نتائج سے آگاہ کریں جس کی وجہ سے وہ دعوت کو قبول نہیں کر رہے۔ انذار کے مفہوم میں وہ ڈر بھی شامل ہے جو آخرت میں عذاب سے متعلق ہے۔ کافر اور مشرک قوموں کے ہاں یہ خیال پایا جاتا تھا کہ اس دنیا کے بعد کوئی شے نہیں اور اگر کچھ ہوگا تو جن دیوتاؤں کی وہ پوجا کر رہے ہیں انہیں بچالیں گے۔ انذار میں اسی بے اعتنائی پر تنبیہہ ہے کہ آخرت ایک حقیقت ہے اور وہاں خالق کے سوا کوئی بچانے والا نہیں۔ پھر نوحؑ نے انذار کا جامع انداز اختیار کیا ہے۔ جو دنیوی عذاب اور

اخروی سزا کو شامل ہے) قرآن مجید نوحؑ کے انذار کا ذکر کرتے ہوئے مختلف پیرایوں کو بیان کرتا ہے۔ نوحؑ اپنے آپ کو متعارف کرتے ہوئے نذیر کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں:

ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ انی لکم نذیر مبین۔ الا تعبدوا الا اللہ انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم (۲۳)

اور ہم نے نوحؑ اس کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے کہا کہ میں تم لوگوں کو (انکار و بد عملی کے نتائج سے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔ تمہیں چاہیے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ (اگر ایسا کرو گے تو) مجھے تمہارے لئے ایک دردناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

(انا ارسلنا نوحا الی قومہ ان انذر قومک من قبل ان یاتیھم عذاب الیم۔ قال یقوم انی لکم نذیر مبین (۲۴)

ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈراؤ پیشتر اس کے کہ ان پر درد دینے والا عذاب واقع ہو۔ انہوں نے کہا: میری قوم میں تمہارے لئے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔)

عظمت الٰہی کا اثبات

(نوحؑ کے طریق دعوت کا دوسرا اہم نکتہ عظمت رب کو ذہن نشین کرانا تھا۔ چونکہ تمام گمراہیوں کی بنیاد اللہ تعالیٰ سے روگردانی اور اس کی عظمت سے ناواقفیت اور غیر اللہ کی تعظیم ہے) شیطان کی جملہ سرگرمیوں کا محور یہ ہے کہ نسل آدم اللہ تعالیٰ سے دوری اختیار کرے اور غیر اللہ کی تعظیم کرے۔ قوم نوحؑ نے شرک کی جو روش اختیار کی تھی وہ غیر اللہ کی عبادت میں جس طرح مصروف ہو گئی تھی اس پر اسے متنبہ کرنے کے لئے نوحؑ خوبصورت استدلال کرتے ہیں' دعوت کے اس انداز میں دونوں پہلو ہیں۔ سادہ بیان بھی ہے اور اس بیان کے حق میں دلائل بھی) مثلاً:

Marfat.com

لقد ارسلنا نوحا الی قومه فقال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ (۲۵)

ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

اس بات کو کئی جگہوں پر دہرایا گیا ہے۔ یہ ایک سادہ سا بیان ہے جس میں قوم کو توحید الٰہی کی دعوت دی گئی ہے اور شرک سے روکا گیا ہے۔ لیکن اس سادہ بیان کی وضاحت کے لئے دلائل بھی دیئے ہیں تاکہ اتمام حجت ہو۔ اس کی بہترین مثال سورۂ نوح میں بیان کردہ استدلال ہے۔ دلائل کا انداز جامع ہے۔ اور اس میں انفس و آفاق کا حسین امتزاج ہے۔ نوحؑ اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مالکم لا ترجون للہ وقارا وقد خلقکم اطوارا۔ الم تروا کیف خلق اللہ سبع سموت طباقا وجعل القمر فیھن نوراً و جعل الشمس سراجا واللہ انبتکم من الارض نباتا ثم یعیدکم فیھا و یخرجکم اخراجا۔ واللہ جعل لکم الارض بساطا لتسلکوا منھا سبلا فجاجا (۲۶)

تم کو کیا ہوا ہے کہ تم خدا کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح کی حالتوں کا پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے ہیں اور چاند کو ان میں (زمین) کا نور بنایا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔ اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے۔ پھر اسی میں تمہیں لوٹادے گا اور (اسی سے) تم کو نکال کھڑے کرے گا۔ اور اللہ ہی نے تمہارے لئے فرش بنایا تاکہ اس کے بڑے بڑے کشادہ رستوں میں چلو پھرو۔

اس استدلال میں مشرکین کی حماقت پر تعجب کا اظہار ہے کیونکہ انہیں رب کی عظمت کا شعور حاصل نہیں ہو رہا اور اس کی عظمت و جلالت کے تصور سے بے بہرہ ہو رہے ہیں۔ انسان کے گرد و پیش میں جو نعمتیں ہیں اس کا ادراک نہیں کر رہا۔ وہ اس بات کا مشاہدہ کر رہا ہے کہ کائنات کے اس عظیم کارخانے میں ایک نظم ہے اور

کوئی طاقت ایسی ہے جو جب چاہے اور جو چاہے اسی طرح کی تبدیلی لاسکتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ رب کی عظمت کا اعتراف نہیں کرتا۔ اور بے فکرا ہو کر جو جی میں آتا ہے کر گذرتا ہے۔

اس استدلال میں دراصل اس بے حسی پر تنبیہہ ہے جو قوم نوح نے شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے سلسلے میں اختیار کر رکھی تھی۔ اس سے پہلے نوحؑ اپنی قوم کو استغفار کی دعوت دیتے ہوئے توجہ دلاتے ہیں جو دلائل کے اس سلسلے کا آغاز ہے:

فقلت استغفروا ربكم انه كان غفارا يرسل السماء عليكم مدراراً ويمددكم باموال و بنين و يجعل لكم جنات و يجعل لكم انهارا (۲۷)

میں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے مینہ برسائے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور ان میں تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔

اس دلیل میں نہ صرف رب تعالیٰ کی غفاری کا اثبات ہے بلکہ اس کے فضل و کرم کی بھی نشاندہی ہے جو مال و اولاد کے اضافے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اخلاص و بے لوثی

نوحؑ کے انداز دعوت کا تیسرا پہلو ان کا اخلاص اور بے لوثی ہے۔ دعوت کے سلسلے میں جو محنت ہو رہی تھی اور نوحؑ جس طرح کار دعوت میں جان جوکھوں میں ڈالے ہوئے تھے اس سے مخاطبین دعوت کو یوں لگتا ہے جیسے نوحؑ کا کوئی ذاتی مفاد اس سے وابستہ ہے۔ نوحؑ ان کے ان خدشات کا ازالہ کرتے ہیں اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ یہ کوئی کاروبار نہیں کہ تمہاری بے توجہی سے ختم ہو جائے گا۔ میں تو سب کچھ تمہاری صلاح و فلاح کے لئے کر رہا ہوں۔ میں اگر تمہاری ناقدریوں کے باوجود تمہارے پیچھے پیچھے پھرتا ہوں تو محض تمہاری خیر خواہی کے لئے کسی معاوضہ کے لئے یہ سعی و جہد نہیں ہو رہی۔ میں تو تمہیں کچھ دینا چاہتا ہوں تم سے کچھ مانگ تو نہیں رہا۔ (قرآن

Marfat.com

پاک نے اس اخلاص و بے لوثی کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

ویقوم لا اسئلکم علیه مالا۔ ان اجری الا علی اللّٰه (۲۸)

اے میری قوم میں اس (نصیحت) کے بدلے میں تم سے مال و زر کا خواہاں نہیں میرا صلہ تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

دوسری جگہ پر فرمایا:

فان تولیتم فما سالتکم من اجر ان اجری الا علی اللّٰه وامرت ان اکون من المسلمین (۲۹)

اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا۔ میرا معاوضہ تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداری میں رہوں۔

اس اخلاص اور بے لوثی کا اظہار وہ چیلنج ہے جو ہر نبی نے اپنے کردار کے حوالے سے اپنے مخالفین کو دیا۔ نبی اپنی امانت و صداقت کے کھرے معیار کو بطور دلیل پیش کرتا ہے اور مخاطبین کو دعوت دیتا ہے کہ اس کے پیغام کو کسی مصلحت یا مفاد کے حوالے سے نہ دیکھیں۔ کیونکہ امانت و صداقت کے اوصاف سے متصف شخص ایسی حرکت نہیں کرسکتا۔ نوحؑ اپنی قوم کو باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ یہ کام کسی مصلحت و مفاد کے لئے نہیں کر رہے۔ قرآن مجیدؑ نے نوحؑ کی صفت امانت کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

کذبت قوم نوح المرسلین۔ اذ قال لهم اخوهم نوح الا تتقون - انی لکم رسول امین (۳۰)

قوم نوح نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں میں تمہارا امانت دار رسول ہوں۔

نوح کے بعد آنے والے تمام انبیاء و رسل کے لئے امین کا صفاتی لقب استعمال کیا گیا ہے۔

Marfat.com

شفقت و محبت

نوحؑ کے طریق دعوت میں ایک اہم نکتہ مخاطبین کے لئے شفقت و محبت ہے۔ داعی کے اخلاص و بے لوثی سے یہ تو واضح ہوگیا کہ کار دعوت سے اس کا ذاتی مفاد وابستہ نہیں لیکن دعوت کے لئے صرف اتنا کافی نہیں بلکہ داعی کو یہ یقین دہانی بھی کرانی ہوتی ہے کہ اسے ان سے ہمدردی و خیر خواہی ہے اور دعوت کو قبول کرنے میں ان کی بھلائی ہے۔ داعی کا شفیق ہونا بہت ضروری ہے۔ شفقت و محبت کے ذریعے نہ صرف عام لوگوں کے دلوں میں نرم گوشہ پیدا ہوتا ہے بلکہ دعوت قبول کرنے والوں کی اجتماعیت بھی مستحکم ہوتی ہے۔ نوحؑ کی سرگرمیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قوم کے اعراض و انکار کے باوجود انہیں عذاب الٰہی سے ڈراتے رہے۔ نوحؑ قوم کے رویے سے نالاں اپنے رب کے ساتھ دعوتی سرگرمیوں کا ذکر جس طرح کرتے ہیں وہ ان کی شفقت و محبت کا کھلا ثبوت ہے:

قال رب انی دعوت قومی لیلا و نهارا فلم یزدهم دعائی الا فرارا وانی کلما دعوتهم لتغفرلهم جعلوا اصابعهم فی آذانهم و استغشوا ثیابهم و اصروا و استکبروا استکبارا ثم انی دعوتهم جهارا ثم انی اعلنت لهم و اسرار لهم اسرارت(۳۱)

> نوحؑ نے کہا: پروردگار میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا' لیکن میرے بلانے سے وہ اور زیادہ گریز کرتے رہے اور جب جب میں نے ان کو بلایا (کہ توبہ کریں) تو ان کے معاف کردے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے۔ پھر میں انہیں کھلے طور پر بھی بلاتا رہا اور ظاہر و پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا۔

نوحؑ دعوت کا یہ کام ساڑھے نو سو برس تک کرتے رہے۔ اخلاص و بے لوثی اور شفقت و محبت کی یہ انوکھی مثال ہے۔ قوم کے استکبار و اعراض کے باوجود نوحؑ یہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگ عذاب الٰہی کے مستحق بن جائیں۔ جس انداز سے بھی انہیں

مطمئن کیا جاسکتا تھا وہی اختیار کرتے رہے۔ قرآن اس پر شاہد عادل ہے کہ

ولقد ارسلنا نوحا الی قومه فلبث فیهم الف سنة الا خمسین عاما (۳۲)

اور بلاشبہ ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی جانب رسول بنا کر بھیجا پھر وہ ان میں پچاس کم ایک ہزار سال رہا۔

اتنا عرصہ مسلسل دعوت دیتے رہنا اور ان کی اصلاح کے لئے کوشاں رہنا معمولی بات نہیں ہے۔ یہ کام اخلاص' ہمدردی و خیر خواہی اور شفقت و محبت کے بغیر ممکن نہیں۔

دعوت کے مخاطبین

انبیاءؑ کی دعوت عام ہوتی ہے۔ چونکہ یہ دعوت الی اللہ ہے اس لئے اسے نہ خفیہ رکھا جاسکتا ہے اور نہ کسی خاص گروہ تک محدود کیا جاسکتا ہے۔ صلائے عام ہوتی ہے جو اسے قبول کرتا ہے جماعت مومنین میں شامل ہوجاتا ہے۔ قرآن میں جہاں کہیں نوحؑ کا ذکر آیا ہے پوری قوم کے حوالے سے آیا ہے۔ قرآن نے نوحؑ کا تعارف کراتے ہوئے کہا:

انا ارسلنا نوحا الی قومه ان انذر قومک من قبل ان یاتیهم عذاب الیم (۳۳)

ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرائے قبل اس کے ان پر دردناک عذاب آپہنچے۔

البتہ انبیاء کی دعوت اپنے زمانے میں انہی لوگوں تک محدود ہوتی ہے جن کی طرف انہیں بھیجا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء سابقین کے تذکرے میں انکی قوموں' لوگوں اور خصوصی مسائل کا حوالہ ہے۔ ابراہیم و محمدؐ کے علاوہ تمام انبیاء کی دعوت مقامی اور خصوصی نوعیت کی ہے لیکن ہر نبی کی دعوت عمومی نوعیت کی ہوتی تھی۔ دعوت کی اس عمومی نوعیت میں عوام اور اشراف' غریب اور امیر سب شامل ہوتے یہ الگ بات ہے کہ اس دعوت کو قبول کرنے کا اولین شرف قوم کے پس ماندہ طبقات کو حاصل ہوتا۔

Marfat.com

(قرآن نے مخاطبین میں دو گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک "الملاء" [۳۴] اور دوسرا "الضعفاء")[۳۵] انسانی معاشروں کی ساخت اور ان کی تنظیم کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ ہر معاشرے میں جو لوگ کسی نہ کسی طرح اثر و رسوخ حاصل کرلیتے ہیں اور بالآخر معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ معاشرے کے یہ موثر لوگ صاحب اقتدار اور ان کے مصاحبین و کارندے ہوتے ہیں یا اصحاب ثروت۔ سادہ سی قبائلی زندگی سے لے کر پیچیدہ تمدنی تنظیم تک صاحبان اثر و رسوخ موجود رہتے ہیں۔ یہی لوگ معاشرے کا مجموعی رخ متعین کرتے ہیں۔ قرآن کی اصطلاح "الملاء" کم و بیش انہی لوگوں کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ اشراف قوم کے علاوہ دوسرے لوگ عوام کہلاتے ہیں۔ جن کی رائے بالعموم موثر گروہ کی وجہ سے تشکیل پاتی ہے۔ یہ لوگ بالعموم پیروکار ہوتے ہیں اور موثر و مقتدر لوگوں کے تابع ہوتے ہیں چونکہ عوام خود مختار نہیں ہوتے اس لئے کسی رائے کو پسند کرنے کے باوجود اسے اختیار کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں۔ قران کی اصطلاح "الضعفاء" سے مراد یہی لوگ ہیں۔

نوحؑ کی عمومی دعوت کے مخاطبین میں یہ دونوں گروہ شامل تھے۔

دعوت کا رد عمل

دعوت کے مخاطبین اگرچہ قوم کے سب لوگ تھے لیکن رد عمل مختلف تھا۔ عوام میں سے کچھ لوگوں نے دعوت پر لبیک کہا اور مومنین کہلائے اشراف قوم اور ان کی پیروی میں عوام کی اکثریت نے دعوت کو رد کردیا اور منکرین کہلائے۔ ایمان اور انکار کے علاوہ ایک تیسرا رد عمل بھی ہوتا ہے اور وہ ہے نفاق کا۔ منافقین معاشرے کا مفاد پرست گروہ ہوتا ہے جسے دعوت کی معرفت حاصل ہوتی ہے لیکن مفادات کی وجہ سے اسے قبول کرنے سے گریز کرتا ہے اور عملاً مخالفت ہی کی تائید میں ہوتا ہے۔ مومنین صدق دل سے دعوت کو قبول کرتے ہیں اور اس کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو برداشت کرتے ہیں۔ پیغمبر کے ساتھ وفادارانہ تعلق کی بنا پر مومنین کی حیثیت نمائندہ کردار کی ہوتی ہے جو کافرانہ معاشرے میں بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔ دعوت کے

Marfat.com

ردعمل میں قابل غور کردار منکرین دعوت کا ہے۔ انہی کے رویے سے پوری قوم کی قسمت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ نوحؑ کی دعوت کے جواب میں قوم نے جو رویہ اختیار کیا اسے قرآن نے نقل کیا ہے۔

سرداران قوم اور دعوت الی اللہ

نوحؑ کی دعوت کے جواب میں صاحب اثر گروہ نے انکار تحقیر اور تضحیک کا رویہ اختیار کیا:

قال الملاء من قومه انا لنراک فی ضلال مبین(۳۶)

اس قوم کے سرداروں نے جواب دیا ہم کو تو یہ نظر آتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔

انکار کی بنیادی وجہ تو اس گروہ کا استکبار تھا۔ انہیں سوسائٹی میں جو پوزیشن حاصل تھی اس کے کھوجانے کا انہیں اندیشہ تھا۔ نوحؑ نے اس استکبار کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے:

وانی کلما دعوتهم لتغفرلهم جعلوا اصابهم فی اذانهم و استغشوا ثیابهم و اصروا وستکبروا استکبارا(۳۷)

اور جب میں نے ان کو بلایا (کہ توبہ کریں اور) تو ان کو معاف فرمائے تو. انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے۔

بگڑی ہوئی قوموں کے لیڈر اور اکابر اس کے فساد و بگاڑ کی جڑ ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے دعوت اصلاح کے سب سے زیادہ مخالف بھی یہی ہوتے اور دعوت کے مقابلے میں کٹ حجتیاں بھی یہی کرتے ہیں۔ نوحؑ کی سادہ اور صاف، واضح اور مبرہن کے جواب معاضرت بھی انہوں نے پیش کئے ان معارضات سے جہاں وہ اپنی پوزیشن کا دفاع کر رہے تھے وہاں عوام کے لئے غلط فہمیوں کا دروازہ کھول رہے تھے تاکہ عوام کی اکثریت کہیں اس دعوت سے متاثر نہ ہوجائے۔ قرآن مجید نے ان معارضات کا ذکر کیا

Marfat.com

ہے اور نوحؑ کے جوابات بھی بیان کئے ہیں۔ اعتراضات اور جوابات پر غور کرنے سے ایک انصاف پسند ذہن کو دعوت کی حقانیت کے سوا اور کچھ نظر نہیں آئے گا لیکن کج فہم انسان ان مغالطوں میں الجھا رہے گا اور راہ حق کو پانے سے محروم رہے گا۔

گمراہی کا الزام

نوحؑ پر پہلا اعتراض یہ تھا کہ تمہاری دعوت کھلی گمراہی ہے۔ باپ داد کے مذہب سے انحراف ہے اور آباء و اجداد کے معبودوں کی تحقیر ہے۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ تم عذاب الٰہی کی دھمکی بھی دیتے ہو۔ قرآن نے ان کے اس اعتراض کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

قال یقوم لیس بی ضللة ولکن رسول من رب العالمین ابلغکم رسالات ربی وانصح لکم واعلم من اللہ مالا تعلمون (۶۱-۶۲)

اس نے کہا اے میری قوم مجھ میں کوئی گمراہ نہیں ہے بلکہ تمام عالم کے رب کا رسول ہوں، تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا رہا ہوں اور تمہاری خیرخواہی کر رہا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

حاصل جواب یہ ہے کہ میں کوئی سرپھرا اور بھٹکا ہوا آدمی نہیں ہوں کہ بے تکی باتیں کر رہا ہوں بلکہ میں تو تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور اس کے پیغام کو بلاکم و کاست تمہیں سنا رہا ہوں۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ میں تمہارے لئے ہمدردی اور خیرخواہی کا جذبہ رکھتا ہوں اور تمہاری دل آزاری اور بیزاری کے باوجود میں تمہیں مسلسل سمجھا رہا ہوں کیونکہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ علم کی بنیاد پر عواقب سے جو آگاہی مجھے حاصل ہے وہ تمہیں میسر نہیں۔ لہٰذا تمہارا یہ الزام کہ میں گمراہی میں مبتلا ہوں ایک فضول بات ہے۔ میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا رہا ہوں بلکہ تمہاری بھلائی کے لئے مصروف کار ہوں

Marfat.com

تین اعتراضات

منکرین کے دیگر اعتراضات کو سورۂ ہود میں بیان کیا گیا ہے۔ ان اعتراضات کی بنیاد بھی ان کا استکبار ہے۔ ان کے خیال میں اصل حیثیت معاشرتی مرتبے کی ہے۔ لہٰذا جو شخص وہ مرتبہ نہیں رکھتا۔ اس کی بات قابل قبول نہیں نیز نبوت کے دعوے کے لئے ضروری ہے کہ وہ شخص مافوق البشر ہوں۔ چونکہ نوحؑ اور ان کے متبعین ان اوصاف سے متصف نہیں لہٰذا ان کی دعوت توجہ کے لائق نہیں۔ قرآن ان کے تین اعتراضات کو بیان کرتا ہے:

فقال الملاء الذین کفروا من قومه ما نرلک الا بشرا مثلنا وما نرلک اتبعک الا الذین هم اراذلنا بادی الرای وما نری لکم علینا من فضل بل نظنکم کذبین (۴۰)

اس کی قوم کے سربراہوں نے جنہوں نے کفر کیا جواب دیا کہ ہم تو تم کو بس اپنا ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں اور ہم تمہاری پیروی کرنے والوں میں انہی کو پاتے ہیں جو ہمارے اندر کے ذلیل لوگ ہیں۔ بے سمجھے بوجھے تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں اور ہم تم لوگوں کے لئے اپنے مقابل میں کوئی خاص امتیاز بھی نہیں دیکھ رہے ہیں بلکہ ہم تو تم کو بالکل جھوٹا خیال کررہے ہیں۔

نبی کی بشریت

منکرین نبوت کا پہلا اعتراض نبی کی بشریت پر تھا۔ انہیں نوحؑ اپنے جیسا انسان نظر آتے تھے۔ ان کے نزدیک رسول فرشتہ یا کوئی برتر مخلوق ہونا چاہیے۔ ایک عام انسان کا رسول ہونا انہیں اچنبھے کی بات معلوم ہوتی تھی۔ یہی وہ اعتراض ہے جو ہر نبی کے مخالف نے ان پر کیا۔ ما نرک الا بشرا مثلنا کے الفاظ ان کی بے بصیرتی کا پتہ دیتے ہیں۔

بشریت کے طعنہ کا ذکر کئی جگہوں پر مختلف پیرایوں میں آیا ہے۔ مثلاً:

Marfat.com

فقال الملاء الذین کفروا من قومه ما هذا الا بشر مثلکم یرید ان یتفضل علیکم و لوشاء الله لانزل ملائکة ما سمعنا بهذا فی آبائنا الاولین (۴۱)

ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اگر خدا چاہتا تو فرشتے اتار دیتا۔ ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی سنی ہی نہیں۔

اس سے بھی زیادہ انہیں ایک غیر معتاد انسان یعنی مجنون کہا گیا:

ان هو الا رجل به جنة فتربصوا به حتی حین (۴۲)

اس آدمی کو تو دیوانگی (کا عارضہ) ہے تو اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو۔

گویا نوحؑ کا بشر ہونا انہیں نبوت کے منافی نظر آتا تھا چونکہ وہ نبی تو تھے نہیں لہٰذا جو جدوجہد کر رہے تھے وہ دیوانگی کی وجہ سے تھی۔ ان کے مطابق ایسی سرگرمی کوئی سمجھ دار انسان نہیں کر سکتا۔

کم درجے کے متبعین

دوسرا اعتراض نوحؑ کے متبعین کی معاشرتی حیثیت پر تھا۔ کیونکہ مومنین کا تعلق عامتہ الناس سے تھا۔ تاریخ دعوت کی یہ دلچسپ حقیقت ہے کہ دعوت کے مخاطبین تو سوسائٹی کے تمام لوگ ہوتے ہیں اور داعی کی طبعی خواہش تو یہ ہوتی ہے کہ اعلیٰ طبقے کے افراد دعوت کو قبول کریں لیکن مشیت ایزدی نے یہ شرف پسے ہوئے طبقات کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے اس لئے اس طبقہ کے لوگ اولین مومنین ہوتے ہیں۔ مستکبرین اور معترضین کو یہ بات ناگوار گذرتی ہے۔

وما نرٰک اتبعک الا الذین هم اراذلنا بادی الرای (۴۳) کا بیان ان کی جھنجھلاہٹ کو واضح کرتا ہے۔ مستکبرین دراصل یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ نوحؑ کی دعوت قبول کرنے والے صائب الرائے افراد نہیں بلکہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ ایسے لوگ کہ جو بات پسند آئی بے سوچے سمجھے اسے اختیار کرلیا اور عواقب و نتائج پر غور ہی

Marfat.com

نہیں کیا۔ چونکہ معاشرے میں ان کی کوئی وقعت و قدر نہیں اس لئے ان کے ایمان لانے سے دعوت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا بلکہ ان کی موجودگی اشراف کو متنفر کرنے کا باعث ہے۔ قرآن نے اسی بات کو ایک اور جگہ نقل کیا ہے۔

قالوا انومن لک و اتبعک الارذلون (۴۴)

وہ بولے کیا ہم تم پر ایمان لائیں اور تمہارے پیرو تو رذیل لوگ ہوئے ہیں۔

نوحؑ کی قوم کے اعلیٰ طبقہ کو کسی طرح بھی یہ بات گوارا نہیں تھی کہ دعوت کی وجہ سے عامتہ الناس کے لوگ ان کی سطح کے برابر آجائیں لہٰذا وہ اسے دعوت کی بنیادی غلطی تصور کرتے اور نوحؑ کو عواقب سے خبردار کرتے۔

کمتر مادی حیثیت

سرداران قوم کو نوحؑ پر تیسرا اعتراض یہ تھا کہ نوحؑ اور ان کے ساتھیوں کے پاس مادی وسائل کی فراوانی نہیں ہے۔ نہ ان کے پاس دولت ہے نہ سیاسی منصب اور نہ سیم و زر کے خزانے۔ اگر نوحؑ واقعی اللہ کے رسول ہوتے تو خدم و حشم ساتھ ہوتے اللہ تعالیٰ اسے خزانوں کا مالک بناتا اور اس طرح وہ سوسائٹی کے ممتاز ترین افراد میں سے ہوتے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ نوحؑ اور ان کے ساتھی مادی وسائل کے اعتبار سے ہم سے بھی کم تر درجہ کے مالک ہیں۔ لہٰذا ہم ان کی بات کیوں مانیں۔

ومانری لکم علینا من فضل کے الفاظ ان کے غرور اور احساس برتری کی نشاندہی کرتے ہیں۔

نوحؑ نے ان اعتراضات کے جو جوابات دیئے انہیں قرآن نے نقل کیا ہے:

قال یقوم ارء یتم ان کنت علی بینة من ربی و آتنی رحمة من عنده فعمیت علیکم انلزمکموها وانتم لها کرهون۔ ویقوم لا اسئلکم علیه مالا ان اجری الا علی الله وما انا بطارد الذین امنوا انهم ملقوا ربهم ولکنی ارکم قوما تجهلون و یقوم من ینصرنی من الله ان طردتهم

Marfat.com

افلاتذکرون۔ ولا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول انی ملک ولا اقول للذین تزدری اعینکم لن یوتیھم اللہ خیراً اللہ اعلم بما فی انفسھم انی اذا لمن الظلمین (۴۵)

اس نے کہا اے میری قوم' بتاؤ اگر میں اپنے رب کی جانب سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور پھر اس نے خاص اپنی رحمت سے بھی مجھے نوازا اور وہ تم سے پوشیدہ رہی تو کیا ہم اس کو تم پر چپکادیں جب کہ تم اس سے بیزار بھی ہو۔ اور اے میری قوم میں اس خدمت پر تم سے کسی مال کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور میں ان لوگوں کو ہرگز دھتکارنے والا نہیں جو ایمان لائے ہیں۔ یہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں بلکہ میں تو تم کو دیکھ رہا ہوں کہ تم جہالت میں مبتلا ہو۔ اور اے میری قوم اگر میں ان کو دھتکاردوں تو اللہ کے مقابل میں کون میری مدد کرے گا۔ کیا تم لوگ اس پہلو پر دھیان نہیں کرتے؟ اور میں تمہارے سامنے یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں اور نہ میں ان لوگوں کے بارے میں جن کو تمہاری نگاہیں حقیر دیکھتی ہیں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو کوئی خیر دے ہی نہیں سکتا۔ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اس کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ اگر میں ایسا کروں تو میں ہی ظالم ٹھہروں۔

یہ آیات نوحؑ کے جامع جواب پر مشتمل ہیں۔ نوحؑ ان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دعوت الی اللہ کی ذمہ داری کا سبب میری فطرت سلیمہ اور وحی اللہ کی روشنی ہے۔ تم نے فطرت کی آواز کو نافرمانیوں کی وجہ سے ختم کردیا ہے۔ لہٰذا تم اللہ کی رحمت کو قبول کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوگئے ہو۔ اس میں میرا کیا قصور ہے میں بھی تمہارے جیسا انسان ہوں لیکن مجھے اللہ نے اپنی رحمت سے نوازا ہے اور میں نے اس رحمت کو قبول کیا ہے۔ تم قبول کرو تو تم بھی اس رحمت کے مستحق ہوسکتے ہو۔

Marfat.com

منکرین کی رعونت اور مومنین کے لئے ان کے تحقیر آمیز رویے کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں تم سے اس دعوت کے بدلے کوئی معاوضہ تو وصول نہیں کر رہا کہ تمہاری ناراضگی سے مجھے مالی نقصان ہوگا' میرا اجر تو اللہ کے ہاں ہے۔ میں تو رب کی رحمت کو تقسیم کررہا ہوں جس کے انکار سے تمہارا ہی نقصان ہے مجھے کوئی خسارہ نہیں۔ جہاں تک مومنین کا تعلق ہے تو میں انہیں تمہاری دلداری کے لئے دھتکارنے والا نہیں۔ اگر ایسا کروں تو اللہ کے سامنے کیا منہ دکھاؤں گا۔ جنہیں تم حقیر سمجھ رہے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔

اور پھر آخر میں مادی فضیلت اور بشیرت کے حوالے سے کھری بات سنادی کہ مجھے کوئی دعویٰ نہیں کہ میرے پاس خزانے ہیں یا میں فرشتہ ہوں یا جن کو تم حقیر سمجھ رہے ہو ان کے بارے میں یہ کہہ دوں کہ انہیں خیر نہیں ملنے والا ــــــ

میں فوق البشر نہیں' غیب دان نہیں' خزانوں کی کنجیاں بھی میرے پاس نہیں اور ان حقیر سمجھنے والے لوگوں کو خیر سے محروم کرنے کی قوت بھی نہیں رکھتا۔ میں تو صرف اللہ کا رسول ہوں اور اس کا پیغام تمہیں سنا رہا ہوں۔ اس کے علاوہ میری کوئی دلچسپی نہیں۔

اس طرح منکرین کے دلائل کا منہ توڑ جواب دے دیا۔ جب یہ لوگ دلائل کے میدان میں شکست کھاگئے تو انہوں نے نوحؑ سے عذاب لانے کا مطالبہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ ہم انہونی بات کہیں گے تو اسے عاجز کردیں گے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اعتراضات کے شافی جواب مل جانے پر ایمان لے آتے لیکن انہوں نے حسب عادت کٹ حجتی کی راہ اختیار کی قرآن نے ان کے رویہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

قالوا ینوح قدجا دلتنا فاکثرت جدالنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین (۴۶)

وہ بولے اے نوح تم نے ہم سے بحث کرلی اور بہت بحث کرلی اگر تم سچے ہو تو وہ چیز ہم پر لاؤ جس کی تم ہمیں برابر دھمکی سنا رہے ہو۔

اس کا جواب بھی نوحؑ نے حسب معمول نرمی اور شفقت سے دیا اور واضح کیا کہ

عذاب دینے کا اختیار اس کے پاس نہیں بلکہ یہ معاملہ رب کے اختیار میں ہے اور جب اس کی گرفت آئے گی تو اس سے کوئی نہیں بچ سکے گا:

قال انما یاتیکم به اللّٰه ان شاء وما انتم بمعجزین۔ ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم ان کان اللّٰه یرید ان یغویکم هوربکم والیه ترجعون (۴۷)

اس نے جواب دیا کہ اس کو تو تم پر اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اگر وہ چاہے گا اور تم اس کے قابو سے باہر نہ نکل سکو گے اور میری خیر خواہی تم پر کچھ کارگر نہیں ہوسکتی اگر میں تمہاری خیر خواہی کرنا چاہوں اگر اللہ تم کو گمراہ کرنا چاہتا ہو۔ وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے۔

نوحؑ کے واضح اور روشن دلائل کے مقابلے میں جب وہ عاجز آگئے اور ان کے اصولی موقف کے مقابلے میں کوئی قوی دلیل نہ پاکر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے۔ انہوں نے آپ کو ڈرانا دھمکانا اور سنگسار کرنے کی دھمکی دینا شروع کی۔ انہوں نے کہا:

قالوالئن لم تنته ینوح لتکونن من المرجومین (۴۸)

انہوں نے کہا اے نوح! اگر تم باز نہ آؤ گے تو سنگسار کردیئے جاؤ گے۔

مستکبرین و مترفین نے نوحؑ کو جو دھمکی دی وہ تاریخ دعوت کا ایک اہم نشان ہے ہر دور کے طاغوتوں نے داعی حق اور اسلامی جماعت کے خلاف یہی انداز اختیار کیا ہے۔ ابتداء میں اعراض' تحقیر اور تمسخر سے کام لیا جاتا ہے جب دعوت کے قوی دلائل انہیں علمی و عقلی اعتبار سے لاچار کردیتے ہیں تو وہ خطرناک نتائج کی دھمکی دیتے ہیں اور جوں جوں اسلامی جماعت طاقتور ہوتی ہے اور مومنین کی تعداد بڑھتی ہے توں توں طاغوت اور اس کی جماعت کا پارہ چڑھنا شروع ہوتا ہے اور وہ مختلف قسم کی منصوبہ بندی سے دعوت الی اللہ کے اثرات کو محدود کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ظلم' وحشیانہ سزائیں' قتل و نہب' ایذا رسانی و ملک بدری ایسے تمام ہتھیار آزمائے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ پروپیگنڈے کی مہم تیز کردی جاتی ہے تاکہ فضا مسموم رہے اور معاشرے کا مجموعی رویہ اہل حق کے خلاف رہے۔

Marfat.com

نوحؑ کے عہد سے لے کر اب تک دعوت الی اللہ کے مقابلے میں طاغوتوں کا یہی اسلوب رہا ہے اس اسلوب میں تھوڑا بہت تنوع تو ہوا ہے عمومی اسلوب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

نوحؑ کو ان شدید حالات کا سامنا تھا اور بظاہر مخالفانہ سرگرمیوں میں کوئی کمی نظر نہیں آرہی تھی۔ قوم کی طرف سے پیش آنے والے مصائب و آلام اور ان کی ہٹ دھرمی کا اپنے رب سے شکوہ کیا اور فتح و نصرت کی درخواست کی۔

قال رب انصرنی بما کذبون (۴۹)

پروردگار انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر

فدعا ربه انی مغلوب فانتصر (۵۰)

تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (بار الہا) میں ان کے مقابلے میں کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے۔

نوحؑ اپنی قوم سے مایوس ہوگئے تھے۔ چند ہی لوگ تو تھے جو ایمان لائے تھے۔ باقی لوگ مستکبرین کے زیر اثر تھے اور ان پر کسی قسم کی نصیحت اثر نہیں کر رہی تھی۔ اس حالت میں وہ بار بار اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتے اور فتح و نصرت کی دعا کرتے۔ قرآن نے مایوسی کی اس کیفیت کا ذکر بڑے موثر انداز میں کیا ہے:

وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ انک ان تذرهم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا۔ رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مومنا و للمومنین والمومنات ولا تزد الظالمین الا تبارا (۵۱)

اور پھر نوحؑ نے (یہ) دعا کی کہ میرے پروردگار کسی کافر کو روئے زمین پر بستا نہ رہنے دے اگر تو ان کو رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہوگی۔ اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان لاکر میرے گھر میں آئے اس کو اور تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو

Marfat.com

معاف فرما اور ظالم لوگوں کے لئے اور زیادہ تباہی لا۔

نوحؑ کی بے بسی اور رب کریم کی طرف رجوع نے رحمت ایزدی کو متوجہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کو تسلی دی کہ تم نے اپنی ذمہ داری پوری کرلی۔ تمہاری قوم میں سے اب مزید لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

وا وحی الی نوح انہ لن یومن من قومک الا من قد آمن فلا تبتئس بما کانوا یفعلون (۵۲)

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لاچکے ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا' تو جو کام یہ کر رہے ہیں' ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ۔

دعوت سے انکار کا انجام

نوحؑ نے جن صبر آزما حالات میں دعوت الی اللہ کا کام کیا اور جتنا عرصہ سرگرم عمل رہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کا اخلاص' ان کی بے لوثی اور ہمدردی و خیرخواہی کچھ بھی ان کی بدقسمت قوم کو متاثر نہ کرسکی۔ وہ جس قدر زیادہ دعوت الی اللہ میں سرگرم ہوتے اتنا ہی زیادہ وہ کفر و طغیان میں بڑھ جاتے۔ ستم ظریفی ہے کہ منکرین خود عذاب الٰہی کا مطالبہ کرتے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیات سے واضح ہے۔ نوحؑ کو ان کے کفر کا یقین ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں ان کی بے ایمانی کی خبر دے دی تھی۔ نوحؑ کی دعا نے ان کے انجام کو قریب تر کردیا۔ نوحؑ کو بتا دیا گیا تھا کہ اب اس قوم کی تباہی قریب ہے۔ لہٰذا اس عذاب سے بچاؤ کی تیاری کرلو۔ ارشاد ربانی ہے:

واصنع الفلک باعیننا ووحینا ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انہم مغرقون (۵۳)

اور تم کشتی بناؤ ہماری نگرانی میں اور ہماری ہدایت کے مطابق اور ان ظالموں کے باب میں اب ہم سے کچھ نہ کہو' یہ تو غرق ہوکر رہیں گے۔

نوحؑ کشتی بنانے میں مصروف تھے اور ان کی بدبخت قوم کو پھر بھی احساس نہ ہوا کہ ان

کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ وہ انہیں مجنون' گمراہ اور بے سمجھ قرار دے چکے تھے۔ ان کے نزدیک کشتی بنانا ایک احمقانہ فعل تھا جسے وہ اپنے دعوئ کے ثبوت میں پیش کرتے اور مذاق اڑاتے۔ نوحؑ اس موقع پر بھی انہیں سمجھانے سے باز نہ آئے۔ انہیں احساس دلاتے رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بے سمجھی مذاق اڑانے کا سبب نہ بن جائے۔

قرآن اسی صورت حال کو اس طرح بیان کرتا ہے:

و یصنع الفلک وکلما مر علیه ملاء من قومه سخروامنه قال ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون من یاتیه عذاب یخزیه و یحل علیه عذاب مقیم (۵۴)

(اور وہ کشتی بنانے لگا اور جب جب اس کی قوم کے بڑوں کی کوئی جماعت اس کے پاس سے گذرتی تو اس کا مذاق اڑاتی۔ وہ ان کو جواب دیتا کہ اگر تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو جس طرح تم مذاق اڑا رہے ہو اسی طرح ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے۔ تم جلد جان لو گے کہ وہ کون ہیں جن پر وہ عذاب آتا ہے جو ان کو رسوا کر کے رکھ دیتا ہے اور وہ قہر نازل ہوتا ہے جو ٹک کے رہ جاتا ہے۔)

طوفان

پھر وہ گھڑی آن پہنچی4 جب اللہ تعالیٰ کا عذاب طوفان کی صورت میں آپہنچا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ نوحؑ کا مذاق اڑانے والے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا امتحان لینے والے اس کے عذاب کی گرفت میں تھے (قرآن نے نوحؑ کے قصہ میں مختلف مقامات پر اس کا نقشہ کھینچا ہے۔

ففتحنا ابواب السماء بماء منهمر و فجرنا الارض عیونا فالتقی الماء علی امر قد قدر و حملنه علی ذات الواح و دسر تجری باعیننا جزاء لمن کان کفر (۵۵)

Marfat.com

پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کردیئے تو پانی ایک کام کے لئے جو مقدر ہوچکا تھا جمع ہوگیا اور ہم نے نوحؑ کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی سوار کرلیا وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی (یہ سب کچھ) اسی شخص کے انتقام کے لئے کیا گیا جس کو کافر مانتے نہ تھے۔

حتی اذا جاء امرنا وفار التنور قلنا احمل فیھا من کل زوجین و اھلک الا من سبق علیہ القول ومن آمن وما آمن معہ الا قلیل۔ و قال ارکبوا فیھا بسم اللہ مجرھا ومر سھا۔ ان ربی لغفور رحیم (۵۶)

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور طوفان ابل پڑا ہم نے اس کو کہا کہ ہر چیز میں سے نر و مادہ دونوں کو اور اپنے اہل و عیال کو بجز ان کے جن پر حکم نافذ ہو' اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں' اس کشتی میں سوار کرلو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کی تعداد تو بس تھوڑی ہی تھی اور اس نے کہا کہ اس میں سوار ہوجاؤ اور اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا میرا رب بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ ایک دہشت ناک اور خوفناک منظر ہوگا آسمان کی بلندیوں سے موسلادھار بارش ہورہی ہے اور زمین نے اپنے تمام چشموں کے دہانے کھول دیئے ہیں جس کے باعث ساری زمین تلاطم خیز موجوں والے سمندر میں تبدیل ہوگئی ہے۔ اس ہولناک طوفان نے روئے زمین کی پستیوں اور بلندیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ یوں مستکبرین اور منکرین اپنے متبعین سمیت غرق ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں کی ہلاکت کا انتظام کیا کیونکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی تھی۔ ظلم کا ارتکاب کیا اور توبہ و رجوع الی اللہ سے انکار کردیا۔ جس عذاب کا وہ مطالبہ کرتے تھے اس کی زد میں آکر ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئے اور آنے والی نسلوں کے لئے سامان عبرت بن گئے۔

نوح کی آخری آزمائش

طوفان کا پانی ہر پست و بالا جگہ کو گھیر رہا تھا اور متلاطم موجیں منکرین خدا کو اپنی

Marfat.com

لپیٹ میں لے رہی تھیں اور کشتی اس تلاطم میں مومنین کو لے کر چل رہی تھی کہ نوحؑ نے اپنے بیٹے کو دیکھا جو مخالفت کی وجہ سے کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا۔ شفقت پدری جوش میں آگئی اور آواز دے کر پکارا کہ بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہوجاؤ۔ قرآن نے اس منظر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وهی تجری بهم فی موج کالجبال ونادی نوح ابنه وکان فی معزل یبنی ارکب معنا ولا تکن مع الکافرین (۵۷)

اور وہ کشتی پہاڑوں کی اٹھتی موجوں کے درمیان ان کو لے کر چلنے لگی اور نوح نے اپنے بیٹے کو جو ان سے الگ تھا آواز دی کہ اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہوجا اور ان کافروں کا ساتھ نہ دے۔

قدرت نے نوحؑ کا امتحان لیا۔ یوں بھی ہوسکتا تھا کہ کافر بیٹا دوسرے لوگوں کے ساتھ غرق ہوجاتا اور نوحؑ کو پتہ بھی نہ چلتا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی وفاداری کو کار دعوت میں مصروف کارکنوں کے لئے بطور نمونہ محفوظ رکھنا تھا۔ اس لئے اس خوفناک منظر میں جب پہاڑوں کی سی موجیں اٹھ رہی ہیں' ہر شے غرق ہو رہی ہے اور کشتی اس تلاطم خیز طوفان میں رواں دواں تھی کہ نوحؑ کی نظر اپنے بیٹے پر پڑی جو اس ہولناک صورت حال میں حیران و ششدر کھڑا ہے لہٰذا فطری طور پر بیٹے کو آواز دی جس میں رجوع الی اللہ کی دعوت بھی تھی۔ بیٹے کے کفر میں کمی نہیں آئی تھی اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف مائل نہ تھا اس لئے اس نے کشتی میں سوار ہونے سے اور مومنین کے ساتھ شامل ہونے سے انکار کردیا اور بالآخر دوسرے کفار کی طرح وہ بھی غرق ہوکر لقمہ اجل بن گیا۔ قرآن نے باپ بیٹے کے مکالمے اور بیٹے کے غرق ہونے کے منظر کو بیان کیا ہے:

قال ساوی الی جبل یعصمنی من الماء قال لا عاصم الیوم من امر اللہ الا من رحم و حال بینهما الموج فکان من المغرقین (۵۸)

اس نے کہا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔ نوحؑ نے کہا' آج اللہ تعالیٰ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر

Marfat.com

وہی جس پر رحم فرمائے اور ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ بھی غرق ہونے والوں میں سے ہو کے رہا۔)

(نوحؑ نے بیٹے کو ڈوبتے دیکھا تو رب سے استدعا کی کہ وہ اپنی رحمت سے اس کے بچالے) اور یہ دعا غالباً" اس احساس پر مانگی کہ بیٹا اہل میں سے ہے) کیونکہ سورۂ ھود کی آیت چالیس میں "اھلک" کی اجازت ملی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس درخواست کو مسترد کردیا اور نوحؑ کو بتایا کہ یہ بیٹا تمہارے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ نجات کا وعدہ صرف اہل ایمان کے لئے تھا اور تمہارے اہل میں وہی شامل تھے جو بطور مومن تمہارے ساتھ وابستہ تھے۔

(و نادی نوح ربہ فقال رب ان ابنی من اھلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین قال ینوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم انی اعظک ان تکون من الجھلین (۵۹)

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ اے میرے خداوند میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ پکا ہے اور تو تمام فیصلہ کرنے والوں سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والا ہے۔ فرمایا' اے نوح وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے' وہ نہایت نابکار ہے' مجھ سے اس چیز کے لئے درخواست نہ کرو جس کے باب میں تمہیں کچھ علم نہیں اور میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے نہ بنو۔)

اس تنبیہہ پر نوحؑ نے رب کریم سے معافی مانگی اور توبہ کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔)

(قال رب انی اعوذبک ان اسئلک مالیس لی بہ علم والاتغفرلی و ترحمنی اکن من الخسرین (۶۰)

اس نے کہا اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے کسی ایسی چیز کی درخوست کروں جس کے باب میں مجھے کوئی علم نہیں اور اگر تو میری مغفرت نہ کرے گا اور مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں نامرادوں میں

Marfat.com

ہو جاؤں گا۔

نوحؑ کے بیٹے کا غرق ہونا غالباً" اس کام کی تکمیل کا آخری مرحلہ تھا۔ نوح کی آزمائش سعادت و شقاوت کے قانون کی وضاحت اور نبی اور رب کے تعلق کی توضیح کے بعد طوفان کے جاری رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ قومِ نوح انہی تمام رعونتوں، جہالتوں اور گمراہیوں سمیت غرق ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے طوفان کا پانی اترنا شروع ہو گیا۔

وقیل یا رض ابلعی ماء ک و یسماء اقلعی و غیض الماء و قضی الامر واستوت علی الجودی و قیل بعداً للقوم الظالمین (٦١)

اور حکم ہوا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی اتار دیا گیا اور معاملے کا فیصلہ ہو گیا اور کشتی کوہ جودی پر جا لگی اور اعلان کر دیا گیا کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے۔

قرآن مجید نے کشتی کے ٹھہرنے کا ہی ذکر نہیں کیا بلکہ نوحؑ اور جماعت مومنین کے اترنے کو بابرکت قرار دیا۔ یہ صرف نصرت الٰہی کی تکمیل کا مرحلہ ہی نہ تھا بلکہ نئی زندگی کے آغاز کو سلامتی و برکت سے نوازنے کا مرحلہ بھی تھا اور آنے والی نسلوں کے لئے تنبیہہ کا سامان بھی۔ کشتی رکی تو ارشاد ربانی ہوا:

قیل ینوح اہبط بسلم منا و برکت علیک و علی امم ممن معک وامم سنمتعھم تم یمنبھم منا عذاب الیم (٦٢)

ارشاد ہوا اے نوح اترو، ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اپنے اوپر بھی اور ان امتوں پر بھی جو ان سے ظہور میں آئیں جو تمہارے ساتھ ہیں۔ اور ایسی امتیں بھی اٹھیں گی جن کو ہم بہرہ مند کریں گے پھر ان کو ہماری طرف سے ایک دردناک عذاب پکڑے گا۔

اس طرح ساڑھے نو سو برس کے دور ابتلاء کا خاتمہ ہوا۔ مستکبرین و منکرین کا نام و نشان مٹ گیا۔ کفر و شرک اور ظلم و جور کے تمام نشان مٹ گئے۔ نوحؑ کا مذاق اڑانے والے اور نادار پیروؤں سے تمسخر کرنے والے اپنے انجام کو پہنچے۔ اس

Marfat.com

طرح نوح اور قوم نوح نسل انسانی کے آنے والے افراد کے لئے نصیحت و عبرت کا سامان بن گئے۔ قرآن نے دعوت الی اللہ کے بارے میں جب بھی بات کی ہے اس کا آغاز ذکر نوح سے ہوا ہے۔

نوحؑ کا تجربہ' تاریخ دعوت میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ دعوت کے لئے جو استدلال کیا گیا' دعوت کے موضوع کو جس طرح بیان کیا گیا' مخالفین کے الزامات اور اعتراضات کی جو تفصیل دی گئی' مومنین و منکرین کے حالات جس طرح مذکور ہوئے داعی اور اس کے متبعین کو اذیت کے جن مرحلوں سے گذرنا پڑا اور بالاخر منکرین کا جو انجام ہوا وہ سب کچھ تمام انبیاء کی جدوجہد میں موجود ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تمام انبیاء کی دعوتی سرگرمیوں میں ایک ہی منہاج قائم ہے۔ زبان' اسلوب' دلائل' رویے' ردعمل سب میں ایک طرح کی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اگر کوئی فرق ہے تو صرف مقامی حالات اور کرداروں کا ہے ورنہ ایسے لگتا ہے کہ تاریخ دہرائی جارہی ہے۔ نوحؑ کے واقعہ سے ایک داعی کے لئے چند سبق ملتے ہیں جنہیں پیش نظر رکھنے سے دعوت کے کام میں آسانیاں پیدا ہوں گی۔

۱۔ یقین و ایمان

نوحؑ کو اس امر کا کامل یقین تھا کہ دعوت کا جو کام وہ کر رہے ہیں وہ حق اور سچ ہے۔ اس یقین میں کبھی تزلزل نہیں آیا اور وہ علی وجہ البصیرت یہ فریضہ انجام دیتے رہے۔ کار دعوت کا کوئی کارکن یقین و ایمان کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔

۲۔ صبر و استقامت

نوحؑ کا صبر اور ان کی استقامت ہر داعی کے لئے مشعل راہ ہے۔ ساڑھے نو سو برس تک دعوت کی مصروفیت' ایذا رسانیوں کا مقابلہ اور مشکلات و مصائب کو برداشت کرنے کا حوصلہ وہ پہلو ہیں جنہیں ہر داعی کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

Marfat.com

۳۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد

دعوت الی اللہ کا کام چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی خوشنودی ہی کے لئے ہے اس داعی کو ہر لمحہ رب کی ذات سے وابستہ رہنا چاہیے۔ اس راہ میں مادی سہارے اور دنیوی وسائل کبھی وجہ تسلی نہیں ہوتے۔ مخالفتوں کے طوفان' الزامات کی بوچھاڑ اور ایذا رسانی کے ہنگاموں میں صرف اور صرف اللہ کی ذات ہی سکون کا باعث ہوتی ہے۔ داعی اسی سے اپنے حالات کے شکوے کرتا ہے' اسی سے وہ دعائیں کرتا ہے اور اسی سے اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کی معافی چاہتا ہے۔ اول و آخر اسی کی ذات وجہ اعتماد ہوتی ہے نوحؑ کی شخصیت میں یہ پہلو بدرجہ اتم موجود ہے۔ جب لوگ آپ سے مذاق کررہے تھے اور آپ حد درجہ ضعف و قلت کا شکار تھے' ان ناساعد حالات میں بھی وہ پراعتماد نظر آتے تھے۔

قال ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون من یاتیه عذاب یخزیه و یحل علیه عذاب مقیم (۶۳)

اس نے کہا کہ اگر تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو جس طرح تم مذاق اڑا رہے ہو اسی طرح ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے۔ تم جلد جان لو گے کہ وہ کون ہیں جن پر وہ عذاب آتا ہے جو ان کو رسوا کرکے رکھ دیتا ہے اور وہ قہر نازل ہوتا ہے جو ٹک کے رہ جاتا ہے۔

اس اعتماد کا ایک اظہار دعا ہے۔ دعا داعی کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اس کے ذریعے وہ نہ صرف اپنے رب کا قرب حاصل کرتا بلکہ اسکی نصرت کا استحقاق حاصل کرتا ہے۔ دعا نفسیاتی تسکین اور اعتماد علی اللہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ قرآن نے نوحؑ کی دعاؤں کا ذکر کیا ہے۔

و نوحا اذ نادی من قبل فاستجبنا له فنجینه و اهله من الکرب العظیم (۶۴)

اور اس سے قبل جب نوح نے پکارا تو ہم نے اس کی پکار کو سنا اور اسے اس کے گھر والوں کو کرب عظیم سے نجات دی۔

Marfat.com

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

ولقد نادانا نوح فلنعم المجیبون و نجینہ و اھلہ من الکرب العظیم (۶۵)

ہم کو (اس سے پہلے) نوح نے پکارا تھا تو دیکھو ہم کیسے اچھے جواب دینے والے تھے ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو کرب عظیم سے بچالیا۔

داعی کو مادی وسائل سے غافل نہیں رہنا چاہیے اور ان کے حصول اور تنظیم کے لئے پوری کوشش کرنی چاہیے لیکن بھروسہ صرف اور صرف ذات باری پر رہنا چاہیے جو فتح و نصرت کی کلید ہے۔ نوحؑ کی مشکلات اور ان کے ابتلاء کی کوئی حد نہ تھی لیکن جب اللہ کی نصرت آئی تو اس کی قوت اور احاطہ کی بھی کوئی حد نہ تھی۔

آزمائش و ابتلاء

نوحؑ کی حیات مبارکہ بتاتی ہے کہ داعی کو پیہم آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ آزمائشیں اس کے اخلاص کا امتحان بھی ہوتی ہیں اور اس کی شخصیت کے نکھار کا ذریعہ بھی۔ اس ابتلاء میں مخالفین کے حملے' ان کی سازشیں اور اذیتیں بھی ہوتی ہیں اور اپنے خاندان کا کفر بھی۔ نوحؑ کو دشمنوں کے ظلم و جبر سے نجات دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے در کھول دیئے تھے جس میں دعوت کے معاندین اپنی قوت و حشم کے باوجود غرق ہوگئے تھے لیکن ٹھیک اسی وقت بیٹے کے غرق ہونے کا منظر بھی دکھا دیا گیا تاکہ نوحؑ کی وفاداری اور اطاعت کیشی کا امتحان ہوسکے۔ جب بشری تقاضے کے تحت اظہار مدعا کر بیٹھے اور مالک کی مرضی کا علم ہوگیا تو اطاعت شعار بندے نے معافی طلب کی اور نیاز مندی کی راہ اختیار کی اور دل کی گہرائیوں سے معافی مانگی۔ نوح کی طلب مغفرت کے الفاظ پر غور کیجئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کا یہ بندہ جان سپردگی کے کس مقام پر کھڑا ہے۔

رب انی اعوذبک ان اسئلک مالیس لی بہ علم والا تغفرلی و ترحمنی اکن من الخاسرین (۶۶)

Marfat.com

نوحؑ نے کہا پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں فرمائے گا تو میں تباہ ہوجاؤں گا۔

اللہ کے اس بندے نے اپنی صبحیں اور اپنی شامیں' اپنے دن اور اپنی راتیں کار دعوت کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔ ایک ہی دھن ایک ہی غم اور ایک ہی کام' دعوت الی اللہ اور بس۔ ایک قلیل تعداد نے دعوت کو قبول کیا اور وہی بالآخر نجات پاسکے۔ اپنے گھرانے میں سے اٹھتی مخالفت پر صبر کرکے مصروف کار رہے اور اسی وقت کام ختم کیا جب کوئی امید باقی نہ رہی اور پروردگار کی طرف سے بھی اشارہ ملا کہ اب ان میں سے کوئی ایمان لانے والا نہیں۔ غیر نبی داعی کے لئے ایسی صورت کا پیدا ہونا ممکن نہیں کیونکہ وہ ملہم من اللہ نہیں ہوتا۔ تاہم قرائن و آثار سے اندازہ کرکے وہ اپنی سٹرٹیجی بدل سکتا ہے اور توفیق الٰہی کی استدعا کرسکتا ہے۔

نوح کا اسوہ تاریخ دعوت کی روشن مثال ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حضور اکرمؐ کو صبر و استقامت کی تلقین کرتے ہوئے اولوالعزم رسولوں کا حوالہ دیا گیا۔ فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل ولا تستعجل لھم۔" (الاحقاف / ۳۵)

۲۔ مسلم' کتاب الایمان' باب ادنی اھل الجنۃ منزلہ فیھا' ۱ / ۱۲۷

۳۔ البقرہ / ۲۱۳

۴۔ یونس / ۱۹' الانبیا / ۹۲' المومنون / ۵۳' ھود / ۱۱۸' النحل / ۹۳' الشوری / ۸

۵۔ الاعراف / ۵۹

۶۔ ھود / ۲۵۔ ۲۶

۷۔ الشعراء / ۱۰۶۔ ۱۰۸

۸۔ نوح / ۲' ۳ : سورۂ مومنون میں بھی عبادت رب کی دعوت کا ذکر ہے۔

Marfat.com

"ولقد ارسلنا نوح الی قومه فقال یقوم اعبدوا الله مالکم من اله غیره افلاتتقون" (المومنون / ۲۴)

۹۔ نوح / ۲۳

۱۰۔ بخاری' کتاب التفسیر' تفسیر سورۃ نوح' باب ودا ولا سواعا ' مختصر ابن کثیر' ۳ / ۵۵۴

۱۱۔ ابن جریر نے محمد بن قیس سے روایت کیا ہے۔ مختصر ابن کثیر' ۳ / ۵۵۴

۱۲۔ تفہیم القرآن' ۶ / ۱۰۳

۱۳۔ انبیاء / ۲۵

۱۴۔ نوح / ۳ ' ۴

۱۵۔ نوح / ۱۰

۱۶۔ الزمر / ۳

۱۷۔ تدبر قرآن ۸ / ۵۹۷

۱۸۔ ھود / ۵۲

۱۹۔ ھود / ۴۷

۲۰۔ نوح / ۲۸

۲۱۔ لسان العرب ' ۵ / ۲۰۱

۲۲۔ المومن / ۱۸

۲۳۔ ھود / ۲۵ ۔ ۲۶

۲۴۔ نوح / ۱ ' ۲ ۔ ان آیات میں "رسول مبین" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ایک جگہ پر "رسول امین" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ (الشعراء / ۱۰۷)

۲۵۔ الاعراف / ۵۹

۲۶۔ نوح / ۱۳ ۔ ۲۰

۲۷۔ نوح / ۱۰ ۔ ۱۲

۲۸۔ ھود / ۲۹

Marfat.com

۲۹۔ یونس / ۷۲

۳۰۔ الشعراء / ۱۰۵۔۱۰۷

۳۱۔ نوح / ۵۔۹

۳۲۔ العنکبوت / ۱۴

۳۳۔ نوح / ۱۔ اسی طرح قوم کی بابت اور جگہوں پر بھی ہے: (ہود / ۲۵) الشعراء / ۱۰۵۔۱۰۶' یونس / ۷۱

۳۴ الاعراف / ۶۰' المومنون / ۲۴

۳۵ ابراہیم / ۲۱' غافر / ۴۷

۳۶۔ الاعراف / ۶۰

۳۷۔ نوح / ۷

۳۸۔ الاعراف / ۶۰

۳۹۔ ایضاً / ۶۱۔۶۲

۴۰۔ ھود / ۲۷

۴۱۔ المومنون / ۲۴

۴۲۔ المومنون / ۲۵

۴۳۔ "اراذلنا" کے معنی ردی اور ذلیل و خوار قسم کے لوگ ہیں۔ اشراف کے مقابلے میں عام کارکن قسم کے لوگ گھٹیا تصور کئے جاتے۔ بادی الرای کے معنی ہیں وہ لوگ جو غور و فکر کے بغیر محض ظاہری رائے کو قبول کرلیتے ہیں اور اس کے حسن و قبح کا جائزہ نہیں لیتے۔ (تفسیر المنار' ۱۲ / ۶۱' دار المعرفۃ بیروت)

۴۴۔ الشعراء / ۱۱۱

۴۵۔ ھود / ۲۸۔۳۱' الشعراء / ۱۱۲۔۱۱۴۔ قال وما علمی بما کانوا یعملون۔ ان حسابھم الا علی ربی لو تشعرون۔ وما انا بطارد المومنین۔ (نوحؑ نے کہا مجھے کیا معلوم وہ کیا کرتے ہیں۔ ان کا حساب میرے پروردگار کے ذمہ ہے کاش تم سمجھو اور میں مومنوں کو نکال دینے والا نہیں)

Marfat.com

۴۶۔ هود / ۳۲

۴۷۔ هود / ۳۳ ۔ ۳۴

۴۸۔ الشعراء / ۱۱۶

۴۹۔ المومنون / ۲۶

۵۰۔ القمر / ۱۰

۵۱۔ نوح / ۲۶ ۔ ۲۸

۵۲۔ ہود / ۳۶

۵۳۔ ہود / ۳۷

۵۴۔ ہود / ۳۸ ۔ ۳۹

۵۵۔ القمر / ۱۱ ۔ ۱۴

۵۶۔ هود / ۴۰ ۔ ۴۱

۵۷۔ هود / ۴۲

۵۸۔ هود / ۴۳

۵۹۔ هود / ۴۵ ۔ ۴۶

۶۰۔ هود / ۴۷

۶۱۔ هود / ۴۴

۶۲۔ هود / ۴۸

۶۳۔ هود / ۳۸ ۔ ۳۹

۶۴۔ الانبیاء / ۷۶

۶۵۔ الصافات / ۷۵ ۔ نوح کی دعا کے الفاظ منقول ہیں : رب انی مغلوب فانتصر (القمر / ۱۰)

۶۶۔ هود / ۴۷

□□□

Marfat.com

Marfat.com

ھود علیہ السلام

نوحؑ کے بعد قرآن جس پیغمبر کا ذکر کرتا ہے وہ ھودؑ ہیں۔ قرآن مجید میں ان کا اور ان کی قوم کا ذکر نو جگہ آیا ہے[1] ھودؑ کے بارے میں معلومات کا ماخذ صرف قرآن ہے۔ یہودی روایات میں ان پر کچھ نہیں ملتا۔ ھودؑ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم عاد کے لئے رسول بنایا۔

قوم عاد

عاد' عرب کی قدیم اقوام میں سے ایک صاحب قدرت و اقتدار قوم تھی۔ عرب ان قدیم اقوام کو امم بائدہ (ہلاک ہوجانے والی قومیں) یا عرب عاربہ (خالص عرب) کہتے ہیں۔ ان اقوام کی مختلف جماعتوں کو عاد' ثمود' طسم اور جدلیس کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔[2] ان کا تعلق سام بن نوح کے اولاد سے تھا۔ انہیں عاد اولیٰ[3] اور عادم ارم ذات العماد[4] کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ طوفان نوح کے بعد اس قوم کے آباء و اجداد میں سے کچھ لوگوں نے جنوب کی طرف ہجرت کی ہوگی جہاں ان کی اگلی نسلوں نے بڑی قوت و شوکت حاصل کی۔ عرب لٹریچر میں یہ لوگ اپنی قدامت اور شوکت و حشمت کے لئے ضرب المثل ہیں۔ عربی زبان میں قدیم چیز کے لئے عادی بولا جاتا ہے اور آثار قدیمہ کو عادیات کہتے ہیں۔ عرب ماہرین انساب بھی اپنی معدوم قوموں میں سب سے پہلے اسی قوم کا نام لیتے ہیں۔

عاد کا مسکن

قوم عاد کا مرکزی مقام و مسکن احقاف[5] کا علاقہ جو حجاز' یمن اور یمامہ کے درمیان الربع الخالی کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ یہیں سے پھیل کر ان لوگوں نے

Marfat.com

یمن کے مغربی سواحل اور عمان و حضرموت سے عراق تک اپنی قوت و شوکت کی دھاک بٹھائی تھی۔ ابن اسحاق کے مطابق عاد کا علاقہ عمان سے یمن تک پھیلا ہوا تھا۔ جنوبی عرب کے باشندوں میں یہ بات مشہور ہے کہ عاد اسی علاقے میں آباد تھے۔ موجودہ شہر مکلا سے تقریباً ۱۲۵ میل کے فاصلے پر شمال کی جانب حضرموت میں ایک مقام ہے جہاں لوگوں نے حضرت ہود کا مزار بنا رکھا ہے اور وہ قبر ہود کے نام سے مشہور ہے۔ ہر سال ۱۵ شعبان کو وہاں عرس ہوتا ہے اور عرب کے مختلف حصوں سے ہزاروں آدمی وہاں جمع ہوتے ہیں۔ یہ قبر اگرچہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے لیکن اس کا وہاں بنایا جانا اور جنوبی عرب کے لوگوں کا کثرت سے اس کی طرف رجوع کرنا کم از کم اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ مقامی روایات اسی علاقے کو قوم عاد کا علاقہ قرار دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ حضرموت میں متعدد خرابے (Ruins) ایسے ہیں جن کو مقامی باشندے آج تک دار عاد کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔[6]

اللہ تعالیٰ نے انہیں بے حد' حساب نعمتوں سے سرفراز کیا تھا۔ انہوں نے چشمے جاری کئے' زمینوں کو زراعت کے قابل بنایا۔ مولانا اصلاحی کے بقول جس دور میں قوم عاد یہاں عروج پر تھی اسی زمانے میں یہ علاقہ نہایت سرسبز و شاداب اور ان عظیم تمدنی کارناموں سے معمور رہا ہوگا جن کے سبب قوم عاد کو تاریخ میں ایک خاص شہرت و عظمت حاصل ہوئی۔ لیکن اب وہی مقام ہے جہاں ایک لق و دق صحرا ہے جس کو دیکھ کر کوئی گمان بھی نہیں کرسکتا کہ کبھی یہاں تعمیر و تمدن کا بھی کوئی نقش قائم ہوا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ الاحقاف کے نام سے یہ علاقہ عاد کے زوال کے بعد موسوم ہوا ہے۔ جب یہاں شاندار تعمیرات کی جگہ صرف ریت کے ٹیلے رہ گئے۔[7]

عاد کا زمانہ

عاد کا زمانہ کونسا تھا؟ اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کی جاسکتی۔ کچھ مصنفین نے دو ہزار قبل مسیح کی بات کی ہے۔[8] قرآن مجید نے نوح کے بعد ان کا ذکر کیا ہے۔ ہودؑ اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

Marfat.com

واذکروا اذجعلکم خلفاء من بعد قوم نوح وزادکم فی الخلق بصطة فاذکروا آلاء اللہ لعلکم تفلحون (۹)

اور یاد کرو جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا اور تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ نجات حاصل کرو۔

عاد کا مذہب

عاد بت پرست تھے اور اپنے پیشرو قوم نوح کی طرح صنم پرستی اور صنم تراشی میں ماہر تھے۔ قوم نوح کے بتوں کے علاوہ انہوں نے اپنے الگ بت بھی بنا رکھے تھے۔ عبداللہ بن عباسؓ کا ایک اثر منقول ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اپنے بت بھی تھے۔ (۱۰) عاد رہنما اپنی مملکت اور سطوت و جبروت کے تحت اللہ تعالیٰ سے بغاوت پر آمادہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جسمانی طور پر بڑی قوت اور توانائی سے نواز رکھا تھا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے اپنے ہاتھوں کے تراشیدہ بتوں سے حاجت روائی و مشکل کشائی کی راہ اختیار کی۔ ان کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہودؑ کو ان کی طرف مبعوث فرمایا۔ ہودؑ عاد کی سب سے زیادہ معزز شاخ خلود کے ایک فرد تھے۔ سرخ و سپید رنگ اور وجیہہ تھے۔ (۱۱) ہودؑ نے اپنی قوم میں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ ان کی دعوت کے بنیادی نکات وہی ہیں جو نوحؑ کی دعوت میں نمایاں تھے۔

دعوت کا موضوع

ہودؑ کی دعوت کے موضوع میں عبادت رب، شرک کا ابطال اور ظلم و غرور پر تنبیہہ شامل ہیں۔ موضوع کے تمام اجزاء ہر نبی کی دعوت میں شامل رہے ہیں۔ قرآن مجید نے ان پہلوؤں کا ذکر کیا ہے۔ عبادت اور شرک کے ابطال کو بیان کرتے ہوئے کہا:

والی عاد اخاھم ھودا قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ افلا تتقون (۱۲)

Marfat.com

اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا' انہوں نے کہا میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں۔

والی عاد اخاھم ھودا قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ ان انتم الا مفترون (۱۳)

ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں (تم شرک کر کے خدا پر) محض بہتان باندھتے ہو۔

واذکر اخا عاد اذ انذر قومہ بالاحقاف وقد خلت النذر من بین یدیہ و من خلفہ الا تعبدوا الا اللہ انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم (۱۴)

اور قوم عاد کے بھائی ہود کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی اور ان سے پہلے اور پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے تھے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔

ظلم و غرور پر تنبیہہ

ہودؑ کی قوم جسمانی طاقت اور جاہ و جلال کی وجہ سے بے پناہ غرور میں مبتلا تھی۔ اور ظلم و جبر سے بھی دریغ نہیں کرتی تھی۔ سطوت و شوکت کی وجہ سے انہیں اپنے خالق و مالک کا احساس نہیں رہا تھا۔ ہودؑ انہیں تنبیہہ کرتے ہیں۔ ظلم و غرور سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور رب تعالیٰ کی طرف رجوع اور استغفار کی دعوت دیتے ہیں:

اتبنون بکل ریع آیۃ تعبثون و تتخذون مصانع لعلکم تخلدون۔ وا ذا بطشتم بطشتم جبارین فاتقوا اللہ واطیعون الذی امدکم بما

تعلمون امدکم بانعام و بنین و جنت و عیون۔ انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم (۱۵)

بھلا تم ہر اونچی جگہ پر عبث نشان تعمیر کرتے ہو اور محل بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہو گے اور اگر کسی کو پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو۔ تو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس سے جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو ڈرو۔ اس نے تمہیں چارپایوں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے۔ مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے (سخت) دن کے عذاب کا خوف ہے۔

ویقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یرسل السماء علیکم مدرارا ویزدکم قوۃ الی قوتکم ولا تتولوا مجرمین (۱۶)

(اور اے قوم اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو۔ وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار مینہ برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور (دیکھو) گنہ گار بن کر روگردانی نہ کرو۔)

دعوت کا انداز

(ہودؑ کا انداز دعوت اخلاص اور بے لوثی کا مظہر تھا) اور پیرناصح امین ہیں۔ وہی انداز اور وہی الفاظ جو نوحؑ کی دعوت کے سلسلے میں بیان کئے گئے ہیں:

نصیحت

ابلغکم رسلات ربی و انا لکم ناصح امین (۱۷)

میں تمہیں اللہ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانت دار و خیر خواہ ہوں۔

انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ واطیعون (۱۸)

میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو!

Marfat.com

بے لوثی

ما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی رب العالمین [۱۹]

اور میں اس کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلا خدائے رب العالمین کے ذمے ہے۔

یقوم لا اسئلکم علیه اجرا۔ ان اجری الا علی الذی فطرنی افلا تعقلون [۲۰]

میری قوم میں اس (وعظ و نصیحت) کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا اصلہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں۔

ہودؑ کے اخلاص اور بے لوثی کے باوجود آپ کی قوم نے دعوت کو قبول نہیں کیا۔ ایک قلیل تعداد نے ہودؑ کی بات مانی اور اکثریت نے انکار کی راہ اختیار کی۔

دعوت کا رد عمل

(ہودؑ کے اخلاص' بے لوثی اور ہمدردی کے باوجود بہت کم لوگ ایمان لائے۔ اکثریت نے نہ صرف انکار کیا۔ بلکہ مخالفت اور استہزاء مین کوئی کسر نہ اٹھا رکھی) اس مخالفت میں پیش پیش قوم کے سردار اور صاحبان اثر و نفوذ تھے۔ (اگرچہ ان کے پاس حق کے خلاف دلائل نہ تھے اور جن بتوں کی پرستش کرتے تھے اس کے لئے بھی کوئی دلیل نہ تھی لیکن اس کے باوجود وہ ہودؑ سے معجزے طلب کرتے) اور انہیں بے سمجھی کے طعنے دیتے۔ (اس سے بھی بڑھ کر یہ کہتے کہ ہودؑ کو ان کے معبودوں نے نقصان پہنچایا)

قالوا یهود ما جئتنا ببینة وما نحن بتارکی آلهتنا عن قولک وما نحن لک بمومنین ان نقول الا اعترلک بعض آلهتنا بسوء [۲۱]

وہ بولے ہود تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لائے اور ہم صرف تمہارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے

Marfat.com

تمہیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے۔

سرداران قوم کی بد تمیزی اور برے سلوک کا اندازہ ان کے متکبرانہ رویہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن نے ان کے رویے کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

قال الملاء الذین کفروا من قومه انا لنرئک فی سفاهة وانا لنظنک من الکاذبین (۲۲)

تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ تم ہمیں احمق نظر آتے ہو اور ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

ہودؑ کی قوم اپنے مشرکانہ اعمال اور متکبرانہ طرز عمل پر اس قدر مطمئن تھے کہ وہ ہودؑ کو ان کی دعوت کے حوالے سے چیلنج کرتے تھے اور ان سے عذاب کا مطالبہ کرتے ان کا خیال تھا کہ ہود کی ساری باتیں محض ڈراوے کی ہیں اور ان کا دماغ چل گیا ہے۔ ورنہ وہ اپنی قوم کی طاقت و حشمت کے خلاف ایسی باتیں کس طرح کر سکتے تھے۔ انہوں نے کہا:

اجئتنا لنعبد الله وحده ونذر ما کان یعبد آباءنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین (۲۳)

کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کریں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو وہ بات لا دکھاؤ جس کا ہمیں خوف دلا رہے ہو۔

سورۂ مومنون میں ان تمام دلائل کو جمع کردیا گیا ہے جو ہودؑ کی قوم نے ان کے خلاف استعمال کئے۔

وقال الملاء من قومه الذین کفروا و کذبوا بلقاء الاخرة واترفناهم فی الحیواة الدنیا ما هذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون منه و یشرب مما تشربون۔ ولئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخسرون ایعدکم انکم اذامتم وکنتم ترابا و عظاما انکم مخرجون۔ هیهات هیهات لما توعدون ان هی الا حیاتنا الدنیا

Marfat.com

نموت و نحیا وما نحن بمبعوثین۔ ان ھوالا رجل افتری علی اللہ کذبا وما نحن لہ بمومنین (۲۴)

تو ان کی قوم کے وہ سردار جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کو آسودگی دے رکھی تھی کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور جو (پانی) تم پیتے ہو اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے کا کہا مان لیا تو گھاٹے میں پڑ گئے۔ کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی ہوجاؤ گے اور استخوان (کے سوا کچھ نہ رہے گا) تو تم (زمین) سے نکالے جاؤ گے؟ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید اور (بہت) بعید ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور پھر نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے خدا پر جھوٹ افتراء کیا ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں۔

قرآن مجید نے ان کے غرور اور تکبر کا بھی ذکر کیا ہے جو انکار آخرت اور شرک کی وجہ سے تھا' اور اس کا جواب بھی دیا ہے۔

فاما عاد فاستکبروا فی الارض بغیر الحق و قالوا من اشدمنا قوۃ اولم یروا ان اللہ الذی خلقھم ھو اشد منھم قوۃ وکانو بایتنا یجحدون (۲۵)

جو عاد تھے وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے اور کہنے لگے ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے اور ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے۔

ہودؑ کا جواب

دعوت کا ایک بنیادی تقاضا یہ ہے کہ داعی اٹھنے والے سوالات کا جواب دے۔ ہودؑ

Marfat.com

کے مخالفین نے جو اعتراضات کئے تھے ان کے جوابات بھی دیئے گئے۔ قرآن کا اسلوب ہے کہ وہ منکرین کے اعتراض کو نقل کرتا ہے اور اس کا جواب بھی ساتھ شامل ہوتا ہے۔ جیسے انہوں نے کہا کہ ہم سے زیادہ کون طاقتور ہے؟ جواب دیا گیا کہ جس اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے۔ ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ ہودؑ کے پاس کوئی واضح دلیل نہیں اور محض ان کے کہنے پر تو معبودوں کو نہیں چھوڑا جاسکتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہی معبودوں کی تاثیر کی وجہ سے وہ آسیب زدہ لگتے ہیں۔ اس کے جواب میں ہودؑ نے صرف اتنا کہا:

قال انی اشهدالله واشهدوا انی بری مما تشرکون من دونه فکیدونی جمیعا ثم لا تنظرون انی توکلت علی الله ربی وربکم ما من دابة الا هو اخذ بنا صیتها ان ربی علی صراط مستقیم (۲۶)

انہوں نے کہا کہ میں خدا کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (خدا) کا شریک بناتے ہو میں اس سے بیزار ہوں (یعنی جن کی) اللہ کے سوا (تم عبادت کرتے ہو) تو تم سب مل کر میرے بارے میں جو تدبیر کرنی چاہو کرلو اور مجھے مہلت نہ دو میں اللہ پر جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے بھروسا رکھتا ہوں۔ زمین پر جو چلنے پھرنے والا ہے وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے بے شک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ ہودؑ بے وقوفی کی باتیں کرتے ہو۔ اس کے جواب میں کہا:

قال یقوم لیس بی سفاهة ولکن رسول من رب العالمین ابلغکم رسلت ربی و انا لکم ناصح امین (۲۷)

دوسری جگہ پر کہا:

قال انما العلم عندالله و ابلغکم ما ارسلت به ولکنی ارلکم قوما تجهلون (۲۸)

انہوں نے کہا کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو جو احکام دے کر

Marfat.com

بھیجا گیا ہوں وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی میں پھنس رہے ہو۔

انہوں نے کہا کہ میری قوم مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانتدار اور خیر خواہ ہوں۔

ان کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ ہودؑ اگر اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو انہیں انکار توحید و رسالت کے جواب میں عذاب آجانا چاہیے۔ اس کے جواب میں ہودؑ کہتے ہیں:

قال قد وقع علیکم من ربکم رجس و غضب اتجاد لوتنی فی اسماء سمیتموھا انتم و آباء کم ما نزل اللہ بھا من سلطن فانتظروا انی معکم من المنتظرین (۲۹)

ہودؑ نے کہا تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب کا نازل ہونا مقرر ہوچکا ہے کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے اپنی طرف سے رکھ لئے ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

ان کا چوتھا اعتراض یہ تھا کہ یہی دنیا ہے جس میں رہنا ہے آخرت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور ہودؑ تو محض ہمارے جیسے انسان ہیں۔

اس کے جواب میں ہودؑ نے ایک تو یہ کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اس کے حکم کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ چونکہ ان کے اعتراضات محض ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھے ان میں سمجھنے کی خواہش موجود نہ تھی۔ یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جب نبی اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت طلب کرتا ہے۔ طلب نصرت سے پہلے اتمام حجت ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً ہودؑ کا یہ جملہ منقول ہے:

او عجبتم ان جاء کم ذکر من ربکم علی رجل منکم لینذرکم (۳۰)

کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ

تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تاکہ تمہیں ڈرائے۔

فان تولوا فقد ابلغتکم ما ارسلت به الیکم و یستخلف ربی قوما غیرکم ولا تضرونه شیئا ان ربی علی کل شئی حفیظ (۳۱)

اگر تم روگردانی کرو گے تو جو پیغام میرے ہاتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ میں نے تمہیں پہنچا دیا ہے اور میرا پروردگار تمہاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا اور تم اس کا کچھ بھی نقصان نہیں کرسکتے میرا پروردگار تو ہر چیز پر نگہبان ہے۔

طلب نصرت

عاد کی ہٹ دھرمی کے باعث اب کسی استدلال کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ لہٰذا سنت انبیاء کے مطابق ہودؑ نے اللہ تعالیٰ سے نصرت کی درخواست کی:

قال رب انصرنی بما کذبون قال عما قلیل لیصبحن نادمین (۳۲)

اس پر اس رسول نے دعا مانگی، خدایا! انہوں نے مجھے جھٹلایا تو میری مدد کر۔ حکم ہوا عنقریب ایسا ہونے والا ہے کہ یہ اپنے کیے پر شرمسار ہوں گے۔

انجام

ہودؑ کی دعوت و تبلیغ کو نظر انداز کردیا گیا۔ عاد نے استکبار و اعراض کے رویے سے اپنے لئے خیر و فلاح کے تمام رستے بند کرلئے۔(نہ صرف یہ کہ ہود کو جھوٹا اور دیوانہ کہا بلکہ بار بار عذاب الٰہی کو دعوت دی۔ بالآخر وہ وقت آن پہنچا) اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے ہودؑ اور ان کے مومنین کو بچالیا اور عاد تباہ کردیے گئے۔ قدرت نے ان کی تباہی کے لئے سیاہ بادل بھیجے چونکہ ان کے ہاں کافی عرصہ بارش نہیں ہوئی تھی اس لئے انہوں نے سمجھا بارش ہونے والی ہے لیکن جوں جوں یہ سیاہ بادل گھٹا ٹوپ اندھیرے کی صورت اختیار کرتا گیا اور جونہی نہایت تند و تیز آندھی بلکہ طوفان

Marfat.com

نے انہیں آلیا تو ان کی گھبراہٹ میں اضافہ ہونے لگا اب کیا ہو سکتا تھا اب تو وہ عذاب الٰہی کی گرفت میں تھے۔ قرآن نے اس صورت حال کا ان الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے۔

فلما راوہ عارضا مستقبل اودیتھم قالوا ھذا عارض ممطرنا بل ھوما استعجلتم بہ ریح فیھا عذاب الیم تدمرکل شئی بامر ربھا فاصبحوا لا یری الا مسکنھم کذلک نجزی القوم المجرمین (۳۲)

(پھر جب انہوں نے اس عذاب کو دیکھا کہ بادل کی صورت میں ان کے میدانوں کے طرف آرہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کے رہے گا۔ نہیں بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے تھے یعنی آندھی جس میں درد دینے والا عذاب بھرا ہے۔ ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے تباہ کئے دیتی ہے تو وہ ایسے ہوگئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ مجرموں کو ہم اس طرح سزا دیا کرتے ہیں۔)

بظاہر برسنے والے بادل عذاب کے حامل تھے انسانوں کو اللہ کی تدبیر اور اس کی تقدیر کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب گھرے بادل آتے تو نبی اکرمؐ پریشانی کا اظہار فرماتے۔ عائشہؓ سے مروی ہے:

قالت ما رایت رسول اللہ ضاحکا حتی اری منہ لھوا تہ انما کان یتبسم۔ قالت وکان اذا رای غیما او ریحا عرف فی وجھہ قالت : یا رسول اللہ، ان الناس اذا راوا الغیم، فرحوا رجاء ان یکون فیہ المطر، واراک اذا رایتہ عرف فی وجھک الکراہیۃ فقال یا عائشہ، مایو منی ان یکون فیہ عذاب، عذب قوم بالریح وقد رای قوم العذاب فقالوا ھذا عارض ممطرنا (۳۴)

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبیؐ کو کبھی اس طرح زور سے ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کا حلق مبارک نظر آنے لگے آپ تبسم فرمایا کرتے تے۔ آپ جب آندھی یا بادل دیکھتے تو چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب بادل آتے ہیں تو لوگ اس امید پر خوش ہوتے ہیں کہ

Marfat.com

شاید اس میں بارش ہوگی' مگر آپ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات نمایاں ہوجاتے ہیں۔ فرمایا! اے عائشہ! اس بات سے بے خوف ہونے کی کیا دلیل ہے کہ اس میں کہیں عذاب نہ ہو۔ ایک قوم پر تند و تیز آندھی کا عذاب آیا تھا اس قوم نے بھی عذاب کو دیکھ کر کہا یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کے رہے گا۔

امام مسلم نے بھی عائشہؓ سے اس روایت کو نقل کیا ہے(۳۵)۔ جب آندھی چلتی تو آپ یہ دعا پڑھتے :

عن عائشة قالت : کان النبیؐ اذا عصفت الریح قال : اللھم انی اسئالک خیرھا و خیر ما فیھا و خیرما ارسلت بہ و اعوذبک من شرھا وشر ما فیھا و شر ما ارسلت بہ(۳۶)

اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی اور جس حکم کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے' اس کی بھلائی کا تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اس کی برائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی برائی اور جس حکم کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے اس کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

قرآن مجید نے نزول عذاب کی کیفیات کو مختلف اسالیب سے بیان کیا ہے :

فارسلنا علیھم ریحا صرصراً فی ایام نحسات لنذیقھم عذاب الخزی فی الحیواۃ الدنیا ولعذاب الاخرۃ اخزی وھم لا ینصرون(۳۶)

اور ہم نے بھی ان پر نحوست کے دنوں میں زور کی ہوا چلائی تاکہ ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھادیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور اس روز ان کو مدد بھی نہ ملے گی۔

انا ارسلنا علیھم ریحا صرصرا فی یوم نحس مستمر۔ تنزع الناس کانھم اعجاز نخل منقعر فکیف کان عذابی و نذر(۳۸)

ہم نے ان پر سخت منحوس دن میں آندھی چلائی۔ وہ لوگوں کو اس طرح

Marfat.com

اکھیڑے ڈالتی تھی گویا اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔ سو دیکھ لو کہ میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔

فاما عاد فا هلكوا بريح صرصر عاتية سخرها سبع ليال وثمانية ايام حسوما فترى القوم فيها صرعى كانهم اعجاز نخل خاويه۔ فهل ترى لهم من باقيه (۳۹)

رہے عاد ان کا نہایت تیز آندھی سے ستیاناس کردیا گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو سات رات اور آٹھ دن ان پر چلائے رکھا، تو اے مخاطب تو لوگوں کو اس میں ڈھئے (اور مرے) پڑے دیکھے جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے۔ بھلا تو ان میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتا ہے۔

فاخذتهم الصيحة بالحق فجعلنا هم غثاء فبعدا للقوم الظالمين (۴۰)

فی الحقیقت ایک ہولناک آواز نے انہیں آپکڑا اور ہم نے خس و خاشاک کی طرح انہیں پامال کردیا۔ تو محرومی ہو اس گروہ کے لئے کہ ظلم کرنے والا ہے۔

ہودؑ اور ان کے رفقاء کی نجات

منکرین کی اس بد انجامی کو دیکھئے اور ہودؑ ان کے مومنین کی نجات کا معجزہ بھی ملاحظہ کیجئے۔ باری تعالیٰ نے قوم عاد کی ہلاکت کے ساتھ ہودؑ اور ان کے رفقاء کی نجات کا بھی ذکر کیا ہے:

فانجينه والذين معه برحمة منا و قطعنا دابر الذين كذبوا باٰيتنا۔ وما كانوا مومنين (۴۱)

پھر ایسا ہوا کہ ہم نے ہودؑ کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچالیا۔ اور جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں ان کی بیخ و بنیاد تک

Marfat.com

اکھاڑ دی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ کبھی ایمان لانے والے نہ تھے۔

ولما جاء امرنا نجینا ھودا والذین معه برحمة منا و نجینٰھم من عذاب غلیظ (۴۲)

اور دیکھو جب ہماری ٹھہرائی ہوئی' بات کا وقت آپہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے' ایسے عذاب سے بچایا کہ بڑا ہی سخت عذاب تھا۔

قرآن نے قوم ہودؑ کی ہلاکت کو سامان عبرت کہا ہے اور آنے والی انسانی نسلوں کے لئے نصیحت۔ ایک ایسی قوم جس کے بارے میں قرآن کا تبصرہ یہ ہے کہ ایسی قوم پیدا نہیں ہوئی (۴۳) ایک زور آور صاحب جلال و حشمت لیکن ارادۂ خداوندی کے سامنے خس و خاشاک ہوگئی۔ قرآن نے ان کی عبرت ناک ہلاکت پر سبق آموز تبصرہ کیا ہے:

وتلک عاد جحدوا بایت ربھم وعصوا رسله واتبعوا امرکل جبار عنید۔ واتبعوا فی ھذه الدنیا لعنة و یوم القیامة الا ان عادا کفروا ربھم الا بعدا لعاد قوم ھود (۴۴)

اور یہ وہی عاد ہیں جنہوں نے اللہ کی نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش و متکبر کا کہا مانا تو اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی لگی رہے گی دیکھو عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا اور سن رکھو ہودؑ کی قوم عاد پر پھٹکار ہے۔

ہودؑ کی شخصیت دعوت کی تاریخ' میں دیگر انبیاء کی طرح بہت اہمیت کی مالک ہے۔ بالخصوص ان کا لطف و مہربانی' ان کا صبر اور ان کا استدلال جس کے ذریعے انہوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلایا۔ نوحؑ کی طرح انہیں بھی مخالفت' استہزا اور تحقیر کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس ایذا رسانی کا جواب نرمی' نیکی اور لطف و کرم سے دیا۔

عاد کے انجام سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خلاف اجتماعی

Marfat.com

بغاوت کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس لئے داعی کو یہ نکتہ سامنے رکھنا چاہیے اور مخاطبین کے رویوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

حوالہ جات

۱۔ الاعراف / ۶۵ ۔ ۷۲، ھود / ۵۰ ۔ ۶۰، الشعراء / ۱۲۳ ۔ ۱۴۰، فصلت / ۱۵ ۔ ۱۶، الاحقاف / ۲۱ ۔ ۲۶، الذاریات / ۴۱ ۔ ۴۲، القمر / ۱ ۔ ۲۱، الحاقہ / ۴ ۔ ۸، عاد و ثمود دونوں کا ذکر ہے۔
۲۔ معجم البلدان، ۶ / ۱۲۹
۳۔ النجم / ۵۰
۴۔ الفجر / ۷
۵۔ الاحقاف / ۲۱ ۔ احقاف حقف کی جمع ہے جس کے معنی ریت کے لمبے لمبے ٹیلے ہیں لیکن اس سے مراد وہ ریگستان ہے جو عمان و یمن اور نجد و حضرموت کے درمیان ہے۔ یہ علاقہ صحرائے عرب (الربع الخالی) کا جنوب مغربی حصہ ہے جہاں آج کوئی آبادی نہیں۔
۶۔ تفہیم القرآن، ۴ / ۶۱۵
۷۔ تدبر قرآن، ۷ / ۳۷۰
۸۔ قصص القرآن، ۱ / ۱۰۴
۹۔ الاعراف / ۶۹
۱۰۔ البدایہ والنہایۃ، ۱ /
۱۱۔ عمدۃ القاری، کتاب الانبیاء، ۷ /
۱۲۔ الاعراف / ۶۵
۱۳۔ ھود / ۵۰
۱۴۔ الاحقاف / ۲۱

Marfat.com

۱۵۔ الشعراء / ۱۲۸ ۔ ۱۳۵

۱۶۔ ھود / ۵۲

۱۷۔ الاعراف / ۶۸

۱۸۔ الشعراء / ۱۲۰ ۔ ۱۲۶

۱۹۔ الشعراء / ۱۲۷

۲۰۔ ھود / ۵۱

۲۱۔ ھود / ۵۳

۲۲۔ الاعراف / ۶۶

۲۳۔ الاعراف / ۷۰

۲۴۔ المومنون / ۳۳ ۔ ۳۸، طلب عذاب کی بات اور جگہوں پر بھی آئی ہے۔
مثلاً احقاف / ۲۲ قالوا اجئتنا لتا فکنا عن الھتنا فاتنا بما تعدنا
ان کنت من الصدقین۔

۲۵۔ فصلت / ۱۵

۲۶۔ ھود / ۵۴ ۔ ۵۶

۲۷۔ الاعراف / ۶۷ ۔ ۶۸

۲۸۔ الاعراف / ۷۱

۲۹۔ الاحقاف / ۲۳

۳۰۔ الاعراف / ۶۹

۳۱۔ ھود / ۵۷

۳۲۔ المومنون / ۳۸

۳۳۔ الاحقاف / ۲۴، ۲۵

۳۴۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله فلما راوه عارضا،

۳۵۔ مسلم، کتاب الاستسقاء، باب التعوذ عند روية الريح والغيم
والفرح بالمطر، ۳/ ۲۶

Marfat.com

۳۶۔ ایضاً
۳۷۔ فصلت / ۱۶
۳۸۔ القمر/ ۱۹۔۲۱
۳۹۔ الحاقہ / ۶۔۸
۴۰۔ المومنون / ۴۱
۴۱۔ الاعراف / ۷۲
۴۲۔ ھود / ۵۸
۴۳۔ التی لم یخلق مثلها فی البلاد۔ الفجر/ ۸
۴۴۔ ھود / ۵۹، ۶۰

صالح علیہ السلام

صالحؑ قوم ثمود کی طرف بھیجے گئے تھے۔ قرآن پاک میں صالحؑ کا ذکر سورۃ الاعراف، ھود اور الشعراء میں ہے۔ صالحؑ، قوم ثمود کے ایک معزز فرد تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔

قوم ثمود

قوم ثمود اپنے جد اعلیٰ ثمود بن عامر کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئی۔[1] قوم ثمود سامی النسل لوگ تھے۔ یہ لوگ قوم عاد کے مومنین کی اولاد میں سے تھے۔ اس لئے عاد ثانیہ[2] کہلائے۔ یہ قوم بھی عرب بائدہ (ہلاک شدہ عربی نسل) میں سے ہے۔

ثمود کا مسکن

قوم ثمود کی آبادیاں حجر میں حجاز اور شام کے درمیان وادی قری تک جو میدان ہے یہ ان کا مسکن تھا۔ قرآن نے انہیں اصحاب الحجر کہا ہے:

ولقد کذب اصحب الحجر المرسلین و آتیناھم آیاتنا فکانوا عنھا معرضین[3]

اور حجر والوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے روگردان ہی رہے۔

یہ زمین بڑی سرسبز و شاداب اور باغات اور چشموں پر مشتمل تھی اور انہوں نے بہترین مکانات اور خوشنما محلات بنائے تھے۔ صالحؑ ان سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

واذکروا اذجعلکم خلفاء من بعد عاد وبواکم فی الارض تتخذون

Marfat.com

من سہولہا قصورا (۴)

اور یاد کرو جب اس نے تم کو عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا کہ نرم زمین سے (مٹی لے لے کر) محل تعمیر کرتے ہو۔

ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اور آثار آج تک موجود ہیں۔ قدیم و جدید محققین و مورخین نے اس کی نشان دہی کی ہے۔ چوتھی صدی ہجری کا مورخ مسعودی لکھتا ہے:

وا ممہم باقیۃ و آثارھم بادیۃ فی طریق من ورد من الشام (۵)

جو شخص شام سے حجاز کو آتا ہے اس کی راہ میں' ان کے مٹے نشان اور بوسیدہ کھنڈرات پڑتے ہیں۔

سید مودودیؒ کے بقول: اس قوم کا مسکن شمالی مغربی عرب کا وہ علاقہ تھا جو آج بھی الحجر کے نام سے موسوم ہے۔ موجودہ زمانہ میں مدینہ اور تبوک کے درمیان حجاز ریلوے اسٹیشن پڑتا ہے جسے مدائن صالح کہتے ہیں۔ یہی ثمود کا صدر مقام تھا اور قدیم زمانہ میں حجر کہلاتا تھا۔ اب تک وہاں ہزاروں ایکڑ کے رقبے میں وہ سنگین عمارتیں موجود ہیں جن کو ثمود کے لوگوں نے پہاڑوں میں سے تراش تراش کر بنایا تھا اور اس شہر خموشاں کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کسی وقت اس شہر کی آبادی چار پانچ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ نزول قرآن کے زمانے میں حجاز کے تجارتی قافلے ان آثار قدیمہ کے درمیان سے گذرا کرتے تھے۔ نبی ﷺ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب ادھر سے گذرے تو آپ نے مسلمانوں کو یہ آثار عبرت دکھائے اور وہ سبق دیا جو آثار قدیمہ سے ہر صاحب بصیرت انسان کو حاصل کرنا چاہیے۔ ایک جگہ آپ نے ایک کنویں کی نشاندہی کرکے بتایا کہ یہی وہ کنواں ہے جس سے حضرت صالحؑ کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ صرف اسی کنویں سے پانی لینا' باقی کنوؤں کا پانی نہ پینا۔ ایک پہاڑی درے کو دکھا کر آپ نے بتایا کہ اسی درے سے وہ اونٹنی پانی پینے کے لئے آتی تھی۔ چنانچہ وہ مقام آج بھی فج الناقہ کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے کھنڈروں میں جو مسلمان سیر کرتے پھر رہے تھے ان کو آپ نے جمع کیا اور ان کے سامنے ایک خطبہ

Marfat.com

دیا جس میں ثمود کے انجام پر عبرت دلائی اور فرمایا کہ یہ اس قوم کا علاقہ ہے جس پر خدا کا عذاب نازل ہوا تھا۔ لہٰذا یہاں سے جلدی گزر جاؤ' یہ سیر گاہ نہیں ہے بلکہ رونے کا مقام ہے۔[۶]

وہ مزید لکھتے ہیں:

ثمود کی ان عمارتوں میں سے کچھ اب بھی باقی ہیں جنہیں ۱۹۵۹ء کے دسمبر میں' میں نے خود دیکھا ہے . . . یہ جگہ مدینہ طیبہ اور تبوک کے درمیان حجاز کے مشہور مقام العلاء' (جسے عہد نبوی میں وادی القریٰ کہا جاتا تھا) چند میل کے فاصلے پر بجانب شمال واقع ہے۔ آج بھی اس جگہ کو مقامی باشندے الحجر اور مدائن صالح کے ناموں ہی سے یاد کرتے ہیں۔ اس علاقے میں العلاء تو اب بھی ایک نہایت سرسبز و شاداب وادی ہے جس میں کثرت سے چشمے اور باغات ہیں مگر الحجر کے گرد و پیش بڑی نحوست پائی جاتی ہے۔ آبادی برائے نام ہے' روئیدگی بہت کم ہے' چند کنویں ہیں۔ انہی میں سے ایک کنویں کے متعلق مقامی آبادی میں روایت چلی آرہی ہے کہ حضرت صالح کی اونٹنی اس سے پانی پیتی تھی۔ اب وہ ترکی عہد کی ایک ویران چھوٹی سی فوجی چوکی کے اندر پایا جاتا ہے۔ اور بالکل خشک پڑا ہے۔ اس علاقے میں جب ہم داخل ہوئے تو العلاء کے قریب پہنچتے ہی ہر طرف ہمیں ایسے پہاڑ نظر آئے جو بالکل کھیل کھیل ہو گئے ہیں۔ صاف محسوس ہوتا تھا کہ کسی سخت ہولناک زلزلے نے انہیں سطح زمین سے چوٹی تک جھنجوڑ کر قاش قاش کر رکھا ہے۔ اسی طرح کے پہاڑ ہمیں مشرق کی طرف العلاء سے خیبر جاتے ہوئے تقریباً" پچاس میل تک اور شمال کی طرف ریاست اردن کی حدود میں ۳۰ - ۴۰ میل اندر تک ملتے چلے گئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ (تین چار سو میل لمبا اور ۱۰۰ میل چوڑا ایک علاقہ تھا) جسے ایک زلزلہ عظیم نے ہلا کر رکھ دیا ہے۔

ثمود کی جو عمارتیں ہم نے الحجر میں دیکھی تھیں' اسی طرح کی چند عمارتیں ہم کو خلیج عقبہ کے کنارے مدین کے مقام پر' اور اردن کی ریاست میں پٹرا (Petra) کے مقام پر بھی ملیں۔ خصوصیت کے ساتھ پٹرا میں ثمود کی عمارات اور نبطیوں کی بنائی ہوئی عمارات پہلو بہ پہلو موجود ہیں اور ان کی تراش خراش اور طرز تعمیر میں اتنا نمایاں

Marfat.com

فرق ہے کہ ہر شخص ایک نظر دیکھ ہی سمجھ سکتا ہے کہ یہ دونوں نہ ایک زمانے کے ہیں اور نہ یہ ایک قوم کا طرز تعمیر ہے۔ انگریز مستشرق ڈاٹی (Daughty) قرآن کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے الحجر کی عمارت کے متعلق یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ ثمود کی نہیں بلکہ نبطیوں کی بنائی ہوئی عمارات ہیں۔ لیکن دونوں قوموں کی عمارات کا فرق اس قدر واضح ہے کہ ایک اندھا بھی انہیں ایک قوم کی عمارات کہہ سکتا ہے۔

میرا اندازہ یہ ہے کہ پہاڑ تراش کر ان کے اندر عمارتیں بنانے کا فن ثمود سے شروع ہوا۔ اس کے ہزاروں سال بعد نبطیوں نے دوسری اور پہلی صدی مسیح میں اسے عروج پر پہنچایا اور پھر ایلورا میں (جس کے غار پیٹرا سے تقریباً" سات سو برس بعد کے ہیں) یہ فن اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ (۷)

ثمود کا مذہب

ثمود کا مذہب بت پرستی تھا۔ اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ شرکاء بنا رکھے تھے جن کی پوجا سے سارے معاملات طے کرتے تھے۔ ثمود کے کلچر کی بنیاد مشرکانہ تھی لہٰذا ان کی ساری سرگرمیوں میں اللہ رب العزت کی کوئی جگہ نہ تھی۔ انہوں نے حق سے دور ہونے کی وجہ سے فساد اور بغاوت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے بغاوت کا رویہ اختیار کر لیا تھا۔ ان کے کلچر کا اظہار ان کی شاندار عمارت اور سنگ تراشی کے کمال میں تھا۔ صالحؑ نے اپنی دعوت میں ان کے مشرکانہ عقائد کے علاوہ ان مظاہر کا بھی ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بالاتر سمجھتے تھے۔ توحید کی طرف بلاتے ہوئے صالحؑ نے ان کی توجہ ان امور کی طرف بھی دلائی ہے جنہیں وہ اپنے مشرکانہ رویوں کی وجہ سے نظرانداز کرتے تھے۔

صالحؑ کی دعوت

صالحؑ نے نوحؑ اور ھودؑ کی طرح اپنی دعوت کا آغاز عبادت رب کے ذکر سے کیا:

والی ثمود اخاھم صلحا قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ (۸)

Marfat.com

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

والی ثمود اخاهم صلحا قال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ هو انشا کم من الارض و استعمر کم فیها فاستغفروہ ثم توبوا الیہ ان ربی قریب مجیب[9]

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (بھیجا) تو انہوں نے کہا کہ قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا تو اس سے مغفرت مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو۔ بے شک میرا پروردگار نزدیک بھی ہے اور دعا کو قبول کرنے والا بھی ہے۔

ولقد ارسلنا الی ثمود اخاهم صلحا ان اعبدوا اللہ فاذاهم فریقان یختصمون[10]

اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو وہ دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے۔

دعوت کے دلائل

دعوت کے دلائل میں انبیاء سابقہ کی طرح سب سے پہلے تو اپنی بے غرضی و بے لوثی کی بات کی اس کے بعد نصیحت پر زور دیا کہ نبی کا کام ہمدردی و خیرخواہی ہوتا ہے۔ وہ کسی گروہ کے مدمقابل نہیں ہوتا اور نہ اس کے مادی مفادات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس کی اپروچ منفی ہو جائے۔ ازاں بعد وہ دلائل ہیں جن سے ان کے رویوں کی تردید ہوتی ہے۔

بے لوثی

صالح نے اس امر کا اعلان کیا کہ وہ کار دعوت کے لئے کسی قسم کا معاوضہ نہیں

Marfat.com

چاہتے یہ دعوت تو محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور قوم کی خیرخواہی کے لئے ہے۔ قرآن نے ان کا بیان نقل کرتے ہوئے کہا:

انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ و اطیعون و ما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین(۱۱)

میں تمہارے لئے رسول امین ہوں سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کچھ بدلہ نہیں چاہتا بدلہ تو جہانوں کے رب پر ہے۔

نصیحت

نصیحت کا بنیادی مقصد خیرخواہی کا اظہار ہے۔ گویا انہیں جو بات کہی جا رہی ہے اسے قبول کرنے میں انہیں کا بھلا ہے۔ داعی کا ذاتی فائدہ نہیں۔ نصیحت دراصل بے لوثی کے جذبہ کی تائید ہے۔ اگرچہ مخاطبین پر کوئی اثر نہیں ہوتا تاہم نبی کے لئے لازمی ہوتا ہے کہ وہ خیرخواہی کا اظہار کرتا رہے۔ صالحؑ کی قوم نے اعراض کا جو رویہ اپنایا تھا اور جس برے انجام کو پہنچے تھے اس پر صالحؑ کا تبصرہ ان الفاظ میں منقول ہے:

فتولی عنھم و قال یقوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی ونصحت لکم و لکن لا تحبون الناصحین(۱۲)

پھر صالحؑ ان سے کنارہ کش ہوگئے اور کہا: اے میری قوم میں نے اپنے پرودگار کا پیغام تمہیں پہنچایا اور نصیحت کی مگر افسوس تم پر! تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

اللہ کے انعامات کی طرف توجہ دلانا

قوم ثمود کی گمراہی کا بڑا سبب ان کی خوشحالی تھا' لہٰذا صالحؑ نے انہیں اللہ کی نعمتوں کا احساس دلاتے ہیں اور بغاوت سے روکتے ہیں:

و اذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد و بواکم فی الارض تتخذون من سھولھا قصورا و تنحتون من الجبال بیوتا فاذکروا الاء اللہ

ولا تعثوا فی الارض مفسدین(۱۳)

یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے قوم عاد کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا اور تم کو زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے اور اس کے پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے ہو۔ پس اس کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ ہوجاؤ اور زمین پر فساد برپا نہ کرو۔

انجنیئرنگ کے جو مظاہر ان کی سنگ تراشی سے واضح تھے اور جو شاندار عمارتیں وہ تعمیر کرتے تھے وہ ان کی مادیت پرستی اور خدا بیزاری کی دلیل تھے۔ صالحؑ ان کی حیرت انگیز ترقی پر انہیں خدا کی طرف رجوع اور اس کی نعمتوں کے شکر کی دعوت دیتے تھے۔ سید مودودی نے الاء اللہ کہ وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: اصل میں لفظ الاء استعمال ہوا جس کے معنی نعمتوں کے بھی ہیں اور کرشمائے قدرت کے بھی اور صفات حمیدہ کے بھی۔ آیت کا پورا مطلب یہ ہے کہ خدا کی نعمتوں اور اس کے احسانات کو بھی یاد رکھو اور یہ بھی فراموش نہ کرو کہ وہ تم سے یہ نعمتیں چھین لینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔(۱۴)

ان کی اس صنعت اور ترقی کا ذکر اور جگہ بھی آیا ہے مثلاً:

وکانوا ینحتون من الجبال بیوتا آمنین(۱۵)

وہ پہاڑ تراش کر گھر بناتے تھے کہ محفوظ رہیں۔

صالحؑ انہیں بار بار تنبیہہ کرتے تھے کہ مادی خوشحالی اور صنعتی ترقی تمہیں خدا کی گرفت سے محفوظ نہیں رکھ سکتی:

اتترکون فیما ھھنا آمنین فی جنت وعیون و زروع و نخل طلعھا ھضیم۔ اتنحتون من الجبال بیوتا فرھین۔ فاتقوا اللہ و اطیعون و لا تطیعوا امرا المسرفین۔ الذین یفسدون فی الارض و لا یصلحون(۱۶)

کیا تم ان سب چیزوں کے درمیان، جو یہاں ہیں، بس یونہی اطمینان سے

Marfat.com

رہنے دیئے جاؤ گے؟ ان باغوں اور چشموں میں؟ ان کھیتوں اور نخلستانوں میں جن کے خوشے رس بھرے ہیں؟ تم پہاڑ کھود کھود کر فخریہ ان میں عمارتیں بناتے ہو۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ان بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد بپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔

اس آیت میں دعوت کے نقطہ نظر سے جہاں ان کے مادہ پرستانہ رویہ پر تنبیہہ موجود ہے وہاں ان کے تمدنی مظاہر کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے۔ سید مودودیؒ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

جس طرح عاد کے تمدن کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ وہ اونچے اونچے ستونوں والی عمارتیں بناتے تھے' اسی طرح ثمود کے تمدن کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت' جس کی بنا پر وہ قدیم زمانے کی قوموں میں مشہور تھے' یہ تھی کہ وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر ان کے اندر عمارتیں بناتے تھے۔ چنانچہ سورہ فجر میں جس طرح عاد کو ذات العماد[۱۷] (ستونوں والے) کا لقب دیا گیا ہے اسی طرح ثمود کا ذکر اس حوالے سے کیا گیا ہے کہ الذین جابوا الصخر بالواد[۱۸] (وہ جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشی ہیں) اس کے علاوہ قرآن میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے ہاں میدانی علاقوں میں بھی بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے تھے' تتخذون من سھولھا قصورا [۱۹] (تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے ہو) اور ان تعمیرات کے غرض و غایت کیا تھی؟ قرآن اس پر لفظ فرھین سے روشنی ڈالتا ہے۔ یعنی سب کچھ اپنی بڑائی' اپنی دولت و قوت اور اپنے کمالات فن کی نمائش کے لئے تھا۔ کوئی حقیقی ضرورت ان کے لئے داعی نہ تھی۔ ایک بگڑے ہوئے تمدن کی شان یہی ہوتی ہے۔ ایک طرف معاشرے کے غریب لوگ سر چھپانے تک کو ڈھنگ کی جگہ نہیں پاتے' دوسری طرف امراء اور اہل ثروت رہنے کے لئے جب ضرورت سے زیادہ محل بنا چکتے ہیں تو بلا ضرورت نمائشی یادگاریں تعمیر کرنے لگتے ہیں۔[۲۰]

Marfat.com

رد عمل

داعی کا کام پکار ہے۔ وہ اپنی موثر آواز سے بدلائل لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے اور معاشرے کے اندر پھیلے ہوئے شر و فساد پر تنقید کرتا ہے۔ سعید روحیں اس کی طرف کھنچی چلی آتی ہیں اور شریر لوگ دعوت کو نہ صرف رد کرتے ہیں بلکہ اس کی مخالفت میں فعال اور سرگرم ہوجاتے ہیں۔ چونکہ انبیاء کی دعوت کا بنیادی مقصد انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی عبودیت کی طرف لانا ہے اس لئے اس پیغام حریت کو لبیک کہنے والوں میں اولیت کا شرف پسماندہ پسے ہوئے لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ قرآن نے ان کے لئے مستضعفین[۲۱] کی اصلاح استعمال کی ہے۔ جو لوگ دعوت سے اعراض کرتے ہیں اور اس کی راہ روکنے پر کمربستہ ہوتے ہیں انہیں قرآن نے مستکبرین[۲۲] کے نام سے یاد کرتا ہے۔ دعوت الی اللہ حریت اور عزت کا پیغام ہے اس لئے کمزور طبقات اس میں آزادی و وقار محسوس کرتے ہیں کہ اسے قبول کریں لیکن مستکبرین اسے اپنے مفادات کے خلاف سمجھتے ہیں اس لئے وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ صالح کی دعوت کا رد عمل بھی قبولیت و انکار کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مخالفت اتنی شدید اور اتنی منظم تھی کہ قرآن نے مومنین کی اقلیت کا اشارۃ ذکر کیا ہے اور مخالفانہ روش کا مفصل۔ قوم صالح کے مخالفانہ رد عمل کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے کہا:

قالوا یصلح قد کنت فینا مرجوا قبل ھذا اتنھنا ان نعبد ما یعبد اباءنا واننا لفی شک مما تدعونا الیہ مریب[۲۳]

(انہوں نے کہا اے صالح، اس سے پہلے تو ہمارے درمیان ایسا شخص تھا جس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں کیا تو ہمیں ان معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ تو جس طریقے کی طرف ہمیں بلا رہا ہے اس کے بارے میں ہم کو سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلجان میں ڈال رکھا ہے)

(قوم صالح جس خلجان میں مبتلا تھی وہ یہ تھا کہ دعوت حق کی صداقت، اس کے

Marfat.com

واضح دلائل اور داعی کی پاکیزہ شخصیت انہیں قبولیت حق پر مائل کرتی تھی جبکہ آبا و اجداد کی مشرکانہ روایت ان سے وفاداری کا مطالبہ کرتی تھی۔ ان کی پریشانی یہ تھی کہ کسے چھوڑیں اور کسے قبول کریں! اس پریشانی میں مزید اضافہ صالحؑ کے مخلصانہ رویہ اور مستحکم استدلال سے ہوتا تھا۔ قرآن نے صالحؑ کا جواب نقل کیا ہے وہ اس کا ثبوت ہے۔ صالحؑ نے کہا:

قال یقوم ارائیم ان کنت علی بینة من ربی وآتنی منه رحمة فمن ینصرنی من الله ان عصیة فما تزید و تنی غیر تخسیر (۲۴)

صالح نے کہا: اے برادران قوم تم نے کچھ اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک صاف شہادت رکھتا تھا' پھر اس نے اپنی رحمت سے مجھ کو نواز دیا تو اس کے بعد اللہ کی پکڑ سے مجھے کون بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ تم میرے کس کام آسکتے ہو سوائے اس کے کہ مجھے اور زیادہ خسارے میں ڈال دو۔'

انکار

(قوم صالح دعوت کی صداقت اور دلائل کی قوت سے عاجز آکر بالاخر کھلے انکار کی روش پر چل نکلی) قرآن نے بیان کیا:

قال الملاء الذین استکبروا من قومه للذین استضعفو المن آمن منهم اتعلمون ان صلحا مرسل من ربه قالوا انا بما ارسل به مومنون۔ قال الذین استکبروا انا بالذی آمنتم به کفرون (۲۵)

اس کی قوم کے سرداروں نے جو بڑے بنے ہوئے تھے' کمزور طبقہ کے ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے' کہا "کیا تم واقعی جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کا پیغمبر ہے؟ انہوں نے جواب دیا "بے شک جس پیغام کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے اسے ہم مانتے ہیں۔" ان بڑائی کے مدعیوں نے کہا جس چیز کو تم نے مانا ہے ہم اس کے منکر ہیں۔

Marfat.com

معجزے کا مطالبہ

(قوم نے انکار اور مخالفت پر ہی اکتفا نہ کیا صالحؑ کو نیچا دکھانے کے لئے معجزے کا مطالبہ کیا۔ مستکبرین کے غرور نے انہیں اس حد تک پہنچا دیا کہ وہ نبوت کو چیلنج کرنے لگے۔)

قالوا انما انت من المسحرين ما انت الا بشر مثلنا فات باية ان كنت من الصادقين[۲۶]

انہوں نے کہا: تو محض ایک سحرزدہ آدمی ہے۔ تو ہم جیسے ایک انسان کے سوا اور کیا ہے؟ لا کوئی نشانی اگر تو سچا ہے؟

معجزے کے مطالبہ دراصل تکذیب کا آخری مرحلہ ہے۔ اس سے پہلے وہ نبی کو پاگل، عام انسان، جھوٹا اور نہ جانے کیا کیا الزام دیتے نظر آتے ہیں۔ قرآن نے اس تکذیب کا ذکر جا بجا کیا ہے مثلاً:

كذبت ثمود بالنذر فقالوا ابشرا منا واحدا نتبعه انا اذا لفي ضلل وسعراء القي الذكر عليه من بيننا بل هو كذاب اشر[۲۷]

ثمود نے تنبیہات کو جھٹلایا اور کہنے لگے "ایک اکیلا آدمی جو ہم ہی میں سے ہے کیا اب ہم اس کے پیچھے چلیں؟ اس کا اتباع ہم قبول کرلیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم بہک گئے ہیں اور ہماری عقل ماری گئی ہے کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص تھا جس پر خدا کا ذکر نازل کیا گیا؟ نہیں بلکہ یہ پرلے درجے کا جھوٹا اور برخود غلط ہے۔

ان کے خیال میں تکذیب کی تین وجوہ تھیں ایک یہ کہ وہ بشر ہیں دوسرے یہ کہ وہ ہماری قوم کا عام فرد ہے، سردار نہیں ہے اور اسے کوئی فضیلت نہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ اکیلا ہے اس کے ساتھ کوئی جتھہ نہیں۔ ایسا عام انسان نبی نہیں ہو سکتا۔

(كذبت ثمود بطغوها[۲۸] ثمود نے اپنی شرارت کی وجہ سے تکذیب کی)

اس انتہا پسندانہ رویے پر بھی صالحؑ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی اور احساس

Marfat.com

دلایا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے رویہ پر استغفار کرو اور اس کی طرف رجوع سے ہی معاملات درست ہوتے ہیں:

قال یقوم لم تستعجلون بالسیئة قبل الحسنة لو لا تستغفرون اللہ لعلکم ترحمون قالوا اطیرنا بکم و بمن معک قال طئرکم عنداللہ بل انتم قوم تفتنون(۲۹)

صالح نے کہا، اے میری قوم کے لوگو بھلائی سے پہلے برائی کے لئے کیوں جلدی مچاتے ہو کیوں نہیں اللہ سے مغفرت طلب کرتے؟ شاید کہ تم پر رحم فرمایا جائے؟ انہوں نے کہا، "ہم نے تو تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو بدشگونی کا نشان پایا ہے۔ صالحؑ نے جواب دیا تمہارے نیک و بدشگون کا سر رشتہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم لوگوں کی آزمائش ہو رہی ہے۔

صالحؑ کے سمجھانے کے باوجود جب وہ معجزہ کے ظہور پر مصر رہے، تو اللہ ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی بطور معجزہ ظاہر کی۔ ایک دن وہ پانی پیتی اور اور دوسرے دن قوم صالح کے لئے پانی کی باری ہوتی۔ قرآن ان کے مطالبہ کے جواب میں معجزے کے ظہور کو مختلف جگہوں پر بیان کیا ہے:

انا مرسلوا الناقة فتنة لهم فارتقبهم و اصطبر و نبئهم ان الماء قسمة بینهم کل شرب محتضر(۳۰)

ہم اونٹنی کو ان کے لئے فتنہ بنا کر بھیج رہے ہیں۔ اب ذرا صبر کے ساتھ دیکھ کہ ان کا کیا انجام ہوتا ہے۔ ان کو جتادے کہ پانی ان کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم ہوگا اور ہر ایک اپنی باری کے دن پر آئے گا۔

قد جاء تکم بینة من ربکم، هذه ناقة اللہ لکم آیة فذروها تاکل فی ارض اللہ ولا تمسوها بسوء، فیاخذکم عذاب الیم(۳۱)

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آگئی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی کے طور پر ہے لہٰذا اسے چھوڑ دو کہ خدا

Marfat.com

کی زمین پر چرتی پھرے۔ اس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آ لے گا۔

و یقوم ھذہ ناقة اللہ لکم آیة فذروھا تاکل فی ارض اللہ ولا تمسوھا بسوء فیاخذکم عذاب قریب(۳۲)

اے میری قوم کے لوگو' دیکھو یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی ہے۔ اسے خدا کی زمین میں چرنے کے لئے آزاد چھوڑ دو۔ اس سے ذرا تعرض نہ کرنا ورنہ کچھ زیادہ دیر نہ گزرے گی کہ تم پر خدا کا عذاب آجائے گا۔

قال ھذہ ناقة لھا شرب و لکم شرب یوم معلوم ولا تمسوھا بسوء فیاخذکم عذاب یوم عظیم(۳۳)

صالحؑ نے کہا: یہ اونٹنی ایک دن اس کے پینے کا ہے اور ایک دن تم سب کے پانی لینے کا۔ اس کو ہرگز نہ چھیڑنا ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آ لے گا۔

قرآن کریم نے اس معجزاتی اونٹنی کے ظہور کے تفصیلات نہیں بتائیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ اونٹنی کا ظہور ان کے اس مطالبے پر ہوا تھا کہ انہیں معجزہ دکھایا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹنی کا ظہور یقیناً" معجزاتی تھا۔ سورہ بنی اسرائیل میں اس کے معجزاتی ہونے کی طرف کھلا اشارہ ہے:

وما منعنا ان نرسل بالا یات الا ان کذب بھا الاولون ۔ وآتینا ثمود الناقة مبصرة فظلموا بھا و ما نرسل بالا یت الا تخویفا(۳۴)

ہم کو نشانیاں بھیجنے سے کسی چیز نے نہیں روکا مگر اس بات نے کہ پہلے لوگ ان کو جھٹلا چکے ہیں اور ہم ثمود کے سامنے آنکھوں دیکھتے اونٹنی لے آئے پھر بھی انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا۔ نشانیاں تو ہم خوف دلانے کے لئے بھیجتے ہیں (تماشا دکھانے کے لئے نہیں بھیجتے)

کافرانہ طرز عمل

معجزہ آخری دلیل ہوتا ہے اس کے بعد کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ ایمان و اطاعت یا تباہی۔ ثمود نے معجزہ دیکھنے کے بعد ایمان لانے کی بجائے بغاوت کی راہ اختیار کی۔ اور اپنے طور پر چالاکی کی، اونٹنی کو مارنے کا منصوبہ بنایا اور صالحؑ کو ختم کرنے کی سازش تیار کی۔ صالحؑ کے قتل کی سازش کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وکان فی المدنیة تسعة رهط یفسدون فی الارض ولا یصلحون۔ قالوا تقاسموا بالله لنبیتنه و اهله ثم لنقولن لولیه ماشهدنا مهلک اهله و انا لصادقون و مکروا مکرا و مکرنا مکرا و هم لا یشعرون(۳۵)

اور اس شہر میں نو جتھے دار تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے اور کوئی اصلاح کا کام نہ کرتے تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا، خدا کی قسم کھا کر عہد کرلو کہ ہم صالح اور اس کے گھر والوں پر شبخون ماریں گے اور پھر اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے، ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔ یہ چال تو وہ چلے اور پھر ایک چال ہم نے چلی جس کی ان کو خبر نہ تھی۔

اس سازش میں تو وہ کامیاب نہ ہوئے البتہ اونٹنی کو مارنے میں کامیاب ہوگئے۔ قرآن پاک نے مختلف مقامات پر ان کے اس ناعاقبت اندیشانہ اقدام کا ذکر کیا ہے۔

فعقروها فقال تمتعوا فی دارکم ثلثة ایام ذلک وعد غیر مکذوب(۳۶)

انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا۔ اس پر صالحؑ نے ان کو خبردار کر دیا کہ "اب تین دن اپنے گھروں میں اور رہ بس لو۔ یہ ایسی میعاد ہے جو جھوٹی نہ ہوگی۔

فعقروها فاصبحوا ندمین(۳۷)

مگر انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ دیں۔

فنادوا صاحبهم فتعاطى فعقر (۳۸)

آخر کار ان لوگوں نے اپنے آدمی کو پکارا اور اس نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور اونٹنی کو مار ڈالا۔

اذا انبعث اشقاها فقال لهم رسول الله ناقة الله وسقيها۔ فكذبوه فعقروها (۳۹)

جب اس قوم کا سب سے شقی آدمی بپھر اٹھا تو اللہ کے رسول نے ان لوگوں سے کہا کہ خبردار رہو اللہ کی اونٹنی سے اور اس کے پانی پینے کی باری سے مگر انہوں نے اس کی بات کو جھوٹا قرار دیا اور اونٹنی کو مار ڈالا۔

فعقروا الناقة وعتوا عن امر ربهم (۴۰)

پھر انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور پورے تمرد کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کر گزرے۔

انجام

اونٹنی کو مارنے کے بعد وہ صالحؑ سے عذاب کا مطالبہ کرنے لگے جس پر انہوں نے کہا:

تمتعوا في داركم ثلاثة ايام ذلك وعد غير مكذوب (۴۱)

بس، اب تین دن اپنے گھروں میں رہ بس لو، یہ ایسی میعاد ہے جو جھوٹی ثابت نہ ہوگی۔

(اس نوٹس کی مدت ختم ہونے پر رات کے پچھلے پہر صبح کے قریب ایک زبردست دھماکہ ہوا اور اس کے ساتھ ایسا زلزلہ آیا جس نے آن کی آن میں پوری قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ صبح ہوئی تو ہر طرف اسی طرح کچلی ہوئی لاشیں پڑی تھیں جیسے باڑے کی بار میں لگی ہوئی سوکھی جھاڑیاں جانوروں کی آمد و رفت سے پامال ہو کر رہ گئی ہوں۔ نہ ان کے سنگین قصر انہیں اس آفت سے بچا سکے نہ پہاڑوں میں کھودے ہوئے غار(۴۲)

قرآن کریم نے جن مقامات پر ان کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

Marfat.com

فدمدم علیھم ربھم بذنبھم فسوھا ولا یخاف عقبھا (۴۳)

آخر کار ان کے گناہ کی پاداش میں ان کے رب نے ان پر ایسی آفت توڑی کہ ایک ساتھ سب کو پیوند خاک کردیا اور اسے (اپنے اس فعل کے) کسی برے نتیجے کا خوف نہیں ہے۔

و قالوا یصلح ائتنا بما تعدنا ان کنت من المرسلین۔ فاخذتھم الرجفة فاصبحوا فی دارھم جثمین (۴۴)

اور صالح سے کہہ دیا کہ لے آ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو واقعی پیغمبروں میں سے ہے۔ آخر کار ایک دہلا دینے والی آفت نے انہیں آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔

فلما جاء امرنا نجینا صلحا والذین آمنوا معه برحمة منا و من خزی یومئذ ان ربک ھوالقوی العزیز و اخذ الذین ظلموا الصیحة فاصبحوا فی دیارھم جثمین کان لم یغنوا فیھا الا ان ثمود کفروا ربھم الا بعدا لثمود (۴۵)

آخر کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالحؑ کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے ان کو محفوظ رکھا۔ بیشک تیرا رب ہی دراصل طاقتور اور بالادست ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا تھا تو ایک سخت دھماکے نے ان کو دھر لیا اور وہ اپنی بستیوں میں اس طرح بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے کہ گویا وہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ سنو! ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا سنو! دور پھینک دیئے گئے ثمود۔

فاخذتھم الصیحة مصبحین فما اغنی عنھم ما کانوا یکسبون (۴۶)

آخر کار ایک دھماکے نے صبح ہوتے ہی ان کو آلیا اور ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔

فاخذھم العذاب ان فی ذلک لایة و ما کان اکثرھم مومنین وان

Marfat.com

ربک لھو العزیز الرحیم(۴۷)

عذاب نے انہیں آ لیا یقیناً اس میں نشانی ہے' مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔

سورۃ نمل میں صالحؑ کے قتل کی سازش پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

و مکروا مکرا و مکرنا مکرا و ھم لا یشعرون فانظر کیف کان عاقبہ مکرھم انا دمرنا ھم و قومھم اجمعین فتلک بیوتھم خاویۃ بما ظلموا ان فی ذلک لا یۃ لقوم یعلمون وا نجینا الذین آمنوا وکانو' یتقون(۴۸)

یہ چال تو وہ چلے' پھر ایک چال ہم نے چلی جس کی انہیں خبر نہیں تھی۔ اب دیکھ لو ان کی چال کا انجام کیا ہوا۔ ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا ان کو اور ان کی پوری قوم کو۔ ان کے گھر خالی پڑے ہیں اس ظلم کی پاداش میں جو وہ کرتے تھے۔ اس میں ایک نشان عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ اور بچا لیا ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے۔

واما ثمود فھدینھم فاستحبوا العمی علی الھدی فاخذتھم صعقۃ العذاب الھون بما کانوا یکسبون و نجینا الذین آمنوا و کانوا یتقون(۴۹)

وفی ثمود اذ قیل لھم تمتعوا حتی حین. فعتوا اعن امر ربھم فاخذتھم الصعقہ و ھم ینظرون فما استطاعوا من قیام و ما کانوا منتصرین(۵۰)

اور (تمہارے لئے نشانی ہے) ثمود میں جب ان سے کہا گیا تھا کہ ایک خاص وقت تک مزے کر لو مگر اس تنبیہہ پر بھی انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی۔ آخرکار ان کے دیکھتے دیکھتے ایک اچانک ٹوٹ

Marfat.com

پڑنے والے عذاب نے ان کو آلیا۔ پھر نہ ان میں اٹھنے کی سکت تھی اور نہ وہ اپنا بچاؤ کرسکتے تھے۔

فکیف کان عذابی و نذر ۔ انا ارسلنا علیهم صیحة واحدة فکانوا کهشیم المحتظر (۵۱)

پھر دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات۔ ہم نے ان پر بس ایک ہی دھماکہ چھوڑا اور وہ باڑے والے کی اوندھی ہوئی باڑھ کی طرح بھس ہو کر رہ گئے۔

کذبت ثمود و عاد بالقارعه فاما ثمود فاهلکوا بالطاغیه (۵۲)

ثمود اور عاد نے اس اچانک ٹوٹ پڑنے والی آفت کو جھٹلایا تو ثمود ایک سخت حادثہ سے ہلاک ہوگئے۔

ثمود پر جو عذاب آیا اس کے لئے طاغیہ (حد سے زیادہ سخت حادثہ) الرجعہ (۵۳) (زبردست زلزلہ) الصیحہ (۵۴) (زور کا دھماکہ) صاعقۃ العذاب (۵۵) (عذاب کا کڑکا) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یہ اس عذاب کی مختلف کیفیات کا بیان ہے۔ ثمود ایک زبردست دھماکے اور زلزلے سے تباہ کردیئے گئے۔ یہ انجام ہے دعوت کے انکار اور رب تعالیٰ سے بغاوت کا۔

"ثمود کے حوالے سے جو بات خصوصیت سے بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مادی خوشحالی اور خوش بختی نے انہیں اللہ تعالیٰ سے غافل کردیا اور یوں وہ دعوت الی اللہ کو نظرانداز کر بیٹھے۔ ان پر ان تنبیہات کا بھی اثر نہ ہوا جو صالحؑ نے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمائیں اور بالاخر اس معجزہ کو بھی نظرانداز کردیا جو خود طلب کیا تھا۔ حق یہ ہے کہ جب کوئی قوم دنیوی کامرانیوں اور خوشیوں کے ساتھ ظلم، سرکشی، غرور اور معصیت کو اپنا شعار بنالے تو پھر رب تعالیٰ کی گرفت آجاتی ہے۔

ان بطش ربک لشدید (۵۶) تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ ابن کثیر نے علماء نسب کے حوالے سے شجرہ نسب نقل کیا ہے، ۱ / ۔ علامہ آلوسی نے بھی شجرۂ نسب کی تفصیلات دی ہیں۔ روح المعانی، ۹ / ۱۴۲۔

۲۔ قرآن نے قوم ھود کو عاد اولی کہا ہے، النجم / ۵۰

۳۔ الحجر / ۸۰ ۔ ۸۱

۴۔ الاعراف / ۷۴

۵۔ مسعودی، ۳ / ۱۳۹ ۔ مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے ارض القرآن، ۱ /

۶۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۴۸

۷۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۵۲۳

۸۔ الاعراف / ۷۳

۹۔ ھود / ۶۱

۱۰۔ النمل / ۴۵

۱۱۔ الشعراء / ۱۴۵

۱۲۔ الاعراف / ۷۹

۱۳۔ الاعراف / ۷۴

۱۴۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۴۵

۱۵۔ الحجر / ۸۲

۱۶۔ الشعراء / ۱۴۶ ۔ ۱۵۲

۱۷۔ الفجر / ۷

۱۸۔ الفجر / ۹

۱۹۔ الاعراف / ۷۴

۲۰۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۵۲۲

۲۱۔ الاعراف / ۷۵
۲۲۔ ایضاً
۲۳۔ ھود / ۶۲
۲۴۔ ھود / ۶۳
۲۵۔ الاعراف / ۷۵ ۔ ۷۶
۲۶۔ الشعراء / ۱۵۳ ۔ ۱۵۴
۲۷۔ القمر / ۲۴ ۔ ۲۵
۲۸۔ الشمس / ۱۱
۲۹۔ النمل / ۴۶ ۔ ۴۷
۳۰۔ القمر / ۲۷ ۔ ۲۸
۳۱۔ الاعراف / ۷۳
۳۲۔ ھود / ۶۴
۳۳۔ الشعراء / ۱۵۵ ۔ ۱۵۶
۳۴۔ بنی اسرائیل / ۵۹
۳۵۔ النمل / ۴۸ ۔ ۵۰
۳۶۔ ھود / ۶۵
۳۷۔ الشعراء / ۱۵۷
۳۸۔ القمر / ۲۹
۳۹۔ الشمس / ۱۲ ۔ ۱۴
۴۰۔ الاعراف / ۷۷
۴۱۔ ھود / ۶۵
۴۲۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۵۲۷
۴۳۔ الشمس / ۱۴ ۔ ۱۵
۴۴۔ الاعراف / ۷۷ ۔ ۷۸

Marfat.com

۴۵۔ ھود / ۶۶ ۔ ۶۸

۴۶۔ الحجر / ۸۳ ۔ ۸۴

۴۷۔ الشعراء / ۱۵۸

۴۸۔ النمل / ۵۰ ۔ ۵۳

۴۹۔ فصلت / ۱۷۔ ۱۸

۵۰۔ الذریات / ۴۳ ۔ ۴۵

۵۱۔ القمر / ۳۰ ۔ ۳۱

۵۲۔ الحاقہ / ۴ ۔ ۵

۵۳۔ الاعراف / ۷۸

۵۴۔ ھود / ۶۷

۵۵۔ فصلت / ۱۷

۵۶۔ البروج / ۱۲

❑❑❑

Marfat.com

Marfat.com

ابراہیم علیہ السلام
عالمی دعوت کا معمار

دعوت الی اللہ کے سلسلے میں نوحؑ کے بعد جس شخصیت کو نمایاں مقام حاصل ہے وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ قرآن مجید کی ۲۵ سورتوں میں ابراہیمؑ کا ذکر کسی نہ کسی صورت میں آیا ہے۔ ان کی شخصیت کو یہ اولیت حاصل ہے کہ انہیں ایک ماڈل اور ایک نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

قد کانت لکم اسوۃ حسنة فی ابراہیم والذین معه اذ قالوا لقومهم انا برآء منکم ومما تعبدون من دون الله [1]

تم لوگوں کے لئے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا: ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔

ابراہیمؑ کی شخصیت اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ ان کی دعوت میں وہ تمام عناصر آگئے ہیں جو آنے والے کے لئے رہنمائی کا کام دیں گے۔ نوحؑ کے زمانے میں ایک قوم اور اس کے مختلف عناصر کو خطاب کرنا تھا۔ جبکہ ابراہیمؑ کے عہد میں ایک مستحکم مملکت وجود میں آگئی تھی۔ ریاست کا نظام' معاشرے کے مختلف طبقات اور اقتدار کی قوت ایک واضح نقشہ پیش کرتے ہیں۔ تہذیبی ارتقاء اور تمدنی وسعت کے نتیجہ میں جو معاشرتی رویے پیدا ہونے تھے ان کی جھلک ہمیں اس معاشرے میں ملتی ہے جس میں ابراہیم نے آنکھ کھولی تھی۔

معاشرتی پس منظر

جدید اثری تحقیقات سے جو معلومات مہیا ہوئی ہیں ان کے مطابق ۲۱۰۰ قبل مسیح

Marfat.com

کے لگ بھگ ابراہیم کا عہد ہے۔ بابل کا شہر ار ایک بڑا صنعتی و تجارتی مرکز تھا۔ آثار قدیمہ کے کھنڈروں میں اس عہد کی جو تحریرات دستیاب ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل کی سلطنت موجودہ عراق کی حدود کے قریب تھی۔ یہاں کے لوگ مادہ پرستانہ ذہن کے کاروباری لوگ تھے۔ آبادی تین طبقوں پر مشتمل تھی:

۱۔ عمیلو۔ یہ اونچے طبقہ کے لوگ تھے جن میں پجاری' حکومت کے عہدہ دار اور فوجی افسر وغیرہ شامل تھے۔

۲۔ مشکینو۔ یہ تجار' اہل صنعت اور زراعت پیشہ لوگ تھے۔

۳۔ اردو۔ یعنی غلام۔

ان میں سے پہلے طبقہ یعنی عمیلو کو خاص امتیازات حاصل تھے۔ ان کے فوجداری اور دیوانی حقوق دوسروں سے مختلف تھے اور ان کی جان و مال کی قیمت دوسروں سے بڑھ کر تھی۔[۲] ار کے کتبات میں تقریباً ۵ ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے۔ ہر شہر کا ایک خاص محافظ خدا ہوتا تھا۔ جو رب البلد' مہا دیو یا رئیس الالہ سمجھا جاتا تھا اور اس کا احترام دوسرے معبودوں سے زیادہ ہوتا تھا۔ ار کا رب البلد ننار تھا (چاند دیوتا) تھا اور اسی مناسبت سے بعد کے لوگوں نے اس شہر کا نام "قمرینہ" بھی لکھا ہے۔ دوسرا بڑا شہر لرسہ تھا جو بعد میں ار کی بجائے مرکز سلطنت ہوا۔ اس کا رب البلد شماش (سورج دیوتا) تھا۔ ان بڑے خداؤں کے ماتحت بہت سے چھوٹے خدا بھی تھے جو زیادہ تر آسمانی تاروں اور سیاروں میں سے اور کم تر زمین سے منتخب کیے گئے تھے۔ اور لوگ اپنی فروعی ضروریات ان سے متعلق سمجھتے تھے۔ ان آسمانی اور زمینی دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہیں بتوں کی شکل میں بنائی گئی تھیں اور تمام مراسم عبادت ان ہی کے آگے بجالاتے تھے۔[۳]

"ننار" کا بت ار میں سب سے اونچی پہاڑی پر ایک عالیشان عمارت میں نصب تھا۔ اسی کے قریب ننار کی بیوی "ننگل" کا معبد تھا۔ ننار کے معبد کی شان ایک شاہی محل سرا کی سی تھی۔ اس کی خواب گاہ میں روزانہ رات کو ایک پوجارن جاکر اس کی دلہن بنتی تھی۔ مندر میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقف تھیں اور ان کی حیثیت

Marfat.com

دیوداسیوں (Roligious Prostitutes) کی سی تھی۔ وہ عورت بڑی معزز خیال کی جاتی تھی جو خدا کے نام پر اپنی بکارت قربان کردے۔ کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو "راہ خدا" میں کسی اجنبی کے حوالہ کرنا عورت کے لئے ذریعہ نجات خیال کیا جاتا تھا۔ اب یہ بیان کرنا کچھ ضروری نہیں کہ اس مذہبی قحبہ گری سے مستفید ہونے والے زیادہ تر پوجاری حضرات ہی ہوتے تھے۔

ننار محض دیوتا ہی نہ تھا بلکہ ملک کا سب سے بڑا زمیندار' سب سے بڑا تاجر' سب سے بڑا کارخانہ دار اور ملک کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا حاکم بھی تھا۔ بکثرت باغ' مکانات' زمینیں اس مندر کے لئے وقف تھیں۔ اس جائیداد کی آمدنی کے علاوہ کسان' زمیندار' تجار سب ہر قسم کے غلے' دودھ' سونا' کپڑا اور دوسری چیزیں لاکر مندر میں نذر بھی کرتے تھے جنہیں وصول کرنے کے لئے مندر میں ایک بہت بڑا سٹاف موجود تھا۔ بہت سے کارخانے مندر کے ماتحت قائم تھے۔ تجارتی کاروبار بھی بہت بڑے پیمانے پر مندر کی طرف سے ہوتا تھا۔ یہ سب کام دیوتا کی نیابت میں پجاری ہی انجام دیتے تھے پھر ملک کی سب سے بڑی عدالت مندر ہی میں تھی پجاری اس کے جج تھے اور ان کے فیصلے خدا کے فیصلے سمجھے جاتے تھے۔ خود شاہی خاندان کی حاکمیت بھی ننار ہی سے ماخوذ تھی۔ اصل بادشاہ "ننار" تھا اور فرمانروائے ملک اس کی طرف سے حکومت کرتا تھا۔ اس تعلق سے بادشاہ خود بھی معبودوں میں شامل ہوجاتا تھا اور خداؤں کی مانند اس کی پرستش کی جاتی تھی۔ (۴) ار کا شاہی خاندان جو ابراہیمؑ کے زمانہ میں حکمران تھا اس کے بانی اول کا نام ارنمو تھا جس نے ۲۳۰۰ قبل مسیح میں ایک وسیع سلطنت قائم کی تھی۔ اس کے حدود مملکت مشرق میں سوسہ سے لے کر مغرب میں لبنان تک پھیلے ہوئی تھی اس سے اس خاندان کو نمو کا نام ملا جو عربی میں جاکر نمرود ہوگیا۔ (۵)

بابلی معاشرہ ایک مشرک معاشرہ تھا اور مشرکانہ رسوم و عقائد ان کی اجتماعی زندگی میں مکمل سرایت کئے ہوئے تھیں۔ ہمارے ہاں عام طور پر شرک کو ایک محدود مذہبی عقیدہ کے طور پر لیا جاتا ہے لیکن مشرکانہ تہذیبوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک محض بت پرستانہ عبادات ہی کا مجموعہ نہ تھا بلکہ قوم کی پوری معاشی' تمدنی' سیاسی

Marfat.com

اور معاشرتی زندگی کے نظام کی اساس تھا۔ قدیم ترین زمانے سے آج تک تمام مشرک سوسائٹیوں کی یہ مشترک خصوصیت رہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو رب الارباب اور خدائے خدائیگاں کی حیثیت سے تو مانتے ہیں' مگر صرف اسی کو رب اور تنہا اسی کو خدا اور معبود نہیں مانتے۔ خدائی کو مشرکین نے ہمیشہ دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک فوق الفطری (Supernatural) خدائی سلسلہ جو اسباب پر حکمران ہے اور جس کی طرف انسان اپنی حاجات اور مشکلات میں دستگیری کے لئے رجوع کرتا ہے۔ اس خدائی میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ارواح اور فرشتوں اور جنوں اور سیاروں اور دوسری بہت سی ہستیوں کو شریک ٹھہراتے ہیں' ان سے دعائیں مانگتے ہیں' ان کے سامنے مراسم پرستش بجالاتے ہیں اور ان کے آستانوں پر نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔ دوسری تمدنی اور سیاسی معاملات کی خدائی (یعنی حاکمیت) جو قوانین حیات مقرر کرنے کی مجاز اور اطاعت امر کی مستحق ہو' اور جسے دنیوی معاملات میں فرمانروائی کے مطلق اختیارات حاصل ہوں۔ اس دوسری قسم کی خدائی کو دنیا کے تمام مشرکین نے قریب قریب ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ سے سلب کرکے یا اس کے ساتھ شاہی خاندان اسی دوسری معنی میں خدائی کے مدعی ہوئے ہیں۔ اور اسے مستحکم کرنے کے لئے انہوں نے بالعموم پہلے معنی والے خداؤں کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور مذہبی طبقے اس معاملے میں ان کے ساتھ شریک سازش رہے ہیں۔

نمرود کا دعویٰ خدائی بھی سی دوسری قسم کا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر نہ تھا اس کا دعویٰ یہ نہیں تھا کہ اسباب عالم کے پورے سلسلے پر اسی کی حکومت چل رہی ہے۔ بلکہ اسے دعویٰ اس امر کا تھا کہ اس ملک عراق کا اور اس کے باشندوں کا حاکم مطلق میں ہوں میری زبان قانون ہے' میرے اوپر کوئی بالا اقتدار نہیں ہے جس کے سامنے میں جواب دہ ہوں' اور عراق کا ہر وہ باشندہ باغی و غدار ہے جو اس حیثیت سے مجھے اپنا رب نہ مانے یا میرے سوا کسی اور کو رب تسلیم کرے۔(٦)

خاندانی پس منظر

یہ تھا معاشرتی پس منظر جس میں مشیت الٰہی نے دعوت الی اللہ کا انتظام کیا۔ اس

Marfat.com

معاشرتی سیٹ اپ میں اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کے ہاں ابراہیمؑ نے جنم لیا۔(قرآن مجید نے ان کے والد کا نام آزر بتایا ہے) جبکہ عہد نامہ عتیق میں ان کا نام تارخ (Tarah) بتایا گیا ہے۔ کتاب پیدائش کے مطابق ابراہمؑ کی نویں پشت میں سام بن نوحؑ کا نام آتا ہے۔[(۷)] مسلمان مورخین اور مفسرین نے اسرائیلی روایات ہی کی بنیاد پر ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ لکھا ہے۔[(۸)] جبکہ قرآن آزر بتاتا ہے۔ نام کے بارے میں علماء و مفسرین نے دو راہیں اختیار کی ہیں کہ

ا۔ ایسی تطبیق پیدا کی جائے کہ دونوں میں اختلاف نہ رہے۔

۲۔ تحقیق کرکے دونوں میں سے ایک کو صحیح قرار دیا جائے۔

جن علماء نے تطبیق کی کوشش کی ہے' ان کا خیال ہے کہ یہ دونوں ایک ہی شخصیت کے نام ہیں ایک ذاتی اور دوسرا وصفی۔ عبرانی زبان میں آزر کے معنی محب صنم کے ہیں اور تارخ چونکہ بت تراش اور بت پرست تھا اور اپنے عقیدہ میں پختہ تھا اس لئے اسے آزر کہا گیا۔ ابن کثیرؒ نے مجاہد اور سدی سے نقل کیا ہے کہ آزر بت کا نام تھا۔ ابن کثیر کہتے ہیں :

کانہ غلب علیہ آزر لخدمتہ ذلک الصنم[(۹)]

گویا اس بت کی خدمت کے باعث وہ اسی نام سے مشہور ہوگیا۔

ابن کثیرؒ نے ابن جریرؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کا امکان ہے کہ دونوں میں سے ایک لقب ہو اور اس رائے کو انہوں نے جید اور قوی کہا ہے۔[(۱۰)] یہ بھی کہا گیا ہے کہ آزر کے معنی اعوج (کم فہم) بے وقوف اور پیر فرتوت کے ہیں۔[(۱۱)] ابن کثیرؒ نے ابن جریرؒ کے حوالے سے لکھا ہے :

ھو سب و عیب بکلامھم ومعناہ معوج وھی اشد کلمہ قالھا ابراہیم علیہ السلام[(۱۲)]

ان کی زبان میں یہ ایک نامناسب اور عیب والی بات ہے اور اس کے معنی کج فہم کے ہیں یہ ایک سخت بات تھی جو ابراہیمؑ نے کہی۔

چونکہ تارخ میں یہ صفات موجود تھیں اس لئے اسے ان صفات سے متصف

Marfat.com

کرتے ہوئے یہ لفظ استعمال کیا گیا۔ قرآن نے اس صفاتی نام کو استعمال کیا۔ مشہور سیرت نگار سہیلی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[۱۳]

جو علماء تحقیق کے بعد ایک کو صحیح قرار دینے کے قائل ہیں' ان کا خیال ہے کہ آزر بت کا نام ہے جیسا کہ مجاہد کی روایت سے ظاہر ہے لہٰذا قرآنی آیت کا مفہوم یہ ہوگا۔ اتتخذ آزر الھا ای اصناما الھہ (کیا تو آزر کو خدا مانتا ہے یعنی بتوں کو خدا مانتا ہے۔) اس رائے کے مطابق آزر ابیہ کا بدل نہیں بلکہ بت کا نام ہے اور یوں قرآن نے ابراہیمؑ کے والد کا نام نہیں لیا۔ ہم تارخ اور اسرائیلی مصادر پر اعتماد کریں گے۔

ایک بات اور بھی کہی گئی ہے کہ (ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ تھا) اور چچا کا نام آزر اور چونکہ آزر نے ہی ان کی تربیت و پرورش کی تھی لہٰذا قرآن نے آزر کو باپ کہہ کر پکارا۔ آنحضورؐ کا بھی ارشاد ہوتا ہے عم الرجل صنو ابیہ[۱۴] چچا باپ ہی کی طرح ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"ہمارے نزدیک یہ تمام تکلفات باردہ ہیں' اس لئے کہ قرآن عزیز نے جب صراحت کے ساتھ آزر کو اب ابراہیمؑ (ابراہیم کا باپ) کہا ہے تو پھر محض علماء انساب اور بائبل کے تخمینی قیاسات سے متاثر ہوکر قرآن عزیز کی یقینی تعبیر کو مجاز کہنے یا اس سے بھی آگے بڑھ کر خوامخواہ قرآن عزیز میں نحوی مقدمات ماننے پر کونسی شرعی اور حقیقی ضرورت مجبور کرتی ہے۔ بر سبیل تسلیم اگر آزر عاشق صنم کو کہتے ہیں' یا بت کا نام ہے تب بھی بغیر تقدیر کلام اور بغیر کسی تاویل کے یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ ان ہر دو وجہ سے آزر کا نام آزر رکھا گیا جیسا کہ اصنام پرست اقوام کا قدیم سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ کبھی اپنی اولاد کا نام بتوں کا غلام ظاہر کرکے رکھتے تھے اور کبھی خود بت ہی کے نام پر نام رکھ دیا کرتے تھے۔"[۱۵] یہی بات زیادہ قرین قیاس لگتی ہے اور ہمیں قرآن ہی کو حرف آخر تسلیم کرنا چاہیے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے قرآن کی حتمی حیثیت کو بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

آزر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام ہے۔ تورات کے عربی اور انگریزی ترجموں اور تالمود سب میں اس کا تلفظ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ قرآن نے یہاں جس تصریح کے ساتھ اس نام کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں یہود کے ہاں روایات کا جو اختلاف ہے وہ س کو رفع کرنا چاہتا ہے اور قرآن چونکہ قدیم صحیفوں کے لئے کسوٹی (مھیمن) کی حیثیت رکھتا ہے اور براہ راست وحی پر مبنی ہے۔ اس وجہ سے ماننا چاہیے کہ یہی نام صحیح ہے۔"[16] قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں آزر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

و اذ قال ابراہیم لابیہ آزر اتتخذ اصناما الھہ انی ارک و قومک فی ضلال مبین [17]

اور یاد کرو جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا' کیا تم بتوں کو معبود بنائے بیٹھے ہو؟ میں تم کو اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔

قدیم مفسرین نے نام اور لقب کے حوالے سے بات کی ہے وہ دل کو لگتی ہے۔ ابن جریرؒ کے حوالہ سے یہ کہا گیا ہے کہ اس بات کا امکان ہے کہ دونوں میں سے ایک لقب ہو اور اس طرح تاریخ اور قرآن کا تضاد رفع ہوسکتا ہے اور اس میں کوئی تکلف بھی نہیں پایا جاتا۔ مولانا سیوہاروی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اصل بات یہ ہے کہ "آوار" کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں اور عربی میں یہی آزر کہلایا۔ تارخ چونکہ بت تراش اور سب سے بڑا پجاری تھا۔ اس لئے "آزر" ہی کے نام سے مشہور ہوگیا۔ حالانکہ یہ نام نہیں تھا بلکہ لقب تھا اور جب لقب نے نام کی جگہ لے لی تو قرآن عزیز نے بھی اسی نام سے پکارا۔[18]

دعوت کا شعور

(ابراہیمؑ کے والد صرف بت پرست ہی نہ تھے بت پرستی کے منتظم بھی تھے) انہوں نے آنکھ کھولی تو گرد و پیش میں شرک کے سوا کچھ نہ تھا' گھر' معاشرہ اور ماحول

Marfat.com

مشرکانہ کلچر کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ قرآن اگرچہ خاموش ہے اور تاریخ سے بھی کچھ پتہ نہیں چلتا لیکن گمان یہی ہے کہ آزر نے اپنے بیٹے کو مشرکانہ کلچر کے آداب سکھانے کی کوشش کی ہوگی۔ قرآن چونکہ غیر متعلقہ تاریخی تفصیلات نہیں مہیا کرتا اس لئے ہمیں ابراہیمؑ کے بچپن اور جوانی کے ابتدائی حالات کے بارے میں مصدقہ معلومات حاصل نہیں ہوسکتیں۔ عام قاعدہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے ماحول کی پیداوار ہوتا ہے۔ گھر، معاشرہ اور ماحول فکر و عمل کا جو سانچہ مہیا کرتا ہے انسان اسی میں ڈھل جاتا ہے۔ انسانی معاشروں میں روایت کا تسلسل اور آداب و رسوم کا استحکام اس قاعدہ کی تصدیق کرتا ہے۔ پیدائش سے سن شعور تک پہنچتے پہنچتے ماحول کا رنگ غالب آتا ہے اور انسانی شخصیت سازگاری کے سانچے میں ڈھل چکی ہوتی ہے۔ ختمی مرتبتؐ سے منقول ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اسے اس کے والدین خاص مذہبی رنگ عطا کرتے ہیں:

مامن مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ (۱۹)

ہر بچہ فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں۔

لیکن مشیت الٰہی نے جن سے کام لینا ہوتا ہے انہیں معاشرے کی بری عادات اور ماحول کے رنگ سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ ایسی شخصیتیں ماحول میں سانس لیتے ہوئے اور معاشرے میں رہتے ہوئے بھی الگ حیثیت قائم رکھتی ہیں۔ یہی وہ تاریخ ساز شخصیتیں ہوتی ہیں جو ماحول کو بدلتی ہیں، معاشرے کی اصلاح کرتی ہیں اور نیا ماحول اور نئے معیارات قائم کرتی ہیں۔ ابراہیمؑ بھی ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ قدرت نے انہیں جو صلاحیتیں ودیعت کی تھیں ان کی وجہ سے اور پھر ربانی ہدایت کی بنا پر انہوں نے ماحول کے ساتھ سازگاری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (اللہ تعالیٰ نے انہیں جو شعور عطا کیا تھا اس نے رہبری کا کام کیا) قرآن مجید نے اس شعور کا خصوصی ذکر کیا ہے:

ولقد آتینا ابراہیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین (۲۰)

Marfat.com

(اس سے پہلے بھی ہم نے ابراہیمؑ کو ہوشمندی بخشی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے۔)

(آیت میں "رشد" کا لفظ استعمال کیا ہے) جس کے معنی ہیں صحیح و غلط میں تمیز کر کے صحیح بات یا طریقے کو اختیار کرنا اور غلط بات یا طریقے سے احتراز کرنا (گویا رشد اسی وہبی صلاحیت کا نام ہے جس کے ذریعہ انسان صحیح و غلط میں تمیز کر سکتا ہے) یہی وہ عنایت خاصہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاءؑ کو حاصل ہوتی ہے۔ پیغمبرانہ بصیرت وہ عطیہ الٰہی ہے جس کی وجہ سے انبیاءؑ اپنے ماحول کی نجاستوں سے محفوظ رہتے ہیں اور فطرت سلیمہ کے مطابق نشوونما پاتے ہیں۔ اس پیغمبرانہ بصیرت کے ساتھ وحی الٰہی کی رہنمائی اور خصوصی مشاہدات بھی شامل ہوتے ہیں۔ ابراہیمؑ کے سلسلے میں ان خصوصی مشاہدات کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً:

و اذ قال ابراہیم رب ارنی کیف تحی الموتی۔ قال اولم تومن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعة من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزء ثم ادعھن یاتینک سعیا۔ و اعلم ان اللہ عزیز حکیم (۲۱)

(اور وہ واقعہ بھی پیش نظر رہے جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے مالک! مجھے دکھادے، تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ فرمایا: کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ اس نے عرض کیا ایمان تو رکھتا ہوں، مگر دل کا اطمینان درکار ہے۔ فرمایا: اچھا تو چار پرندے لے اور ان کو اپنے سے مانوس کر لے۔ پھر ان کا ایک ایک جز ایک ایک پہاڑ پر رکھ دے۔ پھر ان کو پکار وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ خوب جان لے کہ اللہ نہایت بااقتدار اور حکیم ہے۔)

وکذلک نری ابراہیم ملکوت السموت والارض ولیکون من الموقنین (۲۲)

ابراہیمؑ کو ہم اسی طرح زمین اور آسمانوں کا نظام سلطنت دکھاتے تھے اور اس لئے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوجائے۔

Marfat.com

سید مودودیؒ نے مشاہدے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا:

عام اہل ایمان کو اس زندگی میں جو خدمت انجام دینی ہے' اس کے لئے تو محض یمان بالغیب (بے دیکھے ماننا) کافی ہے لیکن انبیاء کو جو خدمت اللہ نے سپرد کی تھی اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے وہ حقیقتیں دیکھ لیتے جن پر ایمان لانے کی عوت انہیں دنیا کو دینی تھی۔ ان کو دنیا سے پورے زور کے ساتھ یہ کہنا تھا کہ تم لوگ تو قیاسات دوڑاتے ہو مگر ہم آنکھوں دیکھی بات کہہ رہے ہیں۔ تمہارے پاس گمان ہے اور ہمارے پاس علم ہے۔ تم اندھے ہو اور ہم بینا ہیں۔ اس لئے انبیاء کے سامنے فرشتے عیاناً" آئے ہیں' ان کو آسمان و زمین کے نظام حکومت (ملکوت) کا مشاہدہ کرایا گیا ہے' ان کو جنت اور دوزخ آنکھوں سے دکھائی گئی ہے اور بعث بعد الموت کا ان کے سامنے مظاہرہ کرکے دکھایا گیا ہے۔ ایمان بالغیب کی منزل سے یہ حضرات منصب نبوت پر مامور ہونے سے پہلے گزر چکے ہوتے ہیں۔ نبی ہونے کے بعد ان کو ایمان بالشہادۃ کی نعمت دی جاتی ہے اور یہ نعمت انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔[۲۳]

اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور کار دعوت کے لئے منتخب فرمایا۔ دعوتی نقطہ نظر سے ہر نبی کا کام مشکل ہوتا ہے لیکن ابراہیمؑ کا کام خصوصی طور پر زیادہ مشکل تھا۔ ان کے والد کی سرکاری حیثیت تھی اور مشرکانہ کلچر کے فروغ اور اس کی مذہبی رسوم کے استحکام میں فعال کردار ادا کر رہے تھے اس لئے ابراہیمؑ کو اولین مزاحمت کا سامنا اپنے گھر میں ہی کرنا پڑا۔ قرآن نے ان کی نبوت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

واذكر في الكتاب ابراهيم انه كان صديقا نبيا[۲۴]

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بلاشبہ وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔

انبیاء کی خصوصی تعلیم کا ذریعہ وحی الٰہی ہوتی ہے اور قرآن نے جہاں دیگر انبیاء کا ذکر کیا ہے وہاں ابراہیمؑ کی وحی بھی مذکور ہے۔ حضور اکرمؐ کی وحی کو بیان کرتے ہوئے کہا:

انا اوحينا اليك كما اوحينا الى نوح والنبين من بعده واوحينا الى

ابراھیم و اسمعیل و اسحق و یعقوب والاسباط و عیسٰی و ایوب و یونس و ھرون و سلیمن و آتینا داود زبورا (۲۵)

ہم نے آپ کی طرف اسی کی وحی کی جس طرح نوحؑ اور ان پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ اور ابراہیم' اسمٰعیل' اسحاق' یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسٰیؑ' ایوب اور یونس و ہارون اور سلیمان کی طرف بھی ہم نے وحی بھیجی تھی اور داؤد کو ہم نے زبور بھی عنایت کی تھی۔

بعض مفسرین نے سورۂ انعام کی چند آیات کو شعور حق کے ساتھ منسلک کیا ہے جبکہ کچھ دوسرے مفسرین اسے استدلال کا ایک اسلوب قرار دیتے ہیں۔ ذیل میں وہ آیات اور ان سے متعلق تفسیریں آراء دی جاتی ہیں۔ ارشاد باری ہے :

فلما جن علیہ-اللیل را کو کبا قال ھذا ربی فلما افل قال لا احب الافلین۔ فلما را القمر بازغة قال ھذا ربی فلما افل قال لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین فلما را الشمس بازغة قال ھذا ربی ھذا اکبر فلما افلت قال یقوم انی برئی مما تشرکون (۲۶)

'چنانچہ جب رات اس پر طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا۔ کہا یہ میرا رب ہے مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولا ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں۔ پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا یہ میرا رب ہے مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہوگیا ہوتا۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ ہے میرا رب' یہ سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیمؑ پکار اٹھے۔ اے برادران قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہرتے ہو۔

سید مودودیؒ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

یہاں حضرت ابراہیمؑ کے اس ابتدائی تفکر کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ جو منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے ان کے لئے حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ

Marfat.com

ایک صحیح الدماغ اور سلیم النظر انسان جس نے سراسر شرک کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اور جسے توحید کی تعلیم کہیں سے حاصل نہ ہوسکتی تھی، کس طرح آثار کائنات کا مشاہدہ کرکے اور ان پر غور و فکر اور ان سے صحیح استدلال کرکے امر حق معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ ادھر قوم ابراہیمؑ کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں ان پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب ہوش سنبھالا تو ان کے گرد و پیش ہر طرف چاند، سورج اور تاروں کی خدائی کے ڈنکے بج رہے تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر حضرت ابراہیمؑ کو جستجوئے حقیقت کا آغاز اسی سوال سے ہونا چاہیے تھا کہ کیا فی الواقع ان میں سے کوئی رب ہوسکتا ہے؟ اسی مرکزی سوال پر انہوں نے غور و فکر کیا اور آخر کار اپنی قوم کے سارے خداؤں کو ایک اٹل قانون کے تحت غلاموں کی طرح گردش کرتے دیکھ کر وہ اسی نتیجہ پر پہنچ گئے کہ جن جن کے رب ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ان میں سے کسی کے اندر بھی ربوبیت کا شائبہ تک نہیں ہے رب صرف وہی ہے جو ایک ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور بندگی پر مجبور کیا۔(۲۷)

مولانا اصلاحی اسی سلسلہ بیان کی آیت ۸۳ "وتلک حجتنا آتیناھا ابراھیم علی قومه" کے تحت لکھتے ہیں۔

یہ اشارہ توحید کی اس دلیل کی طرف ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم پر قائم فرمائی اور جو اوپر تفصیل سے مذکور ہوئی۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ یہ ہے ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابل میں عطا فرمائی۔ اس سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ جو لوگ اس کو ابراہیمؑ کا فکری ارتقاء سمجھتے ہیں ان کا خیال قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کے فکر کا ارتقا نہیں بلکہ اس کو کہہ سکتے ہیں تو ان کی دعوت کا ارتقا کہہ سکتے ہیں۔ اگر یہ حضرت ابراہیمؑ کے فکر کا ارتقا بیان ہوا ہوتا تو علی قومه کے الفاظ کی ضرورت نہیں تھی۔(۲۸) اس واقعہ کے بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں:

دوسری یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کا ملکوت الٰہی سے جو استشہاد اوپر مذکور ہوا ہے وہ نبوت سے پہلے کا نہیں بلکہ نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد کا ہے جب انہوں نے اپنی

Marfat.com

دعوت کا آغاز فرمایا ہے۔ پہلے انہوں نے اپنے باپ کو دعوت دی اور یہی حضرات انبیاء کی معروف سنت رہی ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اپنے سب سے زیادہ قریبی عزیزوں کو دعوت دی ہے اس کے بعد اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے سامنے بالتدریج اس طرح اعلان حق فرمایا جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی۔ اس بات کی دلیل کہ یہ نبوت کے بعد کا واقعہ ہے۔ آیات ۷۹ - ۸۰ میں موجود ہے۔ ان آشکارا الفاظ میں یہ زندہ جاوید کلمات ایک نبی کے سوا کون کہہ سکتا ہے۔[۲۹]

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کا بھی یہی موقف ہے۔[۳۰] قدیم مفسرین نے بھی یہ دونوں آراء نقل کی ہیں۔ حافظ ابن کثیر اس مقام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وقد اختلف المفسرون فی هذا المقام هل هو مقام نظر او مناظرة فروى ابن جرير عن ابن عباس مايقتضى انه مقام نظر' واختاره ابن جرير مستدلا بقوله لئن لم يهدنى ربى الايه . . . . . والحق ان ابراهيم كان فى هذا المقام مناظرا بقومه مبينا لهم بطلان ماكانوا عليه من عبادة الهيا كل والاصنام[۳۱]

مفسرین کے ہاں اس مقام کی تفسیر کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ غور و فکر کا مقام ہے یا مناظرہ کی صورت ہے؟ ابن جریرؒ نے ابن عباس سے جو روایت کی ہے وہ اس بات کی مقتضی ہے کہ یہ غور و فکر کا مقام ہے اور ابن جریرؒ نے لئن لم یھدنی ربی سے استدلال کرتے ہوئے اسی کو اختیار کیا ہے . . . . مگر حق یہ ہے کہ ابراہیمؑ اس مقام پر اپنی قوم سے مناظرہ کر رہے ہیں۔ اور ان پر واضح کر رہے ہیں کہ اجرام سماوی اور بتوں کی عبادت باطل ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفسرین کے ہاں دونوں نقطہ ہائے نظر موجود رہے ہیں اور دونوں کے لئے ترجیحی دلائل موجود ہیں۔

دعوت کا موضوع

ابراہیمؑ کی دعوت کا موضوع شرک کا ابطال اور توحید کا اثبات ہے، پہلے بیان کیا

جاچکا ہے کہ مشرکانہ کلچر کے مظاہر میں صرف بت پرستی اور کواکب پرستی ہی نہ تھی حکمران کی معبودیت بھی اس کا اہم عنصر تھا۔ ان کے ہاں شرک محض ایک مذہبی عقیدہ اور بت پرستانہ عبادت کا مجموعہ ہی نہ تھا بلکہ درحقیقت اس قوم کی پوری معاشی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کا نظام اس عقیدے پر مبنی تھا۔[۳۲] لہٰذا ابراہیمؑ نے جب شرک کے ابطال کی بات کی تو گویا پورے نظام کی تبدیلی کی بات تھی۔ ان کی دعوت کا اثر صرف بتوں کی پرستش ہی پر نہ پڑتا تھا بلکہ شاہی خاندان کی معبودیت اور حاکمیت، پجاریوں اور اونچے طبقوں کی معاشی اور سیاسی حیثیت اور پورے ملک کی اجتماعی زندگی اس کی زد میں آئی جاتی تھی۔[۳۳] ابراہیمؑ کی دعوت میں پورے مشرکانہ کلچر کی تبدیلی کی صدا تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بتوں کے تصرف، اجرام سماوی کی تاثیر اور حکمرانوں کے مافوق الفطرت اختیارات کی نفی کرتے نظر آتے ہیں۔ دعوت الی اللہ کا بنیادی موضوع ہمیشہ توحید کا اثبات اور شرک کی نفی رہا ہے۔ اور ابراہیمؑ کی دعوت میں یہ موضوع پوری طرح چھایا ہوا نظر آتا ہے لیکن جس انداز میں اسے پیش کیا گیا ہے اس سے واضح تھا کہ نیچے سے اوپر تک ساری سوسائٹی کی عمارت ادھیڑ ڈالی جائے اور اسے ازسرنو توحید الٰہی کی بنیاد پر تعمیر کیا جائے۔[۳۴]

دعوت کے مراحل

یوں تو ہر نبی کی دعوت کے کئی مراحل ہوسکتے ہیں جنہیں معلوم کیا جاسکتا ہے لیکن ابراہیمؑ کا معاملہ مختلف ہے ان کی دعوت کے مراحل کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ قوم اور اقتدار کے حلقے نمایاں نظر آتے ہیں اور ان میں ایک فطری ترتیب بھی ہے۔ ذیل میں ہم اسی ترتیب کے مطابق ان کی دعوت اور ردعمل کا جائزہ لیں گے۔

خاندان

حسب معمول ابراہیمؑ نے اپنی دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔ یہ فطری ترتیب اس لئے مفید ہے کہ اگر گھر کا ماحول سازگار ہے اور خاندان کے لوگ دعوت کے دست و بازو بنتے ہیں تو کار دعوت کی مشکلات آسان ہوجاتی ہیں۔ ابراہیمؑ نے اپنے باپ کو

Marfat.com

دعوت دیتے ہوئے مشرکانہ عقیدہ و عمل کی حماقت واضح کی۔ قرآن نے اسے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

واذ قال ابراہیم لابیه ازر اتتخذ اصناما الهة انی ارلک و قومک فی ضلل مبین (۳۵) الانعام: 36

اور ابراہیمؑ کا واقعہ یاد کرو جب اس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا' کیا بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔

واذ قال لابیه و قومه ما هذه التماثیل التی انتم لها عاکفون (۳۶)

جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ یہ کیسے مجسمے ہیں جن کو تم لئے بیٹھے ہو۔

قرآن نے وہ پورا مکالمہ نقل کیا ہے جو ابراہیمؑ اور ان کے باپ کے درمیان ہوا اس میں دعوت کا استدلال بھی ہے اور دعوت کا ردعمل بھی۔ دعوت کا اسلوب بھی اور مخالف کا غرور بھی۔ ابراہیمؑ کے ایک ایک لفظ سے ہمدردی' خیرخواہی اور دلسوزی ٹپکتی ہے۔ جبکہ باپ کے ردعمل میں تکبر اور تعصب واضح طور پر نظر آتا ہے۔ ان آیات کو داعی کا نصاب کہیں تو بہت صحیح ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے:

واذکر فی الکتاب ابراهیم انه کان صدیقا نبیا اذ قال لابیه یا بت لم تعبد مالا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئا یابت انی قدجاءنی من العلم مالم یاتک فاتبعنی اهدک صراطا سویا۔ یابت لا تعبد الشیطن ان الشیطان کان للرحمٰن عصیا۔ یابت انی اخاف ان یمسک عذاب من الرحمٰن فتکون للشیطن ولیا۔ قال اراغب انت عن الهتی یابراہیم لئن لم تنته لا رجمنک واهجرنی ملیا۔ قال سلم علیک ساستغفرلک ربی۔ انه کان بی حفیا۔ واعتزلکم وما تدعون من دون الله وادعو ربی عسی الا اکون بدعاء ربی شقیا (۳۷)

اور کتاب میں ابراہیمؑ کو یاد کرو' بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔ جب انہوں نے کہا کہ ابا جان آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں

Marfat.com

اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں۔ ابا جان مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا۔ آپ میرے پیچھے چلیں۔ میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں۔ شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے ابا جان! مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہوجائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں۔ باپ نے کہا: "ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا۔ بس تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے الگ ہوجا۔ ابراہیمؑ نے کہا! سلام ہے آپ کو' میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کردے۔ میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کے نامراد نہ رہوں گا۔)

قوم سے خطاب

دعوت کے ارتقائی عمل سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے بحث و مباحثہ کے بعد اپنی قوم پر بھی اتمام حجت کردیا اور انہیں دعوت الی اللہ کی نعمت سے متعارف کرواتے ہوئے مسکت دلائل دیئے لیکن قرآن کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بیک وقت اپنے باپ اور قوم سے مخاطب ہیں۔ قرآن چونکہ واقعات کے تاریخی تسلسل کی بجائے انہیں دعوتی عمل اور ردعمل کے حوالے سے بیان کرتا ہے۔ اس لئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس عمل میں ترتیب زمانی نہیں پائی جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخی ترتیب ایک قدرتی امر ہے۔ آغاز گھر سے ہوا اور اس کے بعد قوم کو خطاب کیا لیکن موضوع اور استدلال کی وضاحت کے باعث قرآن نے اسے یکجا بیان کیا۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

(اذ قال لابیه و قومه ماهذه التماثیل التی انتم لها عاکفون قالوا وجدنا

اباء نا لھا عابدین۔ قال لقد کنتم و آباء کم فی ضلل مبین۔ قالوا اجئتنا بالحق ام انت من اللاعبین قال بل ربکم رب السموت والارض فطر ھن وانا علی ذلکم من الشاھدین (۳۸)

یاد کرو وہ موقع جب کہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ یہ مورتیں کیسی ہیں جن کے تم لوگ گرویدہ ہو رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ اس نے کہا تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔" انہوں نے کہا۔ کیا تو ہمارے سامنے اپنے اصل خیالات پیش کر رہا ہے یا مذاق کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں' بلکہ فی الواقع تمہارا رب وہی ہے جو زمین اور آسمانوں کا رب اور ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس پر میں تمہارے سامنے گواہی دیتا ہوں۔

ابراہیم نے اپنی قوم اور باپ کے سامنے موثر انداز خطابت کے ساتھ دعوت کے حق میں دلائل دیئے۔ قرآن نے انہیں مندرجہ ذیل آیات میں نقل کیا ہے۔

و اتل علیھم نبا ابراہیم۔ اذ قال لابیہ و قومہ ماتعبدون۔ قالوا نعبد اصناما فنظل لھا عاکفین قال ھل یسمعونکم اذ تدعون او ینفعونکم او یضرون قالوابل وجدنا اباء نا کذلک یفعلون۔ قال افرایتم ماکنتم تعبدون انتم و آباء کم الاقدمون فانھم عدولی الا رب العالمین الذی خلقنی فھو یھدین والذی ھو یطعمنی و یسقین واذا مرضت فھو یشفین والذی یمیتنی ثم یحیین والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین (۳۹) سورہ

اور انہیں ابراہیمؑ کا قصہ سناؤ (جب کہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا تھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں جن کو تم پوجتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ کچھ بت ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اور انہی کی سیوا میں ہم لگے رہتے ہیں۔ اس نے پوچھا۔ کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا یہ

Marfat.com

تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ نہیں' بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے؟ اس پر ابراہیمؑ نے کہا۔ کبھی تم نے (آنکھیں کھول کر) ان چیزوں کو دیکھا بھی جن کی بندگی تم اور تمہارے پچھلے باپ دادا بجا لاتے رہے؟ میرے تو یہ دشمن ہیں بجز ایک رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا' پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے۔ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہوجاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ زندگی بخشے گا اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز جزا میں وہ میری خطا معاف فرمادے گا۔

سوال و جواب کا یہ اسلوب ابرہیمؑ کے طرز استدلال کی خصوصیت ہے۔ ایک بات جو بدیہی طور پر غلط ہے اسے غلط کہنے کی بجائے اس کی حقیقت کے بارے میں سوال کرتے ہیں جس کے جواب میں مخاطبین وہی کچھ کہتے ہیں جو ابراہیمؑ انہیں کہنا چاہتے تھے۔ یہاں بات بتوں کی پرستش اور ان کے نفع بخش اور ضرر رساں ہونے کی ہے۔ دوسری جگہ پر وہ مظاہر پرستی کے بطلان کو واضح کرتے ہیں۔ سورۂ انعام کی آیات ہم ابتدائی تفکر کے ضمن میں نقل کر آئے ہیں جن کے بارے میں مفسرین کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے کہ ان آیات کا تعلق ابراہیم کے خصوصی طرز استدلال سے ہے جو انہوں نے اپنی قوم کو توحید سمجھانے کے لئے اختیار کیا۔ مولانا اصلاحی اس استدلال کو استدراج کا نام دیتے ہیں۔ استدراج کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مخاطب پر اس راہ سے درجہ بدرجہ گھیرے ڈالتے جدھر سے اس کو سان گمان بھی نہ ہوتا کہ وہ گھیرے میں آسکتا ہے۔[۴۰] اس طریقہ استدراج کے تقاضے سے ابراہیمؑ کبھی کبھی توریہ سے بھی کام لیتے تھے۔ توریہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی کوئی سکیم پوری کرنے کے لئے حریف کے سامنے اپنی بات اس طرح پیش کرتے کہ بات تو بالکل صحیح ہوتی لیکن اس کے پیش کرنے کا انداز ایسا ہوتا کہ حریف اس سے مغالطہ میں پڑ جاتا جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ہوشیاری کے باوجود وہ اسکیم کے بروئے کار آجانے سے پہلے اس سے آگاہ نہ ہوتا۔[۴۱] مظاہر پرستی کے سلسلے میں ابراہیمؑ کے انداز استدلال کو سورۂ انعام کی آیات میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

Marfat.com

فلما جن علیه اللیل را کوکبا قال هذا ربی۔ فلما افل قال لا احب الا فلین۔ فلما را القمر بازغا قال هذا ربی۔ فلما افل قال لئن لم یهدنی ربی لا کونن من القوم الضالین فلما را الشمس بازغة قال هذا ربی هذا اکبر۔ فلما افلت قال یقوم انی بری مماتشرکون۔ انی وجهت و جهی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکین (۴۲)

پس یوں ہوا کہ جب رات نے اس کو ڈھانک لیا اس نے ایک تارے کو دیکھا' بولا کہ یہ میرا رب ہے پھر جب وہ ڈوب گیا اس نے کہا میں ڈوب جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ پھر جب اس نے چاند کو چمکتے دیکھا' بولا یہ میرا رب ہے' پھر جب وہ بھی ڈوب گیا اس نے کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ فرمائی تو میں گمراہوں میں سے ہوکر رہ جاؤں گا۔ پھر جب اس نے سورج کو چمکتے دیکھا تو بولا کہ یہ میرا رب ہے' یہ سب سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو' میں ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے تو اپنا رخ بالکل یکسو ہوکر اس کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں تو مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اس کے بعد قرآن نقل کرتا ہے کہ ابراہیمؑ کی قوم نے ان سے توحید کے مسئلہ پر جھگڑا کیا جس کے جواب میں انہوں نے شرک کے بے بنیاد ہونے کو مزید اجاگر کیا۔ قرآن نقل کرتا ہے:

وحاجه قومه قال اتحاجونی فی الله و قدهدن ولا اخاف ماتشرکون به الا ان یشاء ربی وسع ربی کل شئی علماء افلاتتذکرون۔ و کیف اخاف ما اشرکتم بالله مالم ینزل به علیکم سلطانا فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون (۴۳)

اور اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی' اس نے جواب دیا کیا تم اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو' درانحالیکہ اس نے میری رہنمائی فرمائی

Marfat.com

ہے۔ اور میں ان سے نہیں ڈرتا جس کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو مگر یہ کہ کوئی بات میرا رب ہی چاہے۔ میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ تو کیا تم لوگ دھیان نہیں کرتے؟ میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے ایسی چیزوں کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے جن کے بارے میں اس نے تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔ تو ہم دونوں گروہوں میں سے امن و اطمینان کا سزا وار کون ہے' اگر تم جانتے ہو؟

ابراہیمؑ اپنی قوم سے بحث و مباحثہ میں مصروف رہے اور انہوں نے بدلائل بت پرستی اور مظاہر پرستی کا بطلان ثابت کیا۔ ابراہیمؑ کے دلائل اتنے مسکت تھے کہ قوم لاجواب ہو گئی اور ان کی مناظرانہ قوت جواب دے گئی۔ سورۂ انعام ہی میں جہاں ستارہ' چاند اور سورج کی معبودیت کے خلاف استدلال کیا گیا اور جہاں قوم کے جھگڑے کا ذکر کیا گیا وہیں پر ابراہیمؑ کی اس برتری کو بھی بیان کیا گیا جو انہیں دلیل و برہان کے میدان میں حاصل تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ عطاء الٰہی تھی:

وتلک حجتنا آتیناھا ابراہیم علی قومہ نرفع درجت من نشاء ان ربک حکیم علیم (۴۴)

یہ ہے ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم پر قائم کرنے کے لئے بخشی' ہم جس کو چاہتے ہیں درجے پر درجے بلند کرتے ہیں۔ بے شک تیرا رب حکیم و علیم ہے۔

عملی اقدام

ابراہیمؑ نے دعوت الی اللہ کے سلسلے میں جو محنت کی تھی وہ بظاہر بے نتیجہ معلوم ہو رہی تھی۔ اگرچہ انہوں نے دلائل و براہین کے ساتھ شرک کی خرابی اور توحید کی حقانیت کو واضح کیا تھا اور باپ اور قوم کو ان کی غلطی پر متنبہ کیا تھا لیکن ایسا لگتا تھا کہ یہ لوگ ان دلائل کو درخور اعتنا نہیں سمجھ رہے تھے۔ واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا

Marfat.com

ہے کہ ابراہیمؑ اپنی قوم سے بحث و مباحثہ میں مصروف تھے لیکن پوری قوم ابھی تک دعوت کی حقیقت اور اس کے دلائل سے پوری طرح باخبر نہ تھی۔ (اس کے لئے انہوں نے عملی اقدام کا فیصلہ کیا) جو ایک طرف ان کے قوی دلائل کی زبردست تائید مہیا کرتا تھا اور دوسری طرف دعوت کو ان حلقوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنتا تھا جہاں تک ابھی وہ نہیں پہنچی تھی۔ گویا قوم پر اتمام حجت کرنے اور توسیع دعوت کو نکتہ عروج پر پہنچانے کا اہتمام تھا۔ ابراہیمؑ کا یہ عملی اقدام جرات اور ہمت کے لحاظ سے تاریخ دعوت میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ نے ایک عمدہ تدبیر سے کام لیتے ہوئے قومی اہمیت کے ایک موقع سے فائدہ اٹھایا اور (بت خانے میں گھس کر تمام بتوں کو توڑ پھوڑ دیا) البتہ بڑے بت کو رہنے دیا تاکہ اس سے استدلال کی بنیاد حاصل کی جائے اور قوم کے سامنے بتوں کی بے بسی کو مبرہن کیا جاسکے۔ ابراہیمؑ نے اس کام کے لئے وہ دن منتخب کیا جو قومی تہوار کا دن تھا۔ جاہل اور مشرک معاشروں میں شخصیات، بتوں اور مختلف رسوم کے لئے دن منائے جاتے ہیں۔ اس دن پوری قوم کھیل تماشے اور خوشیاں منانے کے لئے اجتماع منعقد کرتی ہے۔ اسی مصروف دن کو ابراہیمؑ نے بتوں کے خلاف اپنے عملی اقدام کے لئے منتخب کیا۔ یہ عملی اقدام بت پرستی کے خلاف ابراہیمی استدلال کا حصہ ہے۔ (قرآن نے اسے جس طرح نقل کیا ہے) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ قوم کی حماقت واضح کرنے کے لئے کیا گیا۔ (ارشاد خداوندی ہے:

وتاللہ لا کیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین فجعلھم جذاذا الا کبیرا لھم لعلھم الیہ یرجعون قالوا من فعل ھذا بالھتنا انہ لمن الظالمین قالواسمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراہیم قالوافاتوا بہ علی اعین الناس لعلھم یشھدون قالواء انت فعلت ھذا بالھتنا یابرھیم قال بل فعلہ کبیرھم ھذا فسئلوھم ان کانو ینطقون فرجعوا الی انفسھم فقالوا انکم انتم الظلمون ثم نکسوا علی روسھم لقد علمت ماھولاء ینطقون قال افتعبدون من دون اللہ مالا ینفعکم شیئا ولا یضرکم اف لکم و لما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون (۴۵)

Marfat.com

اور خدا کی قسم میں تمہاری غیر موجودگی میں ضرور تمہارے بتوں کی خبر لوں گا۔ چنانچہ اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور صرف ان کے بڑے کو چھوڑ دیا تاکہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ (انہوں نے آکر بتوں کا یہ حال دیکھا تو) کہنے لگے ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کردیا؟ بڑا ہی ظالم تھا وہ۔ تو پکڑ لاؤ اسے سب کے سامنے تاکہ لوگ دیکھ لیں (اس کی کیسی خبر لی جاتی ہے) (ابراہیمؑ کے آنے پر) انہوں نے پوچھا کیوں ابراہیمؑ تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ اس نے جواب دیا: بلکہ یہ سب کچھ ان کے اس سردار نے کیا ہے' انہی سے پوچھ لو' اگر یہ بولتے ہوں یہ سن کر وہ لوگ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور اپنے دلوں میں کہنے لگے: "واقعی تم خود ہی ظالم ہو" مگر پھر ان کی مت پلٹ گئی اور بولے: تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں' ابراہیم نے کہا: "پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوج رہے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان' تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو۔ کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟"

سورۂ صافات میں اس واقعہ کو ایک اور اسلوب سے بیان کیا ہے:

فراغ الی آلھتھم فقال الا تاکلون مالکم لا تنطقون فراغ علیھم ضربا بالیمین فاقبلوا الیہ یزفون۔ قال اتعبدون ما تنحتون واللہ خلقکم وما تعملون (۴۶)

ان کے پیچھے وہ چپکے چپکے سے ان کے معبودوں کے مندر میں گھس گیا اور بولا۔ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں ہیں؟ کیا ہوگیا' آپ لوگ بولتے بھی نہیں؟ اس کے بعد وہ ان پر پل پڑا اور سیدھے ہاتھ سے خوب ضربیں لگائیں۔ (واپس آکر) وہ لوگ بھاگے بھاگے اس کے پاس آئے۔ اس نے کہا کیا تم اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو۔

Marfat.com

ان مقامات کی تفسیر میں مفسرین کے ہاں بحثیں ہیں جنہیں نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ قرآن حکیم نے ابراہیمؑ کا اسلوب بیان اور انداز استدلال نقل کیا ہے۔ بتوں کی شکست و ریخت سے وہ ان کی بے بسی واضح کرنا چاہتے تھے جسے ان لوگوں نے محسوس کیا لیکن پھر ان پر تعجب و جاہلیت غالب آگئی جس کی وجہ سے وہ ہدایت سے محروم ہوگئے۔ البتہ ابراہیمؑ کی طرف منسوب جھوٹ کے حوالے سے مناسب ہے کہ مولانا اصلاحی کا بیان نقل کیا جائے۔ جو انہوں نے سورۂ انبیاء کی آیت : "بل فعلہ کبیرھم" کے تحت لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

جن لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کے جواب "بل فعلہ کبیرھم" کو کذب یا خوف پر محمول کیا ہے وہ عربی سے بے خبری کے باعث اس ارشاد کی بلاغت کو نہ سمجھ سکے۔ خوف کا سوال اس لئے نہیں پیدا ہوتا کہ جب وہ اس طرح بے دھڑک قوم کے بت خانے کے اندر توحید کی اذان دیتے ہیں بتوں کے خلاف ایک مخفی اقدام کا اعلان کرتے ہیں اور پھر عین عدالت کے منہ پر ساری قوم کے سامنے اف لکم ولماتعبدون کے الفاظ سے بتوں پر بھی اور ان کے پوجنے والوں پر بھی لعنت کرتے ہیں تو ایسے مرد حق کے بارے میں یہ گمان بالکل ہی خلاف عقل ہے کہ وہ کسی خطرے سے مرعوب ہوکر سخن سازی کرے گا۔ رہا اس کے جھوٹ ہونے کا معاملہ تو قطع نظر اس سے کہ حضرت ابراہیمؑ جھوٹ بول سکتے ہیں یا نہیں۔ کہی ہوئی بات میں کوئی پہلو ایسا نہیں ہے کہ اس کو جھوٹ پر محمول کیا جاسکے۔ اس کو کہہ سکتے ہیں تو ایک لطیف طنز' ایک پرمعنی استہزا اور ایک حکیمانہ استدراج کہہ سکتے ہیں' جھوٹ کا تو اس میں کوئی ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہے۔"(۴۷)

بادشاہ کے سامنے اظہار حق

ابراہیمؑ کے عملی اقدام اور توحید الٰہی پر کھلے ہوئے دلائل سے قوم عاجز آگئی تو معاملہ صاحب اقتدار تک پہنچا۔ تالمود کے مطابق ابراہیمؑ کا باپ چونکہ ریاست کا ایک اہم افسر تھا اس لئے اس نے یہ معاملہ خود بادشاہ تک پہنچایا۔ بلاشبہ اس کی اولین وجہ تو

Marfat.com

ابراہیم کے والد اور ان کی قوم کی یہ پریشانی تھی کہ وہ ابراہیم کو نہ تو دلائل سے قائل کرسکے تھے اور نہ کسی دھمکی سے انہیں مرعوب کرسکے اس لئے اس معاملہ کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ لیکن اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ابراہیمؑ کے والد کو اپنی نوکری اور اپنے مفادات خطرے میں نظر آئے۔ بادشاہ چونکہ اپنے آپ کو اوتار (God King) کہتا تھا اور ساری رعایا دوسرے بتوں کے ساتھ بادشاہ کو بڑے دیوتا کے مظہر کے طور پر پوجتے تھے اس لئے ریاست کے ایک ملازم کے بیٹے کی بغاوت بڑا جرم متصور ہوتا۔ اس بات کا امکان ہے کہ ابراہیمؑ کے والد نے اپنی حفاظت کے لئے بیٹے کی بغاوت کا معاملہ خود پیش کیا ہو۔ ابراہیمؑ نے بادشاہ کے سامنے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید اور غیر اللہ کی بے بسی کو اس طرح مبرہن کیا کہ بادشاہ لاجواب ہوگیا۔ یہ اتمام حجت کی آخری سطح تھی۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کو مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

الم ترالی الذی حاج ابراہیم فی ربہ ان اتہ اللہ الملک اذ قال ابراھیم ربی الذی یحی و یمیت قال انا احی و امیت قال ابراہیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھامن المغرب فبھت الذی کفروالله لایھدی القوم الظالمین (۴۸)

کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیمؑ سے جھگڑا کیا تھا؟ جھگڑا اس بات پر کہ ابراہیمؑ کا رب کون ہے؟ اور اس بنا پر کہ اس شخص کو اللہ نے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں صرف زندگی اور موت ہے تو اس نے جواب دیا: زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے' ابراہیمؑ نے کہا: اچھا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا اسے مغرب سے نکال لا۔ یہ سن کر وہ منکر حق ششدر رہ گیا مگر اللہ ظالموں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

دعوت کا ردعمل

ابراہیمؑ کی دعوت کے ردعمل میں تحقیر و تذلیل کے علاوہ سنگسار کرنے کی دھمکی

Marfat.com

بھی شامل ہے۔ ابراہیمؑ کے والد نے جو دھمکی دی تھی اسے قرآن نے نقل کیا ہے :

لین لم تنتہ لا رجمنک واھجرنی ملیا (۴۹)

اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا۔ بس تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے الگ ہو جا۔

چونکہ ابراہیمؑ نے ہر حال میں دعوت کے کام کو جاری رکھا تھا اس لئے مخالفت میں اسی طرح شدت آتی گئی۔ والد کی مخالفت، پھر قوم کی مخاصمت اور آخر کار بادشاہ کا غضب۔ قرآن نے ابراہیمؑ کے ضمن میں ان پر ایمان لانے والوں کا ذکر نہیں کیا۔ قرآن سے ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے ساتھ کتنے لوگ تھے۔ قرآن نے واضح طور پر لوطؑ کے ایمان لانے کا ذکر کیا ہے : فامن لہ لوط (۵۰) اس وقت لوطؑ ان پر ایمان لے آئے ورنہ جہاں کہیں بھی ابراہیمؑ کے کار دعوت کا ذکر ہے وہاں تنہا انہی کی شخصیت چمکتی نظر آتی ہے۔ باپ، قوم اور بادشاہ تینوں ان کے خلاف یک آواز نظر آتے ہیں۔

آگ میں ڈالنا

(تالمود میں ہے کہ اس مناظرے کے بعد بادشاہ کے حکم سے آپ کو قید کردیا گیا تھا۔ دس روز جیل میں رہے۔ پھر بادشاہ کی کونسل نے ان کو زندہ جلانے کا فیصلہ کیا۔ قرآن نے ان کے آگ میں پھینکے جانے کے واقعہ کو بیان کیا ہے :

قالوا حرقوہ وانصروا آلھتکم ان کنتم فعلین (۵۱)

انہوں نے کہا : جلادو اس کو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔

ہم نے کہا

فما کان جواب قومہ الا ان قالوا اقتلوہ او حرقوہ (۵۲)

پھر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا : قتل کر دو اسے یا جلا ڈالو اس کو۔

Marfat.com

قالوا ابنوا له بنیانا فالقوہ فی الجحیم (۵۳)

انہوں نے کہا کہ اس کے لئے ایک لاؤ تیار کرو اور اسے دہکتی ہوئی آگ کے ڈھیر میں پھینک دو۔

قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ میں ڈالنے کا فیصلہ قومی فیصلہ تھا۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ فیصلہ ابراہیمؑ کے اقدام بت شکنی کے بعد اور دلائل و براہین کے مقابلے میں عاجز آنے کے بعد ہوا۔ تینوں مقامات کا سیاق یہی کہتا ہے۔ قرآن نے بادشاہ کے ساتھ مناظرے کو ایک الگ سیاق و سباق میں بیان کیا ہے۔ اسی لئے واقعاتی ترتیب اور قرآنی اسلوب مختلف ہے۔

آگ کا ٹھنڈا ہونا

اقتدار کے پاس اندھی بہری قوت کا استعمال اولین اور آخری حربہ ہوتا ہے۔ ابراہیمؑ کو ڈرایا دھمکایا گیا لیکن وہ بے خوف توحید الٰہی کی برتری ثابت کرتے رہے اور بالآخر انہیں زندہ جلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ چونکہ ابراہیمؑ محض اللہ کی رضا کے لئے سب کچھ کر رہے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا انتظام بھی کیا۔ آگ کو جلانے کی تاثیر دینے والے نے اس کی تاثیر کو ختم کردیا اور ابراہیمؑ معجزانہ طور پر بچ گئے۔ قرآن کے مطابق ان کی تدبیر ناکام ہوگئی۔ قرآنی اعجاز نے اس معجزے کو اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ مثلاً سورۂ عنکبوت میں فرمایا:

فانجه الله من النار ان فی ذلک لآیات لقوم یومنون (۵۴)

آخر کار اللہ نے اسے آگ سے بچالیا یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لانے والے ہیں

سورۂ صافات میں ان کی تدبیر کی ناکامی کو واضح کیا گیا ہے:

فارادوبه کیدا فجعلنهم الاسفلین (۵۵)

اور انہوں نے اسی کے خلاف ایک کاروائی کرنی چاہی تھی مگر ہم نے انہی کو نیچا دکھایا۔

Marfat.com

سورۂ انبیاء میں زیادہ واضح الفاظ میں آگ کے سرد ہوجانے کا ذکر ہے۔ فرمایا:

قلنا ینار کونی بردا وسلما علی ابراھیم و ارادوا به کیدا فجعلنهم الاخسرین (۵۶)

ہم نے کہا: اے آگ ٹھنڈی ہوجا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔ وہ چاہتے تھے کہ ابراہیمؑ کے ساتھ برائی کریں مگر ہم نے ان کو بری طرح ناکام کردیا۔

دعوتی نقطہ نظر سے اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ داعی اگر اخلاص کے ساتھ کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اسے ضرور حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے مشن میں کامیاب ہوتا ہے جبکہ اس کی قوم ناکام و نامراد ہوتی ہے۔

ہجرت

سنت اللہ یہ ہے کہ داعی اسی وقت تک اپنی قوم میں رہتا ہے جب تک اس کے اور اس کی قوم کے درمیان ڈائیلاگ چلتا رہتا ہے۔ جب پرامن تبلیغ کے راستے بند ہوجاتے ہیں اور قوم تشدد اور ظلم کی راہ اختیار کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ داعی کے لئے علیحدگی کا انتظام کرتا ہے تاکہ ان لوگوں کے لئے اللہ کا وعدہ پورا ہو۔ پیغمبر اور قوم کے درمیان اس وقت تک ابلاغ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جب تک معجزے کا ظہور نہیں ہوتا۔ جب معجزہ دکھا دیا جائے تو پھر نبی اور اس کی قوم اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ پیغمبر کے لئے لازم ہے کہ وہ اس قوم کو چھوڑ دے۔ جہاں تک قوم کا تعلق ہے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو اسی وقت ان کو سزا دے دے اور چاہے تو مزید کچھ مہلت دے کے انہیں ٹھکانے لگادے۔ ابراہیمؑ کے سلسلے میں یہ علیحدگی ہجرت کی صورت میں وقوع پذیر ہوئی۔ آپ نے خاندان اور وطن کو خیرباد کہا اور اللہ کی رضا کے مطابق نئے علاقے کی طرف کوچ کیا۔ قرآن نے ابراہیمؑ کے اس اقدام کو اللہ کی طرف سفر کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ سورۂ صافات میں ہے:

وقال انی ذاهب الی ربی سیهدین (۵۷)

Marfat.com

ابراہیمؑ نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں وہی میری رہنمائی کرے گا۔

سید مودودیؒ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی خاطر نکل رہا ہوں کیونکہ اسی کا ہوجانے کی وجہ سے میری قوم میری دشمن ہوگئی ہے ورنہ کوئی دینوی جھگڑا میرے اور اس کے درمیان نہ تھا کہ اس کی بنا پر مجھے اپنا وطن چھوڑنا پڑ رہا ہو۔ نیز یہ کہ میرا دنیا میں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے جس کا رخ کروں۔ تن بہ تقدیر بس اللہ کے بھروسے پر نکل رہا ہوں۔ جدھر وہ لے جائے گا اسی طرف چلا جاؤں گا۔(۵۸)

سورۂ عنکبوت میں تو ہجرت کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ فرمایا:

وقال انی مهاجر الی ربی انه هوالعزیز الحکیم(۵۹)

اور ابراہیمؑ نے کہا میں اپنے ربؐ کی طرف ہجرت کرتا ہوں وہ زبردست اور حکیم ہے۔

ابراہیمؑ نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کیا اور اس کی رہنمائی پر بھروسہ کیا۔ مشیت ایزدی انہیں وہاں لے گئی جہاں سے اس نے انسانیت کی رہنمائی کا سامان کرنا تھا۔ سورۂ انبیاء میں الٰہی فیصلہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

ونجیناه ولوطا الی الارض التی بارکنا فیها للعلمین

اور ہم اسے اور لوطؑ کو بچا کر اس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے دنیا والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔

یہ برکت والی سرزمین شام و فلسطین کی زمین ہے۔ اس کی برکتیں مادی بھی ہیں اور روحانی بھی۔ مادی حیثیت سے وہ دنیا کے زرخیز ترین علاقوں میں سے ہے اور روحانی حیثیت سے وہ ۲ ہزار ۱۱ برس تک انبیاءؑ کا مہبط رہی ہے۔ دنیا کے کسی دوسرے خطے میں اتنی کثرت سے انبیاء مبعوث نہیں ہوئے۔(۶۰)

ابراہیمؑ کی ہجرت کے بعد قوم ابراہیمؑ کا کیا حشر ہوا۔ قرآن نے اس بارے میں تو کچھ نہیں کہا البتہ تالمود سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمرود ان کا معتقد ہوگیا اور بت سے قیمتی

نذرانے دے کر اُن کو رخصت کیا۔ دعوتی نقطہ نظر سے چونکہ ابراہیمؑ کی ذات اہمیت رکھتی ہے اس لئے قرآن ہجرت کے بعد ان کی سرگرمیوں پر بحث کرتا ہے۔ قوم ابراہیمؑ کی اہمیت ہجرت کے بعد ختم ہوگئی۔ لہٰذا دعوت الی اللہ کے نئے امکانات پر بحث کی گئی۔ ان امکانات کا تعلق ابراہیمؑ کی اولاد و ذریت سے ہے۔

آزمائش

کار دعوت کا اہم پہلو مشکلات اور آزمائش ہے۔ داعی جب مشرک' کافر یا منکر معاشرے میں تبدیلی اور اصلاح کی کوشش کرتا ہے تو معاشرے کے مستحکم ادارے اور عقائد و رسوم پر یقین رکھنے والے بااثر افراد مخالفت کرتے ہیں۔ ایک داعی کو کار دعوت میں کئی مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسے اللہ کی راہ میں جان' مال' خاندان وغیرہ کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ یہ آزمائشیں اس کی وابستگی اور توکل کا امتحان بھی ہوتی ہیں اور اس کی شخصیت کے نکھار اور کار دعوت کی کامیابی کا ذریعہ بھی۔ ابراہیمؑ کی شخصیت اس لحاظ سے بھی ایک ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے کہ آپ آزمائش کے ہر اس مرحلے سے گزرے ہیں جس کا پیش آنا ہر داعی کے لئے متوقع ہے۔ ہم دیکھ آئے ہیں کہ والد نے' قوم نے اور وقت کے اقتدار نے کیا رویہ اختیار کیا اور آپ کو تحقیر' تشدد کی دھمکی اور زندہ جلائے جانے کی آزمائشوں سے گذر کر وطن سے ہجرت کرنے کے مرحلے سے بھی کس طرح سرخرو ہوکر نکلے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ کی ہجرت میں ان کے ساتھ ان کی بیوی سارہ اور بھتیجے لوطؑ کے سوا کوئی نہ تھا۔ اور یہ قافلہ اس خطے میں وارد ہوا۔ ذات' خاندان اور وطن کی قربانی کے بعد ابراہیمؑ کی ایک اور بڑی آزمائش ہے جس کا تعلق ان کی اولاد سے ہے۔ ابراہیمؑ کی قوم نے انہیں زندہ جلانے کی جو تدبیر کی اسے مشیت ایزدی نے ناکام بنایا۔ قرآن نے اسی نجات اور کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے انہیں اولاد کی خوشخبری کا بھی ذکر کرتا ہے۔ سورۂ انبیاء میں برکت والی سرزمین میں استقرار اور دشمنوں سے نجات کا ذکر کرتے ہوئے اولاد کی خوشخبری بیان کی گئی ہے:

ووھبنا لہ اسحق و یعقوب نافلۃ و کلا جعلنا صالحین (۶۱)

سورۂ عنکبوت میں بھی اسے دہرایا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

و وھبنا لہ اسحق و یعقوب و جعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتب و آتینہ اجرہ فی الدنیا وانہ فی الاخرۃ لمن الصالحین (۶۲)

اور ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب (جیسی اولاد) عنایت فرمائی اور اس کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی اور اسے دنیا میں اس کا اجر عطا کیا اور آخرت میں بھی یقیناً صالحین میں سے ہوگا۔

قرآن نے یہاں صرف اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا ذکر کیا ہے اور ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹوں کا ذکر نہیں کیا تو اس کی وجہ اسحٰقؑ کی اولاد میں انبیاء کی مسلسل آمد ہے۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

"حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹوں کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ اولاد ابراہیم کی مدیانی شاخ میں صرف شعیبؑ مبعوث ہوئے اور اسماعیلی شاخ میں سرکار رسالت مآب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ڈھائی ہزار سال کی مدت میں کوئی نبی نہیں آیا۔ اس کے برعکس نبوت اور کتاب کی نعمت حضرت عیسیٰ تک مسلسل اسی شاخ کو عطا ہوتی رہی جو حضرت اسحٰق علیہ السلام سے چلی تھی۔ (۶۳)

یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ قرآنی بیان کی ترتیب سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ بابل سے ہجرت کے بعد فوری طور پر انہیں اولاد عطا کی گئی۔ قرآن کی دوسری آیات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ واضح ہوتا کہ ابراہیمؑ نے اولاد کے لئے دعا کی تھی اور بائبل کے مطابق اسماعیلؑ کی پیدائش پر آپ کی عمر چھیاسی برس کی تھی۔ (۶۴) قرآن نے اسی دعا کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

رب ھب لی من الصالحین فبشرنہ بغلام حلیم (۶۵)

اے پروردگار مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحوں میں سے ہو۔ ہم نے اس کو ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی۔

ایسا لگتا ہے کہ ابراہیمؑ کی یہ دعا دیر کے بعد قبول ہوئی کیونکہ ابراہیمؑ اظہار تشکر

Marfat.com

میں بڑھاپے کا ذکر کرتے ہیں۔

قرآن نقل کرتا ہے:

الحمدلله الذی وهب لی علی الکبر اسمعیل و اسحق ان ربی لسمیع الدعاء[۶۶]

شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق عطا فرمائے بے شک میرا پروردگار دعا سننے والا ہے۔

بائبل میں بھی ابراہیمؑ کی دعا کا مفصل بیان موجود ہے:

And Ibram said, Lord god, what will thou give me, seeing I go childless, and the steward of my house is this Eliezer of Damascus?

And Ibram said, behlod, to me thou has given no seed: and lo, one born in my house is mine heir. And, behold, the word of the Lord came unto him, Saying, this shall not be thine heir; but he that shall come from out of thine own bowels shall be thine heir.[۶۷]

ابرام نے کہا اے خداوند خدا تو مجھ کو کیا دے گا۔ میں تو بے اولاد ہو جاؤں گا اور میرے گھر کا مختار الاٰزر دمشقی ہے۔ پھر ابرام نے کہا کہ تو نے مجھے فرزند نہ دیا اور دیکھ میرا خانہ زاد میرا وارث ہوگا۔ تب خداوند کا کلام اس پر اترا اور اس نے کہا کہ یہ تیرا وارث نہیں ہونے کا بلکہ جو تیری صلب سے پیدا ہو وہی تیرا وارث ہوگا۔

بیٹے کی قربانی

(ابراہیمؑ کی آخری آزمائش بیٹے کی قربانی تھی۔ بڑھاپے کی اولاد اور وہ بھی بڑی

Marfat.com

دعاؤں کے نتیجے میں ہونے والی، انسان کو بہت عزیز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کو اب بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا۔ بائبل اور قرآن میں اس قربانی کا ذکر ہے لیکن شخصیت کے بارے میں اختلاف ہے بائبل کے مطابق یہ قربانی اسحاق کی تھی جبکہ قرآن کے بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ قربانی اسمٰعیلؑ کی تھی۔ مسلمان علماء نے بائبل ور قرآن کے تقابلی مطالعہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ قربانی اسمٰعیلؑ کی ہی ہوسکتی ہے۔[۶۸] مسلمان علماء کے مطابق بائبل میں جہاں قربانی کا ذکر ہے اس میں تضاد ہے۔ ایک جگہ پر اسحقؑ کا واضح نام موجود ہے جبکہ دوسری جگہ پر اکلوتے بیٹے کا ذکر ہے بائبل کے اپنے بیان کو دیکھا جائے تو اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کی پیدائش تیرہ برس کا فرق ہے۔[۶۹]

بائبل میں قربانی کے واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

And it came to pass after those thing, that God did taught Abraham, and said unto him, Abraham : and he said, Behold, and here I am And he said, take now thy son, thine only son Isaac, whom thou lovest, and get thee into the land of Moriah; and offer him there for a burnt offering upon one of the mountains which I will tell thee of.[۷۰]

ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا اور اسے کہا: اے ابراہام! اور اس نے کہا کہ میں حاضر ہوں۔ اور خدا نے کہا کہ تو اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے اسحاق کو جسے تو پیار کرتا ہے لے اور سرزمین سوریا میں جا اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک جو میں تجھے بتاؤں گا، سوختنی قربانی کے لئے چڑھا۔

اسی باب میں دوسری جگہ لکھا ہے:

And the angel of the Lord called upon Ibraham

out of heaven the second time, and said, by myself I sworn, said the Lord, for because thou hast done this thing, and has not withheld thy son, thine only son.(۷۱)

تب خداوند کے فرشتے نے دوبارہ آسمان پر سے ابراہام کو پکارا اور کہا۔
خداوند فرماتا ہے اس لئے کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنا بیٹا "اپنا اکلوتا بیٹا"
دریغ نہ رکھا' میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت
دوں گا۔

پہلی آیت میں جہاں اکلوتے بیٹے کا ذکر ہے۔ وہاں "اسحق" کے نام کا اضافہ ہے۔ جو دوسری آیت میں موجود نہیں۔ نیز اسحقؑ کی پیدائش سے پہلے اسمٰعیلؑ تو اکلوتے بیٹے ہوسکتے ہیں لیکن اسمٰعیلؑ کی موجودگی میں اسحقؑ اکلوتے کس طرح ہوسکتے ہیں؟

قربانی کی جگہ

بائبل میں چونکہ قربانی اسحقؑ سے متعلق ہے اس لئے اس کی جگہ بھی موریا کی سرزمین ہے لیکن مسلم روایت کے مطابق یہ قربانی اسمٰعیلؑ کی ہے اور یہ واقعہ مکہ کے قریب منیٰ میں پیش آیا۔ اسلامی روایات کے مطابق ابراہیمؑ نے حکم خداوندی کے مطابق اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ حاجرہؑ کو وادی مکہ میں چھوڑا تھا۔ بائبل میں ہے کہ ابراہیمؑ کی بڑی بیوی سارہ کو حاجرہؑ اور اس کے بیٹے سے ایک قسم کی ناگواری تھی اس لئے اس نے ابراہیمؑ کو کہا کہ لونڈی کا بیٹا تمہارا وارث نہیں ہوسکتا۔ ایک جگہ جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات اسحقؑ کی پیدائش کے بعد ہوئی اور دوسری جگہ پر اسمٰعیلؑ کی شیرخوارگی مترشح ہوتی ہے۔ دونوں بیانات حسب ذیل ہیں۔

And Sarah saw the son of Hagar the Eyptian, which she had born unto Abraham, mecking.

Marfat.com

Whereof she said unto Ibraham, cast out this bondswoman and her son: for the son of this bondswoman shall not be heir with my son, even with Isaac. And the thing was very grievous in Abraham's sight because of his son.

And God said unto Abraham, let it not be grievous in thy sight because of the lad, and because of thy bondswoman; in all that Sarah has said to thee, hearken to her voice; for in Isaac shall thy seed be called. And also of the son of the bondswoman will I make a nation, because he is thy seed.[۲۰]

اور سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ کا بیٹا جو وہ ابراہیم سے جنی تھی ٹھٹھے مارتا ہے تب اس نے ابراہام سے کہا کہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ پھر اپنے بیٹے کی خاطر یہ بات ابراہیمؑ کی نظر میں نہایت بری معلوم ہوئی۔ خدا نے ابراہام سے کہا کہ وہ بات اس لڑکے اور تیری لونڈی کی بابت تیری نظر میں بری نہ معلوم ہو' ہر ایک بات کے حق میں جو سارہ نے تجھے کہی اس کی آواز پر کان رکھ کیونکہ تیری نسل اضحاق سے کہلائے گی اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی ایک قوم پیدا کروں گا اس لئے کہ وہ تیری نسل ہے۔

دوسرے مقام پر اسمٰعیلؑ کو ایک بچہ کہا گیا ہے اس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

And Abraham rose up early in the morning and took breast and a bottle of water, and

Marfat.com

gave it unto Hagar, putting it on her shoulder, and the child and send her away: and she departed, and wandered in the wilderness of Beer-Sheeba. And the water was spent in the bottle, and she cast the child under one of the shrubs. And she went and sat her down over against him a good way off, as it were how short; for she said, let me not the death of the child.(۷۳)

تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور ہاجرہ کو اس کے کاندھے پر دھر دی اور اس کے بچے کو بھی اور اسے رخصت کیا اور وہ روانہ ہوئی اور بیر سبع کے بیابان میں بھٹکتی پھرتی تھی، اور جب مشک کا پانی چک گیا تب اس نے اس بچے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے سامنے ایک پتھر کے ٹیلے پر دور جا بیٹھی اور تیر پھینکنے کے فاصلہ پر بھی کیونکہ اس نے کہا کہ میں بچے کی موت کو نہ دیکھوں۔

اسی تضاد کی وجہ سے مسلم علماء نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ کی روانگی کے وقت اسمٰعیلؑ شیر خوار بچہ تھا اور اسحٰقؑ ابھی تک پیدا نہیں ہوئے تھے۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے:

ثم جاء بها ابراہیم وبابنها اسمعیل و هی ترضعه حتی وضعها عند البیت عند دوحة فوق الزمزم فی اعلی المسجد ولیس بمكة یومئذ احد ولیس بها ماء فوضعها هنالک و وضع عندهما جرابا فیه تمر و سقاء فیه ماء ثم قفی ابراہیم منطلقا۔ فتبعته ام اسمعیل فقالت: یا ابراہیم این تذهب و تترکنا بهذا الوادی الذی لیس

Marfat.com

فیہ انس ولا شئی؟ فقالت لہ ذلک مرارا وجعل لا یلتفت الیھا فقالت لہ: آللہ الذی امرک بھذا؟ قال: نعم قالت اذن لا یضیعنا ثم رجعت فانطلق ابراہیم حتی اذا کان عند الثنیة حیث لا یرونہ استقبل بوجھہ البیت ثم دعا بھولاء الکلمات و رفع یدیہ فقال: ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم حتی بلغ یشکرون (۷۴)

ابراہیمؑ اور ہاجرہؑ اور اس کے شیر خوار بچے اسمٰعیلؑ کو لے آئے اور جہاں آج کعبہ ہے اس جگہ ایک بہت بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ پر ان کو چھوڑ گئے۔ وہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی۔ اور پانی کا بھی نام و نشان نہ تھا اس لئے ابراہیمؑ نے ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجور بھی ان کے پاس چھوڑ دیں اور پھر منہ پھیر کر روانہ ہوگئے۔ ہاجرہ ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں اے ابراہیم! تم ہمیں ایسی وادی میں کہاں چھوڑ کر چل دیئے جہاں نہ آدمی ہے نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس و غمخوار۔ ہاجرہؑ برابر یہ کہتی جاتی تھیں مگر ابراہیمؑ خاموش چلے جارہے تھے۔ آخر ہاجرہؑ نے دریافت کیا کیا آپ کے خدا نے یہ حکم دیا ہے؟ تب ابراہیمؑ نے فرمایا "ہاں یہ خدا کے حکم سے ہے۔ ہاجرہؑ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں۔ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کرے گا اور پھر واپس لوٹ کر آئیں۔ ابراہیمؑ چلتے چلتے جب ایک ٹیلہ پر ایسی جگہ پہنچے کہ ان کے اہل و عیال نگاہ سے اوجھل ہوگئے۔ تو اس جانب جہاں کعبہ ہے رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔ اے ہم سب کے پروردگار ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں۔ میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لاکر بسائی ہے۔ آپ نے یہ دعا "یشکرون" تک پڑھی۔

طویل حدیث میں اسمٰعیلؑ کی زندگی کے بعض پہلوؤں کا تذکرہ ہے۔ اس میں بیان

کیا گیا ہے کہ کس طرح پانی ختم ہونے کے بعد ہاجرہؑ کو پریشانی لاحق ہوئی اور وہ صفا اور مروہ پر جاتیں اور واپس لوٹ کر بچے کی طرف آتیں اور بالآخر فرشتے کی آواز سنائی دی کہ تمہاری آواز سن گئی ہے۔ فرشتے نے اپنا پاؤں مارا تو زمزم کی جگہ سے پانی ابلنے لگا اور ہاجرہ اس کے گرد باڑ لگانے لگی۔ رسول کریمؐ کا ارشاد ہے:

یرحم اللہ ام اسمعیل لو ترکت زمزم اوقال لولم تغرف من زمزم لکانت زمزم عینا معینا (۷۵)

اللہ تعالیٰ ام اسمٰعیل پر رحم کرے اگر وہ زمزم کو اس طرح نہ روکتیں اور اس کے چار جانب باڑھ نہ لگاتیں تو آج وہ زبردست چشمہ ہوتا۔

اسی حدیث میں ہے کہ ہاجرہ کا صفا اور مروہ کی طرف جانا ہی سعی بین الصفا و المروہ ہے جسے حاجی ادا کرتے ہیں۔ (۷۶)

ابراہیمؑ وقتاً فوقتاً اسمٰعیلؑ اور ہاجرہ کے پاس آتے ہوں گے۔ اسی حدیث میں اسمٰعیلؑ کی غیر موجودگی میں ان کی اہلیہ سے گفتگو کا ذکر ہے۔ قرآن کعبۃ اللہ کی تعمیر کا ذکر وضاحت سے کرتا ہے۔ جس میں دونوں باپ بیٹا مصروف رہے۔(۷۷) اور قرآن قربانی کا واقعہ بھی بیان کرتا ہے۔ علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ مکہ کی زندگی سے وابستہ ہے۔ قرآن کا بیان ہے:

رب ھب لی من الصالحین فبشرنہ بغلام حلیم۔ فلما بلغ معہ السعی قال یبنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ما ذا تری قال یابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ فلما اسلما و تلہ للجبین ونادینہ ان یا ابراہیم قد صدقت الرویا۔ انا کذلک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاء المبین۔ وفدینہ بذبح عظیم۔ و ترکنا علیہ فی الآخرین۔ سلم علی ابراھیم کذلک نجزی المحسنین۔ انہ من عبادنا المومنین و بشرناہ باسحق نبیا من الصالحین وبارکنا علیہ و علی اسحق ومن ذریتھما محسن و ظالم لنفسہ مبین (۷۸)

Marfat.com

اے پروردگار مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحوں میں سے ہو۔ (اس دعا کے جواب میں) ہم نے اسے ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی۔ وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیمؑ نے اس سے کہا۔ "بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں' اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا' ابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔ اسے کر ڈالئے آپ انشاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ آخر کو جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کردیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرادیا اور ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیمؑ تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑالیا اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لئے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیمؑ پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ اور ہم نے اسے اسحٰق کی بشارت دی' ایک نبی صالحین میں سے اور اسے اور اسحاق کو برکت دی۔ اب ان دونوں کی ذریت میں سے کوئی محسن ہے اور کوئی اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والا ہے۔

قرآن کا اسلوب بیان ظاہر کرتا ہے کہ اسمٰعیلؑ کی قربانی کے موقعہ پر اسحٰقؑ کی بشارت دی گئی ہے پھر دونوں کے لئے الگ صفاتی لقب استعمال کیا گیا۔ اسمٰعیلؑ کے لئے حلیم [۷۹] اور اسحٰقؑ کے لئے علیم [۸۰] کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اور ابراہیمؑ نے اپنی دعا [۸۱] میں اور قرآن نے اپنے بیان کی ترتیب [۸۲] میں بھی اسمٰعیلؑ کو مقدم رکھا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قربانی اسمٰعیلؑ کی تھی۔ [۸۳] ابراہیمؑ کا بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہوجانا اس آزمائش میں سرخروئی کی علامت ہے۔

کامیابی و کامرانی

ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں کامیاب ، کامران قرار دیا۔ ان سے پہلے

Marfat.com

پیغمبرانہ دعوت کا نقشہ کچھ یوں تھا: ایک قوم کے ہاں گمراہی تھی' پیغمبر آیا اس نے اپنی دعوتی سرگرمیوں میں سے لوگوں کو سیدھی راہ چلنے کی تلقین کی۔ بہت کم لوگ ایمان لائے یا سب نے انکار کردیا۔ پیغمبر کی تذلیل و تحقیر کی۔ اس کا معجزہ طلب کیا اور معجزہ دیکھنے کے بعد بھی پیغمبرانہ دعوت کا انکار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عذاب الٰہی سے اس قوم کو تباہ کیا گیا اور پیغمبر اور اس کے مومن ساتھی محفوظ رہے۔ اس سے آگے اس پیغمبر کی سرگرمیوں کا تذکرہ نہیں ملتا۔ ابراہیمؑ کے سلسلے میں پہلی مرتبہ بعض نئے پہلو سامنے آئے ہیں۔ اور اس نقشے میں بعض نئے رنگ ابھرے ہیں۔ ان میں پہلی بات تو یہ ہوئی کہ ان کی نسل میں نبوت اور قیادت جاری رہے گی۔ دوسری یہ کہ ابراہیمؑ کو انسانیت کا امام بنایا گیا۔ قرآن کے مطابق ابراہیمؑ کو یہ منصب چند آزمائشوں سے گذارنے کے بعد عطا کیا گیا۔ گزشتہ صفحات میں ان آزمائشوں کو بیان کیا جاچکا ہے۔

قرآن نے منصب امامت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

و اذابتلی ابراہیم ربہ بکلمت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما۔ قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظالمین (۸۴)

اور یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا تو اس نے کہا: میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے عرض کیا: اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟ اس نے جواب دیا: میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔"

اسی منصب امامت کا ایک مظہر بیت اللہ کی تعمیر اور حج کا ادارہ ہے۔ اور دوسرا یہ کہ رہتی دنیا تک ان کی عزت و تکریم باقی رہے گی۔ گویا ابراہیمؑ کو دنیا و آخرت کی خصوصی کامرانی مرحمت فرمائی گئی۔

قرآن نے ابراہیمؑ کی نسل میں نبوت جاری رہنے کے سلسلے میں کہا:

ووھبنا لہ اسحق و یعقوب و جعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتب و آتینہ اجرہ فی الدنیا وانہ فی الاخرۃ لمن الصالحین (۸۵)

اور ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب (جیسی اولاد) عنایت فرمائی اور اس کی

Marfat.com

نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی اور اسے دنیا میں اس کا اجر عطا کیا اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہو گا۔

تعمیر کعبہ کے متعلق قرآن نے کہا:

واذ یرفع ابراہیم القواعد من البیت واسمعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم (۸۶)

اور یاد کرو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے، تو دعا کرتے جاتے تھے، اے ہمارے رب، ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے۔ تو سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اور حج کے ادارہ کو متعارف کراتے ہوئے قرآن نے بیان کیا:

واذ بوانا لابراہیم مکان البیت ان لا تشرک بی شیئا و طہر بیتی للطائفین والقائمین والرکع السجود۔ واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق۔ لیشھدوا منافع لھم و اطعموا البائس الفقیر۔ ثم الیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفوا بالبیت العتیق (۸۷)

اور یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لئے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی۔ اس ہدایت کے ساتھ کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔ اور لوگوں کو حج کے لئے اذن عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لئے رکھے گئے ہیں اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں بخشے ہیں۔ خود بھی کھائیں اور تنگ دست محتاج کو بھی دیں۔ پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

Marfat.com

تکریم ابراہیم

ابراہیمؑ کی تکریم کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ دنیا میں انہیں کردار کا ایک اعلیٰ نمونہ قرار دیا گیا اور قربانی کے حوالے سے ان کے اور ان کے اہل بیت کے اعمال کو تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنا دیا اور آخرت میں انہیں بلند مقام عطا فرمایا۔

قرآن مجید نے ابراہیمؑ کی تعریف کرتے ہوئے انہیں منفرد حیثیت کا حامل قرار دیا۔ مثلاً:

ان ابراہیم کان امة قانتا شاکرا لانعمه اجتبه وهدله الی صراط مستقیم و آتینه فی الدنیا حسنة وانه فی الاخرة لمن الصالحین (۸۸)

بے شک ابراہیم ایک الگ امت تھے' اللہ کے فرمانبردار اور اس کی طرف یکسو اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ وہ اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا اور ان کی رہنمائی ایک سیدھی راہ کی طرف فرمائی۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی عطا کی اور آخرت میں بھی وہ صالحین کے زمرہ میں ہوں گے۔

ابراہیم کو یہاں ایک امت قرار دیا ہے۔ مولانا اصلاحی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امت کا لفظ ایک طرف تو حضرت ابراہیمؑ کی انفرادیت کا اظہار کر رہا ہے کہ وہ یہود' نصاریٰ اور مشرکین کسی میں سے نہ تھے بلکہ ان سب سے الگ وہ ایک حنیف و مسلم تھے۔ دوسرے ان کی اس جامعیت و مرکزیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو اللہ نے ان کو بخشی تھی۔ اس لئے کہ وہ صرف ایک فرد نہیں بلکہ ایک عظیم امت کے بانی تھے۔ (۸۹)

تکریم ابراہیمؑ کا ایک پہلو یہ ہے کہ انہیں آنے والی نسلوں کے لئے ایک نمونہ قرار دیا:

قد کانت لکم اسوة حسنة فی ابراہیم والذین معه اذ قالوا انا براء

Marfat.com

منکم ومما تعبدون من دون اللہ . . . (۹۰)

تم لوگوں کے لئے ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا۔ "ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔

ابراہیمؑ کی ساری عظمت ان کی اس ادا میں ہے کہ وہ اپنے رب کے سامنے بلا چوں و چرا سر تسلیم خم کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جب بھی کچھ کرنے کے لئے حکم دیا وہ بجا آوری کے لئے تیار کھڑے تھے۔ اطاعت و تسلیم کا یہی رویہ انہیں ممتاز کرتا ہے اور آنے والی مومن نسلوں سے یہی مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کا یہی تعلق اسے پسندیدہ بناتا ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے۔ قرآن نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

ومن یرغب عن ملة ابراہیم الا من سفه نفسه و لقد اصطفینه وانه فی الاخرة لمن الصالحین۔ اذ قال له اسلم قال اسلمت لرب العالمین (۹۱)

اب کون ہے جو ابراہیمؑ کے طریقے سے نفرت کرے؟ جس نے خود اپنے آپ کو حماقت و جہالت میں مبتلا کرلیا ہو' اس کے سوا کون یہ حرکت کرسکتا ہے؟ ابراہیمؑ تو وہ شخص ہے' جس کو ہم نے دنیا میں اپنے کام کے لئے چن لیا تھا اور آخرت میں اس کا شمار صالحین میں ہوگا۔ اس کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اس سے کہا: "مسلم ہوجا" تو اس نے فوراً کہا: "میں مالک کائنات کا مسلم ہوگیا۔"

ابراہیم کی اولاد میں نبوت و حکومت قائم رہی لیکن دعوتی نقطہ نظر سے ابراہیمؑ کی شخصیت' ان کے پروگرام اور دعوت کی کامیابی اور شخصیت کی عظمت کے لحاظ سے اگر کوئی فرد اس معیار پر پورا اترتا ہے تو وہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے (اسی لئے تعمیر کعبہ کے وقت آپ نے ذریتہ اسمٰعیل کے سلسلے میں جو خصوصی دعا کی تھی وہ حضور اکرمؐ کی بعثت سے متعلق تھی۔ وہ گویا ابراہیمؑ کی امامت کی

Marfat.com

تکمیل اور آپ کے اسوہ حسنہ کا اتمام تھی۔ ابراہیمؑ نے کہا:

ربنا وابعث فیهم رسولا منهم یتلوا علیهم ایاتک ویعلمهم الکتاب والحکمة ویزکیهم انک انت العزیز الحکیم (۹۲)

اے ہمارے رب تو ان میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

تاریخ دعوت میں ابراہیمؑ کی ذات ایک ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور ان کی یہ حیثیت ہمیشہ قائم رہے گی۔

حوالہ جات

۱۔ الممتحنہ / ۴

۲۔ تفہیم القرآن، ۱ / ۵۵۴

۳۔ ایضاً" ۱ / ۵۵۴

۴۔ ایضاً" ۱ / ۵۵۵

۵۔ ایضاً" ۱ / ۵۵۵

۶۔ ایضاً" ۱ / ۱۹۸ ۔ ۱۹۹

۷۔ The new Jerusalem Bible Genesis 11/ 10

۸۔ ایضاً" مختصر ابن کثیر، ۱ / ۵۹۱

۹۔ ایضاً"

۱۰۔ ایضاً"

۱۱۔ تاج العروس، ۳ / ۱۲

۱۲۔ مختصر ابن کثیر ۱ / ۵۹۱، لیکن یہ بات عجیب لگتی ہے ابراہیمؑ جیسی شفیق ہستی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے باپ کے بارے میں ایسے الفاظ کہیں۔

Marfat.com

قرآن نے تو ان کے رویہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ سلام علیک سا ستغفرلک ربی انه کان بی حفیا (مریم / ۴۷ : تم پر سلامتی ہو' عنقریب آپ کے لئے اپنے پروردگار سے بخشش چاہوں گا بلاشبہ وہ میرے ساتھ بڑا مہربان ہے) یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ابراہیمؑ کا یہ جواب اس دھمکی کا تھا جو باپ نے ابراہیمؑ کو سنگسار کردینے کی دی تھی۔ لئن لم تنته لا رجمنک واھجرنی ملیا (مریم / ۴۶)

۱۳۔ روض الانف / ۱۷

۱۴۔ مسند احمد' ۱ / ۹۴

۱۵۔ قصص القرآن' ۱ / ۱۵۳

۱۶۔ تدبر قرآن' ۳ / ۸۸

۱۷۔ الانعام / ۷۴

۱۸۔ قصص القرآن' ۱ / ۱۵۳

۱۹۔ مسلم' کتاب القدر' باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة' ۸ / ۵۲' مسند احمد' ۲ / ۲۷۵

۲۰۔ الانبیاء / ۵۱

۲۱۔ البقرة / ۲۶۰

۲۲۔ الانعام / ۷۵

۲۳۔ تفہیم القرآن' ۱ / ۲۰۲

۲۴۔ مریم / ۴۱

۲۵۔ النساء / ۱۶۲

۲۶۔ الانعام / ۷۶ ۔ ۷۸

۲۷۔ تفہیم القرآن' ۱ / ۵۵۷

۲۸۔ تدبر قرآن' ۳ / ۹۸

۲۹۔ ایضاً' ۳ / ۹۹

Marfat.com

۳۰۔ قصص القرآن، ۱/ ۱۷۶ ۔ ۱۸۰
۳۱۔ مختصر ابن کثیر، ۱/ ۵۹۲
۳۲۔ تفہیم القرآن، ۱/ ۵۵۶
۳۳۔ ایضاً
۳۴۔ ایضاً
۳۵۔ الانعام / ۷۵
۳۶۔ الانبیاء / ۵۲
۳۷۔ مریم / ۴۱ ۔ ۴۸
۳۸۔ الانبیاء / ۵۲ ۔ ۵۶
۳۹۔ الشعراء / ۶۹ ۔ ۸۲
۴۰۔ تدبر قرآن، ۳/ ۹۳
۴۱۔ ایضاً
۴۲۔ الانعام / ۷۶ ۔ ۷۹
۴۳۔ الانعام / ۸۰ ۔ ۸۱
۴۴۔ الانعام / ۸۳
۴۵۔ الانبیاء / ۵۷ ۔ ۶۷
۴۶۔ الصافات / ۹۱ ۔ ۹۶
۴۷۔ تدبر قرآن ۵/ ۱۶۲
۴۸۔ البقرہ / ۲۵۸
۴۹۔ مریم / ۴۶
۵۰۔ العنکبوت / ۲۶
۵۱۔ الانبیاء / ۶۸
۵۲۔ العنکبوت / ۲۴
۵۳۔ الصفت / ۹۷

Marfat.com

۵۴۔ العنکبوت / ۲۴

۵۵۔ الصٰفٰت / ۹۸

۵۶۔ الانبیاء / ۶۹ ۔ ۷۰

۵۷۔ الصٰفٰت / ۹۹

۵۸۔ تفہیم القرآن ' ۴ / ۲۹۴

۵۹۔ العنکبوت / ۲۶

۶۰۔ تفہیم القرآن ' ۳ / ۱۷۰

۶۱۔ الانبیاء / ۷۲

۶۲۔ العنکبوت / ۲۷

۶۳۔ تفہیم القرآن ' ۳ / ۶۹۴

۶۴۔ بائبل ' پیدائش ' (Genisis) ۱۲/ ۱۵' ۱۶

۶۵۔ الصافات / ۱۰۰' ۱۰۱

۶۶۔ ابراہیم / ۳۹

۶۷۔ بائبل ' پیدائش ' (Genisis) ۱۵ / ۲ ۔ ۴

۶۸۔ اس سلسلے میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی "اظہار الحق" اور مولانا حمید الدین فراہی کی "النجیح فی من ھو الذبیح" میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

۶۹۔ بائبل ' پیدائش ' (Genisis) ۱۷ / ۲۳ ' ۲۵

۷۰۔ بائبل ' پیدائش ' (Genisis) ۲۲ / ۱ ۔ ۲

۷۱۔ ایضاً ' ۲۲ / ۱۵ ۔ ۱۶

۷۲۔ ایضاً ' ۲۱ / ۹ ۔ ۱۳

۷۳۔ ایضاً ' ۲۱ / ۱۴ ۔ ۱۶

۷۴۔ بخاری ' کتاب بدء الخلق ' باب یزفون النسلان . . . ۴ / ۱۱۳ ۔ ۱۱۴

Marfat.com

۷۵۔ ایضاً" ۴ / ۱۱۴

۷۶۔ ایضاً" ۴ / ۱۱۴

۷۷۔ البقرہ / ۱۲۷

۷۸۔ الصافات / ۱۰۰ ۔ ۱۱۳

۷۹۔ فبشر نه بغلم حلیم (الصافات / ۱۰۱)

۸۰۔ فبشروه بغلام علیم ۔ (الذاریات / ۲۸) لا توجل انا نبشرک بغلام علیم (الحجر / ۵۳)

۸۱۔ الحمدلله الذی وهب لی علی الکبر اسمعیل و اسحق ۔ (ابراہیم / ۳۹)

۸۲۔ الصافات / ۱۱۳

۸۳۔ اس موضوع پر مختصراور جامع بحث کے لئے دیکھئے تفہیم القرآن' ۴ / ۲۹۷ ۔ ۳۰۱ ' تدبر قرآن' ۶ / ۴۸۲

۸۴۔ البقرہ / ۱۲۴

۸۵۔ العنکبوت / ۲۷

۸۶۔ البقرہ / ۱۲۷

۸۷۔ الحج / ۲۶ ۔ ۲۹

۸۸۔ النحل / ۱۲۰ ۔ ۱۲۱

۸۹۔ تدبر قرآن' ۴ / ۴۶۰

۹۰۔ الممتحنہ / ۴

۹۱۔ البقرہ / ۱۳۰ ۔ ۱۳۱

۹۲۔ البقرہ / ۱۲۹

Marfat.com

Marfat.com

لوط علیہ السلام

لوط ابراہیمؑ کے برادر زادہ ہیں ان کے والد کا نام ہاران[1] تھا۔ لوطؑ کا بچپن ابراہیمؑ کے زیر سایہ گذرا تھا اسی لئے وہ دعوت ابراہیمی کے مومن تھے اور ابراہیمؑ کے ساتھ ہجرت کرنے والے مختصر قافلے میں شامل تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

فامن له لوط و قال انی مهاجر الی ربی انه هو العزیز الحکیم[2]

پھر ابراہیمؑ پر لوط ایمان لائے اور کہا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بلاشبہ وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ابراہیمؑ کے ساتھ ایک مدت تک معاونت کرتے رہے اور شام فلسطین اور مصر میں دعوتی سرگرمیوں میں ابراہیمؑ کا ساتھ دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرما کر اہل سدوم کی اصلاح کے لئے ذمہ داری سونپی۔ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ اور لوطؑ کے چرواہوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے اور اسی بنا پر سدوم کے علاقہ میں چلے گئے۔ عبارت کچھ یوں ہے:

Now Lot was travelling with him and he too possessed sheep and cattle and tents. The land could not support them both togather; for their live stock were so numerous that they could not settle in the same district and there were quarrel between Ibraham's herdsmen and lot's. The cannanit and the Perizzites wer then living in the land. So Ibraham said to lot there be no

Marfat.com

qurelling between us, between my herdsmen and your's for we are close kinsmen. The whole county is there in front of you; let us part company. If you go left I will go right; if you go right I will go left. Lot looked up and said how well watered the whole plain of the Jordan was; all they way to Zoar it was like the garden of Lord, like the land of Egypt [۳]

اور لوطؑ کے پاس بھی جو ابراہام کا ہم سفر تھا۔ بھیڑ بکریاں گائے بیل اور ڈیرے تھے اور اس ملک مین اتنی گنجائش نہ تھی کہ وہ اکٹھے رہیں کیونکہ ان کے پاس اتنا مال تھا کہ وہ اکٹھے نہیں رہ سکتے تھے اور کنعانی اور فرزی اس وقت اس ملک میں رہتے تھے۔ تب ابراہام نے لوط سے کہا کہ میرے اور تیرے چرواہوں کے رمیان جھگڑا نہ ہوا کرے کیونکہ ہم بھائی ہیں کیا یہ سارا ملک تیرے سامنے نہیں؟ سو تو مجھ سے الگ ہوجا۔ اگر تو بائیں جائے تو مین داہنے جاؤں گا اور اگر تو داہنے جائے تو مین بائیں جاؤں گا۔ تب لوط نے آنکھ اٹھا کر اردن کی ساری ترائی پر جو منغر کی طرف ہے نظر دوڑائی کیونکہ وہ اس سے پیشتر کہ خداوند نے سدوم اور عمورہ کو تباہ کیا خداوند کے باغ اور مصر کے ملک کی مانند خوب سیراب تھی۔

قرآن واضح طور پر کار نبوت کے حوالے سے بیان کرتا ہے۔ ابراہیم کی فرشتون کے ساتھ جو گفتگو قرآن نے نقل کی ہے۔ اسی مین لوطؑ کے بارے مین ابراہیمؑ کی فکر مندی کا ذکر ملتا ہے۔[۴] مزید کہا:

ولوطا آتینہ حکما و علما [۵]

اور لوط کو ہم نے حکم اور علم بخشا۔

ابراہیمؑ کی فکرمندی کا تذکرہ سورۂ ھود میں بھی ہے' قرآن بیان کرتا ہے:

فلا ذھب عن ابراہیم الروع جاءتہ البشری یجادلنا فی قوم لوط [۶]

اسی طرح پھر جب ابراہیمؑ کی گھبراہٹ دور ہوئی اور بشارت سے دل خوش کیا گیا تو اس نے قوم لوطؑ کے مقابلہ میں ہم سے جھگڑا شروع کیا۔

قوم لوط

قوم لوطؑ سے لوطؑ کا کیا رشتہ تھا۔ قرآن نے کچھ وضاحت نہیں کی صرف یہ کہ اس قوم کے لئے قوم لوط کا لفظ استعمال کیا۔ لوطؑ چونکہ اس قوم کی اصلاح پر مامور تھے اس لئے ان کے لئے لوطؑ کا حوالہ استعمال کیا گیا۔

یہ قوم اس علاقہ میں رہتی تھی جسے آج کل شرق اردن کہا جاتا ہے اور عراق و فلسطین کے درمیان وقع ہے۔ بائبل میں اس قوم کے مرکزی شہر کا نام سدوم بتایا گیا ہے۔(۷) تالمود میں ہے کہ سدوم کے علاوہ ان کی دیگر بستیاں بھی تھیں۔ اور یہ سرسبز و شاداب علاقہ تھا جس میں میلوں تک باغ ہی باغ تھے۔ آج کل جہاں بحر مردار یا بحر لوط واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں یہ بستیاں آباد ہوں گی اور عذاب الٰہی کے بعد یہ بستیاں اپنے شاداب علاقے سمیت اس سمندر کا حصہ بن گئیں۔

لوطؑ کی دعوت

لوطؑ کی عمومی دعوت تو توحید ہی کی دعوت تھی لیکن خصوصی دعوت کا تعلق اس قوم کے دو جرائم سے تھا اور لوطؑ انہی کے حوالے سے اپنی قوم کو خطاب کرتے نظر آتے ہیں: یہ دو جرائم ہیں ہم جنس پرستی اور رہزنی تھے۔ قرآن مجید نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ائنکم لتاتون الرجال و تقطعون السبیل و تاتون فی نادیکم المنکر (۸)

کیا تمہارا یہ حال ہے کہ تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں برے کام کرتے ہو۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے عبدالوہاب نجار کے حوالے سے لکھا ہے کہ اہل سدوم کی عادت تھی کہ باہر سے آنے والے تاجروں اور سوداگروں کے مال کو ایک

Marfat.com

انوکھے اور اچھوتے انداز سے لوٹتے تھے۔ چنانچہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی سوداگر باہر سے آکر سدوم میں مقیم ہوتا تو اس کے مال کو دیکھنے کے بہانے سے ہر شخص تھوڑی تھوڑی چیز اٹھاتا اور چل دیتا اور تاجر بے چارہ حیران و پریشان ہوکر رہ جاتا۔ اب اگر اس نے اپنے ضیاع مال کا شکوہ کیا اور رونے دھونے لگا تو ان لٹیروں میں سے ایک آتا اور لوٹی ہوئی دو ایک چیزیں دکھلا کر کہنے لگتا کہ بھائی میں تو یہ لے گیا تھا۔ لو تمہاری یہ چیز موجود ہے۔ وہ رنجیدہ آواز میں کہتا میں اس کو لے کر کیا کروں گا۔ جب میرا سارا مال لٹ گیا وہاں یہ بھی سہی۔ جا تو ہی اپنے پاس رکھ جب یہ معاملہ ختم ہوجاتا تو دوسرا آتا اور وہ بھی اسی طرح کوئی معمولی چیز دکھا کر وہی کچھ کہتا۔ جو پہلے نے کہا تھا اور سوداگر رنج و غم اور غصہ میں اس سے بھی پہلی بات لوٹا کہ کہہ دیتا۔ اسی طرح سب اس کا مال ہضم کرجاتے اور سوداگر کو لوٹ کھسوٹ کر بھگادیتے۔ (۹)

ان کا اصل جرم ہم جنس پرستی تھا اور اسے کھلے عام کرتے تھے۔ سورۂ عنکبوت کا بیان اوپر گذر چکا ہے۔ سورۂ اعراف کے الفاظ ملاحظہ کریں:

ولوطا اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة وانتم تبصرون۔ ائنكم لتاتون الرجال من دون النساء بل انتم قوم تجهلون (۱۰)

اور یاد کرو وہ وقت جب لوط نے اپنی قوم سے کہا، تم آنکھوں دیکھتے بدکاری کرتے ہو۔ کیا تمہارا یہی چلن ہے کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت رانی کے لئے جاتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ سخت جہالت کا کام کرتے ہو۔

قرآن نے دیگر مقامات پر بھی ان کے اس جرم کا ذکر کیا ہے:

اتاتون الذكران من العالمين و تذرون ما خلق لكم ربكم من ازواجكم بل انتم قوم عدون (۱۱)

کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لئے جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھوڑ دیتے ہو۔

Marfat.com

ولوطا اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة ماسبقكم بها من احدمن العالمين۔ انكم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون (۱۲)

اور لوطؑ کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا پھر یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا : "کیا تم ایسے بے حیا ہوگئے ہو کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا؟ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم بہت ہی حد سے گذرنے والے لوگ ہو۔

سورۂ انبیاء میں ان کے بد اعمالی کو عام پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے :

ونجينه من القرية التى كانت تعمل الخبائث انهم كانوا قوم سوء فاسقين (۱۳)

اور اسے اس بستی سے بچا کر نکال دیا جو بدکاریاں کرتی تھی۔ درحقیقت وہ بڑی ہی بری فاسق قوم تھی۔

انداز تبلیغ و دعوت

لوطؑ نے انبیاء سابقین کی طرح ہمدردی، خیرخواہی اور بے لوثی سے انہیں سمجھانے کی کوشش فرمائی۔ قرآن مجید نے ان کے ضمن میں نقل کیا ہے :

اذ قال لهم اخوهم لوط الا تتقون۔ انى لكم رسول امين۔ فاتقوا الله واطيعون وما اسئلكم عليه من اجر ان اجرى الا على رب العالمين (۱۴)

یاد کرو جبکہ ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا تھا، کیا تم ڈرتے نہیں، میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

چونکہ قوم جرائم پیشہ تھی اس لئے لوطؑ کے انداز دعوت میں انذار کا پہلو غالب ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ کار دعوت میں تنہا ہیں بلکہ بے بسی کی کیفیت بھی نظر آتی ہے۔ جب فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں ان کے ہاں آتے ہیں اور پوری قوم ان کے گھر پر حملہ آور ہوتی ہے تو قرآن اس صورت حال کی تصویر کشی جن الفاظ میں بیان کرتا ہے اس سے لوطؑ کا اضطراب اور بے یار و مددگار ہونا مبرھن ہوتا ہے۔ قرآن کا بیان ہے:

قال یقوم ھولاء بناتی ھن اطھرلکم فاتقوا اللہ ولا تخزون فی ضیفی الیس منکم رجل رشید قالوا لقد علمت مالنا فی بناتک من حق وانک تعلم ما نرید قال لو ان لی بکم قوة او آوی الی رکن شدید (۱۵)

لوطؑ نے ان سے کہا بھائیو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں یہ تمہارے لئے پاکیزہ تر ہیں کچھ خدا کا خوف کرو اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ تجھے تو معلوم ہے کہ تیری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ لوطؑ نے کہا: کاش میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ تمہیں سیدھا کر دیتا یا کوئی مضبوط سہارا ہوتا کہ میں اس کی پناہ لیتا۔

تاہم لوطؑ نے اپنا مشن جاری رکھا اور اسی بدکار قوم کو مسلسل ٹوکتے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہے۔

دعوت کا ردعمل

یہ قوم اپنے غلیظ افعال میں اس قدر گھری ہوئی تھی کہ اسے خیر کی کوئی بات قابل قبول نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قول و فعل سے لوطؑ کی دعوت کا رد کیا۔ قرآن ان کے ردعمل کو نقل کرتے ہوئے بیان کرتا ہے:

فما کان جواب قومه الا ان قالوا ائتنا بعذاب اللہ ان کنت من

الصادقین [16]

پھر کوئی جواب اس کی قوم کے پاس اس کے سوا نہ تھا کہ انہوں نے کہا: لے آ اللہ کا عذاب اگر تو سچا ہے۔

ان کا عملی جواب وہی تھا جسے اوپر نقل کیا گیا ہے۔ سورۃ الحجر میں اسے ذرا مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ معاملہ وہی فرشتوں کا لڑکوں کی صورت میں آنا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وجاء اھل المدینة یستبشرون قال ان ھولاء ضیفی فلا تفضحون واتقواللہ ولا تخزون۔ قالوا اولم ننھک عن العالمین قال ھولاء بناتی ان کنتم فاعلین [17]

اتنے میں شہر کے لوگ خوشی کے مارے بے تاب ہو کر لوطؑ کے گھر چڑھ آئے۔ لوطؑ نے کہا بھائیو! یہ میرے مہمان ہیں۔ میری فضیحت نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو مجھے رسوا نہ کرو۔ وہ بولے: کیا ہم بارہا تمہیں منع نہیں کر چکے کہ دنیا بھر کے ٹھیکے دار نہ بنو۔ لوطؑ نے عاجز ہو کر کہا: اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں۔

قوم کا گناہوں پر اصرار تھا جو جارحیت کی شکل میں ظاہر ہو رہا تھا۔ قرآن نے اسے یوں بیان کیا ہے:

لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون [18]

تیری جان کی قسم اے نبی! اس وقت ان پر نشہ چڑھا ہوا تھا جس میں وہ آپے سے باہر ہو رہے تھے۔

ماکان جواب قومه الا ان قالوا اخرجوھم من قریتکم انھم اناس یتطھرون [19]

مگر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ نکالو ان لوگوں کو اپنی بستیوں سے بڑے پاک باز بنتے ہیں۔

سورۃ شعراء میں قوم لوط کی تکذیب کا ذکر ہوا ہے:

Marfat.com

كذبت قوم لوط المرسلين [۲۰]

لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔

قوم نے صرف تکذیب ہی نہیں کی اور پاکیزگی کا ہی مذاق نہیں اڑایا بلکہ بستی سے نکالنے کی دھمکی بھی دی۔ سورۂ اعراف کا بیان ابھی گذرا ہے۔ سورۂ شعراء کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

قالوا لئن لم تنته يا لوط لتكونن من المخرجين [۲۱]

انہوں نے کہا اے لوط اگر تو ان باتوں سے باز نہ آیا تو جو لوگ ہماری بستیوں سے نکالے گئے ہیں ان میں تو بھی شامل ہو کے رہے گا۔

سورۂ النمل میں بھی یہ مضمون آیا ہے:

فما كان جواب قومه الا ان قالوا اخرجوا آل لوط من قريتكم انهم اناس يتطهرون [۲۲]

مگر اس قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا: نکال دو لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔

لوطؑ کی دعا

قرآن کے سیاق و سباق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوطؑ اپنی قوم سے مایوس ہو گئے تھے اور ان کے کرتوتوں پر شدید مضطرب تھے۔ چونکہ اصلاح کی کوئی صورت بنتی نظر نہیں آتی تھی اس لئے انہوں نے اپنے رب سے دعا کی تا کہ ان سے نجات ملے۔ قرآن نے ان کے تبصرہ اور دعا کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

قال انی لعملكم من القالين۔ رب نجني واهلي مما يعملون [۲۳]

لوطؑ نے کہا: تمہارے کرتوتوں پر جو لوگ کڑھ رہے ہیں میں ان میں شامل ہوں۔ اے پروردگار، مجھے اور میرے اہل و عیال کو ان بدکرداروں سے نجات دے۔

سورۂ عنکبوت میں ہے:

Marfat.com

قال رب انصرنی علی القوم المفسدین (۲۴)

اے میرے رب ان مفسدوں کے مقابلے میں میری مدد فرما۔

اللہ نے اپنی سنت کے مطابق لوطؑ کی دعا کو قبول فرمایا اور ان کی قوم کا انتظام فرمادیا۔ سنت اللہ یہ ہے کہ قوم نبی پر ایمان لائے تو فلاح پائے اور اگر انکار کرے تو نبی ہجرت کر جاتا ہے یا قوم پر عذاب آجاتا ہے۔ انکار کا نتیجہ تباہی ہے ایسا نبی کے سامنے میں بھی ہو سکتا ہے اور اس کی غیر موجودگی میں بھی۔

قوم لوط کا انجام

لوطؑ کی قوم کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ فرشتوں کو خوبصورت لڑکوں کی صورت میں بھیجا تاکہ قوم کو آزمائش کا آخری موقعہ بھی میسر آئے۔ تاہم اس بدبخت قوم نے اس موقعہ کی نزاکت کو نہ سمجھا اور اپنی مجرمانہ روش کے اظہار میں کوئی کوتاہی نہ کی، نتیجہ تباہی تھا۔ اس قوم کا نام و نشان مٹ گیا اور وہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا سامان بن گئی۔ قرآن نے جن مواقع پر لوطؑ کا واقعہ بیان کیا ہے وہاں ان کے انجام کا تذکرہ موجود ہے۔ ذیل میں ان آیات کو نقل کرتے ہیں جن میں اس انجام کو بیان کیا گیا ہے:

فانجینه واهله الا امراته کانت من الغابرین وامطرنا علیهم مطرا فانظر کیف کان عاقبة المجرمین (۲۵)

آخر کار ہم نے لوط اور اس کے گھر والوں کو ---- بجز اس کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔ بچا کر نکال دیا اور اس قوم پر برسائی ایک بارش (۲۶) پھر دیکھو کہ ان مجرموں کا کیا انجام ہوا۔

سورۂ ھود میں انجام ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ فرشتے پہلے ابراہیمؑ کے پاس آئے اور انہیں بیٹے کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی بتایا کہ وہ قوم لوط کا انتظام کرنے آئے ہیں جس پر ابراہیمؑ نے فکر مندی کا اظہار کیا تھا اور جس کے جواب میں انہیں تسلی دی گئی کہ لوطؑ اور اس کے مومنین کی فکر نہ کرو البتہ اس قوم کے بارے میں اللہ

Marfat.com

کا فیصلہ صادر ہوچکا ہے۔ قرآن نے اس بات کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

یا ابراہیمؑ اعرض عن ھذا انہ قد جاء امر ربک وانھم آتیھم عذاب غیر مردود (۲۷)

اے ابراہیمؑ اس سے باز آجاؤ۔ تمہارے رب کا حکم ہوچکا ہے اور اب ان لوگوں پر عذاب آکر رہے گا جو کسی کے پھیرے نہیں پھر سکتا۔

یہ فرشتے جب لوطؑ کے پاس پہنچے تو وہ بہت دلگیر ہوئے اور پھر قوم نے حسب عادت ان کے گھر پہ حملہ کیا جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ قرآن نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ولما جاءت رسلنا لوطا سیئی بھم وضاق بھم ذرعا و قال ھذا یوم عصیب (۲۸)

جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو ان کی آمد سے وہ بہت گھبرایا اور دل تنگ ہوا اور کہنے لگا آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔

تاہم فرشتوں نے انہیں تسلی دی کہ وہ نہ گھبرائیں یہ لوگ اس تک نہیں پہنچ سکیں گے بلکہ ان کا معاملہ صاف ہوجائے گا۔

قالوا یا لوط انا رسل ربک لن یصلوا الیک فاسر باھلک بقطع من اللیل ولا یلتفت منکم احد الا امراتک انہ مصیبھا ما اصابھم ان موعدھم الصبح الیس الصبح قریب فلما جاء امرنا جعلنا عالیھا سافلھا و امطرنا علیھا حجارۃ من سجیل منضود مسومۃ عند ربک وما ھی من الظلمین ببعید (۲۹)

تب فرشتوں نے اس سے کہا کہ اے لوطؑ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ بس تو کچھ رات رہے اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل جا اور دیکھو، تم میں سے کوئی شخص پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے۔ مگر تیری بیوی (ساتھ نہیں جائے گی) کیونکہ اس پر بھی وہی کچھ گذرنے والا ہے جو ان پر گذرنا ہے۔ ان کی تباہی کے لئے

صبح کا وقت مقرر ہے ---- صبح ہوتے اب دیر ہی کتنی ہے۔ پھر جب ہمارے فیصلے کا وقت آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو تل پٹ کردیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر تابڑ توڑ برسائے جن میں سے ہر پتھر تیرے رب کے ہاں نشان زدہ تھا اور ظالموں سے یہ سزا کچھ دور نہیں۔

سورۂ حجر میں اسے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

فلما جاء آل لوط المرسلون قال انکم قوم منکرون قالوا بل جئنک لماکانوا فیہ یمترون وآتینک بالحق و انا لصادقون۔ فاسر باھلک بقطع من اللیل و اتبع ادبارھم ولا یلتفت منکم احد وامضوا حیث تومرون و قضینا الیہ ذلک الامر ان دابر ھولاء مقطوع مصبحین (۳۰)

پھر جب یہ فرستادے لوط کے ہاں پہنچے تو اس نے کہا: آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں انہوں نے جواب دیا: نہیں بلکہ ہم وہی چیز لے کر آئے ہیں جس کے آنے میں یہ لوگ شک کر رہے تھے۔ ہم تم سے سچ کہتے ہیں کہ ہم حق کے ساتھ تمہارے پاس آئے ہیں لہٰذا اب تم کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلو۔ تم میں سے کوئی پلٹ کر نہ دیکھے۔ بس سیدھے چلے جاؤ جدھر جانے کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے۔ اور اسے ہم نے اپنا یہ فیصلہ پہنچا دیا کہ صبح ہوتے ہوتے ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

سورۂ حجر میں اس کے بعد قوم کے دھاوا بولنے کا ذکر ہے۔ جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور ازاں بعد عذاب الٰہی کا بیان ہے:

فاخذتھم الصیحۃ مشرقین فجعلنا عالیھا سافلھا وامطرنا علیھم حجارۃ من سجیل (۳۱)

آخر کار پو پھٹتے ہی ان کو ایک زبردست دھماکہ نے آلیا اور ہم نے اس بستی کو تل پٹ کرکے رکھ دیا اور ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش

Marfat.com

کردی۔

اس انجام کا تذکرہ قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر بھی ہے:

فانجینہ واھلہ الا امراتہ قدرناھا من الغابرین۔ وامطرنا علیہ مطرا فساء مطر المنذرین (۳۲)

آخر کار ہم نے بچالیا اس کو اور اس کے گھر والوں کو بجز اس کی بیوی کے جس کا پیچھے رہ جانا ہم نے طے کردیا تھا اور برسائی ان لوگوں پر ایک برسات، بہت ہی بری برسات تھی وہ ان لوگوں کے حق میں جو متنبہ کئے جاچکے تھے۔

ولما جاء ت رسلنا لوطا سیئی بھم وضاق بھم ذرعا وقالوا لاتخف ولا تحزن انا منجوک واھلک الا امراتک کانت من الغابرین انا منزلون علی اھل ھذہ القریۃ رجزا من السماء بما کانوا یفسقون (۳۳)

پھر جب ہمارے فرستادے لوط کے پاس پہنچے تو ان کی آمد پر وہ سخت پریشان اور دل تنگ ہوا انہوں نے کہا: نہ ڈرو اور نہ رنج کرو ہم تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو بچالیں گے سوائے تمہاری بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔ ہم اس بستی کے لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں اس فسق کی بدولت جو یہ کرتے رہے ہیں۔

عذاب کی صورت

قرآن کے مجموعی بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شدید زلزلے سے یہ سارا علاقہ تباہ ہوگیا اور اس کا امکان ہے کہ اوپر سے شہاب ثاقب بھی گرے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آتش فشانی انفجار (Volcanic Eruption) کی بدولت زمین سے نکل کر اڑے ہوں اور پھر ان پر بارش کی طرح برس گئے ہوں گے۔ (۳۴)

سید مودودی" سورۂ ہود آیت ۸۲ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

"غالباً" یہ عذاب ایک سخت زلزلے اور آتش فشانی انفجار کی شکل میں آیا تھا۔ زلزلے نے ان کی بستیوں کو تل پٹ کیا اور آتش فشاں مادے کے پھٹنے سے ان کے اوپر زور کا پتھراؤ ہوا۔ پکی مٹی کے پتھروں سے مراد شاید وہ متحجر مٹی ہے جو آتش فشاں علاقے میں زیر زمین حرارت اور لاوے کے اثر سے پتھر کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ آج تک بحر لوط کے جنوب اور مشرق کے علاقے میں اس انفجار کے آثار نمایاں ہیں۔(۳۵)

سید مودودیؒ مزید لکھتے ہیں:

"بائبل اور قدیم یونانی و لاطینی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی علاقے میں جگہ جگہ نفط (پٹرول) اور اسفالٹ کے گڑھے تھے اور بعض بعض جگہ زمین سے آتش گیر گیس بھی نکلتی تھی۔ اب بھی وہاں زیر زمین پٹرول اور گیسوں کا پتہ چلتا ہے۔ طبقات الارضی مشاہدات سے اندازہ کیا گیا ہے کہ زلزلے کے شدید جھٹکوں کے ساتھ پٹرول' گیس اور اسفالٹ زمین سے نکل کر بھڑک اٹھے اور سارا علاقہ بھک سے اڑ گیا۔(۳۶)

بائبل میں اس عذاب کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

Lord rained down fire and brimstone from the skies on Sodom and Gomorah. He overthrew those cities and destroyed all the plain, with everyonce living there and every thing growing in the ground.(۳۷)

تب خداوند نے اپنی طرف سے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ آسمان سے برسائی۔ اور اس نے ان شہروں کو اور اس ساری ترائی کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اگا تھا غارت کیا۔

بائبل میں ابراہیمؑ کے حوالے سے بیان کیا گیا کہ انہوں نے اسی جگہ سے دھواں اٹھتا دیکھا:

Marfat.com

Next morning Abraham rose early and went to the place where he had stood in the presence of the Lord. He looked down towards Sodom and Gomorah and all the wide extent of the plain, and there he saw thick smoke rising high from the earth like the smoke of a lime-kiln.[۳۸]

اور ابراہام صبح سویرے اٹھ کر اس جگہ گیا جہاں وہ خداوند کے حضور کھڑا ہوا تھا۔ اور اس نے سدوم اور عمورہ اور اس ترائی کی ساری زمین کی طرف نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ زمین پر سے دھواں ایسا اٹھ رہا ہے جیسے بھٹی کا دھواں۔

بائبل کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بستی میں دس مومن بھی نہ تھے ورنہ ابراہیمؑ کی گذارش پر اس بستی پر عذاب نہ آتا۔[۳۹] لوطؑ نے اپنے ہونے والے دامادوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ساتھ چلنے پر آمادہ نہ ہوئے۔[۴۰]

بائبل اور قرآن دونوں متفق ہیں کہ لوطؑ کی بیوی نجات پانے والوں میں شامل نہ تھی البتہ تفصیلات کا فرق ہے۔ قرآن کے مطابق وہ کافرہ تھی اور اہل شہر سے ہمدردیاں رکھتی تھی اس لئے اسے ساتھ نہیں لیا گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امراۃ نوح وامراۃ لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتاھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئا وقیل ادخلا النار مع الداخلین[۴۱]

اللہ کافروں کے معاملہ میں نوح اور لوط کی بیویوں کو بطور مثال پیش کرتا ہے۔ وہ ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں مگر انہوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی اور وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے۔ دونوں سے کہہ دیا گیا کہ جاؤ آگ میں جانے والوں کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ۔

قرآن نے اس کے لئے "من الغابرین" یعنی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ بائبل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساتھ تو گئی تھی لیکن منع کرنے کے باوجود اس نے مڑ کر دیکھا:

But Lot's wife behind him, looked back, and she turned into a piller of salt[۴۲]

مگر اس کی بیوی نے اس کے پیچھے سے مڑ کر دیکھا اور وہ نمک کا ستون بن گئی۔

گو سورۂ ھود اور الحجر میں "ولا یلتفت منکم احد" کے الفاظ قرآن اور بائبل میں مشترک ہیں۔ تاہم ان میں نمک کا ستون کی بات نہیں ہے۔ غالباً" لوطؑ نے اسی قوم میں شادی کی تھی اور یہ عورت اپنی قوم سے پختہ وابستگی رکھتی تھی اسی لئے ایمان نہ لاسکی۔

قرآن اس کی اخلاقی کمزوری کا ذکر کہیں نہیں کرتا۔

قرآن چونکہ تاریخ دعوت بیان کرتا ہے اس لئے واقعات کی صرف وہ کڑیاں بیان کرتا ہے۔ جن کا تعلق دعوت اور اس کے نتائج سے ہے۔ بائبل تفصیلات مہیا کرتے ہوئے بعض ناروا تفاصیل بھی بیان کرتی ہے۔ مثلاً بائبل قوم کی تباہی اور لوطؑ کی نجات کے بعد یہ بیان کرتی ہے کہ لوط کی بیٹیوں نے باپ کو شراب پلا کر باری باری اس سے ہم بستری کی اور اس سے نسل پیدا کی۔[۴۳]

قرآن نے صرف نجات کی بات کی اور مجرمین کی تباہی پر معاملہ اختتام پذیر ہوا۔ قرآن اس جانب توجہ دلاتا ہے کہ لوطؑ کی قوم خبیث عمل کی وجہ سے تباہ کردی گئی۔ قرآن نے اسے عمل خبیث اور فاحشہ کہا ہے۔ اور یہ بیان کیا ہے کہ قوم لوط سے پہلے اس جرم کا ارتکاب کسی انسان نے نہیں کیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جرم کی سنگینی کی وضاحت کے لئے سید مودودیؒ کا وہ نوٹ نقل کردیا جائے جو انہوں نے سورۂ اعراف کی آیت ۸۰ کے تحت لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"یہ قابل نفرت فعل جس کی بدولت اس قوم نے شہرت حاصل کی ہے اس کے

Marfat.com

ارتکاب سے تو بدکردار انسان کبھی باز نہیں آئے لیکن یہ فخر صرف یونان کو حاصل ہے کہ اس کے فلاسفہ نے اس گھناؤنے جرم کو اخلاقی خوبی کے مرتبے تک اٹھانے کی کوشش کی اور اس کے بعد جو کسر رہ گئی تھی اسے موجودہ یورپ نے پورا کیا کہ علانیہ اس کے حق میں زبردست پروپیگنڈہ کیا گیا یہاں تک کہ ایک ملک (جرمنی) کی پارلیمنٹ نے اسے باقاعدہ جائز ٹھہرایا حالانکہ یہ بالکل ایک صریح حقیقت ہے کہ مباشرت ہم جنس قطعی طور پر وضع فطرت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ذی حیات انواع میں نر و مادہ کا فرق محض تناسل اور بقائے نوع کے لئے رکھا ہے اور نوع انسان کے اندر اس کی مزید غرض یہ بھی ہے کہ دونوں صنفوں کے افراد مل کر ایک خاندان وجود میں لائیں اور اس سے تمدن کی بنیاد پڑے۔ اسی مقصد کے لئے مرد اور عورت دو الگ صنفیں بنائی گئی ہیں۔ ان میں ایک دوسرے کے لئے صنفی کشش پیدا کی گئی ہے۔ ان کی جسمانی ساخت اور نفسیاتی ترکیب ایک دوسرے کے جواب میں مقاصد زوجیت کے لئے عین مناسب بنائی گئی ہے اور ان کے جذب و انجذاب میں وہ لذت رکھی گئی ہے جو فطرت کے منشا کو پورا کرنے کے لئے بیک وقت داعی و محرک بھی ہے اور اس خدمت کا صلہ بھی۔ مگر جو شخص فطرت کی اس سکیم کے خلاف عمل کرکے اپنے ہم جنس سے شہوانی لذت حاصل کرتا ہے وہ ایک ہی وقت میں متعدد جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اولاً" وہ اپنی اور اپنے معمول کی طبعی ساخت اور نفسیاتی ترکیب سے جنگ کرتا ہے اور اس میں خلل عظیم برپا کردیتا ہے۔ جس سے دونوں کے جسم، نفس اور اخلاق پر نہایت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ثانیاً" وہ فطرت کے ساتھ غداری و خیانت کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ فطرت نے جس لذت کو نوع اور تمدن کی خدمت کا صلہ بنایا تھا اور جس کے حصول کو فرائض اور ذمہ داریوں اور حقوق کے ساتھ وابستہ کیا تھا۔ وہ اسے کسی خدمت کی بجا آوری اور کسی فرض اور حق کی ادائیگی اور کسی ذمہ داری کے التزام کے بغیر چرالیتا ہے۔ ثالثاً" وہ انسانی اجتماع کے ساتھ کھلی بددیانتی کرتا ہے کہ جماعت کے قائم کئے ہوئے تمدنی اداروں سے فائدہ تو اٹھالیتا ہے مگر جب اس کی اپنی باری آتی ہے تو حقوق اور فرائض اور ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی

Marfat.com

بجائے اپنی قوتوں کو پوری خود غرضی کے ساتھ ایسے طریقہ پر استعمال کرتا ہے جو اجتماعی تمدن و اخلاق کے لئے صرف غیر مفید ہی نہیں بلکہ ایجابا مضرت رساں ہے۔ وہ اپنے آپ کو نسل اور خاندان کی خدمت کے لئے نا اہل بناتا ہے اپنے ساتھ کم از کم ایک مرد کو غیر طبعی زنانہ پن میں مبتلا کردیتا ہے اور کم از کم دو عورتوں کے لئے بھی صنفی بے راہ روی اور اخلاقی پستی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔(۴۴)

لوطؑ کی دعوت اسی اخلاقی برائی اور گھناؤنے انسانی جرم کے خلاف اصلاح و تطہیر کی دعوت تھی۔ جب تک انسان اس جرم کی طرف راغب ہوتا رہے گا اس وقت تک لوطؑ کی دعوت راہنمائی کا کام دیتی رہے گی اور قوم لوط کا انجام عبرت کا سامان مہیا کرتا رہے گا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کبھی صرف ایک مسئلہ اتنا اہم ہوتا ہے کہ اس پر پوری قوم کی بقا اور اس کی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ دور حاضر میں ہم جنس پرستی ایک مرتبہ پھر ایجنڈے پر ہے اور سیکولر دباؤ کے تحت مختلف معاشروں کو برداشت کرنے پر آمادہ کرنے کی کوششیں ہو رہی ہے۔ اس لئے لوطؑ کی دعوت' ان کا تذکرہ' اور ان کی قوم کا خوفناک انجام بار بار دہراتے رہنا چاہیے تاکہ ہماری آئندہ نسلیں اس کی سنگینی کا ادراک کرسکیں۔

حوالہ جات

۱۔ پیدائش (Genesis)' ۸ / ۱

۲۔ العنکبوت / ۲۶

۳۔ پیدائش (Genesis)' ۱۳ / ۱ ۔ ۱۲

۴۔ العنکبوت / ۳۱

۵۔ الانبیاء / ۷۴

۶۔ ھود / ۷۴

۷۔ پیدائش (Genesis)' ۱۲ / ۱۲ ۔ ۱۳

Marfat.com

۸۔ العنکبوت / ۲۹
۹۔ قصص القرآن ۱/ ۲۵۸
۱۰۔ اعراف / ۵۴ ۔ ۵۵
۱۱۔ الشعراء / ۱۶۵ ۔ ۱۶۶
۱۲۔ اعراف / ۸۰ ۔ ۸۱
۱۳۔ الانبیاء / ۷۴
۱۴۔ الشعراء / ۱۶۱ ۔ ۱۶۴
۱۵۔ ھود / ۷۸ ۔ ۸۰
۱۶۔ العنکبوت / ۲۹
۱۷۔ الحجر / ۶۷ ۔ ۷۱
۱۸۔ ایضاً / ۷۲
۱۹۔ الاعراف / ۸۲
۲۰۔ الشعراء / ۱۶۰
۲۱۔ ایضاً / ۱۶۷
۲۲۔ النمل / ۵۶
۲۳۔ الشعراء / ۱۶۸ ۔ ۱۶۹
۲۴۔ العنکبوت / ۳۰
۲۵۔ الاعراف / ۸۳ ۔ ۸۴
۲۶۔ اس بارش سے مراد پتھروں کی بارش ہے اور یہ لفظ استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔
۲۷۔ ھود / ۷۶
۲۸۔ ایضاً / ۷۷
۲۹۔ ھود / ۸۱ ۔ ۸۳
۳۰۔ الحجر / ۶۱ ۔ ۶۶

Marfat.com

۳۱۔ ایضاً" / ۳ / ۷۳۔ ۷۴
۳۲۔ النمل / ۵۷۔ ۵۸
۳۳۔ العنکبوت / ۳۳۔ ۳۴
۳۴۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۵۱۴
۳۵۔ ایضاً"، ۲ / ۳۵۹
۳۶۔ ایضاً"، ۳ / ۵۳۰۔ ۵۳۱
۳۷۔ پیدائش (Genesis)، ۱۹ / ۲۵۔ ۲۶
۳۸۔ ایضاً"، ۱۹ / ۲۷۔ ۲۸
۳۹۔ ایضاً" ۱۸ / ۲۵۔ ۳۳
۴۰۔ ایضاً"، ۱۹ / ۱۴
۴۱۔ التحریم / ۱۰: یہاں خیانت سے مراد اخلاقی نہیں بلکہ کافرانہ ہے۔
۴۲۔ پیدائش (Genesis)، ۱۹ / ۳۰۔ ۳۸
۴۳۔ ایضاً" ۱۹ / ۳۰۔ ۳۸
۴۴۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۵۲

❑❑❑

Marfat.com

Marfat.com

یوسف علیہ السلام۔ شخصیت اور دعوت

داعی کے اوصاف اور مشکلات

قرآن پاک کی ایک مستقل سورت یوسفؑ کے متعلق ہے اس کے علاوہ دو جگہوں پر ان کا تذکرہ آیا ہے۔ ایک جگہ ابراہیمؑ کی ذریت میں ان کا نام آیا ہے۔

و وھبنا لہ اسحق و یعقوب وکلا ھدینا و نوحا ھدینا من قبل و من ذریتہ داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و ہارون و کذلک نجزی المحسنین (۱)

اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے اور سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف اور موسیٰ و ہارون کو بھی اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

دوسری جگہ مومن آل فرعون کی تقریر کے ضمن میں یوسفؑ کا تذکرہ آیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

ولقد جاء کم یوسف من قبل بالبینت فمازلتم فی شک مما جاء کم بہ حتی اذا ھلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولا کذلک یضل اللہ من ھو مسرف مرتاب (۲)

اور پہلے یوسف بھی تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے تو جو وہ لائے تھے اس سے تم ہمیشہ شک ہی میں رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ فوت ہوگئے تو تم کہنے لگے اللہ اس کے بعد کبھی کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔ اسی

Marfat.com

طرح اللہ تعالیٰ اس شخص کو گمراہ کردیتا ہے جو حد سے نکل جانے والا اور شک کرنے والا ہو۔

یوسفؑ کی شخصیت، ان کی آزمائش، ان کے اوصاف اور ان کی دعوت کا مفصل بیان اسی سورت میں موجود ہے جو ان کے نام سے منسوب ہے اور جسے (قرآن نے احسن القصص[۳] کہا ہے)۔

عبداللہ بن عمر کے ذریعہ آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

الکریم بن الکریم ابن الکریم بن الکریم یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق بن ابراہیم[۴]

یعنی یوسفؑ چار پشتوں سے کرامت نبوت سے سرفراز ہیں۔

ابوہریرہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

(اکرم الناس یوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ[۵]

تمام لوگوں سے زیادہ معزز اللہ کے نبی یوسفؑ جن کے والد نبی، ان کے والد نبی اور ان کے والد خلیل اللہ ابراہیمؑ ہیں۔)

یوسفؑ کی شخصیت میں داعی کے اوصاف کی سچی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ دعوت کے سلسلے میں شخصیت کی پختگی اور پاکیزگی ایک اہم تقاضا ہے۔ اس پختگی کی ایک راہ آزمائش ہے اور آزمائش کار نبوت کا ایک اہم باب ہے۔ ایک عام داعی کے لئے اس میں عبرتوں اور نصیحتوں کے بڑے سامان موجود ہیں۔ یوسفؑ کے اوصاف جلیلہ اور فضائل اخلاقیہ رہنمائی کا اہم ذریعہ ہیں۔ اسی طرح ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستگی داعی کا موثر سلاح ہے جو اس واقعہ میں ہر جگہ جھلکتی نظر آتی ہے۔

آزمائش

آزمائش بظاہر تکلیف دہ ہوتی ہے لیکن اس سے راہیں کھلتی ہیں اور مستقبل کے مخفی امکانات کی عملی تشکیل شروع ہوتی ہے۔ آزمائش کے دوران اللہ تعالیٰ کی طرف

Marfat.com

سے اشارات ملتے ہیں اور استقامت کی صورت میں طمانیت حاصل ہوتی اور آسانیاں میسر آتی ہیں۔

آزمائش کا پہلا مرحلہ

برادران یوسف کو ان سے حسد پیدا ہوتا ہے اور اس کی ظاہری وجہ یعقوبؑ کی ان سے زیادہ محبت تھی لیکن فی الحقیقت ان کی شخصیت میں نور نبوت کی چمک تھی جس کے باعث وہ باپ کو عزیز تر تھے (آزمائش کے پہلے مرحلے کا آغاز خواب سے ہوتا ہے۔ یوسفؑ ایک خواب دیکھتے ہیں اور یعقوبؑ اسے سننے کے بعد نصیحت کرتے ہیں کہ اسے بھائیوں کے سامنے نہ بیان کرنا) قرآن اس بارے میں خاموش ہے کہ یوسفؑ نے یہ خواب اپنے سوتیلے بھائیوں سے بیان کیا تھا یا نہیں لیکن واقعات کا سیاق بتاتا ہے کہ ایسا ہوا ہوگا۔ بائبل کے مطابق خواب بیان کرنے کا واقعہ بھائیوں اور باپ دونوں کے سامنے پیش آیا۔[6] جبکہ قرآن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خواب کا بیان یعقوبؑ سے علیحدگی میں ہوا۔ بائبل کے مطابق یعقوبؑ نے یوسفؑ کو تنبیہہ کی جبکہ قرآن کا انداز پسندیدگی اور خیر خواہی کا ہے۔ قرآن نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

(اذ قال یوسف لا بیہ یابت انی رایت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رایتھم لی ساجدین قال یبنی لا تقصص رویاک علی اخویک فیکیدوا لک کیدا ان الشیطن للانسان عدو مبین و کذلک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث ویتم نعمتہ علیک وعلی آل یعقوب کما اتمھا علی ابویک من قبل ابراہیم و اسحاق ان ربک علیم حکیم [8]

جب یوسفؑ نے اپنے والد سے کہا کہ ابا! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو دیکھا ہے دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا! اپنے خواب کا ذکر بھائیوں سے نہ کرنا نہیں تو وہ تمہارے حق میں کوئی فریب کی چال چلیں گے۔ کچھ شک نہیں کہ

Marfat.com

شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اسی طرح اللہ تمہیں برگزیدہ کردے گا اور خواب کی باتوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا اور جس طرح اس نے اپنی نعمت پہلے تمہارے دادا ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی اسی طرح تم پر اور اولاد یعقوب پر پوری کرے گا۔ بے شک تمہارا پروردگار سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔)

برادران یوسف کا رویہ حسد پر مبنی تھا اور یعقوبؑ نے اس جانب بھی اشارہ کیا لہٰذا انہوں نے منصوبہ بندی کی کہ کسی طرح یوسفؑ کو ٹھکانے لگایا جائے۔ قرآن کے مطابق انہوں نے واضح طور پر کہا کہ والد غلطی پر ہیں کیونکہ وہ یوسف کو زیادہ پیار کرتے ہیں۔[۹]

(اس منصوبہ بندی میں دو تجویزیں زیر غور تھیں۔ ایک یہ کہ یوسفؑ کو قتل کر دیا جائے اور دوسری یہ کہ اسے دور کسی ملک میں پھینک دیا جائے تاکہ اس کی غیر موجودگی میں باپ کی توجہ حاصل ہو سکے۔[۱۰] تیسری تجویز بھی پیش کی گئی کہ اسے کسی گہرے کنویں میں ڈال دیا جائے تاکہ کوئی راہ گیر اسے نکال کر لے جائے۔[۱۱]) اس کے بعد وہ والد کے پاس گئے اور انہیں آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ یوسفؑ کو ان کے ساتھ بھیج دیا جائے تاکہ وہ باہر کے میوے دار کھانے بھی کھائے اور کھیل کود بھی لے۔ قرآن کے مطابق یعقوبؑ نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ تم جنگل میں اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہو کر یوسف سے غافل ہو جاؤ اور اسے بھیڑیا نہ پھاڑ کھائے۔[۱۲] انہوں نے باپ کو تسلی دی کہ ایسا نہیں ہو سکتا ایک طاقتور جماعت کی موجودگی میں بھیڑیا کیسے کھا سکتا ہے۔ والد کو آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور یوسفؑ کو اپنے ساتھ باہر لے گئے۔ بحث و تمحیص کے بعد بالآخر انہوں نے تیسری تجویز پر عمل کیا اور یوسفؑ کو کنویں میں پھینک دیا اور والد کو آکر بتایا کہ وہ کھیل کود میں مصروف تھے کہ بھیڑیا آیا اور یوسفؑ کو کھا گیا اور یوسفؑ کی خون آلود قمیص باپ کے سامنے پیش کر دی۔ جس پر یعقوبؑ نے کہا کہ تم کہانی بنا لائے ہو حقیقت حال کچھ اور ہے تاہم وہ اس مصیبت پر صبر کرتے ہیں۔[۱۳] بائبل کی تفصیلات قرآنی بیان سے ملتی جلتی ہیں تاہم اس میں قمیص

Marfat.com

کے بجائے کوٹ کا ذکر ہے اس پر بکری کے بچے کا خون لگا کر باپ کے پاس لائے اور کہا:

<Know now whether it be thy son's coat or not>
بالآخر بھائیوں نے اسے کنویں میں چھوڑ دیا تا کہ کوئی راہ گذر اسے لے جائے۔ بائبل اسمعیلی اور مدائنی تاجروں کا ذکر کرتی ہے لیکن پورے بیان میں کنفیوژن ہے اس کے مطابق مدائنی گروہ یوسفؑ کو کنویں سے اٹھاتا ہے اور اسمعیلی گروہ کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور اس سے پہلے یہوداہ کا بیان نقل کرتی ہے جو بیچنے کا مشورہ دیتا ہے۔[16] قرآن صرف کاروان کا ذکر کرتا ہے جو یوسفؑ کو کنویں میں پڑا پاتے ہیں اور نکالتے ہیں اور برادران یوسف کا اسے ان کے ہاتھوں بیچ دینے کا ذکر نہیں کرتا۔ قرآن نے کنویں میں پھینکنے اور بیچنے کے واقعہ کو بصیرت افروز انداز سے بیان کیا ہے۔

فلما ذهبوا به واجمعوا ان يجعلوه فی غيبت الجب واوحينا اليه لتنبئنهم بامرهم هذا وهم لا يشعرون[17] یوسف:15

غرض جب وہ اس کو لے گئے اور اس بات پر اتفاق کرلیا کہ اس کو گہرے کنویں میں ڈال دیں تو ہم نے یوسفؑ کی طرف وحی بھیجی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی کچھ خبر نہ ہوگی۔ قافلے والوں کی دریافت اور یوسفؑ کو بیچنے کا واقعہ قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

وجاءت سيارة فارسلوا واردهم فادلى دلوه قال يبشرى هذا غلام واسروه بضاعة والله عليم بما يعملون[18] یوسف:19، 20

وشروه بثمن بخس دارهم معدوده وكانوا من الزاهدين[19]

خدا کی شان دیکھو کہ اس کنویں کے نزدیک ایک قافلہ وارد ہوا اور انہوں نے پانی کے لئے اپنا سقا بھیجا اس نے کنوئیں میں ڈول ڈالا (تو یوسفؑ اس سے لٹک گئے) وہ بولا زہے قسمت یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے اور اس کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپالیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ کو سب معلوم تھا

Marfat.com

اور اس کو تھوڑی قیمت (یعنی) معدود چند درہموں پر بیچ ڈالا اور انہیں اس بارے میں کچھ لالچ نہ تھا)

بائبل نے چاندی کے بیس سکوں کا ذکر کیا ہے۔[۲۰] بائبل کے مطابق یوسف کی مشکل یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ آگے چل کر مزید بکنا تھا۔ قرآن مصر میں بکنے کی تفصیل میں جانے کی بجائے صرف اتنا بیان کرتا ہے کہ سوداگروں نے اسے سستا بیچ دیا اور مزید بیان کرتا ہے کہ مصر میں خریدنے والے شخص نے اپنی عورت کو نصیحت کی کہ اس کی نگہداشت کرو یہ ہمارے لئے نفع بخش ہوگا۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں:

(وقال الذی اشتراہ من مصر لا مراتہ اکرمی مثواہ عسی ان ینفعنا او نتخذہ ولدا و کذلک مکنا لیوسف فی الارض و لنعلمہ من تاویل الاحادیث واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون[۲۱])

(اور مصر میں جس شخص نے اسے خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت و اکرام سے رکھو عجب نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ اس طرح ہم نے یوسف کو سرزمین مصر میں جگہ دی اور غرض یہ تھی کہ ہم اس کو خوابوں کی باتوں کی تعبیر سکھائیں اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔)

بائبل میں مصر میں بکنے کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

Joseph was brought down to Egypt and Patiphar, an officer of Pharoah, captain of the guard, an Egyptian brought him of the hands of the Ishmeelites, which had brought him down thither.[۲۲]

قرآن نے یہاں "تمکن فی الارض" کا جملہ استعمال کیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی منصوبہ بندی کا مظہر ہے۔ برادران یوسف نے حسد سے ٹھکانے لگانے کی منصوبہ بندی کی۔ وہ بیچ کر فارغ ہوگئے تاجروں نے بھی اپنا نفع کمالیا اور بے تعلق ہوگئے۔

Marfat.com

مصری خریدار اپنی منفعت کا سوچتا ہے بیٹا بنانے کا مقصد بھی مادی منفعت ہے جبکہ مشیت ایزدی انہیں کسی اور کام کے لئے تیار کر رہی ہے۔ اور یہ سب اسی راہ کے مختلف تربیتی مراکز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اس مقام پر خصوصی علم الٰہی کا ذکر کرتا ہے جو انبیاء کے ساتھ مختص ہے۔ قرآن بیان کرتا ہے:

ولما بلغ اشده آتیناه حکما وعلما وکذلک نجزی المحسنین (۲۳)

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم بخشا اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

آزمائش کا دوسرا مرحلہ

آزمائش کا پہلا مرحلہ خالص مادی و جسمانی تھا کیونکہ اس میں زندگی کو خطرہ تھا اور ظاہری آزادی کی قربانی تھی۔ ظاہری غلامی تھی لیکن اب میں زندگی کو تحفظ تھا۔ دوسرے مرحلے تک پہنچتے ہوئے شعور کی پختگی میسر آگئی تھی۔ علم الٰہی اور حکمت خداوندی کے نتیجے میں ایک روحانی و اخلاقی شخصیت کی تعمیر مکمل ہوچکی تھی۔ اس لئے اس مرحلے کی آزمائش کا تعلق اخلاقی پہلو سے ہے۔ عفت اخلاقی زندگی کی اساس ہے اس کے تباہ ہونے سے اخلاقی شخصیت تباہ ہوجاتی ہے۔ اور صرف حیوانی وجود باقی رہ جاتا ہے جس کی موت کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ یوسفؑ جو اب حکمت خداوندی اور علم الٰہی سے بہرہ ور ہوچکے تھے اور نبوت کے نور نے ان کے ظاہری حسن کو مزید چمک دمک بخشی تھی، دلکشی اور جاذبیت کا حسین نمونہ تھے۔ اب کی مرتبہ جو آزمائش آئی اس کے اثرات دور رس تھے۔ ہوا یوں کہ خاتون خانہ ان کی شخصیت پر فریفتہ ہوگئی اور اسے جسمانی تعلق کے دام میں پھنسانے کا عملی اقدام کر بیٹھی۔ اللہ تعالیٰ چونکہ انبیاء کی حفاظت کرتا ہے اس لئے اس مرحلے پر بھی انہیں بچالیا گیا۔ قرآن نے عورت کا نام نہیں لیا بلکہ اسے امراۃ العزیز کہا۔ بائبل میں بھی نام نہیں ہے۔ اس عورت نے یوسفؑ کو پھنسانے کے لئے دو طریقے اختیار کئے ایک براہ راست آمادہ کرنے کا اور دوسرا اعلیٰ خاندان کی بیگمات کو مدعو کرکے ان کے ذریعے اپنی محبت کا جال

Marfat.com

پھیلانے کا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں مواقع پر ان کی حفاظت کی۔ ایسا لگتا ہے کہ خاتون خانہ نے آہستہ آہستہ رام کرنے کی منصوبہ بندی کی لیکن حکمت نبوت سے سرفراز شخصیت اس جال سے محفوظ رہی۔ بائبل میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے کہ یوسفؑ کو سارے معاملات کا مختار بنا دیا گیا تھا حتیٰ کہ گھر کا نظام بھی انہی کے سپرد تھا کیونکہ مالک نے ان کی وجہ سے ماحول میں خیر و برکت محسوس کی تھی۔[۲۴] قرآن نے ان دونوں واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

(وراودته التی هو فی بیتها عن نفسه و غلقت الا بواب وقالت هیت لک قال معاذ الله انه ربی احسن مثوای انه لا یفلح الظالمون۔ ولقد همت وهم بها لولا ان رای برهان ربه کذلک لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصین[۲۵]

تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اس نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے کہنے لگی: یوسف جلدی آؤ' انہوں نے کہا: اللہ کی پناہ میرے آقا نے تو اچھی منزلت بخشی اور میں یہ کام کروں' ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پایا کرتے۔ اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور وہ اس کا قصد کرتا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتا یوں اس لئے ہوا کہ ہم اس برائی اور بے حیائی کو روک دیں بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔

قرآن مزید کہتا ہے:

واستبقا الباب وقدت قمیصه من دبر والفیا سیدها لدا الباب قالت ما جزاء من اراد باهلک سوءا آ الا ان یسجن او عذاب الیم قال هی راودتنی عن نفسی وشهد شاهد من اهلها ان کان قمیصه قد من قبل فصدقت وهو من الکذبین وان کان قمیصه قد من دبر فکذبت وهو من الصادقین فلما را قمیصه قد من دبر قال انه من کید کن ان کیدکن عظیم یوسف اعرض عن هذا واستغفری

Marfat.com

لذنبک انک کنت من الخطئین(۲۶)

آخر کار یوسفؑ اور وہ آگے پیچھے دروازے کی طرف بھاگے اور اس نے پیچھے سے یوسف کا قمیص (کھینچ کر) پھاڑ دیا۔ دروازے پر دونوں نے اس کے شوہر کو موجود پایا اسے دیکھتے ہی عورت کہنے لگی: "کیا سزا ہے اس شخص کی جو تیری گھر والی پر نیت خراب کرے؟ اس کے سوا اور کیا سزا ہوسکتی ہے کہ وہ قید کیا جائے یا اسے سخت عذاب دیا جائے۔" یوسفؑ نے کہا: "یہی مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی" اس عورت کے اپنے کنبہ والوں میں سے ایک شخص نے (قرینے کی) شہادت پیش کی کہ اگر یوسفؑ کا قمیص آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا اور اگر اس کا قمیض پیچھے سے پھٹا ہو تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچا؟ جب شوہر نے دیکھا کہ یوسف کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے تو اس نے کہا' اس معاملے سے درگذر کر اور اے عورت تو اپنے قصور کی معافی مانگ تو ہی اصل میں خطار کار تھی۔

بائبل میں اس قصے کو جس طرح بیان کیا ہے وہ کچھ اس طرح سے ہے:

And she caught him by his garment, saying, lie with me : and he left his garment in her hand, and fled and got him out. And it came to pass, when she saw that he has left his garment in her hand and was fled forth. That she called unto the men of her house, and spoke unto them saying, see he has brought in an Hebrew unto us to mock us; he came in unto me to lie with me, and cried with a loud voice. And it came to pass, when he heard that I lifted my voice and cried, that he left his garment with me and fled, and got him out.

Marfat.com

And she laid up his garment by her, until his lord came home. And she spoke unto him according to these words, saying, the Hebrew servant, which thou has brought unto us, came in unto me to mock me. And it came to pass, as I lifted up my voice and cried, that he left his garment with me and fledt out. And came to pass, when his master heard the words of his wife, which she spoke unto him, saying, after this manner did thy servant to me; that his wrath was kindled. And Josef master took him and put him into the prison, a place where the king's prisoner's where bound, and he was there in the prison.(۲۷)

تب اس عورت نے اس کا پیراہن پکڑا اور کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو۔ وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گیا تو اس نے اپنے گھر کے آدمیوں کو بلا کر ان سے کہا کہ دیکھو وہ ایک عبری کو ہم سے مذاق کرنے کے لئے ہمارے پاس لے آیا ہے۔ یہ مجھ سے ہم بستر ہونے کو اندر گھس آیا اور میں بلند آواز سے چلانے لگی۔ جب اس نے دیکھا کہ میں زور زور سے چلا رہی ہوں تو اپنا پیراہن میرے پاس چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا اور وہ اس کا پیراہن اس کے آقا کے گھر لوٹنے تک اپنے پاس رکھے رہی ـــــ جب اس کے آقا نے اپنی بیوی کی وہ باتیں جو اس نے اس سے کہیں سن لیں کہ تیرے غلام نے مجھ سے ایسا ایسا کیا تو اس کا غضب بھڑکا اور یوسف کے آقا نے اس کو لے کر قید خانے میں جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے ڈال دیا۔

Marfat.com

اس واقعہ کا جب چرچا ہوا تو شہر کی عورتوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کے عشق میں مبتلا ہے۔ اس خاتون نے اعلیٰ خاندانوں کی بیگمات کو اپنے ہاں دعوت پر بلایا تاکہ ان کے سامنے اس غلام کو پیش کرے جس کے عشق میں وہ گھلی جا رہی ہے۔ یوسفؑ کے لئے اس مرحلے کی آزمائش کا دوسرا پہلو تھا۔ کہاں ایک عورت سے نبٹنا مشکل بنا ہوا تھا اب وہاں ایک جتھے کا سامنا ہے جن کے بارے میں اسے علم نہیں کہ وہ کس طرح کی حیلہ سازی کریں گی۔ بائبل میں اس واقعہ کا ذکر نہیں البتہ تالمود میں اسے بیان کیا گیا ہے لیکن اس کا انداز بیان قرآن سے مختلف ہے۔ قرآن نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

(وقال نسوة فی المدینة امراة العزیز تراود فتها عن نفسه قد شغفها حبا انا لنرها فی ضلل مبین۔ فلما سمعت بمکرهن ارسلت الیهن واعتدت لهن متکا وآتت کل واحدة منهن سکینا و قالت اخرج علیهن فلما راینه اکبر نه و قطعن ایدیهن و قلن حاشالله ما هذا بشرا ان هذا الا ملک کریم قالت فذلکن الذی لمتننی فیه ولقد راودته عن نفسه فاستعصم ولئن لم یفعل ما امره لیسجنن ولیکونا من الصاغرین[۲۸]

شہر کی عورتیں آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کے پیچھے پڑی ہوئی ہے محبت نے اس کو بے قابو کر رکھا ہے ہمارے نزدیک تو وہ صریح غلطی کر رہی ہے۔ اس نے جو ان کی مکارانہ باتیں سنیں تو ان کو بلاوا بھیج دیا اور ان کے لئے تکیہ دار مجلس آراستہ کی اور ضیافت میں ہر ایک کے آگے چھری رکھ دی (پھر عین اس وقت جب وہ پھل کاٹ کاٹ کر کھا رہی تھیں) اس نے یوسف کو اشارہ کیا کہ ان کے سامنے نکل آ۔ جب ان عورتوں کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور بے ساختہ پکار اٹھیں۔ حاشاللہ یہ شخص انسان نہیں ہے تو یہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ عزیز کی بیوی نے کہا۔ "دیکھ لیا! یہ

Marfat.com

ہے وہ شخص جس کے مقابلے میں تم مجھ پر باتیں بناتی ہو بے شک میں نے اسے رجھانے کی کوشش کی تھی مگر یہ بچ نکلا اگر یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو قید کیا جائے گا اور بہت ذلیل و خوار ہو گا۔)

یوسفؑ کا ردعمل

خاتون خانہ کی ہٹ دھرمی اور دھمکی آمیز رویہ یوسفؑ کی اخلاقی شخصیت کے لئے بڑا چیلنج تھا۔ وہ عورت کی بات مانتے ہیں تو شخصیت تباہ ہو جاتی ہے اور رب تعالیٰ سے بغاوت ہوتی ہے اور انکار کرتے ہیں تو مشکلات و مصائب منہ کھولے نظر آتے ہیں۔ قید و ذلت و رسوائی کی دھمکی تو دی جاچکی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس عفت مآب بندے نے جیل جانا قبول کیا لیکن اس عورت کے دام ہوس میں آنے سے انکار کر دیا۔ شاہ عبدالقادرؒ نے لکھا ہے کہ اگر یوسفؑ جیل کی دعا نہ مانگتے اور بلاء و امتحان کو دعوت نہ دیتے تو ممکن تھا لیکن مولانا سیوہاروی نے بجا کہا ہے کہ یوسفؑ کا یہ جملہ السجن احب الی مما یدعوننی الیہ ان کے علو شان، تقرب الی اللہ، استقامت فی الدین، عزیمت فی الحق اور رضا و تسلیم کا وہ بے نظیر مظاہرہ ہے جو ان جیسے اولوالعزم پیغمبروں کا ہی حصہ ہے۔[۲۹] قرآن مجید نے اس ردعمل کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے اسے ملاحظہ کیجئے۔

(قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ والا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن واکن من الجاھلین۔ فاستجاب لہ ربہ فصرف عنہ کیدھن انہ ھو السمیع العلیم[۳۰]

یوسفؑ نے کہا: اے میرے ربّ قید مجھے منظور ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہ کام کروں جو یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں۔ اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو رہوں گا۔ اس کے رب نے اس کی دعا قبول کی اور ان عورتوں کی چالیں اس سے دفع کر دیں۔ بے شک وہی ہے جو سب کی سنتا اور

Marfat.com

سب کچھ جانتا ہے۔)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ بیان نقل کر دیا جائے جو سید مودودیؒ نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا ہے۔ اس سے نہ صرف اس مرحلہ امتحان پر روشنی پڑتی ہے بلکہ یوسفؑ کی اخلاقی شخصیت بھی بڑی خوبصورتی سے واضح ہوتی ہے۔ سیدؒ لکھتے ہیں:

"یہ آیات ہمارے سامنے ان حالات کا ایک عجیب نقشہ پیش کرتی ہیں جن میں اس وقت حضرت یوسفؑ مبتلا تھے۔ انیس بیس سال کا ایک خوبصورت نوجوان ہے جو بدویانہ زندگی سے بہترین تندرستی اور بھری جوانی لئے ہوئے آیا ہے۔ غریبی' جلاوطنی اور جبری غلامی کے مراحل سے گزرنے کے بعد قسمت اسے دنیا کی سب سے بڑی متمدن سلطنت کے پایہ تخت میں ایک بڑے رئیس کے ہاں لے آئی ہے۔ یہاں پہلے تو خود اس گھر کی بیگم اس کے پیچھے پڑ جاتی ہے جس سے اس کا شب و روز سابقہ ہے۔ پھر اس کے حسن کا چرچا سارے دارالسلطنت میں پھیلتا ہے اور شہر بھر کے امیر گھرانوں کی عورتیں اس پر فریفتہ ہو جاتی ہیں۔ اب ایک طرف وہ ہے اور دوسری طرف سینکڑوں خوبصورت جال ہیں جو ہر وقت ہر جگہ اسے پھانسنے کے لئے پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر طرح کی تدبیریں اس کے جذبات کو بھڑکانے اور اس کے زہد کو توڑنے کے لئے کی جارہی ہیں' جدھر جاتا ہے یہی دیکھتا ہے کہ گناہ اپنی ساری خوشنمائیوں اور دل فریبیوں کے ساتھ دروازہ کھولے اس کا منتظر کھڑا ہے کوئی تو فجور کے مواقع خود ڈھونڈتا ہے مگر یہاں خود مواقع اسے ڈھونڈ رہے ہیں اور اس تاک میں لگے ہوئے ہیں کہ جس وقت بھی اس کے دل میں برائی کی طرف ادنیٰ میلان پیدا ہو فوراً اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کردیں۔ رات دن کے چوبیس گھنٹے وہ اس خطرے میں بسر کر رہا ہے کہ کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے ارادے کی بندش میں کچھ ڈھیل آجائے تو وہ گناہ کے ان بے شمار دروازوں میں سے کسی میں داخل ہو سکتا ہے جو اسی کے انتظار میں کھلے ہوئے ہیں۔ اس حالت میں یہ خدا پرست نوجوان جس کامیابی کے ساتھ ان شیطانی ترغیبات کا مقابلہ کرتا ہے وہ بجائے خود کم قابل تعریف نہیں ہے مگر ضبط نفس کے اس حیرت انگیز کمال' عرفان نفس اور طہارت فکر کا مزید کمال یہ ہے کہ اس پر بھی اس کے

Marfat.com

دل میں کبھی یہ متکبرانہ خیال نہیں آیا کہ واہ رے میں، کیسی مضبوط ہے میری سیرت کہ ایسی ایسی حسین اور جوان عورتیں میری گرویدہ ہیں اور پھر بھی میرے قدم نہیں پھسلتے اس کے بجائے وہ اپنی بشری کمزوریوں کا خیال کرکے کانپ اٹھتا ہے اور نہایت عاجزی کے ساتھ خدا سے مدد کی التجا کرتا ہے کہ اے رب! میں ایک کمزور انسان ہوں، میرا اتنا بل بوتا کہاں کہ ان بے پناہ ترغیبات کا مقابلہ کرسکوں، تو مجھے سہارا دے اور مجھے بچا، ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے قدم پھسل نہ جائیں۔ "درحقیقت یہ حضرت یوسفؑ کی اخلاقی تربیت کا اہم ترین اور نازک ترین مرحلہ تھا۔ دیانت، امانت، عفت، حق شناسی، راست روی، انضباط اور توازن ذہنی کی غیر معمولی صفات جو اب تک ان کے اندر چھپی ہوئی تھیں اور جن سے وہ خود بھی بے خبر تھے، وہ سب اس شدید آزمائش کے دور میں ابھر آئیں، پورے زور کے ساتھ کام کرنے لگیں اور انہیں خود بھی معلوم ہوگیا کہ ان کے اندر کون کون سی قوتیں موجود ہیں اور وہ ان سے کیا کام لے سکتے ہیں۔ (۳۱)

آزمائش کا تیسرا مرحلہ

"اگرچہ عزیز مصر، اس کی بیوی اور اس کے رشتہ داروں پر یہ واضح ہوچکا تھا کہ یوسفؑ بے قصور ہیں تاہم انہوں نے مصلحت اسی میں جانی کہ یوسفؑ کو کچھ دنوں کے لئے جیل بھیج دیا جائے تاکہ لوگوں کے ذہنوں سے یہ واقعہ نکل جائے اور سامنے موجود نہ ہونے کے باعث اس عورت کا خبط بھی جاتا رہے۔ قرآن نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

(ثم بدا لهم من بعد ما راوا الايات ليسجننه حتى حين (۳۲)

پھر نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد انہیں مصلحت یہی معلوم ہوئی کہ ان کو کچھ مدت کے لئے قید کردیں۔)

"اس میں بلاشبہ یوسفؑ کی اپنی دعا کا بھی دخل ہے۔ جو انہوں نے ان عورتوں کے مکر سے بچنے کے لئے مانگی تھی۔ انہوں نے جیل کو نجات کا ایک ذریعہ سمجھا تھا، ورنہ

Marfat.com

ایسی دعا نہ مانگتے۔ حضورؐ اکرم سے کئی احادیث مروی ہیں جن میں واضح ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عفو وعافیت مانگو۔(۴۳) معاذ بن جبل کی روایت میں ہے کہ ایک شخص کو رسول کریمؐ نے کہتے سنا:

اللھم انی اسئالک الصبر۔

اے اللہ میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں۔

آپ نے فرمایا

سئالت اللہ البلاء فسلہ العافیۃ (۴۴)

تو نے تو اللہ تعالیٰ سے مصیبت مانگی اس سے عافیت مانگو۔

چونکہ یوسفؑ کے سارے معاملات مشیت الٰہی کی تنظیم سے ہو رہے تھے اس لئے ان کی دعا بھی ربانی سکیم کا حصہ تھی کہ جیل کے اس مرحلہ سے گذر کر انہیں مسئلہ اختیار پر بھی بٹھانا تھا اور اس سے پہلے ان کی اخلاقی عظمت اور شخصی فراست کو بھی مبرہن کرنا تھا اس لئے انہیں اس آزمائش سے گذارا۔ جیل میں ان کی فراست اور صداقت کی صفات نکھر کر سامنے آئیں۔

ان تینوں مراحل سے گذرنے کے بعد یوسفؑ کی شخصیت کو ایک خاص پختگی حاصل ہوئی۔ چونکہ یہ تربیتی مراحل تھے اس لئے ان کے ذریعہ شخصیت کو نکھار میسر آیا۔ ایک عام داعی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ آزمائش کے تربیتی اور تکمیلی پہلو کو سامنے رکھے اور مشکلات سے گھبرا کر بے صبری کا مظاہرہ نہ کرے۔ ورنہ کار دعوت میں رکاوٹ کے علاوہ شخصی تربیت کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ یوسفؑ کا اسوہ ایک عمدہ نمونہ ہے۔

دعوت الی اللہ

جیل میں یوسفؑ کی زندگی کا پہلا موقعہ ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کا کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی فراست ہے کہ انہوں نے کار دعوت کے لئے کس طرح موقع نکالا۔ ہوتا یوں ہے کہ ان کے جیل کے دو ساتھی انہیں اپنے خواب سناتے ہین اور وہ ان کی

تعبیر بتانے سے پہلے توحید الٰہی پر خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ بیان اتنا پر اثر اور زور دار ہے کہ اسے قرآن کے چند پرشکوہ بیانات میں شمار کیا جاتا ہے اور قرآن اسے پورے سیاق و سباق کے ساتھ نقل کرتا ہے۔

(و دخل معه السجن فتين قال احدهما انى ارنى اعصر خمرا و قال الاخر انى احمل فوق راسى خبزا تاكل الطيرمنه نبئنا بتاويله انا نرلک من المحسنين قال لا يا تيكما طعام ترزقنه الا نباتكما بتاويله قبل ان ياتيكما ذلكما مما علمنى ربى انى تركت ملة قوم لا يومنون بالله وهم بالاخرة هم كافرون۔ واتبعت ملة اباءى ابراهيم واسحاق و يعقوب ماكان لنا ان نشرک بالله من شئى ذلک من فضل الله علينا وعلى الناس ولكن اكثر الناس لا يشكرون يصاحبى السجن ءارباب متفرقون خير ام الله الواحد القهار ما تعبدون من دونه الا اسماء سميتموها انتم واباءكم ما انزل الله بها من سلطن۔ ان الحكم الا لله ۔ امر ان لا تعبدوا الا اياه۔ ذلک الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون يصاحبى السجن اما احدكما فيلسقى ربه خمرا واما الاخر فيصلب فتاكل الطير من راسه قضى الامر الذى فيه تستفتيان (۳۵)

اور اس کے ساتھ دو اور جوان بھی جیل خانہ میں داخل ہوئے' ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں دوسرے نے کہا کہ میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں۔ آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے ہم آپ کو خوب کاروں میں سے سمجھتے ہیں۔ اس نے کہا جو کھانا تمہیں ملتا ہے وہ آئے گا نہیں کہ میں اس کے آنے سے پہلے پہلے تمہیں اس کی تعبیر بتادوں گا۔ یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے میں نے ان لوگوں کے مذہب کو چھوڑا ہے جو

اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے یہی لوگ منکر ہیں۔ اور میں نے اپنے بزرگوں ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوب کے مذہب کی پیروی کی۔ ہمیں حق نہیں کہ ہم کسی چیز کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں۔ یہ اللہ کا ہم پر اور لوگوں پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! کیا الگ الگ بہت سے رب بہتر ہیں یا اکیلا اللہ ہی سب پر حاوی و غالب؟ تم اس کے سوا نہیں پوجتے ہو مگر چند ناموں کو جو تم نے اور تمہارے باپ داداوں نے رکھ چھوڑے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اختیار و اقتدار صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ یہی دین قیم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اے میرے زندان کے ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلانے کی خدمت انجام دے گا۔ رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی پھر پرندے اس کے سر نوچ کر کھائیں گے۔ اس امر کا فیصلہ ہوا کہ جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔

(قرآن یہ بھی بیان کرتا ہے کہ یوسفؑ نے اس ساتھی سے' جو بچ جانے والا تھا' یہ کہا کہ ان کا ذکر اپنے آقا سے کرے لیکن اسے شیطان نے بھلا دیا اور یوسفؑ جیل میں کئی برس رہے)[٣٦] یہ بات ذہن نشین رہے کہ قرآن نے صرف ایک دعوتی تقریر نقل کی ہے اس کے علاوہ کتنے مواقع ہوں گے جن پر اس داعی الی اللہ نے اپنا کام نہیں کیا ہوگا۔ قرآن نے جیل کے عرصہ کو "بضع سنین" کہا ہے جو تین سے نو سال تک کے لئے بولا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ گمان تو نہیں کیا جاسکتا کہ اس سارے عرصہ میں صرف ایک دفعہ توحید الٰہی پر تقریر کی ہوگی۔ قرآن نے صرف ایک خاص موقعہ کی گفتگو کو نقل کیا ہے جو کار دعوت کے لئے رہنمائی کا کام دیتی ہے۔ یوسفؑ نے سوال پوچھنے والوں کی توجہ کو غنیمت جانا اور اپنی بات بھی کر دی۔ موقع و محل کی مناسبت سے بات کرنا اور پھر استدلال کو سادہ اور حقیقت پسندانہ انداز سے بیان کرنا پیغمبرانہ دعوت کا فطری طریقہ ہے جو یوسفؑ کی اس تقریر سے واضح ہوتا ہے۔

Marfat.com

کامیابی کی منزل

یوسفؑ جیل کے برسوں میں استقامت کے ساتھ دعوت کے کام میں مصروف رہے اور اللہ کی نظروں میں کامیابی کی راہ پر گامزن رہے۔ مشیت الٰہی اگلی منزل کا سامان مہیا کرتی ہے اور اس کا انحصار بھی اس خداداد صلاحیت اور ربانی علم پر ہے جو صرف انبیاء کا خاصا ہوتا ہے۔ اتفاق سے بادشاہ کو خواب میں کچھ دکھائی دیتا ہے اور اس کی تعبیر کے لئے پریشان ہوتا ہے۔ اسے کوئی مناسب تعبیر نہیں ملتی تو اس کا ایک مقرب جو جیل سے رہا ہوکر اس کے مقربین میں شامل ہوتا ہے اسے یاد پڑتا ہے کہ اس کا جیل کا ساتھی خوابوں کی تعبیر کا علم رکھتا ہے اور اس نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ بادشاہ کے سامنے اس کا ذکر کرے گا مگر بھول گیا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں اس کی تعبیر معلوم کرکے آتا ہوں(۳۷) چنانچہ وہ یوسفؑ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے:

یوسف ایھا الصدیق افتنا فی سبع بقرات سمان یا کلھن سبع عجاف و سبع سنبلت خضرو اخر یبست لعلی ارجع الی الناس لعلھم یرجعون۔ قال تزرعون سبع سنین دابا فما حصد تم فذروہ فی سنبلہ الا قلیلا مما تاکلون ثم یاتی من بعد ذلک عام فیہ یغاث الناس وفیہ یعصرون(۳۸)

یوسف اے سراپا راستی! مجھے اس خواب کا مطلب بتا کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں۔ اور سات بالیں ہری ہیں اور سات سوکھی شاید کہ میں ان لوگوں کے پاس جاؤں اور شاید کہ وہ جان لیں۔ یوسف نے کہا: سات برس تک لگاتار تم لوگ کھیتی باڑی کرتے رہو گے اور اس دوران میں جو فصلیں تم کاٹو ان میں سے بس تھوڑا سا حصہ جو تمہاری خوراک کے کام آئے گا نکالو اور باقی کو اس کے بالوں ہی میں رہنے دو۔ پھر سات برس بہت سخت آئیں گے اس زمانے میں وہ سب غلہ کھالیا جائے گا جو تم اس وقت کے لئے جمع کرو گے اگر کچھ بچے گا تو بس

Marfat.com

وہی جو تم نے محفوظ کر رکھا ہو۔ اس کے بعد پھر ایک سال ایسا آئے گا جس میں باران رحمت سے لوگوں کی فریاد رسی کی جائے گی اور وہ اسے نچوڑیں گے۔

یوسفؑ نے نہ صرف یہ کہ بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتائی بلکہ قحط کے زمانے کے لئے منصوبہ بندی بھی بتائی اور یہ خوشخبری بھی سنائی کہ قحط کے بعد خوشحالی ہوگی۔ یہ سب باتیں بادشاہ کے لئے انوکھی تھیں چنانچہ اس نے حکم دیا کہ یوسفؑ کو اسی کے پاس لایا جائے۔[۳۹] قرآن کے مطابق یہ کامیابی کی منزل کی جانب پہلا قدم تھا۔ قرآن اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے واضح کرتا ہے کہ یوسفؑ نے فوری طور پر نکلنے کی بجائے قاصد کو کہا کہ واپس جاؤ اور عورتوں کے معاملے کی تحقیق کرو۔[۴۰] اس وقت تک جیل سے باہر نہیں آتے جب تک ان کی بے گناہی ثابت نہیں ہوجاتی۔ حدیث میں نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

لولبثت فی السجن ما لبث یوسف لا جبت الداعی[۴۱]

اگر میں اتنی مدت تک قید رہتا جس قدر یوسفؑ رہے تو بلانے والے کی دعوت فوراً قبول کرلیتا۔

یوسفؑ نے کسی بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا اور حق بات کے ظاہر ہونے کا انتظار کیا۔ اس کے مقابلے میں بائبل کا بیان ملاحظہ فرمائیں اور دونوں کے فرق کا اندازہ لگائیں۔ بائبل میں ہے:

The Pharaoh sent and called Joseph, and they brought him hastily out of the dungeon; and he shaved himself and changed his raiment, and came in unto pharaoh.[۴۲]

قرآن کے مطابق بادشاہ تعبیر سننے کے بعد بلاتا ہے اور بائبل کے مطابق فرعون یوسفؑ کو بلا کر اس سے خواب بیان کرتا ہے۔[۴۳] تالمود کے بیان سے یوسفؑ کی شخصیت اور بھی زیادہ غیر اہم لگتی ہے۔ اس کے مطابق بادشاہ نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ یوسفؑ کو میرے حضور پیش کرو اور یہ بھی ہدایت کردی کہ دیکھو کوئی ایسا کام نہ کرنا

Marfat.com

جس سے لڑکا گھبرا جائے اور صحیح تعبیر نہ دے سکے۔ چنانچہ شاہی ملازموں نے یوسفؑ کو قید خانے سے نکالا اور حجامت بنوائی کپڑے بدلوائے اور دربار میں لاکر پیش کردیا۔ بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا تھا وہاں زر و جواہر کی چمک دمک اور دربار کی شان دیکھ کر یوسفؑ ہکا بکا رہ گیا۔ اور اس کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ شاہی تخت کی سات سیڑھیاں تھیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی معزز آدمی بادشاہ سے کچھ عرض کرنا چاہتا تو وہ چھ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتا اور بادشاہ سے ہم کلام ہوتا اور جب ادنی طبقہ کا کوئی آدم شاہی مخاطبہ کے لئے بلایا جاتا تو وہ نیچے کھڑا رہتا اور بادشاہ تیسری سیڑھی تک اتر کر اس سے بات کرتا۔ یوسفؑ نے اس قاعدے کے مطابق نیچے کھڑے ہوکر اور زمین بوس ہوکر بادشاہ کو سلامی دی اور بادشاہ نے تیسری سیڑھی تک اتر کر اس سے گفتگو کی۔[۴۴]

قرآن نے یوسفؑ کی باوقار شخصیت کو برقرار رکھا۔ قرآن کا بیان ہے:

فلما جاءه الرسول قال ارجع الی ربک فسئله ما بال النسوة التی قطعن ایدیهن ان ربی بکیدهن علیم قال ما خطبکن اذ راودتن یوسف عن نفسه قلن حاشا للّه ما علمنا علیه من سوء[۴۵]

جب شاہی فرستادہ یوسفؑ کے پاس پہنچا تو اس نے کہا! اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ میرا رب تو ان کی مکاری سے واقف ہی ہے اس پر بادشاہ نے ان عورتوں سے دریافت کیا "تمہارا کیا تجربہ ہے اس وقت کا جو تم نے یوسفؑ کو رجھانے کی کوشش کی تھی؟ سب نے یک زبان ہوکر کہا حاشاللہ ہم نے س میں بدی کا شائبہ تک نہ پایا۔

کامرانی کی آخری منزل

بادشاہ پر حقیقت حال واضح ہوئی تو اس نے اپنے پاس بلاکر عزت و احترام سے نوازا اور یوسفؑ کے مشورے پر ملک کے خزانے اس کے سپرد کئے اور انتظام و انصرام اس کے ہاتھ میں دیا۔ مشیت ایزدی کے مطابق یوسفؑ مصر کے بااختیار منتظم قرار

Marfat.com

پائے۔ بھائیوں کے حسد کا شکار غلام کی حیثیت سے بکنے والا اور زنان مصر کی مکارانہ چال کے باعث جیل خانے میں مہ و سال گذارنے والا شخص منصب اقتدار پر فائز ہے اس سے بڑی کامرانی اور کیا ہوسکتی ہے اور اس کے لئے منصوبہ بندی کسی انسانی عقل کے بس کی بات نہیں ہے یہ صرف ربانی تدبیر ہے جو درجہ بدرجہ اس سفر کو منزل تک پہنچاتی ہے۔ قرآن نے اسے جس طرح بیان کیا ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔ اس اعجاز بیان کی کوئی نظیر نہیں۔

وقال الملک ائتونی استخلصه لنفسی فلما کلمه قال انک الیوم لدینا مکین امین قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم۔ و کذلک مکنا لیوسف فی الارض یتبوا منها حیث یشاء نصیب برحمتنا من نشاء ولا نضیع اجر المحسنین ولاجر الاخرة خیر للذین امنوا و کانو یتقون [۴۶]

بادشاہ نے کہا: انہیں میرے پاس لاؤ تاکہ میں ان کو اپنے لئے مخصوص کرلوں۔ جب یوسفؑ نے اس سے گفتگو کی تو اس نے کہا: اب آپ ہمارے ہاں قدر و منزلت رکھتے ہیں اور آپ کی امانت پر پورا بھروسہ ہے۔ یوسفؑ نے کہا: ملک کے خزانے میرے سپرد کیجئے، میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔ اس طرح ہم نے اس سرزمین میں یوسفؑ کے لئے اقتدار کی راہ ہموار کی۔ وہ مختار تھا کہ اس میں جہاں چاہے اپنی جگہ بنائے۔ ہم اپنی رحمت سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں۔ نیک لوگوں کا اجر ہمارے ہاں مارا نہیں جاتا اور آخرت کا اجر ان لوگوں کے لئے زیادہ بہتر ہے جو ایمان لائے اور خدا ترسی کے ساتھ کام کرتے رہے۔

مشیت الٰہی کا آخری مظہر

(یوسفؑ کے بھائی تو یہ جان کے فارغ ہوگئے کہ یوسفؑ کو قافلے والے لے گئے۔ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے اس سے ان کو کوئی دلچسپی نہ تھی) قافلے والے مصر میں

Marfat.com

معمولی قیمت کے عوض بیچ کر چلتے بنے۔ ان کے لئے مفت کا مال تھا جتنی قیمت مل گئی درست ہے۔ کانوا من الزاھدین[47] کا مصداق بھائی ہوں تو بھی اور قافلے والے ہوں تو بھی ایک ہی بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کو یوسفؑ کے مستقبل سے کوئی دلچسپی نہ تھی (ان سے تعلق خاطر اگر تھا تو باپ کو جس نے رو رو کر اپنی بینائی ضائع کردی تھی۔) قرآن نے اس کیفیت کو نقل کیا ہے:

وتولی عنھم وقال یا سفی علی یوسف وابیضت عیناہ من الحزن وھو کظیم[48]

پھر وہ ان کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ "ہائے یوسف! وہ دل ہی میں غم سے گھٹا جارہا تھا اور اس کی آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں۔

مگر اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کو مشکلات سے نکال کر صاحب اختیار و اقتدار بنا دیا تھا۔ قدرت الٰہی نے معاملات یہیں پر ختم نہیں کرنا تھے بلکہ یوسف کے خواب کو سچا کرنا تھا اور بھائیوں پر اس کے برتری ثابت کرنا تھی لہٰذا مشیت ایزدی نے بھائیوں کو گھرا کر اس کے سامنے لاکھڑا کیا۔ مصر کا قحط جسے مشیت الٰہی نے یوسفؑ کی سربلندی و اقبال مندی کے لئے استعمال کیا تھا۔ وہی قحط بھائیوں کو یوسف کے سامنے لانے کا باعث بنا۔ قرآن نے وہ تمام واقعات تفصیل سے بیان کئے ہیں[49] بالآخر بھائی اور والد مصر آتے ہیں اور یوسف کی عظمت اور بڑائی کا اعتراف کرتے ہیں۔ قرآن نے یوسفؑ اور بھائیوں کے درمیان تعارف کے مرحلے کو اپنے معجزانہ انداز سے بیان کیا ہے۔ قرآن تعارفی مرحلے سے پہلے پس منظر میں وہ مکالمہ نقل کرتا ہے جو یوسفؑ کے سگے بھائی بن یمین کے مصر رو کے جانے پر باپ بیٹوں میں ہوا پھر یعقوبؑ کی اس آرزو کو بیان کرتا ہے جو انہوں نے یوسف کی بازیابی سے وابستہ کر رکھی تھی۔ اس کے بعد بھائیوں کی پیشی کا منظر ہے اور پھر یوسفؑ کی پہچان اور بھائیوں کا اعتراف۔ ذیل کی آیات کو ملاحظہ کیجئے اور قرآن کے معجزانہ اسلوب سے لطف اندوز ہوئیے۔

قالوا تاللہ تفتؤا تذکر یوسف حتی تکون حرضا او تکون من الھالکین قال انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ واعلم من اللہ مالا

تعلمون۔ یبنی اذہبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ ولا تائیسوا من روح اللہ انہ لا یائیس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔ فلما دخلوا علیہ قالوا یایھا العزیز مسّنا واھلنا الضر وجئنا ببضاعۃ مزجۃ فاوف لنا الکیل وتصدق علینا ان اللہ یجزی المتصدقین قال ھل علمتم ما فعلتم بیوسف واخیہ وانتم جاھلون قالواء انک لانت یوسف قال انا یوسف وھذا اخی قدمن اللہ علینا انہ من یتق و یصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ قالوا تاللہ لقد اثرک اللہ علینا وان کنا لخطئین (۵۰)

بیٹوں نے کہا خدارا آپ تو بس یوسف ہی کو یاد کئے جاتے ہیں۔ نوبت یہ آگئی ہے کہ اس کے غم میں اپنے آپ کو گھلادیں گے یا اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے۔ اس نے کہا: "میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔ اور اللہ سے جیسا میں واقف ہوں تم نہیں ہو۔ میرے بچو' جاکر یوسف اور اس کے بھائی کی کچھ ٹوہ لگاؤ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔ جب یہ لوگ مصر جاکر یوسفؑ کی پیشی میں داخل ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ اے سردار با اقتدار ہم اور ہمارے اہل وعیال سخت مصیبت میں مبتلا ہیں اور ہم کچھ حقیر سی پونجی لے کر آئے ہیں آپ ہمیں بھرپور غلہ عنایت فرمائیں اور ہم کو خیرات دیں۔ اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ (یہ سن کر یوسفؑ سے رہا نہ گیا) اس نے کہا: تمہیں کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا۔ جبکہ تم نادان تھے؟ وہ چونک کر بولے' ہائیں! کیا تم یوسف ہو؟ اس نے کہا ہاں' میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا ہے حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو اللہ کے ہاں ایسے نیک لوگوں کا اجر مارا نہیں جاتا۔ انہوں نے کہا: بخدا کہ تم کو اللہ نے ہم

پر فضیلت بخشی اور ہم واقعی خطا کار تھے

اس سارے واقعہ کا آخری مرحلہ وہ ہے جب بھائی اپنے والد کو لے کر یوسفؑ کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور سب بے اختیار اس کے سامنے سجدے میں گر جاتے ہیں اور اس خواب کی تعبیر پوری ہوجاتی ہے جو یوسفؑ نے بچپن میں دیکھا تھا گو اس خواب اور اس کی تعبیر کے درمیان کرب انگیز مراحل ہیں تاہم معاملہ اپنے انجام کو اس طرح پہنچتا ہے جیسا کہ اللہ کے اس بندے نے خواب میں دیکھا تھا۔

قرآن اسے اس طرح نقل کرتا ہے:

فلما دخلوا علی یوسف اوی الیه ابویه و قال ادخلوا مصر ان شاء الله آمنین و رفع ابویه علی العرش وخرواله سجدا وقال یابت هذا تاویل رویای من قبل قد جعلها ربی حقا (۵۱)

پھر جب یہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ بٹھالیا (اور سب کنبے والوںؑ سے کہا) چلو اب شہر میں چلو اللہ نے چاہا تو امن چین سے رہو گے (شہر میں داخل ہونے کے بعد) اس نے اپنے والدین کو اٹھا کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور سب اس کے آگے بے اختیار سجدے میں جھک گئے۔ یوسفؑ نے کہا اجا جان! یہ تعبیر ہے میرے اس خواب کی جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ میرے رب نے اسے حقیقت بنا دیا

یہ امر ذہن نشین رہے کہ یہاں سجدے سے مراد وہ سجدہ نہیں جو عبادت کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مختص ہے' اس سے مراد احتراماً جھکنا ہے جو مختلف کلچرز میں شامل رہا ہے۔ انگریزی کا لفظ Bow اس کی وضاحت کرتا ہے۔ اس سے سجدہ تعظیمی کے لئے جواز نکالنا عربی زبان کو عجمی معانی پہنانے والی بات ہے۔ سجدہ تمام شریعتوں میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مختص رہا ہے۔ دو پیغمبروں کی موجودگی میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا ذہنی طور پر متصور نہیں ہو سکتا۔

داعی کے اخلاقی اوصاف

یوسفؑ کی شخصیت میں داعی کے اوصاف کی ایک تصویر نظر آتی ہے۔ ان کی

Marfat.com

اخلاقی عظمت اس طرح مبرہن ہو کر سامنے آتی ہے کہ ان کے بارے میں اور کچھ سوچا ہی نہیں جاسکتا۔ اس واقعہ میں داعی کے لئے صفات کا ایک مرقع بیان کیا گیا ہے جسے وہ ہمیشہ سامنے رکھ سکتا ہے۔ یوسفؑ کے کردار اور ان کے رویہ اور برتاؤ اور مختلف مواقع پر ان کے موقف اور اظہار کے طریقے نے داعی کو ایک کلید مہیا کردی ہے۔ (قوت ایمان، استقامت، ضبط نفس، صبر و شکر، عفت، دیانت و امانت، عفو و درگذر اور اصلاح و تقویٰ جیسے اخلاق فاضلہ ان کی شخصیت میں نمایاں نظر آتے ہیں) یوسفؑ کی داستان یہ بتاتی ہے کہ ایمان باللہ مستحکم ہو تو کامیابی یقینی ہے اور داعی ابتلاء و آزمائش کے مرحلوں سے سرخرو ہو کر نکلتا ہے۔ آزمائش کے مراحل کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اللہ کی نصرت نے کس طرح انہیں کامیابی سے ہمکنار کیا اور رستے کی رکاوٹوں کو کیسے دور کیا اسے گزشتہ اوراق میں واضح کیا جاچکا ہے۔ قرآن نے اس سورت میں جابجا ان اخلاقی اوصاف کو بیان کیا ہے۔ ہم ان بکھرے موتیوں کو ایک ترتیب کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

صداقت

صداقت انبیاء و صلحاء کی بنیادی صفت ہے جو ان کے قول و فعل اور گفتار و کردار میں ہر وقت جھلکتی نظر آتی ہے اور دوست دشمن سب کو اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ایک داعی اگر صداقت سے عاری ہے تو اس کی دعوت ایک بیکار مشغلہ سے زیادہ کچھ نہیں۔ یوسفؑ کی شخصیت میں اس صفت کی موجودگی کا اعتراف سب سے پہلے اس کے جیل کے ساتھی کرتے ہیں۔ جب احباب زنداں اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھتے ہیں تو آپ کی نیکوکاری کا تذکرہ کرتے ہیں۔ انا نرلک من المحسنین (۵۲) (یعنی ہماری رائے میں آپ نیکو کار ہیں)۔ پھر یہی جیل کا ساتھی جب بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھنے آتا ہے تو یوسفؑ کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے: یوسف ایھا الصدیق یوسف اے سراپا راستی۔ صداقت کی سب سے بڑی مثال الزام تراشی کا وہ واقعہ ہے جو خاتون خانہ نے بپا کیا تھا۔ یوسفؑ نے اس جھوٹے الزام کے جواب میں صرف یہ کہا تھا

: ھی راودتنی عن نفسی (۵۳) (یعنی مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی)۔
قدرت الٰہی نے یوسفؑ کی صداقت کو مبرہن کیا۔ سب سے پہلے تو خاتون کے اعزہ میں سے کسی نے واقعاتی شہادت کی بنا پر صداقت کی گواہی دی۔ اس نے کہا: ان کان قیمصہ قد من دبر فکذبت وھو من الصادقین (۵۴) اگر اس کا قمیض پیچھے سے پھٹا ہو تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچا۔

اور جب عزیز نے دیکھا کہ یوسفؑ کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے تو اس نے یوسفؑ کی صداقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

انہ من کیدکن ان کیدکن عظیم - یوسف اعرض ھذا واستغفری لذنبک انک کنت من الخاطئین (۵۵)

تم عورتوں کی چالاکیاں ہیں، واقعی بڑے غضب کی ہوتی ہیں تمہاری چالیں۔ یوسف اس معاملے سے درگزر کرو۔ اور اے عورت تو اپنے قصور کی معافی مانگ؛ تو ہی اصل میں خطا کار تھی۔

اور آخر میں الزام تراشی کرنے والی عورت نے صداقت کی گواہی دی۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کا کوئی شائبہ نہیں رہنے دیا۔ قرآن کے الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

قالت امراۃ العزیز الن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصادقین (۵۶)

عزیز کی بیوی بول اٹھی اب حق کھل چکا ہے وہ میں ہی تھی جس نے اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی بے شک وہ بالکل سچا ہے۔

عفت اور عزت نفس کی حفاظت

ایک داعی کے لئے عزت نفس کی بڑی اہمیت ہے۔ عزت نفس کی حفاظت کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اسے اپنے آپ کو ہلکا کرکے کہیں پیش نہیں ہونا چاہیے اس وقار کو ملحوظ رکھنا چاہیے جس کا دین و اخلاق تقاضا کرتا ہے۔ ابتلاء کی صورت مختلف ہوسکتی ہے لیکن رضاکارانہ طور پر کسی مرحلہ پر ہلکا ثابت کرنا درست نہیں۔

Marfat.com

دوسرا یہ ہے کہ ہر ایسی حرکت سے پرہیز کرنا چاہیے جو اخلاقی پستی کا مظہر ہو۔ قول وفعل اور رویے اور طرز عمل سے بد اخلاقی گراوٹ کا مظاہرہ کرنا داعی کے مرتبے سے فروتر ہے۔ دونوں صورتوں میں داعی کی طرف سے عزت نفس کی حفاظت کادانستہ اقدام ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید اسے حاصل ہوگی کیونکہ دعوت الی اللہ ایک معزز کام ہے اور اسے صاحب عزت و توقیر لوگ ہی بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ یوسفؑ نے کس طرح اپنی حفاظت کی کوشش کی اور کس طرح اللہ کی نصرت و تائید انہیں حاصل ہوئی۔ ایک موقعہ تو وہ ہے جب بادشاہ نے انہیں بلا بھیجا وہ جیل میں تھے اور جیل سے رہائی ایک ایسی نعمت جس کے لئے ہر قیدی بے تاب ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد کہ بادشاہ نے طلب کیا ہے لیکن یوسفؑ نے کسی بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ شاہی قاصد سے کہا کہ بادشاہ سے کہو کہ وہ عورتوں کی چال کے بارے میں حقائق معلوم کرے کیونکہ اس الزام کی صفائی کے بغیر رہا ہونا اور بادشاہ سے ملنا باوقار طریقہ نہیں ہے۔ بادشاہ کی تفتیش پر ظاہر ہوا کہ یوسفؑ بے گناہ تھے اور عورتوں نے چالبازی سے کام لیا تھا۔ قرآن نے یوسفؑ کی اس تدبیر کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

وقال الملک ائتونی به فلما جاء الرسول قال ارجع الی ربک فسئله ما بال النسوة التی قطعن ایدیهن ان ربی بکیدهن علیم قال ما خطبکن اذ راودتن یوسف عن نفسه قلن حاشا لله ما علمنا علیه من سوء (۵۷)

بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ مگر جب شاہی فرستادہ یوسفؑ کے پاس پہنچا تو اس نے کہا: اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ میرا رب تو ان کی مکاری سے واقف ہی ہے۔ اس پر بادشاہ نے ان عورتوں سے دریافت کیا "تمہارا کیا تجربہ ہے اس وقت کا جب تم نے یوسف کو رجھانے کی کوشش کی تھی۔ سب نے یک زبان ہوکر کہا: حاشاللہ ہم نے تو اس

Marfat.com

میں بدی کا شائبہ تک نہیں پایا۔

قرآن کے انداز بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ان عورتوں کے اعلان کے بعد ہی یوسفؑ جیل سے باہر آئے آنحضورؐ نے اس طرز عمل کو غیر معمولی طور پر سراہا ہے۔ ہم وہ حدیث پچھلے صفحات میں نقل کر آئے ہیں جس میں آپ نے فرمایا کہ اگر میں اتنی مدت تک قید رہتا جس قدر یوسفؑ رہے تو بلانے والے کی دعوت فوراً قبول کر لیتا۔ بلاشبہ یہ استقامت کی عظیم مثال ہے۔

دوسرا موقعہ وہ ہے جہاں خاتون خانہ برائی پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن یوسفؑ اس کے دام ہوس میں نہیں آتے اس موقعہ پر بچ جانا تائید الٰہی کے بغیر ممکن نہ تھا اور مشیت ایزدی ہی نے انہیں بچایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہوتا ہے اس شخص کے لئے جو اخلاص کے ساتھ اس سے وابستہ ہوتا ہے۔ قرآن نے یہاں خصوصیت سے ربانی مداخلت کی بات کی ہے جو یوسف کی عزت نفس کی محافظت کا باعث بنی۔ قرآن کی مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمایئے اور نصرت الٰہی کا کرشمہ دیکھئے:

وراودته التي هو في بيتها و غلقت الا بواب وقالت هيت لك قال معاذ الله انه ربي احسن مثواي انه لا يفلح الظالمون۔ ولقد همت به وهم بها لولا ان رابر هان ربه كذلك لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصين (۵۸)

اور جس عورت کے گھر میں وہ تھا وہ اس پر ڈورے ڈالنے لگی اور ایک روز دروازہ بند کر کے بولی: "آ جا" یوسف نے کہا خدا کی پناہ میرے آقا نے تو مجھے اچھی منزلت بخشی اور میں یہ کام کروں! ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پایا کرتے۔ وہ اس کی طرف بڑھی اور یوسف بھی اس کی طرف بڑھتا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتا۔ ایسا ہوا تا کہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو دور کر دیں درحقیقت وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔

آیت کا آخری ٹکڑا الٰہی مداخلت کی طرف واضح اشارہ ہے۔ اس کی نصرت ہی بدی سے محفوظ کر سکی کیونکہ وہ برگزیدہ بندہ تھا اور اس کی عزت نفس کا محفوظ رہنا بے حد

Marfat.com

ضروری تھا۔

امانت و دیانت

امانت و دیانت کی صفات داعی کا زیور ہیں۔ ان صفات کی حیثیت شخصیت کے نور کی ہے جو تاریک ماحول میں نہ صرف رہنمائی مہیا کرتا ہے بلکہ داعی کی شخصیت کو قبول عام بخشتا ہے۔ انبیاء اس صفت سے متصف تھے اور حضور اکرمؐ کی امانت تو ضرب المثل رکھتی تھی۔ امانت و دیانت کا تعلق انسان کی بے غرضی و بے نفسی ہے۔ ان صفات کی موجودگی میں انسان لالچ و حرص کا شکار نہیں ہوتا۔ اور دوسرے کی عزت و مال کا احترام کرتا ہے۔ یوسفؑ کو جب خاتون خانہ نے پھسلانے کی کوشش کی تو یہی صفات اس طرز عمل کی بنیاد بنیں۔ بادشاہ کے استفسار پر جب زنان مصر اور عزیز کی بیوی نے حقیقت واقعہ بیان کی تو اس پر یوسفؑ نے جو تبصرہ کیا وہ اس بات کا اعلان تھا کہ یوسفؑ امانت و دیانت کی جن صفات سے متصف ہیں ان کا تقاضا تھا کہ وہ عزیز مصر کی غیرموجودگی کا فائدہ نہ اٹھاتے اور خیانت کے مرتکب نہ ہوتے۔ اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خیانت کے مرتکب کامیاب نہیں ہوتے۔ اس میں داعی کے لئے بے مثل رہنمائی موجود ہے۔ قرآن نے اس تبصرہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

ذلک لیعلم انی لم اخنہ بالغیب وان اللہ لا یھدی کید الخائنین (۵۹)

> یوسفؑ نے کہا: اس سے میری غرض یہ تھی کہ بادشاہ جان لے کہ میں نے در پردہ عزیز کی خیانت نہیں کی تھی اور یہ کہ جو خیانت کرتے ہیں ان کی چالوں کو اللہ کامیابی کی راہ پر نہیں لگاتا۔

یہ یوسفؑ کا محض دعویٰ نہیں تھا انہوں نے اپنے عمل سے اس کا ثبوت مہیا کیا تھا۔ اسی لئے بادشاہ سے جب یوسفؑ کی گفتگو ہوئی تو اس نے آپ کی امانت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

انک الیوم لدینا مکین امین (۶۰)

Marfat.com

یعنی اب آپ ہمارے ہاں قدر و منزلت رکھتے ہیں اور آپ کی امانت پر بھروسہ ہے۔

اعتماد علی اللہ

اعتماد علی اللہ داعی کی زندگی کا سرمایہ ہے چونکہ وہ اس کا کام کررہا ہے۔ اس لئے اس کی رہنمائی اور نصرت میسر رہتی ہے۔ یوسفؑ کو اس پورے عرصے میں اپنے رب کے ساتھ وابستگی رہی ہے اور اس کی دی ہوئی رہنمائی اور اسکے عطا کردہ علم و بصیرت کی روشنی میں کام کرتے رہے۔ اپنے کسی عمل کو ذاتی بڑائی قرار دینے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت و قدرت کی طرف منسوب کرتے رہے۔ جیل میں جب ساتھیوں کو خواب کی تعبیر بتانے لگے تو اس سے پہلے اعلان کیا کہ یہ میرا کمال نہیں ہے بلکہ میرے رب کا عطیہ ہے۔ آپ کہتے ہیں:

ذلکما مما علمنی ربی (۶۱)

یعنی یہ علم ان علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے عطا کئے ہیں۔

اس طرح جب بیگمات نے اپنی چال سے متاثر کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ پھنس جائے تو یوسفؑ پکار اٹھتے ہیں:

والا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن واکن من الجاھلین (۶۲)

اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو رہوں گا۔

اس کا نقطہ عروج وہ بیان ہے جہاں حق واضح ہونے کے بعد اپنی امانت و دیانت کی بات کرتے ہیں وہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ سب میرے رب کا رحم و کرم ہے۔

وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا مارحم ربی ان ربی غفور رحیم (۶۳)

میں کچھ اپنے نفس کی برات نہیں کررہا نفس تو بدی پر اکساتا ہی ہے الا یہ

Marfat.com

کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو' بے شک میرا رب بڑا غفور رحیم ہے۔

عفو و درگذر

صبر اور عفو و درگذر ایسی اخلاقی صفات ہیں جو داعی کو نفسیاتی استحکام اور قبول عام بخشتی ہیں۔ اس راہ میں مشکلات و مصائب کا پیش آنا اور لوگوں کی جفا طلبی اور ظلم کیشی کا تجربہ ہونا معمول کی بات ہے ایسے میں داعی کو تنگ دل اور منتقم ہونے کی بجائے عفو و درگذر سے کام لینا ہے۔ انبیاء کی دعوتی زندگی میں صبر و عفو بہت نمایاں ہیں۔ صبر اس وقت جب داعی بے اختیار ہوتا ہے اور عفو و درگذر اس مرحلے پر جب وہ بااختیار ہوتا ہے۔ یوسفؑ کا دور ابتلاء مسلسل صبر کا دور ہے۔ کنویں میں ڈالا جانا' بازار میں بکنا' جیل میں جانا سب صبر آزما مرحلے ہیں اور کسی ایک لمحے میں بھی انہوں نے بے صبری اور عدم توکل کا اظہار نہیں کیا۔ اب قدرت الٰہی نے انہیں تمکن فی الارض عطا کیا ہے اور بھائی جو حسد کے باعث زیادتی کا ارتکاب کرچکے ہیں سامنے عاجز و بے بس کھڑے ہیں تو یوسفؑ انتقام و سزا کے اجراء کے بجائے عفو و درگذر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین (۶۴)

آج تم پر کوئی گرفت نہیں' اللہ تمہیں معاف کرے' وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کو یوسفؑ کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ قریش سے مخاطب تھے آپؐ نے فرمایا! اہل مکہ! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ مکہ کے سردار اگرچہ اپنی بداعمالیوں سے آگاہ تھے لیکن رحمت للعالمین کے مزاج شناس تھے بولے "اخ کریم و ابن اخ کریم" یعنی آپ شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہیں پھر فرمایا۔ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے کہا تھا۔

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا وانتم الطلقا (۶۵)

آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

اظہار تشکر

ایک داعی کا اپنے رب کے ساتھ جو تعلق ہوتا ہے اس کی بنا پر وہ آزمائش و ابتلا میں صبر کرتا ہے اور کامیابیوں پر اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ تحدیث نعمت کے طور پر اس کے انعام و اکرام پر اظہار مسرت کرتا ہے۔ قرآن نے کہا ہے لئن شکر تم لا زید نکم (۶۶) (یعنی اگر تم شکر گزار رہے تو میں تمہیں بڑھاؤں گا)۔ یوسفؑ کو اللہ نے عزت واقتدار سے نوازا' بھائیوں کو عجز و اعتراف خطا کے ساتھ سامنے لاکھڑا کیا اور سگے بھائی اور والدین اور پورے خاندان کو ملایا۔ اس پر یوسفؑ جس طرح کا اظہار کرتے ہیں وہ پیغمبرانہ شان کا مظہر ہے۔ جب سب لوگ احتراما" ان کے سامنے جھکتے ہیں تو وہ کہتے ہیں:

وقد احسن بی اذ اخرجنی من السجن وجاء بکم من البدو من بعد ان نزغ الشیطن بینی و بین اخوتی ان ربی لطیف لما یشاء انہ ھو العلیم الحکیم۔ رب قد اتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السموت والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین (۶۷)

اس کا احسان ہے کہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ لوگوں کو صحرا سے لاکر مجھ سے ملایا حالانکہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال چکا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ میرا رب غیر محسوس تدبیروں سے اپنی مشیت پوری کرتا ہے۔ بے شک وہ علیم و حکیم ہے اے میرے رب تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھ کو باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھایا۔ زمین و آسمان کے بنانے والے تو ہی دنیا و آخرت میں میرا سرپرست ہے۔ میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجامکار مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔

Marfat.com

یعقوب کی شخصیت

یوسفؑ کے واقعہ میں ضمناً" یعقوب کا بھی ذکر آیا ہے۔ یعقوبؑ ایک پیغمبر تھے اور پیغمبرانہ فراست ہی کی بنا پر انہوں نے یوسفؑ کو خواب بتانے سے منع کیا تھا۔ اس سارے واقعہ میں وہ بھی شدید آزمائش و ابتلا میں گذرے تھے۔ قرآن نے انہیں پیغمبرانہ شان کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کا صبر' اعتماد علی اللہ اور پیغمبرانہ فراست وہ اہم پہلو ہیں جنہیں قرآن واضح کرتا ہے۔

صبر

جب برادران یوسف وہی بہانہ بناتے ہیں جس کا انہیں خدشہ تھا تو حیلہ سازی کو سمجھتے ہوئے بھی صبر کا اظہار کرتے ہیں قرآن نقل کرتا ہے۔

وجاء وا علی قمیصه بدم کذب قال بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون (۶۸)

> اور وہ یوسف کے قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے آئے تھے یہ سن کر ان کے باپ نے کہا "بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لئے ایک بڑے کام کو آسان بنا دیا۔ اچھا صبر کرو اور بخوبی کروں گا جو بات تم بنا رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جاسکتی ہے۔

پھر جب تدبیر الٰہی سے بن یمین مصر میں رک گئے اور بھائیوں نے آکر بتایا کہ ان کے بیٹے نے چوری کی ہے تو اس پر ان کا طرز عمل صبر کا تھا۔ انہوں نے کہا:

بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل عسی اللہ ان یاتینی بهم جمیعا انه هوالعلیم الحکیم (۶۹)

> دراصل تمہارے نفس نے تمہارے لئے ایک اور بڑی بات کو سہل بنا دیا اچھا اس پر بھی صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا کیا بعید ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے لا ملائے وہ سب کچھ جانتا ہے اور اس کے سب کام حکمت پر مبنی ہیں۔

Marfat.com

پیغمبرانہ فراست

یعقوبؑ کے ضمن میں دوسری بات جسے قرآن پیش کرتا ہے وہ ان کی فراست ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا لہٰذا خصوصی علم و حکمت بھی عطا فرمائی۔ اس کا اظہار وقتاً فوقتاً ہوتا ہے۔ یوسف اور بن یمین کے بارے میں بیٹوں کی رپورٹوں پر تبصروں میں پر امید مستقبل کی بات فراست ہی کا نتیجہ تھی۔ بالخصوص بن یمین کے سلسلے میں یہ کہنا کہ عسی اللہ ان یاتینی جمیعا (۷۰) (یعنی کیا بعید ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے لا ملائے)۔ قرآن ان کے خصوصی علم کا بھی تذکرہ کرتا ہے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

وانہ لذو علم لما علمنہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون (۷۱)

بے شک وہ ہماری دی ہوئی تعلیم سے صاحب علم تھا مگر اکثر لوگ معاملہ کی حقیقت کو نہیں جانتے۔

اس فراست کے اظہار کے دو اور مواقع بھی ملاحظہ کیجئے۔

ایک موقعہ تو وہ ہے جب بن یمین کے بارے میں اطلاع پہنچانے کے بعد بیٹے واپس مصر جانا چاہتے ہیں تو یعقوبؑ انہیں کہتے ہیں کہ وہاں جاکر یوسفؑ اور اس کے بھائی کی ٹوہ لگاؤ' گویا بیٹوں کی تمام داستان سازی کے باوجود وہ یوسفؑ کی موت پر یقین نہیں رکھتے اور ان کی فراست انہیں یوسف کی بازیافت کا اشارہ دیتی ہے۔ وہ بیٹوں سے کہتے ہیں:

یبنی اذھبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ ولا تایئسوا من روح اللہ انہ لا یایئس من روح اللہ الا القوم الکافرون (۷۲)

میرے بچو! جاکر یوسف اور اس کے بھائی کی کچھ ٹوہ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔

پیغمبرانہ فراست کے معجزانہ اظہار کا موقعہ یوسفؑ کی خوشبو کا محسوس کرنا ہے۔ قرآن کے مطابق جب یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے درمیان تعارف ہو جاتا ہے وہ

Marfat.com

اپنی خطا کا اعتراف کرتے ہیں اور یوسفؑ کوئی مواخذہ نہیں کرتے تو اس موقع پر یوسفؑ اپنا قمیص دیتے ہیں کہ اسے لے جاکر والد کے چہرے پر رکھو' ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ بلاشبہ یہ پیغمبرانہ معجزہ کی تاثیر ہوگی لیکن دوسرا معجزہ یعقوبؑ کی پیغمبرانہ فراست ہے ادھر قمیص کو لے کر چلا جاتا ہے اور ادھر یعقوبؑ یوسفؑ کی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ خاندان کے لوگ تو اسے خبط سمجھتے ہیں لیکن جلد ہی حقیقت منکشف ہوجاتی ہے۔ قرآن نے اپنے اعجاز کے ساتھ اسے یوں بیان کیا ہے:

اذهبوا بقميصي هذا فالقوه على وجه ابى يات بصيرا واتونى باهلكم اجمعين ولما فصلت العير قال ابوهم انى لاجد ريح يوسف لولا ان تفندون. قالوا تالله انك لفي ضللك القديم فلما ان جاء البشير القه على وجهه فارتد بصيرا قال الم قل لكم انى اعلم من الله مالا تعلمون (۷۳)

میرا یہ قمیص لے جاؤ اور میرے والد کے چہرے پہ ڈال دو ان کی بینائی پلٹ آئے گی اور اپنے سب اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ۔ جب یہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو ان کے باپ نے (کنعان) میں کہا: میں یوسف کی خوشبو محسوس کررہا ہوں' تم لوگ کہیں یہ کہنے لگو کہ میں بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں۔ گھر کے لوگ بولے خدا کی قسم آپ ابھی تک اپنے اسی پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر جب خوشخبری لانے والا آیا تو اس نے یوسف کا قمیص یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا اور یکایک اس کی بینائی عود کر آئی تب اس نے کہا: میں تم سے نہ کہتا تھا؟ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

سعدی نے اس واقعہ کو بڑے اچھے انداز میں منظوم کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

Marfat.com

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گہر پیرِ خردمند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی — چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال برق جہاں است — دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینیم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

حوالہ جات

۱۔ الانعام / ۸۴
۲۔ المومن / ۳۴
۳۔ یوسف / ۴
۴۔ بخاری' کتاب التفسیر' سورہ یوسف' باب قولہ یتم نعمتہ'
۳ / ۲۱۹
۵۔ ایضاً"
۶۔ پیدائش (Genesis) ۳۷ / ۹۔۱۰
۷۔ ایضاً"
۸۔ یوسف / ۴۔۶
۹۔ یوسف / ۸
۱۰۔ ایضاً" / ۹
۱۱۔ ایضاً" / ۱۰
۱۲۔ ایضاً" / ۱۱۔۱۳
۱۳۔ ایضاً" / ۱۴
۱۴۔ ایضاً" / ۱۵۔۱۸
۱۵۔ پیدائش (Genesis)' ۳۷ / ۳۲
۱۶۔ ایضاً" / ۲۶۔۲۸
۱۷۔ یوسف / ۱۵

Marfat.com

۱۸۔ ایضاً" / ۱۹

۱۹۔ ایضاً" / ۲۰: بعض مفسرین نے یہاں بیچنے کے واقعہ کو بھائیوں سے منسوب کیا ہے لیکن قرآن نے واضح نہیں کیا۔ تالمود میں بھائیوں کے فروخت کرنے کی روایت موجود ہے۔

۲۰۔ پیدائش (Genesis)' ۳۷ / ۸۸

۲۱۔ یوسف/ ۲۱

۲۲۔ پیدائش (Genesis)' ۳۹ / ۱

۲۳۔ یوسف / ۲۲

۲۴۔ پیدائش (Genesis)' ۳۹ / ۳ - ۶

۲۵۔ یوسف/ ۲۳ - ۲۴

۲۶۔ ایضاً" / ۲۵ - ۲۹

۲۷۔ پیدائش (Genesis)' ۳۹ / ۱۲ - ۲۰

۲۸۔ یوسف/ ۳۰- ۳۲

۲۹۔ قصص القرآن' ۱/ ۲۹۸

۳۰۔ یوسف / ۳۳ - ۳۴

۳۱۔ تفہیم القرآن' ۲ / ۳۹۸ - ۳۹۹

۳۲۔ یوسف / ۳۵

۳۳۔ ترمذی' کتاب الدعوات' باب سوال العافیۃ' ۵ / ۵۷۶' ۵۷۷' ۵۵۲

۳۴۔ ایضاً" باب الدعاء بتمام النعمۃ' ۵ / ۵۴۱

۳۵۔ یوسف / ۳۶ - ۴۱

۳۶۔ ایضاً" / ۴۲' بائبل میں یوسفؑ کے بیان کو ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

But think on me when it shall be well with thee, and show kindness, I pray thee, unto me, and make mention of me unto pharaoh and bring me out of this

Marfat.com

house. For indeed I was stolen from the land of the Hebrews: and there also have I done nothing that they should put me into the dungeon. (Genesis, 40/14-15)

۳۷۔ ایضاً / ۴۳۔ ۴۵
۳۸۔ ایضاً / ۴۶۔ ۴۹
۳۹۔ ایضاً / ۵۰
۴۰۔ ایضاً
۴۱۔ بخاری کتاب التفسیر، سورۃ یوسف، باب قولہ فلما جاء ہ الرسول، ۳ / ۲۱۷
۴۲۔ پیدائش (Genesis)، ۴۱ / ۱۴
۴۳۔ ایضاً
۴۴۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۴۰۷
۴۵۔ یوسف / ۵۰۔ ۵۱
۴۶۔ ایضاً / ۵۴۔ ۵۷
۴۷۔ ایضاً / ۲۰
۴۸۔ ایضاً / ۸۴
۴۹۔ ملاحظہ کیجئے، سورۃ یوسف آیات ۵۸۔ ۹۰
۵۰۔ ایضاً / ۸۵۔ ۹۰
۵۱۔ ایضاً / ۹۹۔ ۱۰۰
۵۲۔ ایضاً / ۳۶
۵۳۔ یوسف / ۲۶
۵۴۔ یوسف / ۲۷
۵۵۔ ایضاً / ۲۸۔ ۲۹
۵۶۔ ایضاً / ۵۱

۵۷۔ ایضاً / ۵۰ ۔ ۵۱
۵۸۔ ایضاً / ۲۳ ۔ ۲۴
۵۹۔ ایضاً / ۵۲
۶۰۔ ایضاً / ۵۴
۶۱۔ ایضاً / ۳۷
۶۲۔ ایضاً / ۳۳
۶۳۔ ایضاً / ۵۳
۶۴۔ ایضاً / ۹۲
۶۵۔ ابن ہشام ' ۴ / ۵۲' ۵۳
۶۶۔ ابراہیم / ۷
۶۷۔ یوسف / ۱۰۰ ۔ ۱۰۱
۶۸۔ ایضاً / ۱۸
۶۹۔ ایضاً / ۸۳
۷۰۔ ایضاً
۷۱۔ ایضاً / ۶۸
۷۲۔ ایضاً / ۸۷
۷۳۔ ایضاً / ۹۳ ۔ ۹۶

❑❑❑

Marfat.com

Marfat.com

شعیب علیہ السلام

قوم شعیب

شعیب ابراہیمؑ کے بیٹے مدیان / مدین کی نسل سے تھے جو ان کی تیسری بیوی قطورا میں سے تھے۔ اسی لئے یہ خاندان بنی قطورا کہلاتا ہے۔[1] مدین اپنے اہل و عیال کے ساتھ اپنے سوتیلے بھائی اسمٰعیلؑ کے قریب ہی حجاز میں آباد ہوگیا تھا۔ پرانے زمانے میں جو لوگ کسی بڑے خاندان سے وابستہ ہوتے اسی کا حصہ شمار ہونے لگتے۔ اس اصول کے مطابق عرب کی بڑی آبادی کا حصہ بنی اسماعیل کہلایا اور اولاد یعقوب کے ہاتھ پر ایمان لانے والے لوگ بنی اسرائیل کہلائے۔ اس طرح علاقے کی ساری آبادی جو مدیان بن ابراہیمؑ کے زیر اثر آئی بنی مدیان کہلائی۔ ظاہر ہے کہ ابراہیمؑ کی دعوت کے اثرات آہستہ آہستہ کم ہوئے اور شعیبؑ کی بعثت کے وقت یہ لوگ انحراف کی نچلی سطح پر پہنچ گئے ہوں گے۔ یہ قوم ایک بڑی تجارت پیشہ قوم تھی۔ قدیم زمانے میں جو تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے کنارے یمن سے مکہ اور ینبوع ہوتی ہوئی شام تک جاتی تھی اس کے عین چوراہے پر اس کی بستیاں آباد تھیں۔ اس بنا پر عرب کا بچہ بچہ مدین سے واقف تھا اور اس کے مٹ جانے کے بعد بھی عرب میں اس کی شہرت برقرار رہی کیونکہ عربوں کے تجارتی قافلے مصر و شام کی طرف جاتے ہوئے رات دن اس کے آثار قدیمہ سے گذرتے تھے۔[2]

مدین کا علاقہ

مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج

Marfat.com

عقبہ کے کنارے پر واقع تھا مگر جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی ساحل پر بھی اس کا کچھ سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ مولانا سیوہاروی عبدالوہاب نجار کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ حجاز میں شام کے متصل ایسی جگہ تھی جس کا عرض البلد افریقہ کے جنوبی صحرا کے عرض البلد کے مطابق پڑتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ شام کے متصل معان کے حصہ زمین پر آباد تھا۔[۳] یاقوت مدین کے بارے میں مختلف اقوال نقل کرتے ہیں مثلاً یہ کہ بحر قلزم کے کنارے تبوک کے مقابل چھ مراحل پر مدینہ اور حجاز کے درمیان چھ مراحل کے فاصلے پر تبوک کے مقابل اور یہ تبوک سے بڑا شہر تھا۔[۴] قرآن مجید نے مدین کے علاوہ اس علاقے کے لئے ایکہ کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ اور اصحاب مدین کو اصحاب الایکہ کہا ہے۔

وان اصحاب الا یکة لظالمین [۵]

"اور ایکہ والے ظالم تھے۔"

عربی میں ایکہ ان سرسبز و شاداب جھاڑیوں کو کہتے ہیں جو ہرے بھرے درختوں کی کثرت کے وجہ سے جنگلوں اور بنوں میں اگی رہتی ہیں اور جھانڈے کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔[۶]

سید مودودیؒ کے بقول ایکہ تبوک کا قدیم نام تھا۔[۷] ابن منظور کہتے ہیں:

الأیکة : الشجر الکثیر الملتف[۸] و قیل : ھی الغیضة تنبت السند روالا راک و نحوھما من ناعم الشجر رخص بعضھم به منبت الاصل و مجتمعه ـ و قال ابوحنیفة قدتکون الا یکة الجماعة من کل الشجر حتی من النخل [۹]

ایکہ سے مراد درختوں کے جھنڈ ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ جنگل ہیں جہاں سندر، پیلو اور اس طرح کے دوسرے سیدھے اور ہموار درخت اگتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد اگنے کی جگہ ہے۔ ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ایکہ درختوں کے جھنڈ حتیٰ کہ کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ کو بھی کہتے ہیں۔

چونکہ اس کے لغوی معنی گھنے جنگل کے ہیں اس لئے اس پورے سرسبز و شاداب علاقہ کو ایکہ کہا گیا اور مدین اس علاقے کا مرکزی شہر تھا۔ بعض مفسرین کے مطابق شہری اور دیہاتی قبائل کا فرق ہے۔ اہل مدین شہری اور متمدن تھے جبکہ اصحاب ایکہ بدوی دیہاتی قبائل تھے[10] جو جنگل میں رہتے تھے گویا ایک علاقہ کے دو قبیلے۔ اسی لئے قرآن نے تثنیہ کی ضمیر استعمال کی اور وانھما لبا مام مبین[11] کہا ہے۔

ابن کثیر اس سے قوم شعیب اور قوم لوط مراد لیتے ہیں کیونکہ وہ قریب ہی تھے۔[12]

دوسرے مفسرین دونوں کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آب و ہوا کی لطافت' نہروں اور آبشاروں کی کثرت نے اس مقام کو اس قدر شاداب و پرفضا بنا دیا تھا کہ یہاں میووں اور پھلوں اور خوشبودار پھولوں کے اس قدر باغات اور چمن تھے کہ اگر ایک شخص آبادی سے باہر کھڑے ہوکر نظارہ کرتا تھا تو اس کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ نہایت خوبصورت اورشاداب گھنے درختوں کا ایک جھنڈ ہے اس وجہ سے قرآن عزیز نے اس کو ایکہ کہہ کر تعارف کرایا۔[13] حافظ ابن کثیر کہتے ہیں اصحاب الایکۃ ھم قوم شعیب[14] یعنی (اصحاب الایکہ ہی قوم شعیب ہیں)۔ ابن جریر لکھتے ہیں: ھم اھل مدین فیما ذکر[15] (یعنی کہ جیسا کہ مذکور ہے وہ اہل مدین ہی ہیں)۔ مولانا سیوہاروی کہتے ہیں کہ راجح یہی ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قبیلہ ہے جو باپ کی نسبت سے مدین کہلایا اور زمین کی طبعی اور جغرافیائی حیثیت سے اصحاب ایکہ کے لقب سے مشہور ہوا۔[16]

سید مودودی مفسرین کے مختلف اقوال کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں اقوال اپنی جگہ صحیح ہیں۔ اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ بلاشبہ دو الگ قبیلے ہیں مگر ہیں ایک ہی نسل کی دو شاخیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی جو اولاد ان کی بیوی یا کنیز قطورا کے بطن سے تھی وہ عرب اور اسرائیل کی تاریخ میں بنی قطورا کے نام سے معروف ہے۔ ان میں سے ایک قبیلہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا مدیان بن ابراہیم کی نسبت سے مدیانی یا اصحاب مدین کہلایا اور اس کی آبادی شمالی حجاز سے فلسطین کے جنوب تک اور وہاں سے جزیرہ نمائے سینا کے آخری

گوشے تک بحر قلزم اور خلیج عقبہ کے سواحل پر پھیل گئی۔ اس کا صدر مقام شہر مدین تھا جس کی جائے وقوع ابوالفداء مورخ نے خلیج عقبہ کے مغربی کنارے ایلہ (موجودہ عقبہ) سے پانچ دن کی راہ بتائی ہے۔ باقی بنی قطورا جن میں بنی ددان (Dedanites) نسبتاً" زیادہ مشہور ہیں' شمالی عرب میں تیماء' تبوک اور العلاء کے درمیان آباد ہوئے اور ان کا صدر مقام تبوک تھا جسے قدیم زمانے میں ایکہ کہتے تھے (یاقوت نے معجم البلدان میں لفظ ایکہ کے تحت بتایا ہے کہ یہ تبوک کا پرانا نام ہے اور اہل تبوک میں عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ یہی جگہ کسی زمانے میں ایکہ تھی)

اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ کے لئے ایک ہی پیغمبر مبعوث کئے جانے کی غالباً" وجہ یہ تھی کہ دونوں ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے' ایک ہی زبان بولتے تھے اور ان کے علاقے بھی ایک دوسرے سے متصل تھے بلکہ بعید نہیں کہ بعض علاقوں میں یہ ساتھ ساتھ آباد ہوں اور آپس کے شادی بیاہ سے ان کا معاشرہ بھی باہم گھل مل گیا ہو۔ اس کے علاوہ بنی قطورا کی ان دونوں شاخوں کا پیشہ بھی تجارت تھا اور دونوں میں ایک ہی طرح کی تجارتی بے ایمانیاں اور مذہبی و اخلاقی بیماریاں پائی جاتی تھیں۔ بائبل کی ابتدائی کتابوں میں جگہ جگہ یہ ذکر ملتا ہے کہ یہ لوگ بعل فغور کی پرستش کرتے تھے اور بنی اسرائیل جب مصر سے نکل کر ان کے علاقے میں آئے تو ان کے اندر بھی انہوں نے شرک اور زنا کاری کی وبا پھیلادی (گنتی' ۲۵ /۱ - ۵' ۳۱ / ۱۹ - ۱۷) پھر یہ لوگ بین الاقوامی تجارت کی ان دو بڑی شاہراہوں پر آباد تھے جو یمن سے شام اور خلیج فارس سے مصر کی طرف جاتی تھیں۔ ان شاہراہوں پر واقع ہونے کی وجہ سے انہوں نے بڑے پیمانے پر رہزنی کا سلسلہ چلا رکھا تھا۔ دوسری قوموں کے تجارتی قافلوں کو بھاری خراج لئے بغیر گذرنے نہ دیتے تھے اور بین الاقوامی تجارت پر خود قابض رہنے کی خاطر انہوں نے راستوں کا امن خطرے میں ڈال رکھا تھا۔ قران مجید میں ان کی اسی پوزیشن کو یوں بیان کیا گیا ہے۔ وانھما لبامام مبین یعنی یہ دونوں (قوم لوط اور اصحاب الایکہ) کھلی شاہراہوں پر آباد تھے اور ان کی رہزنی کا ذکر سورۃ اعراف میں اس طرح کیا گیا ہے۔ ولا تقعدوا بکل صراط توعدون (اور ہر راستے پر لوگوں کو

Marfat.com

ڈرانے نہ بیٹھو)۔

یہی اسباب تھے جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قبیلوں کے لئے ایک ہی پیغمبر بھیجا اور ان کو ایک ہی طرح کی تعلیم دی۔(۱۷)

علاقہ کے تعین کے لئے قرآن سے جو اشارہ ملتا ہے وہ سورۂ حجر کی آیت کے الفاظ وانهما لبامام مبین(۱۸) (یعنی ان دونوں قوموں کے علاقے کھلے راستے پر واقع ہیں)۔ عرب جغرافیہ میں جو شاہراہ حجاز کے تاجر قافلوں کو شام، فلسطین، یمن بلکہ مصر تک لے جاتی اور بحر قلزم کے مشرقی کنارے ہوکر گذرتی تھی قرآن اسی کو امام مبین (کھلی اور صاف شاہراہ) کہتا ہے کیونکہ صیف (گرمی) اور شتا (سردی) دونوں زمانوں میں قریشی قافلوں کے لئے یہ متعارف اور بڑی تجارتی سڑک تھی جس کا سلسلہ بری مسافت کے ساتھ بحری کے بھی ڈانڈے ملا دیتا تھا...... اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدین کا قبیلہ بحر قلزم کے مشرقی کنارہ اور عرب کے مغربی شمال میں ایسی جگہ آباد تھا جو شام کے متصل حجاز کا آخری حصہ کہا جاسکتا ہے اور حجاز والوں کو شام، فلسطین بلکہ مصر تک جانے میں اس کے کھنڈر راہ میں پڑتے تھے اور جو تبوک کے بالمقابل واقع تھا۔(۱۹)

قوم شعیب کی خرابیاں

قوم شعیب سرسبز و شاداب علاقے میں آباد تھی اور زندگی کی جملہ سہولتوں کے باعث غرور میں مبتلا تھی۔ بت پرستی اور مشرکانہ عقائد و رسوم کا خوشحال زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ تمام مشرکانہ معاشروں میں مجرمانہ رویوں کے لئے نفسیاتی تسکین کا ذریعہ مشرکانہ رسوم و عقائد ہوتے ہیں۔ یہ مشرکانہ کلچر کھاتے پیتے لوگوں کی خرمستیوں کو حفاظت مہیا کرتا ہے۔ اس منحرف رویے کا ایک مظہر ناپ تول میں کمی بیشی کا معمول تھا۔ یہ لوگ قومی سطح پر خرید و فروخت میں پورا لینے اور کم دینے کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ گویا اس قوم کی تین واضح خرابیاں تھیں جن کی اصلاح کے لئے شعیبؑ مبعوث ہوئے۔

Marfat.com

- بت پرستی اور مشرکانہ رسوم و عقائد
- خرید و فروخت میں پورا لینا اور کم دینا
- خوش عیشی، رہزنی اور دولت و ثروت کی وجہ سے غرور
- رہزنی

شعیبؑ کی دعوت

شعیبؑ کی دعوت انہی اہم نکات کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ انبیاء سابقین کی طرح دعوت کا اساسی نقطہ بندگی رب ہے۔ توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال تمام انبیاء کا مشترک مشن رہا ہے۔ توحید کوئی مجرد تصور نہیں جسے بحث و مباحثہ کا ذریعہ بنایا جائے بلکہ وہ عملی زندگی کے توازن اور صالح بود و باش کے لئے اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ شعیبؑ کے ہاں بھی توحید کے دعوت کے ساتھ تقویٰ اور اطاعت رسول کا مطالبہ بھی جڑا ہوا ہے۔ چونکہ توحید الہٰی سے انحراف ہی کے نتیجہ میں فکر و عمل کا فساد پیدا ہوتا ہے اس لئے مشرکانہ معاشرے فساد و بگاڑ کا شکار ہوتے ہیں۔ فکری و عملی بگاڑ مفاسد کا راستہ کھولتا ہے اور یوں پورا معاشرہ فساد کی گرفت میں ہوتا ہے۔ انبیاء نے فساد زدہ معاشروں اور بگاڑ کا شکار جمعیتوں میں اصلاح و فکر و عمل کی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اس کے لئے دلائل و براہین اور معجزات و آیات پیش کیں شعیبؑ کی دعوت کے سلسلے میں قرآن مجید نے انہی پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والی مدین اخاھم شعیبا قال یقوم اعبدوا اللّٰہ مالکم من الہ غیرہ قدجاء تکم بینۃ من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا ذلکم خیرلکم ان کنتم مومنین (۲۰)

اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا: اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی صاف رہنمائی آگئی ہے۔ لہٰذا وزن

اور پیمانے پورے کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اس میں تمہاری بھلائی ہے اگر تم واقعی مومن ہو۔

قرآن یہاں جس فساد کی بات کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے انحراف کا نتیجہ ہے اس کی وضاحت کے لئے ہم وہ عبارت نقل کرتے ہیں جو سید مودودیؒ نے اسی سورہ کی آیت نمبر ۵۶ کی تفسیر میں لکھی ہے۔ اس جامع بیان سے مترکانہ طرز عمل کی حقیقت واضح ہوجائے گی:

"زمین میں فساد بپا نہ کرو" یعنی زمین کے انتظام کو خراب نہ کرو۔ انسان کا خدا کی بندگی سے نکل کر اپنے نفس کی یا دوسروں کی بندگی اختیار کرنا اور خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنے اخلاق، معاشرت اور تمدن کو ایسے قوانین پر قائم کرنا جو خدا کے سوا کسی اور کی رہنمائی سے ماخوذ ہیں۔ یہی وہ بنیادی فساد ہے جس سے زمین کے انتظام میں خرابی کی بے شمار صورتیں رونما ہوتی ہیں اور اسی فساد کو روکنا قرآن کا مقصود ہے۔ پھر اس کے ساتھ قرآن اس حقیقت پر بھی متنبہ کرتا ہے کہ زمین کے انتظام مین اصل چیز فساد نہیں ہے جس پر صلاح عارض ہوتی ہے بلکہ اصل چیز اصلاح ہے جس پر فساد محض انسان کی جہالت اور سرکشی سے عارض ہوجاتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہاں انسان کی زندگی کی ابتداء جہالت و وحشت اور شرک و بغاوت اور اخلاقی بد نظمی سے نہیں ہوئی ہے جس کو دور کرنے کے لئے بعد میں بتدریج اصلاحات کی گئی ہوں۔ بلکہ فی الحقیقت انسانی زندگی کا آغاز صلاح سے ہوا ہے اور بعد میں اس درست نظام کو غلط کار انسان اپنی حماقتوں اور شرارتوں سے خراب کرتے رہے ہیں۔ اس فساد کو مٹانے اور نظام حیات کو ازسرنو درست کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبر بھیجتا رہا ہے اور انہوں نے ہر زمانے میں انسان کو یہی دعوت دی ہے کہ زمین کا انتظام جس صلاح پر قائم کیا گیا تھا اس میں فساد برپا کرنے سے باز آجاؤ۔

اس معاملہ میں قرآن کا نقطہ نظران لوگوں کے نقطہ نظر سے بالکل مختلف ہے جنہوں نے ارتقاء کا ایک غلط تصور لے کر یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ انسان ظلمت سے

Marfat.com

بتدریج روشنی میں آیا ہے اور اس کی زندگی بگاڑ سے شروع ہو کر رفتہ رفتہ بنی اور بنتی جا رہی ہے۔ اس کے برعکس قرآن کہتا ہے کہ خدا نے انسان کو پوری روشنی میں زمین پر بسایا تھا اور ایک صالح نظام سے اس کی زندگی کی ابتداء کی تھی پھر انسان خود شیطانی رہنمائی قبول کر کے بار بار تاریکی میں جاتا رہا اور اس صالح نظام کو بگاڑتا رہا اور خدا بار بار اپنے پیغمبروں کو اس غرض کے لئے بھیجتا رہا کہ اسے تاریکی سے روشنی کی طرف آنے اور فساد سے باز رہنے کی دعوت دیں۔(۲۱)

شعیبؑ اپنی قوم کو یاد دلاتے ہیں کہ اصلاح کو چھوڑ کر فساد کی راہ اپنانا مناسب نہیں بالخصوص جب یہ لوگ ایمان کا دعویٰ بھی کرتے تھے۔ سورۂ اعراف کے علاوہ دوسری سورتوں میں بھی اسی انداز کی آیات موجود ہیں۔ سورۂ ہود میں ہے:

والی مدین اخاھم شعیبا۔ قال یقوم اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ ولا تنقصوا المکیال والمیزان انی ارلکم بخیر وانی اخاف علیکم عذاب یوم محیط و یقوم اوفوا المکیال والمیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین بقیت اللہ خیر لکم ان کنتم مؤمنین وما انا علیکم بحفیظ(۲۲)

اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسا دن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیر لے گا اور اے برادران قوم! ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور بہرحال میں تمہارے اوپر کوئی نگران نہیں ہوں۔

سورۂ شعراء میں ہے:

کذب اصحاب الایکۃ المرسلین اذ قال لھم شعیب الا تتقون انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ واطیعون وما اسئلکم علیہ من اجر ان

Marfat.com

اجری الا علی رب العالمین اوفوا الکیل ولا تکونوا من المخسرین ورزنوا بالقسطاس المستقیم ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین واتقوا اللہ الذی خلقکم والجبلۃ الاولین (۲۳)

اصحاب الایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب شعیبؑ نے ان سے کہا تھا: کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے پیمانے ٹھیک بھرو اور کسی کو گھاٹا نہ دو۔ صحیح ترازو سے تولو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو اور اس ذات کا خوف کرو جس نے تمہیں اور گزشتہ نسلوں کو پیدا کیا ہے۔

سورۂ عنکبوت میں ہے:

والی مدین اخاھم شعیبا فقال یقوم اعبدوا اللہ وارجو الیوم الاخر ولا تعثوا فی الارض مفسدین (۲۴)

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو اللہ کی بندگی کرو اور روز آخر کے امیدوار ہو اور زمین میں مفسد بن کر زیادتیاں نہ کرتے پھرو۔

راستہ روکنے سے منع کرنا

قوم شعیب کے مفسدانہ اعمال میں سے ایک یہ تھا کہ وہ راستوں میں بیٹھ کر لوگوں کو ڈرا دھمکا کر مال وصول کرتے اور لوگوں کو شعیبؑ تک پہنچنے سے روکتے تھے۔ شعیبؑ خصوصیت سے انہیں اس جرم سے روکتے ہیں۔

ولا تقعدوا بکل صراط توعدون وتصدون عن سبیل اللہ من آمن وتبغونھا عوجا (۲۵)

اور ہر راستے پر رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ایمان لانے والوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔

طریق دعوت

شعیبؑ کے طریق دعوت میں پیغمبرانہ اسلوب پوری طرح جلوہ گر ہے۔ شعیبؑ بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے' شیریں کلامی' حسن خطابت' طرز بیان اور طلاقت لسانی میں بہت نمایاں امتیاز رکھتے تھے' اسی لئے مفسرین ان کو خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ پس انہوں نے نرم و گرم ہر طریقہ سے قوم کو رشد و ہدایت کے یہ کلمات ارشاد فرمائے۔[۲۶] شعیبؑ کے طریق دعوت میں پیغمبرانہ اسلوب کے تمام اجزاء موجود ہیں۔

بے لوثی

پیغمبرانہ طریق دعوت میں اولین چیز داعی کی بے لوثی ہے جسے وہ پوری قوت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ شعیبؑ بھی اسی کا اظہار کرتے ہیں اور اپنی قوم پر اپنی بے غرضی اور خیر خواہی واضح کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

ما اسئلکم من اجر ان اجری الا علی اللہ رب العالمین[۲۷]

میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

بقیت اللہ خیر ان کنتم مومنین وما انا علیکم بحفیظ[۲۸]

اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور بہرحال میں تمہارے اوپر کوئی نگران کار نہیں ہوں۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب[۲۹]

میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک بھی میرا بس چلے اور یہ جو کچھ میں

Marfat.com

کرنا چاہتا ہوں اس کا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے اس پر میرا بھروسہ ہے اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

انذار

شعیبؑ پورے زور سے استدلال کرتے ہیں جن سے ان کے رویوں کی تغلیط ہوتی ہے وہ نہ صرف اللہ کے انعام و اکرام یاد دلاتے ہیں بلکہ اس کے عذاب سے بھی ڈراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

واذکروا اذ کنتم قلیلا فکثر کم وانظروا کیف کان عاقبة المفسدین (۳۰)

یاد کرو وہ زمانہ جب کہ تم تھوڑے تھے پھر اللہ نے تمہیں بہت کردیا اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ دنیا میں مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے۔

پھر ان کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے جو کہتے ہیں وہ بے نفسی کے اظہار اور انجام بد سے خبردار کرنے کا مجموعہ ہے۔

قال یقوم ارائیتم ان کنت علی بینة من ربی ورزقنی منه رزقا حسنا وما ارید ان اخالفکم الی ما انها کم عنه ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیه توکلت والیه انیب ویقوم لا یجرمنکم شقاقی ان یصیبکم مثل ما اصاب قوم نوح او قوم هود او قوم صالح وما قوم لوط منکم ببعید واستغفروا ربکم ثم توبوا الیه ان ربی رحیم ودود (۳۱)

شعیبؑ نے کہا: بھائیو! تم خود ہی سوچو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پر تھا اور پھر اس نے اپنے ہاں سے مجھ کو اچھا رزق بھی عطا کیا (تو اس کے بعد میں تمہاری گمراہیوں اور حرام خوریوں میں تمہارے شریک حال کیسے ہو سکتا ہوں؟) اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں ان کا خود ارتکاب کروں۔ میں تو اصلاح چاہتا

Marfat.com

ہوں جہاں تک بھی میرا بس چلے اور یہ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کا سارا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے اس پر میرا بھروسہ ہے اور ہر معاملہ میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اے برادران قوم! میرے خلاف تمہاری ہٹ دھرمی کہیں یہ نوبت نہ پہنچادے کہ آخر کار تم پر وہی عذاب آکر رہے جو نوح یا ہود یا صالح کی قوم پر آیا تھا اور لوط کی قوم تو تم سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ دیکھو! اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ بے شک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔

ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین۔ واتقوا اللہ الذی خلقکم والجبلۃ الاولین۔ (۳۲)

اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو اور اس کی ذات کا خوف کرو جس نے تمہیں اور گزشتہ نسلوں کو پیدا کیا ہے۔

قوم کا ردعمل

شعیبؑ نے قوم کو نہ صرف توحید الٰہی کی طرف دعوت دی بلکہ ان کی اس خرابی پر بھی تنبیہہ کی جو معاملات کے حوالے سے ان میں پائی جاتی تھی۔ قوم کا ردعمل شدید تھا اس نے نہ صرف یہ کہ دعوت کو رد کردیا بلکہ دھمکی آمیز بیانات بھی دیئے۔ اس میں غصہ' استہزاء اور تہدید شامل ہے۔ قرآن پاک کے مختلف مقامات پر ان کے یہ بیانات مذکور ہیں۔ ذیل میں ہم ترتیب کے ساتھ انہیں نقل کرتے ہیں:

قال الملاء الذین استکبروا من قومہ لنخرجنک یشعیب والذین امنوا معک من قریتنا او لتعودن فی ملتنا قال اولو کنا کارھین (۳۳)

اس کی قوم کے سرداروں نے جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے اس سے کہا: اے شعیب! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے اپنی

Marfat.com

بستی سے نکال دیں گے ورنہ تم لوگوں کو ہماری ملت میں واپس آنا ہوگا۔
شعیب نے جواب دیا کیا زبردستی ہمیں پھیرا جائے گا۔ خواہ ہم راضی نہ ہوں۔

وقال الملا الذین کفروا من قومه لئن اتبعتم شعیبا انکم اذا لخسرون (۳۴)

اس کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی بات ماننے سے انکار کر چکے تھے آپس میں کہا: اگر تم نے شعیب کی پیروی قبول کرلی تو برباد ہو جاؤ گے۔
سید مودودی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس چھوٹے سے فقرے پر سے سرسری طور پر نہ گزر جائیے۔ یہ ٹھہر کر بہت سوچنے کا مقام ہے۔ مدین کے سردار اور لیڈر دراصل یہ کہہ رہے تھے اور اس بات کا اپنی قوم کو یقین بھی دلا رہے تھے کہ شعیبؑ جس ایمانداری اور راست بازی کی دعوت دے رہا ہے اور اخلاق و دیانت کے جن مستقل اصولوں کی پابندی کرانا چاہتا ہے اگر ان کو مان لیا جائے تو ہم تباہ ہوجائیں گے۔ ہماری تجارت کیسے چل سکتی ہے اگر ہم بالکل سچائی کے پابند ہوجائیں اور کھرے کھرے سودے کرنے لگیں اور ہم جو دنیا کی سب سے بڑی تجارتی شاہراہ کے چوراہے پر بستے ہیں' اور مصر و عراق کی عظیم الشان متمدن سلطنتوں کی سرحد پر آباد ہیں' اگر ہم قافلوں کو چھیڑنا بند کردیں اور بے ضرر اور پر امن لوگ ہی بن کر رہ جائیں تو جو معاشی اور سیاسی فوائد ہمیں اپنی موجودہ جغرافیائی پوزیشن سے حاصل ہو رہے ہیں وہ سب ختم ہوجائیں گے اور آس پاس کی قوموں پر جو ہماری دھونس قائم ہے وہ باقی نہ رہے گی۔ یہ بات صرف قوم شعیب کے سرداروں تک ہی محدود نہیں ہے۔ ہر زمانے میں بگڑے ہوئے لوگوں نے حق اور راستی اور دیانت داری کی روش میں ایسے ہی خطرات محسوس کئے ہیں۔ ہر دور کے مفسدین بد اخلاقی کے بغیر نہیں چل سکتے ہر جگہ دعوت حق کے مقابلے میں جو زبردست عذرات پیش کئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی رہا ہے کہ اگر دنیا کی چلتی ہوئی راہوں سے ہٹ کر اس دعوت کی پیروی کی جائے تو قوم تباہ ہوجائے گی۔ (۳۵)

Marfat.com

سورۂ ھود میں ہے۔

قالوا یشعیب اصلوتک تامرک ان نترک ما یعبد آباؤنا او ان نفعل فی اموالنا ما نشو انک لانت الحلیم الرشید (۳۶)

انہوں نے جواب دیا: اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشاء کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی تو ایک عالی ظرف اور راستباز آدمی رہ گیا ہے۔

دعوت اسلامی کے مخالفین کا ایک اور اہم اعتراض ہے اس کی وضاحت ہم سید مودودیؒ سے ہی نقل کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

"یہ اسلام کے مقابلہ میں جاہلیت کے نظریہ کی پوری ترجمانی ہے۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کے سوا جو طریقہ بھی ہے غلط ہے اور اس کی پیروی نہ کرنی چاہیے کیونکہ دوسرے کسی طریقے کے لئے عقل، علم اور کتب آسمانی میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور یہ کہ اللہ کی بندگی صرف ایک محدود مذہبی دائرے میں ہی نہیں ہونی چاہیے بلکہ تمدن، معاشرت، معیشت، سیاست غرض زندگی کے تمام شعبوں میں ہونی چاہیے۔ اس لئے دنیا میں انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کا ہے اور انسان کسی چیز پر اللہ کی مرضی سے آزاد ہو کر خود مختارانہ تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کے مقابلے میں جاہلیت کا نظریہ یہ ہے کہ باپ دادا سے جو طریقہ بھی چلا آرہا ہو انسان کو اسی کی پیروی کرنی چاہیے اور اس کی پیروی کے لئے اس دلیل کے سوا کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں کہ وہ باپ دادا کا طریقہ ہے۔ نیز یہ دین و مذہب کا تعلق صرف پوجا پاٹ سے ہے، رہے ہماری زندگی کے عام دنیوی معاملات تو ان میں ہم کو پوری آزادی ہونی چاہیے کہ جس طرح چاہیں کام کریں۔ اس سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ زندگی کو مذہبی اور دنیوی دائروں میں الگ الگ تقسیم کرنے کا تخیل آج کوئی نیا تخیل نہیں ہے بلکہ آج سے ساڑھے تین ہزار برس پہلے حضرت شعیبؑ کی قوم کو بھی اس تقسیم پر ایسا ہی اصرار تھا جیسا آج اہل مغرب اور ان کے مشرقی شاگردوں کو ہے۔ یہ نی

Marfat.com

الحقیقت کوئی نئی روشنی نہیں ہے جو انسان کو آج ذہنی ارتقاء کی بدولت نصیب ہو گئی ہو بلکہ یہ وہی پرانی تاریک خیالی ہے جو ہزارہا برس پہلے کی جاہلیت میں بھی اسی شان سے پائی جاتی تھی اور اس کے خلاف اسلام کی کشمکش بھی آج کی نہیں ہے بہت قدیم ہے۔ (۳۷)

سورۂ ھود ہی میں اس قوم کا دھمکی آمیز جواب ان الفاظ میں مذکور ہے:

قالوا یشعیب ما نفقه کثیرا مما تقول وانا لنرلک فینا ضعیفا ولولا رھطک لرجمناک وما انت علینا بعزیز (۳۸)

انہوں نے جواب دیا: اے شعیب! تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہمارے درمیان ایک بے زور آدمی ہے۔ تیری برادری نہ ہوتی تو ہم کبھی کا تجھے سنگسار کر چکے ہوتے تیرا بل بوتا اتنا تو نہیں ہے۔

شعیبؑ کی قوم ایک طرف تو اپنی ہٹ دھرمی کے باعث شعیبؑ کی دعوت پر کان ہی نہیں دھرنا چاہتی دوسری طرف سنگسار کرنے کی دھمکی بھی دیتی ہے۔ اور ایسا عملاً کر گذرتی اگر شعیبؑ کے قبیلہ کے ردعمل کا اندیشہ نہ ہوتا۔ بگڑی ہوئی قوموں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تصرف کا ادراک نہیں ہوتا اس لئے مادی طاقت اور دنیوی وسائل کے حوالے کا ہی شعور ہوتا ہے اور اسی کی بات کرتی ہیں اور بالآخر الٰہی قدرت کا نشانہ بنتی ہیں جس کا وہ مسلسل انکار کرتی ہیں۔

سورۂ شعراء میں ایک اور پیرایہ اظہار ہے:

قالوا انما انت من المسحرین وما انت الا بشر مثلنا وان نظنک لمن الکاذبین فاسقط علینا کسفا من السماء ان کنت من الصادقین (۳۹)

انہوں نے کہا: تو محض ایک سحر زدہ آدمی ہے اور تو کچھ نہیں ہے مگر ایک انسان ہم ہی جیسا اور ہم تو تجھے بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے۔

Marfat.com

شعیبؑ کا جواب

دعوت کا عمل ایک مسلسل مکالمہ (Continuous dialogue) ہے اور ہمہ پہلو اور ہمہ وقتی سرگرمی ہے۔ اعتراضات و جوابات اور عمل و ردعمل کا ایک سلسلہ جو سدا جاری رہتا ہے۔ انبیاء کے طریق دعوت میں نمایاں بات یہ ہے کہ وہ کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتے۔ کسی نہ کسی بہانے لوگوں کو اپنے خالق کی موجودگی کا احساس دلاتے اور گناہوں کے انجام بد سے ڈراتے رہتے۔ قوم شعیب نے دعوت کے جواب میں تین باتیں کہی تھیں۔

۱۔ بستی سے نکال دیں گے یا تمہیں اپنے مذہب پر لے آئیں گے۔

۲۔ تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو تمہیں سنگسار کر دیتے۔

۳۔ تم ایک سحرزدہ شخص ہو اگر سچے ہو تو عذاب لے آؤ۔

شعیبؑ نے ہدایت ربانی کے مطابق ان تینوں باتوں کے جواب دیئے اور وہ مسکت جواب تھے چونکہ ان سے اب یہ توقع باقی نہ تھی کہ وہ دعوت حق کو قبول کریں گے لہٰذا اللہ کے فیصلے کی دعا بھی اس جواب میں شامل ہے۔

پہلی بات کا جواب

قد افترینا علی اللہ کذبا ان عدنا فی ملتکم بعد اذنجنا اللہ منھا وما یکون لنا ان نعود فیھا الا ان یشاء اللہ ربنا وسع ربنا کل شئی علما علی اللہ توکلنا ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین (۴۰)

شعیبؑ نے جواب دیا: کیا زبردستی ہمیں پھیرا جائے گا خواہ ہم راضی نہ ہوں؟ ہم اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہوں گے اگر تمہاری ملت میں پلٹ آئیں جبکہ اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے ہمارے لئے تو اب اس کی طرف پلٹنا اب کسی طرح ممکن نہیں الا یہ کہ خدا ہمارا رب ہی ایسا چاہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز پر حاوی ہے اسی پر ہم نے اعتماد کر لیا۔

Marfat.com

اے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک فیصلہ کردے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

اس آیت کے ساتھ پہلی بات کے ساتھ تیسری بات کا بھی جواب آگیا ہے وہ عذاب چاہتے ہیں تو اس کا فیصلہ بھی اللہ کردے گا۔

دوسری بات کا جواب

قال یقوم ارھطی اعز علیکم من اللہ واتخذتموہ وراء کم ظھریا ان ربی بما تعملون محیط و یقوم اعملوا علیٰ مکانتکم انی عامل سوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ ومن ھو کاذب وارتقبوا انی معکم رقیب [۴۱]

شعیبؑ نے کہا: بھائیو! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے کہ تم نے برادری کا تو خوف کیا اور اللہ کو بالکل پس پشت ڈال دیا؟ جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے اے میری قوم کے لوگو تم اپنے طریقے پر کام کئے جاؤ اور میں اپنے طریقے پر کام کرتا رہوں گا۔ جلد ہی تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ کس پر ذلت کا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ چشم براہ ہوں۔

شعیبؑ انہیں بتاتے ہیں کہ تمہارے نزدیک قبیلہ کا مرتبہ اللہ سے زیادہ ہے جو تمہاری ناسمجھی ہے اور وقت آنے پر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کون بڑا ہے۔ رب یا قبیلہ یا تم جس عذاب کی بات کرتے ہیں اس کا انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں وقت بتا دے گا۔

تیسری بات کا جواب

قال یقوم ارایتم ان کنت علی بینة من ربی و رزقنی منه رزقا حسنا وما ارید ان اخالفکم الی ما انھکم عنه ان ارید الا

Marfat.com

الا صلاح وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب (۴۲)

شعیبؑ نے کہا: بھائیو! تم خود ہی سوچو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پر تھا اور پھر اس نے اپنے ہاں سے مجھ کو اچھا رزق بھی عطا کیا (تو اس کے بعد میں تمہاری گمراہیوں اور حرام خوریوں میں تمہارا شریک حال کیسے ہو سکتا ہوں) اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں ان کا خود ارتکاب کروں۔ میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک بھی میرا بس چلے اور یہ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے۔ اس پر میرا بھروسہ ہے اور ہر معاملے میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

یہ آیت اس طعنے کا جواب ہے جو ان لوگوں نے شعیبؑ کو دیا تھا کہ بس تم ہی ایک عالی ظرف اور راست باز آدمی رہ گئے ہو۔ اس ترش حملے کا یہ ٹھنڈا جواب دیا گیا کہ بھائیو! اگر میرے رب نے مجھے حق شناس اور بصیرت بھی دی ہو اور رزق حلال بھی عطا کیا ہو تو آخر تمہارے طعنوں سے یہ فضل غیر فضل کیسے ہو جائے گا۔ آخر میرے لئے یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ جب خدا نے مجھ پر فضل کیا ہے تو میں تمہاری گمراہیوں اور حرام خوریوں کو حق اور حلال کہہ کر ناشکری کروں۔ (۴۳)

قوم شعیب کا انجام

نبی جب قوم سے مایوس ہوتا ہے تو وہ ان کے دلائل کا جواب دینے کے بعد اللہ تعالیٰ سے فیصلے کی دعا کرتا ہے اور خدا کا فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے۔ شعیبؑ نے بھی اتمام حجت کر دی ان کے اعتراضات اور ان کے طعنوں کا ٹھنڈے دل جواب دیا اور رب تعالیٰ کے بھروسے پر اس کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔ سنت اللہ کے مطابق قوم شعیب اللہ کے عذاب کی گرفت میں آئی اور اس کا نام و نشان مٹ گیا۔ شعیبؑ اور ان پر ایمان لانے والے لوگ بچ گئے کہ ان کا بچنا مشیت ایزدی کے عین مطابق تھا۔ قرآن نے اس قوم کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

فاخذتھم الرجفة فاصبحوا فی دارھم جثمین الذین کذبوا شعیبا کان لم یغنوا فیھا الذین کذبوا شعیبا کانوا ھم الخسرین (۴۴)

مگر یہ ہوا کہ ایک دہلا دینے والی آفت نے ان کو آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ ایسے مٹے کہ گویا کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے۔ شعیبؑ کے جھٹلانے والے ہی آخر کار برباد ہو کر رہے۔

سورۂ ہود میں ہے:

ولنا جاء امرنا نجینا شعیبا والذین آمنوا معه برحمة منا واخذت الذین ظلموا الصیحة فاصبحوا فی دیارھم جثمین کان لم یغنوا فیھا الا بعدا المدین کما بعدت ثمود (۴۵)

آخر کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیبؑ اور اس کے ساتھی مومنوں کو بچالیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے گویا وہ کبھی وہاں رہے بسے ہی نہ تھے۔ سنو! مدین والے بھی دور پھینک دیئے گئے جس طرح ثمود پھینک دیئے گئے تھے۔

فکذبوه فاخذھم عذاب یوم الظلة انه کان عذاب یوم عظیم ان فی ذلک لایة وما کان اکثرھم مومنین (۴۶)

انہوں نے اسے جھٹلایا' آخر کار چھتری والے دن کا عذاب ان پر آگیا اور وہ بڑے ہی خوفناک دن کا عذاب تھا۔ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔

فکذبوه فاخذتھم الرجفة فاصبحوا فی دارھم جاثمین (۴۷)

مگر انہوں نے اسے جھٹلا دیا آخر کار ایک سخت زلزلے نے انہیں آلیا اور وہ اپنے گھر میں پڑے کے پڑے رہ گئے۔

Marfat.com

عذاب کی نوعیت

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم شعیب کو دو قسم کے عذاب نے آگھیرا تھا۔ اصحاب مدین کے بارے میں قرآن واضح کرتا ہے کہ ان پر عذاب ایک دھماکے اور زلزلے کی شکل میں آیا۔ ان کے بارے میں "الرجفه" اور "الصیحة" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جن کے معنی زلزلہ اور دھماکہ کے ہیں۔ لیکن اصحاب الایکہ کے سلسلے میں "عذاب یوم الظلة" کا جملہ استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کے کچھ تشریحات بیان کی ہیں۔ لیکن آنحضور ﷺ سے کوئی صحیح تفسیر منقول نہیں۔ ابن جریر نے اس سلسلے میں کئی اقوال نقل کئے ہیں جن میں عبداللہ بن عباس کا مندرجہ ذیل قول نقل کیا ہے جو بہت واضح ہے:

من حدثک من العلماء ما عذاب یوم الظلة فکذبه (۴۸)

علماء میں سے جو کوئی تم سے بیان کرے کہ یوم الظلہ کا عذاب کیا تھا اس کو درست مت سمجھو۔

سید مودودیؒ کے بقول اس عذاب کی کوئی تفصیل قرآن مجید میں یا کسی صحیح حدیث میں مذکور نہیں ہے۔ ظاہر الفاظ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے چونکہ آسمانی عذاب مانگا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک بادل بھیج دیا اور وہ چھتری کی طرح ان پر اس وقت تک چھایا رہا جب تک باران عذاب نے ان کو بالکل تباہ نہ کردیا۔ (۴۹)

جہاں تک مدین کی تباہی کا تعلق ہے تو یہ مدتہائے دراز تک آس پاس کی قوموں میں ضرب المثل رہی ہے۔ زبور داؤد میں ایک جگہ آتا ہے کہ اے خدا فلاں فلاں قوموں نے تیرے خلاف عہد باندھ لیا ہے لہٰذا تو ان کے ساتھ وہی کر جو تو نے مدیان کے ساتھ کیا۔ (۸۳ / ۵ - ۹) اور یسعیاہ نبی ایک جگہ بنی اسرائیل کو تسلی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آشور والوں سے نہ ڈرو اگرچہ وہ تمہارے لئے مصریوں کی طرح ظالم بنے جارہے ہیں لیکن کچھ دیر نہ گزرے گی کہ رب الافواج ان پر اپنا کوڑا برسائے گا اور ان

Marfat.com

کا وہی حشر ہو گا جو مدیان کا ہوا۔ (یسعیاہ، ۱۰ / ۲۱ - ۲۶) (۵۰)

شعیبؑ کی تکذیب نے ان قوموں کو عذاب الٰہی سے دوچار کردیا۔ قرآن نے شعیبؑ کا تبصرہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

فتولی عنھم و قال یقوم لقد ابلغتکم رسلت ربی و نصحت لکم فکیف آسی علی قوم کافرین (۵۱)

اور شعیب یہ کہہ کر ان کی بستیوں سے نکل گیا کہ اے برادران قوم! میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچادیئے اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کردیا۔ اب میں اس قوم پر کیوں افسوس کروں جو قبول سے انکار کرتی ہے۔

شعیبؑ کی دعوت کا تعلق خصوصی طور پر معاملات کی پاکیزگی سے ہے۔ محدود مذہبی تصور میں عبادات پر زور ہوتا ہے۔ جبکہ معاملات کو نظرانداز کردیا جاتا ہے۔ شعیبؑ کی دعوت نے واضح کیا کہ معاملات کا بگاڑ تباہی پر منتج ہوتا ہے۔ اور یہ بگاڑ دراصل اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق اور اس کے احکام کی درست معرفت کے فقدان سے پیدا ہوتا ہے۔ یوں تو تمام انبیاءؑ کی دعوت ہر زمانے میں حوالہ کے طور پر قائم رہے گی لیکن شعیبؑ کی دعوت تو خصوصی طور پر ہر دور کے مترفین کے رویوں کو چیلنج کرتی رہے گی۔ اللہ کا قانون مکافات عمل اپنا کام کرتا ہے اور زمین پر فساد کرنے والے اپنے انجام بد کو پہنچ کر رہتے ہیں انہیں اللہ کے قانون جزا و سزا سے کوئی تعلق نہیں بچا سکتی۔

حوالہ جات

۱۔ پیدائش (Genesis)، ۱/ ۲۵، بائبل کے مطابق مدیان کے اور بھائی بھی تھے اور یہ سب بنی قطورا کہلائے اور ابراہیمؑ نے اپنی زندگی میں مشرقی ممالک میں بھیج دیا تھا۔

۲۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۵۴

Marfat.com

۳۔ قصص القرآن، ۱/ ۳۴۴

۴۔ یاقوت کہتے ہیں کہ ایکہ تبوک ہے اور اہل تبوک کہتے ہیں کہ شعیبؑ اہل تبوک کی طرف بھیجے گئے تھے لیکن میں نے کسی تفسیر میں یہ قول نہیں دیکھا اور اس سے مراد اہل مدین ہیں اور مدین و تبوک پاس پاس ہیں۔ معجم البلدان، ۳/ ۲۹۱

۵۔ الحجر/ ۷۸

۶۔ قصص القرآن، ۱/ ۳۴۴.

۷۔ تفہیم القرآن، ۲/ ۵۱۴

۸۔ لسان العرب، ۱۰/ ۳۹۴، ابن جریر نے بھی یہی الفاظ لکھے ہیں، تفسیر ابن جریر، ۱۹/ ۱۰۷

۹۔ ایضاً" ۔ یاقوت کہتے ہیں ایکہ تبوک ہے اور اہل تبوک کہتے ہیں کہ شعیب اہل تبوک کی طرف بھیجے گئے تھے لیکن میں نے کسی تفسیر میں یہ قول نہیں دیکھا۔ "اس سے مراد اہل مدین ہیں اور مدین و تبوک پاس پاس ہیں۔" معجم البلدان، ۳/ ۲۹۱

۱۰۔ تفسیر ابن جریر ۱۹/ ۱۰۷

۱۱۔ الحجر/ ۷۹

۱۲۔ ابن کثیر، ۲/ ۵۳۶

۱۳۔ قصص القرآن، ۱/ ۳۴۵

۱۴۔ ابن کثیر، ۲/ ۵۳۶

۱۵ الف۔ تفسیر ابن جریر، ۱۹/ ۱۰۷

۱۶۔ قصص القرآن، ۱/ ۳۴۵

۱۷۔ تفہیم القرآن، ۳/ ۵۳۲

۱۸۔ الحجر/ ۷۹

۱۹۔ قصص القرآن، ۱/ ۳۴۴

۲۰۔ الاعراف/ ۸۵

Marfat.com

۲۱۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۳۸

۲۲۔ ھود / ۸۴ ۔ ۸۶

۲۳۔ الشعراء / ۱۷۶ ۔ ۱۸۴

۲۴۔ العنکبوت / ۳۶

۲۵۔ الاعراف / ۸۶

۲۶۔ قصص القرآن، ۱ / ۳۴۸

۲۷۔ الشعراء / ۱۸۵

۲۸۔ ھود / ۸۶

۲۹۔ ھود / ۸۸

۳۰۔ الاعراف / ۸۶

۳۱۔ ھود / ۸۸ ۔ ۹۰

۳۲۔ الشعراء / ۱۸۳ ۔ ۱۸۴

۳۳۔ الاعراف / ۸۸

۳۴۔ الاعراف / ۹۰

۳۵۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۵۷ ۔ ۵۸

۳۶۔ ھود / ۸۷

۳۷۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۳۶۱

۳۸۔ ھود / ۹۱

۳۹۔ الشعراء / ۱۸۰ ۔ ۱۸۷

۴۰۔ الاعراف / ۸۹

۴۱۔ ھود / ۹۲ ۔ ۹۳

۴۲۔ ایضاً / ۸۸

۴۳۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۳۶۲

۴۴۔ الاعراف / ۹۱ ۔ ۹۲

Marfat.com

۴۵۔ ھود / ۹۴ ۔ ۹۵
۴۶۔ الشعراء / ۱۸۹ ۔ ۱۹۰
۴۷۔ العنکبوت / ۳۷
۴۸۔ تفسیر ابن جریر، ۱۹ / ۱۱۰
۴۹۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۵۳۴
۵۰۔ ایضاً، ۲ / ۵۸
۵۱۔ الاعراف / ۹۳

Marfat.com

ایوب علیہ السلام

قرآن مجید نے ایوبؑ کا ذکر ایک خاص اخلاقی وصف کے حوالے سے کیا ہے۔ یہ وصف صبر ہے۔ ان کی ذاتی زندگی میں اس صفت کا اظہار اتنا کامل ہے کہ اسلامی زندگی میں ان کا نام ایک حوالہ بن گیا ہے۔ انسان کو زندگی میں جن مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کے کئی اسباب ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک سبب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان بھی ہوتا ہے۔ یہ امتحان صرف اللہ کے نیک بندوں کا ہوتا ہے جو ان کی خطاؤں کی معافی اور درجات کی بلندی کا باعث ہوتا ہے۔ دعوت کے کارکن کے لئے ایوبؑ کی شخصیت کا مطالعہ بے حد اہم ہے کیونکہ اسے کار دعوت میں مشکلات بھی پیش آئیں گی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کا بھی امکان ہے۔ ایک داعی کے لئے ناگزیر ہے کہ اسے یہ علم ہو کہ اس طرح کے حالات میں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے تاکہ وہ عمل کے ضیاع اور عاقبت کی خرابی سے محفوظ رہے۔ قرآن پاک میں ایوبؑ کا ذکر چار سورتوں میں آیا ہے۔ سورۂ نساء اور سورۂ انعام میں ان کا ذکر صرف انبیاء کی فہرست میں آیا ہے جبکہ سورۂ انبیاء اور سورۂ ص میں مختصر تذکرہ ہے۔ انبیاءؑ کی فہرست دیتے ہوئے قرآن نے کہا:

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبین من بعده واوحینا الی ابراہیم و اسمعیل و اسحاق و یعقوب والاسباط و عیسیٰ و ایوب و یونس و ھارون و سلیمان واتینا داود زبورا [1]

اے نبیؐ! ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی جس طرح نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی ہم نے ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی اور ہم نے داوٗد کو زبور دی۔

سورۂ انعام میں ابراہیمؑ کا ذکر کرتے ہوئے اس ہدایت کی بات کی جو ان کی اولاد کو

دی اور ان انبیاء کو عطا فرمائی جو نوح کے بعد تشریف لائے۔ ان میں ایوبؑ کا بھی تذکرہ ہے ہم صرف وہی حصہ نقل کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و نوحا ھدینا من قبل و من ذریتہ داود و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و ھارون و کذلک نجزی المحسنین[۲]

(وہی راہ راست جو) اس سے پہلے نوحؑ کو دکھائی تھی۔ اور اسی کی نسل سے ہم نے داؤدؑ اور سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو ہدایت بخشی اور اس طرح ہم نیکو کاروں کو ان کی نیکی کا بدلہ دیتے ہیں۔

ایوبؑ کی شخصیت

قرآن مجید میں ایوبؑ کا تذکرہ صرف آزمائش، صبر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حوالے سے ہے۔ ان کی دعوتی سرگرمیاں، ان کے خطابات یا مخالفین کے ساتھ مکالمے اور مباحثے[۳] کا کوئی ذکر نہیں۔ قرآن بلاشبہ انہیں نبی قرار دیتا ہے کیونکہ انبیاء کی فہرست میں شامل کرنے کے ساتھ ان کے لئے وحی اور ہدایت کی اصطلاحیں استعمال کرتا ہے جو انبیاء کے ساتھ مختص ہیں لیکن ان کے بارے میں کوئی تفصیلات مہیا نہیں کرتا۔ ان کے حالات کے بارے میں جو کچھ کتب تفسیر میں ہے، وہ اسرائیلی روایات پر مبنی ہے۔ بائبل میں Book of Job کے نام سے ایک صحیفہ ہے جو سفر ایوب یا صحیفہ ایوب کے نام سے ترجمہ کیا جاتا ہے۔ یہ صحیفہ بہت سی معلومات کا ذریعہ ہے۔ قدیم مفسرین سے لے کر سید مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ تک اس کے حوالے دیتے ہیں۔ اگرچہ سید مودودیؒ اس صحیفہ کے بارے میں کسی اچھی رائے کا اظہار نہیں کرتے۔[۴] ان کی شخصیت، قومیت اور ان کے زمانے کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار کیا گیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں:

اولاً" محققین توراۃ میں سے اکثر اسی طرف گئے ہیں کہ حضرت ایوب عرب تھے۔ عرب میں ظاہر ہوئے تھے اور سفر ایوب اصلاً" قدیم عربی میں لکھی گئی

Marfat.com

تھی۔ حضرت موسیٰ نے اسے قدیم عربی سے عبرانی میں منتقل کیا۔ سفر ایوب میں ہے کہ وہ عوض کے ملک میں رہتے تھے۔[۵] اور آگے چل کر تصریح کی ہے کہ ان کے مویشی پر شیبا (سبا) کے لوگوں نے حملہ کیا تھا۔[۶] ان دونوں تصریحوں سے بھی اس کی تصدیق ہوجاتی ہے کیونکہ کتاب پیدائش اور تواریخ اول میں عوض کو آرام بن سام بن نوح کا بیٹا کہا گیا ہے اور آرامی بالاتفاق عرب عادیہ کی ابتدائی جماعتوں میں سے ہیں۔[۷]

سید سلیمان ندوی انہیں ادومی مانتے ہیں' وہ لکھتے ہیں :

یہ مسئلہ کہ حضرت ایوب ایک ادومی عرب تھے خود سفر ایوب سے ثابت ہے۔ عوض کی سرزمین میں ایک مرد صالح' راست گو' خدا سے ڈرنے والا اور بدی سے دور تھا(۱ / ۱)۔ عوض تورات میں دو آدمیوں کا نام ہے ایک تو نہایت قدیم' عوض بن ارم بن سام بن نوح (تکوین' ۳۶ / ۳۹) باتفاق اہل کتاب اس سے عوض ثانی مراد ہے۔ عوض کے نبی ادوم ہونے پر ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سفر ایوب میں رفقائے ایوب کے جو مسکن بتائے ہیں وہ تیمن' لعتمان اور شوحان ہیں (۲ / ۱۱)۔ اول کے متعلق تو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ مملکت ادوم کا ایک مشہور شہر تھا (تکوین' ۳۶ / ۳۴) ۔۔۔ زمانہ کے متعلق بھی فیصلہ اس لئے آسان ہے کہ کلدان (سفر ایوب' ۱ / ۱۷) اور سبا (سفر ایوب' ۱ / ۱۵) کا اس پر ذکر معاصرت ہے۔ سبا کا عروج ۱۰۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک ہے اس لئے ان دونوں زمانوں کے حدود میں کہیں حضرت ایوب کا عہد قرار دینا چاہیے۔[۸]

مولانا حفظ الرحمٰن ایوبؑ کے ادومی ہونے کے سلسلے میں تو سید سلیمان ندویؒ کی تائید کرتے ہیں لیکن زمانے کے تعین کے بارے میں ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کی تحقیق یہ ہے کہ ایوبؑ کا زمانہ اسحاقؑ اور موسیٰؑ کے زمانہ کے درمیان ہے اور یہ تقریباً" ۱۵۰۰ ق م اور ۱۳۰۰ ق م کے حدود میں تلاش کرنا چاہیے۔[۹] انہوں نے اپنی تحقیق کے حق میں دلائل بھی دیئے ہیں۔[۱۰]

Marfat.com

سید مودودیؒ ایوبؑ کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

حضرت ایوب کی شخصیت زمانہ، قومیت، ہر چیز کے بارے میں اختلاف ہے۔ جدید زمانے کے محققین میں سے کوئی ان کو اسرائیلی قرار دیتا ہے کوئی مصری اور کوئی عرب، کسی کے نزدیک ان کا زمانہ موسیٰ سے پہلے کا ہے کوئی انہیں داؤد اور سلیمان کے زمانے کا آخری آدمی قرار دیتا ہے اور کوئی ان سے بھی متاخر لیکن سب کے قیاسات کی بنیاد سفر ایوب یا صحیفہ ایوب پر ہے۔ جو بائبل کے مجموعہ کتب مقدسہ میں شامل ہے۔ اسی کی زبان، انداز بیان اور کلام کو دیکھ کر یہ مختلف رائیں قائم کی گئی ہیں نہ کہ کسی اور تاریخی شہادت پر۔ اور اس سفر ایوب کا حال یہ ہے کہ اس کے اپنے مضامین میں بھی تضاد ہے اور اس کا بیان قرآن مجید کے بیان سے بھی اتنا مختلف ہے کہ دونوں کو بیک وقت نہیں مانا جاسکتا۔ لہٰذا ہم اس پر قطعاً اعتماد نہیں کرسکتے۔ زیادہ سے زیادہ قابل اعتماد شہادت اگر کوئی ہے تو وہ یہ ہے کہ یسعیاہ نبی اور حزقی ایل نبی کے صحیفوں میں ان کا ذکر آیا ہے اور یہ صحیفے تاریخی حیثیت سے زیادہ مستند ہیں۔ یسعیاہ نبی آٹھویں صدی اور حزقی ایل نبی چھٹی صدی قبل مسیح میں گزرے ہیں۔ اس لئے یہ امر یقینی ہے کہ حضرت ایوبؑ نویں صدی یا اس سے پہلے کے بزرگ ہیں۔[11] رہی ان کی قومیت تو سورۂ نساء آیت ۱۶۳ اور سورۂ انعام آیت ۸۴ میں جس طرح ان کا ذکر آیا ہے اس سے گمان تو یہی ہوتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل ہی میں سے تھے مگر وھب بن منبہ کا یہ بیان بھی کچھ بعید از قیاس نہیں کہ وہ حضرت اسحاق کے بیٹے عیسو کی نسل سے تھے۔[12]

وھب بن منبہ کے بیان کی تائید بائبل کے بیان سے ہوتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادوم اسحاقؑ کے بڑے بیٹے عیسو (Esau) کا لقب ہے۔ بائبل کے الفاظ ہیں:

Jhus Dwelt ESAU in Mount seir : ESAU is Edom[13]

بائبل کے مطابق جب ان کی والدہ نے تدبیر کر کے چھوٹے بیٹے یعقوبؑ

کے لئے اسحاقؑ سے برکت حاصل کرلی اور اسے اپنے بھائی کے پاس بھیج دیا تو عیسو اپنے چچا اسماعیل کے پاس آگئے اور ان کی بیٹی محلات (Mahalat) سے شادی[۱۴] کرکے کوہ ساعیر کے قریب بس گئے جو عرب کی آخری حد ہے۔ عمان سے حضرموت کا وسیع علاقہ عیسو کی اولاد کے زیرنگین رہا۔ موسیٰؑ جب بنی اسرائیل کو مصر سے واپس لائے تو اس وقت بھی بنی ادوم شعیر (ساعیر) پر حکمران تھے۔[۱۵]

امتحان اور آزمائش

سفر ایوب سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک عوض میں ایوب نامی ایک نہایت کامل اور راست باز انسان رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑا خاندان اور بہت دولت دے رکھی تھی۔ ان کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ سات ہزار بھیڑیں، تین ہزار اونٹ، ایک ہزار بیل اور پانچ سو سوار برداری کے گدھے ان کے پاس تھے۔ ان کے نوکر چاکر بھی بے شمار تھے۔ اہل مشرق میں اس درجہ کا مالدار اور کوئی نہ تھا لیکن یہ تمام خدم و حشم رکھنے کے باوجود وہ خدا کے نہایت شکرگزار اور فرمانبردار بندے تھے کبھی برائی سے وہ آلودہ نہ ہوئے۔ وہ اور ان کا خاندان عبادت گزاری اور قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کرتا تھا۔[۱۶] ان کی اس نیکی پر شیطان کو حسد ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ ایوب کی خدا پرستی اور راستبازی اس لئے ہوئی کہ خدا نے اسے ہر طرح کی خوشحالیاں دے رکھی ہیں اگر یہ ان سے محروم ہوجائے تو پھر کبھی خدا کا شکرگزار نہ ہو۔ بائبل کے مطابق شیطان نے کہا:

But put forth thy hand now, and touch all that he hath, and he will cause thee on thy face,[۱۷]

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اختیار دیا کہ وہ اس کے مال اولاد میں تصرف

Marfat.com

کرسکے۔ سو ایوبؑ کے لئے آزمائشوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ان کے مویشی لوٹ لئے گئے، نوکر چاکر قتل ہوگئے اولاد مرگئی دولت و حشمت سب غائب ہوگئی۔ ان حالات میں بھی ایوبؑ کی فرمانبرداری میں کوئی فرق نہ آیا۔ سفر ایوب کے مطابق:

"وہ سجدے میں گر پڑا اور کہا کہ میں اپنی ماں کے پیٹ سے برہنہ پیدا ہوا تھا اور برہنہ ہی دنیا سے جاؤں گا۔ خداوند نے مجھے دیا تھا اور خداوند نے لے لیا۔ اسی کے نام سے ساری پاکیاں اور مبارکیاں ہیں۔[۱۸]

رب نے شیطان کو مخاطب کرکے کہا:

Has thou considred my servant job, that there is none like him in earth, a perfect and upright man, one that feareth God and escheweth evil? and still he holdeth fast his integrity although thou movesdst me against him to destroy him with out cause.[۱۹]

شیطان نے اس کے جواب میں اپنے رب سے کہا:

Skin for Skin yea, all that a man hath will he give for his life but put forth their hand now, and touch his bone and his flesh and he will Curse thee thy face.[۲۰]

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس کے وجود پر تصرف کی اجازت دی اور شیطان نے ان کو بیماری میں مبتلا کردیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ:

ایوبؑ کے تلوے سے لے کر سر کی چاندی تک سارے جسم میں جلتے ہوئے پھوڑے نکل آئے اور وہ ایک ٹھیکرا لے کر اپنا جسم کھجاتا اور راکھ پر بیٹھا رہتا۔[۲۱]

اس کی بیوی نے اس سے کہا: کیا تو اب بھی اپنی راستی پر قائم رہے گا؟ خدا کی تکفیر کر اور مرجا۔" اس نے جواب دیا تو نادان عورتوں کی سی باتیں کرتی ہے کیا ہم خدا

کے ہاتھ سے سکھ پائیں اور دکھ نہ پائیں۔[۲۲] اس ساری صورت حال میں ایوبؑ اپنی زبان پر حرف شکایت نہ لائے۔[۲۳]

ایوبؑ طویل مدت تک اس مرض میں مبتلا رہے۔ وھب بن منبہ کے مطابق تین سال اور حسنؒ سے سات سال منقول ہیں۔[۲۴] ابن کثیر نے انسؓ سے اٹھارہ سال نقل کئے ہیں۔[۲۵] اس سارے عرصے میں ان کی کیفیت کیا رہی اس کی تفصیلات نہ تو قرآن میں ہیں اور نہ صحیح احادیث میں۔ کتب تفسیر میں جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں ان کا ماخذ سفر ایوب ہے اور اس میں جو کچھ منقول ہے وہ قابل توجہ نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں اگر کوئی روایت صحت کو پہنچ سکی ہے تو وہ حضرت انسؓ کا اثر ہے جس کو ابن ابی حاتم اور ابن جریج نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ وہ روایت اس طرح ہے:

انسؓ سے روایت ہے کہ ایوبؑ تیرہ سال تک مصائب کے امتحان میں مبتلا رہے حتیٰ کہ ان کے تمام عزیز و اقارب اور قریب و بعید کے متعارف سب ہی نے ان سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ البتہ اعزہ میں سے ان کے دو عزیز ضرور صبح و شام ان کے پاس آتے رہے ایک مرتبہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ایوبؑ نے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہے تب ہی تو وہ اس کی پاداش میں ایسی سخت مصیبت کے اندر مبتلا ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو خدا ان پر مہربان نہ ہوجاتا اور ان کو شفا ہوجاتی؟ یہ بات دوسرے نے ایوبؑ سے کہہ سنائی۔ ایوبؑ یہ سن کر بہت بے چین اور مضطرب ہوگئے اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں سر بسجود ہوکر دعا گو ہوگئے۔ اس کے فوراً بعد ہی رفع حاجت کے لئے جگہ سے اٹھے اور ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کے لے گئیں۔ جب فارغ ہوگئے تو وہاں سے علیحدہ ہوئے تو خدا کی وحی نازل ہوئی کہ زمین پر پاؤں سے ٹھوکر مارو اور جب انہوں نے ٹھوکر ماری تو پانی کا چشمہ ابل پڑا اور انہوں نے غسل صحت کیا اور پہلے سے زیادہ صحیح و تندرست نظر آنے لگے۔ یہاں بیوی انتظار کر رہی تھی کہ ایوبؑ تازگی اور شگفتگی کے ساتھ نظر آئے وہ قطعاً پہچان نہ سکیں اور ایوبؑ کے متعلق ان ہی سے دریافت کرنے لگیں تب آپ نے فرمایا: میں ہی ایوب

Marfat.com

ہوں اور خدا کے فضل و کرم کا واقعہ سنایا۔ روزمرہ کے کھانے کے لئے ایوبؑ کے پاس ایک گھٹری گیہوں کی اور ایک جو کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دولت میں اضافہ کرنے کے لئے گیہوں کو سونے اور جو کو چاندی سے بدل دیا۔[۲۶]

امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

بینما ایوب یغتسل عریانا خر علیه رجل جراد من ذهب فجعل یحثی فی ثوبه فنادی ربه یا ایوب الم اکن اعنیتک غما تری؟ قال بلی یا رب ولکن لا غنی لی عن برکتک[۲۷]

> ایوبؑ غسل فرما رہے تھے کہ ان پر سونے کی ٹڈیاں برسیں تو وہ انہیں اپنے کپڑوں میں سمیٹنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ایوبؑ کو پکارا اور کہا ہم کو تم نے اس سے جس کو تم دیکھ رہے ہو بے نیاز نہیں کردیا۔ تو ایوبؑ نے عرض کیا پروردگار! یہ صحیح ہے مگر تیری نعمتوں اور برکتوں سے کب کوئی بے پرواہ ہوسکتا ہے۔

حافظ ابن حجر کے بقول امام بخاریؒ کی شرط کے مطابق ایوبؑ کے واقعہ سے متعلق اس کے سوا کوئی روایت ثابت نہیں ہوسکی اس لئے اسی پر اکتفا کیا گیا۔[۲۸] حافظ ابن حجر کی روایت کردہ روایت کا ماخذ بھی سفر ایوب ہی لگتا ہے لیکن سفر ایوب کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے اسکے تضادات ابھر کے سامنے آتے ہیں پہلے دو ابواب بلاشبہ ایک اچھی تصویر پیش کرتے ہیں لیکن اس کے بعد کے ابواب ایک دلچسپ کہانی معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی حیثیت پر سید ابوالاعلی مودودیؒ نے عمدہ تبصرہ کیا ہے۔ ہم اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"حیرت کی بات ہے کہ اس کتاب کا ابتدائی حصہ کچھ کہہ رہا ہے۔ بیچ کا کچھ اور آخر میں نتیجہ کچھ اور نکل آتا ہے۔ تینوں حصوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ ابتدائی حصہ کہتا ہے کہ ایوبؑ ایک نہایت راستباز، خدا ترس اور نیک شخص تھا ——— پہلے اور دوسرے باب کا خلاصہ لیکن اس کے بعد تیسرے باب سے ایک دوسرا ہی مضمون شروع ہوتا ہے۔ جو بیالیسویں باب تک ایوبؑ کی بے صبری اور خدا کے خلاف

Marfat.com

شکایات و الزامات کی ایک مسلسل داستان ہے اور اس سے پوری طرح یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ ایوبؑ کے بارے میں خدا کا اندازہ غلط اور شیطان کا اندازہ صحیح تھا۔ پھر بیالیسویں باب میں خاتمہ اس بات پر ہوتا ہے کہ اللہ میاں سے خوب دو بدو بحث کرلینے کے بعد صبر و شکر اور توکل کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ میاں کی ڈانٹ کھا کر ایوبؑ ان سے معافی مانگ لیتا ہے اور وہ اسے قبول کرکے اس کی تکلیفیں دور کردیتے ہیں اور جتنا کچھ پہلے اس کے پاس تھا اس سے دوچند دے دیتے ہیں۔ اس آخری حصے کو پڑھتے وقت آدمی کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایوبؑ اور اللہ میاں دونوں شیطان کے چیلنج کے مقابلے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں اور پھر محض اپنی بات رکھنے کے لئے اللہ میاں نے ڈانٹ ڈپٹ کر اسے معافی مانگنے پر مجبور کیا ہے اور اس کے معافی مانگتے ہی اسے قبول کرلیا ہے تاکہ شیطان کے سامنے ان کی ہیٹی نہ ہو۔

یہ کتاب خود اپنے منہ سے بول رہی ہے کہ یہ نہ خدا کا کلام ہے نہ خود حضرت ایوب کا۔ بلکہ یہ حضرت ایوبؑ کے زمانے کا بھی نہیں ہے۔ ان کے صدیوں بعد کسی شخص نے قصہ ایوب کو بنیاد بنا کر "یوسف زلیخا" کی طرح کی ایک داستان لکھی ہے اور اس میں ایوب، الیفز، تیمانی، سوخی بلاد، نعماتی ضوفر، براکیل بوزی کا بیٹا الیہو چند کیریکٹر ہیں جن کی زبان سے نظام کائنات کے متعلق دراصل وہ خود اپنا فلسفہ بیان کرتا ہے۔ اس کی شاعری اور اس کے زور بیان کی جس قدر جی چاہے داد دے لیجئے، مگر کتب مقدسہ کے مجموعہ میں ایک صحیفہ آسمانی کی حیثیت سے اس کو جگہ دینے کے کوئی معنی نہیں۔ ایوبؑ کی سیرت سے اس کا بس اتنا ہی تعلق ہے جتنا "یوسف زلیخا" کا سیرت یوسفی سے ہے بلکہ شاید اتنا بھی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب کے ابتدائی اور آخری حصے میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں صحیح تاریخ کا ایک عنصر پایا جاتا ہے۔ اور وہ شاعر نے یا تو زبانی روایات سے لیا ہوگا جو اس کے زمانے میں مشہور ہوں گی یا پھر کسی صحیفے سے اخذ کیا ہوگا جو اب ناپید ہے۔[۲۹]

قرآن مجید نے ایجاز و اعجاز کے ساتھ اپنے حکیمانہ اسلوب میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

Marfat.com

و ایوب اذ نادی ربه انی مسنی الضر و انت ارحم الراحمین فاستجبنا له و کشفنا ما به من ضر و آتینه اهله و مثلهم معهم رحمة من عندنا و ذکری للعبدین[۳۰]

اور ایوب پر بھی ہم نے رحمت کی جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں مبتلائے آزار ہوں اور تو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اس کی تکلیف دور کردی اور اس کو اس کے اہل و عیال بھی دیئے اور ان کے مانند ان کے ساتھ اور بھی خاص اپنے فضل سے اور عبادت گزاروں کی یاد دہانی کے لئے۔

واذکر عبدنا ایوب اذ نادی ربه انی مسنی الشیطن بنصب و عذاب ارکض برجلک هذا مغتسل بارد و شراب ووهبنا له اهله و مثلهم معهم رحمة منا و ذکری لاولی الالباب۔ وخذ بیدک ضغثا فاضرب به ولا تحنث انا وجدناه صابرا نعم العبد انه اواب[۳۱]

اور ہمارے بندے ایوب کا ذکر کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے سخت تکلیف اور عذاب میں ڈال دیا ہے (ہم نے اسے حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مار' یہ ہے ٹھنڈا پانی نہانے کے لئے اور پینے کے لئے۔ ہم نے اسے اس کے اہل و عیال واپس دیئے اور ان کے ساتھ اتنے ہی' اپنی طرف سے رحمت کے طور پر' اور عقل و فکر رکھنے والوں کے لئے درس کے طور پر (اور ہم نے اس سے کہا) تنکوں کا ایک مٹھا لے اور اس سے مار دے' اپنی قسم نہ توڑ ہم نے اسے صابر پایا' بہترین بندہ' اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا۔

Marfat.com

رجوع الی اللہ

قرآن پاک کے اس مختصر اور جامع بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایوبؑ انبیا و رسل کی جماعت کے ایک فرد تھے اور دولت و ثروت اور کثرت اہل و عیال کے لحاظ سے بھی خوش بخت و فیروز مند تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش و امتحان میں آ گئے۔ مال و متاع' اہل و عیال اور جسم و جان سب مصیبت کے گھیرے میں آئے۔ انتہائی تکلیف دہ حالات میں بھی یہ نہیں کہا کہ پروردگار! تو نے مجھے مصیبت میں ڈال دیا۔ نیازمندی اور ادب نے ایسا کہنے سے روکا۔ کہا تو یہ کہا کہ: "شیطان نے مجھ کو تکلیف و عذاب کے ساتھ چھو دیا" اور جب دعا و التجا کی تو بھی لطیف و بلیغ پیرایہ بیان اختیار کیا۔ عرض کی:

انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین (۳۲)

میں مبتلائے آزار ہوں اور تو مہربانوں میں سب سے بڑا مہربان ہے

اس سارے عرصے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستحکم تعلق ہی ان کا اثاثہ ہے اور بالآخر اللہ کی طرف رجوع کرکے اس سے مدد مانگتے ہیں۔

اجابت دعا

اللہ پاک نے اس پکار کو سنا اور قبول کیا۔ جو مال و متاع برباد ہوا اور جو اہل و عیال ہلاک ہوئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف وہ واپس کردیے بلکہ چند در چند اور زیادہ بخش دیے اور صحت و تندرستی کے لئے چشمہ جاری کردیا کہ غسل کرکے صحت مند ہوجائے۔ یہ سب کچھ اس کی رحمت کے باعث ہوا۔ ابن کثیرؒ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ایوب اپنی جگہ سے اٹھو اور زمین پر ٹھوکر مارو۔ ایوبؑ نے ارشاد باری کی تعمیل کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک چشمہ جاری کردیا۔ جس میں انہوں نے غسل کیا اور جسم کا ظاہری روگ سب جاتا رہا۔ اس کے بعد انہوں نے پھر ٹھوکر ماری اور دوسرا چشمہ ابل پڑا اور انہوں نے اس کا پانی پیا اور اس سے جسم کے

Marfat.com

باطنی حصہ میں مرض کا جو اثر تھا اسکا بھی قلع قمع ہوگیا اور اس طرح وہ چنگے ہوکر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔(۳۳) قرآن میں ہے:

فکشفنا ما بہ من ضر و آتیناہ واھلہ و مثلھم معھم(۳۴)

تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اس کی تکلیف دور کردی اور اس کو اس کے اہل وعیال بھی دیے اور ان کے مانند اور بھی۔

سفر ایوب میں ہے:

اور خداوند نے ایوبؑ کی حالت بدل دی۔ اسے پہلے کی نسبت دو چند دولت عنایت کی۔ اس کے تمام عزیزوں کو اس کے گرد جمع کردیا۔ اسے آخری عمر میں پہلے کی طرح اولاد ملی وہ ایک سو چالیس برس تک جیا اور اپنی نسل کی چار پشتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔(۳۵)

قرآن کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصائب و مشکلات کے ہجوم میں بھی ایوبؑ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کئے رہے اور اسی سے رحم طلب کرتے رہے اور اسی کو پکارتے رہے جبکہ سفر ایوب ان کی بے صبری اور اللہ سے بدگمانی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اس کے مطابق ایوبؑ کہتے ہیں: نابود ہو وہ دن جس میں پیدا ہوا تھا۔(۳۶) ...... میں رحم ہی میں کیوں نہ مرگیا۔ میں نے پیٹ سے نکلتے ہی کیوں نہ جان دے دی(۳۷) ...... قادر مطلق کے تیر میرے اندر لگے ہوئے ہیں اور میری روح انہی کے زہر کو پی رہی ہے۔ اور خدا کے قہر میرے خلاف صف باندھے ہوئے ہیں۔(۳۸)

قرآن کے مطابق ان کی دعا قبول ہوتی ہے وہ آزمائش میں پورا اترتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کے مستحق قرار پاتے ہیں جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور روایات میں بھی تفصیلات آئی ہیں۔

اللہ کی خصوصی عنایت

ایوبؑ نے بیماری کی حالت میں ناراض ہوکر کسی کو مارنے کی قسم کھائی تھی (روایات یہ ہیں کہ بیوی کو مارنے کی قسم کھائی تھی) اسی قسم میں انہوں نے یہ بھی کہا

Marfat.com

تھا کہ تجھے اتنے کوڑے ماروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت عطا فرمادی اور حالت مرض کا وہ غصہ دور ہوگیا جس میں یہ قسم کھائی تھی تو ان کو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ قسم پوری کرتا ہوں تو خوامخواہ ایک بے گناہ کو مارنا پڑے گا اور قسم توڑتا ہوں تو یہ بھی ایک گناہ کا ارتکاب ہے۔ اس مشکل سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح نکالا کہ انہیں حکم دیا' ایک جھاڑو لو جس میں اتنے ہی تنکے ہوں جتنے کوڑے تم نے مارنے کی قسم کھائی تھی' اور اس جھاڑو سے اس شخص کو بس ایک ضرب لگادو تاکہ تمہاری قسم بھی پوری ہوجائے اور اسے ناروا تکلیف بھی نہ پہنچے[۳۹] یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت تھی کہ ایوبؑ کے لئے سہولت پیدا کی اور انہیں اس پریشانی سے نکالا جو قسم کے پورا کرنے کے سلسلے میں انہیں لاحق تھی۔ قرآن نے اس تدبیر کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

وخذ بیدک ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث انا وجدناہ صابرا نعم العبد انہ اواب[۴۰]

> اپنے ہاتھوں میں تنکوں کا ایک مٹھا لے اور اس سے مار دے اپنی قسم نہ توڑ۔ ہم نے اسے صابر پایا۔ بہترین بندہ اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا

نصائح

قرآن مجید نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے اس سے چند سبق حاصل ہوتے ہیں جو دینی زندگی کے لئے بے حد اہم ہیں۔ ہم اختصار کے ساتھ انہیں بیان کرتے ہیں۔

ابتلاء

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی ایک اہم حقیقت آزمائش و ابتلاء ہے۔ ابتلاء بظاہر ایک تکلیف دہ صورت حال ہوتی ہے۔ جو ایک سزا معلوم ہوتی ہے اور بظاہر ابتلاء و سزا میں کوئی فرق نہیں ہوتا لیکن مقصد اور نتیجہ کے لحاظ سے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ سزا لازماً" کسی گناہ و جرم کے نتیجہ میں واقع ہوتی ہے جبکہ آزمائش

کے لئے گناہ کا سرزد ہونا ضروری نہیں۔ ابتلاء تعلق باللہ اور اعتماد علی اللہ کی پختگی کو جانچنے کے لئے ہوتا ہے ور اس میں بھی توفیق الٰہی اور تائید ایزدی شامل ہوتی ہے۔ وہ اپنے بندے کو آزماتا ہے اور اسی آزمائش میں پورا اترنے کی توفیق اور ہمت بھی عطا کرتا ہے۔ یہ ابتلاء اس بندے کی شخصیت کو نکھارنے کا باعث ہوتی ہے اور اس سے بندہ اپنے رب سے تعلق کو اور زیادہ مضبوط کرلیتا ہے۔ مزید براں اس کی شخصیت کو استحکام ملتا ہے اور دعوت الی اللہ کی راہ میں آنے والی مشکلات کا سامنا کرنے کی صلاحیت کو نشوونما دیتا ہے۔ نتیجہ کے اعتبار سے بھی ابتلاء سزا سے مختلف ہے۔ سزا میں شخصیت فنا ہوتی ہے جبکہ ابتلا میں شخصیت سنورتی اور نکھرتی ہے اور اللہ کے ہاں اجر و ثواب کے ساتھ درجات کی بلندی ہوتی ہے۔ قرآن پاک نے آزمائش کی حقیقت کو کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے ہم یہاں صرف دو حوالے درج کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون[41]

اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کرکے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ انہیں خوشخبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ان پر سایہ کرنے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین

Marfat.com

صدقوا وليعلمن الكذبين(۴۲)

الف لام میم ۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔

آزمائش دینی زندگی کی ایک حقیقت ہے جس کے پیش آنے سے انسان کو گھبرانا نہیں چاہیے اور رب کریم سے فضل و رحمت کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ حضور اکرمؐ کے ارشادات میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارے کیے گئے ہیں۔

عن معصب بن سعد عن ابيه قال قلت يا رسول الله! اى الناس اشد بلاء قال: الانبياء ثم الامثل فالامثل فيبتلى الرجل على حسب دينه فان كان دينه صلبا اشتد بلاءه وان كان فى دينه رقة ابتلى على حسب دينه فما يبرح البلاء بالعبد حتى يتركه يمشى على الارض ما عليه خطيئة(۴۳)

مصب بن سعد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کن لوگوں کی سب سے زیادہ آزمائش ہوتی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: سب سے زیادہ سخت امتحان انبیاءؑ کا ہوتا ہے اس کے بعد حسب مراتب و درجات۔ ایک آدمی اپنے دین کے درجات کے مناسب آزمایا جاتا ہے اگر اس کے دین میں مضبوطی ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوگی اور اگر دین میں نرمی ہے تو آزمائش بھی اسی مناسبت سے ہوگی۔ بندے کے ساتھ آزمائش کا یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہتا ہے جب تک وہ زمین پر بے خطا ہو کر نہ چلنے لگے۔

امام ترمذی نے اسے حدیث حسن صحیح کہا ہے۔ مزید یہ کہا ہے کہ اس سلسلے میں

Marfat.com

ابوہریرہؓ اور حذیفہ بن الیمان سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ سے پوچھا گیا ای الناس اشد بلاء تو آپؐ نے فرمایا: الانبیاء ثم الامثل فالامثل [۴۴] یعنی انبیاء اور پھر ان کے قریب تر درجہ کے لوگ۔ یہی مضمون حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی منقول ہے۔[۴۵]

صبر

ایوبؑ کے واقعہ سے اصل سبق صبر کی صفت کا ثبوت اور صبر کے رویہ کا اظہار ہے۔ اگرچہ سفر ایوب میں ان کی جزع فزع کا ذکر ہے لیکن قرآن نے انہیں صابر کے لقب سے نوازا ہے صبر ایک جامع اصطلاح ہے جو اپنے ~~اندر کئی مفاہیم کو سمیٹے~~ ہوئے ہے لیکن اس میں غالب پہلو یہ ہے کہ انسان مشکلات کو خاطر میں نہ لائے اور کسی قسم کی بے قراری کا اظہار نہ کرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کی صورت میں اس رویہ کا اظہار بنیادی اخلاقی صفت ہے جس سے اس کے خاص بندے متصف ہوتے ہیں۔ قرآن نے جہاں ایوبؑ کو صابر کہا ہے وہاں دوسرے انبیاء کی صفت صبر کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً یعقوبؑ کے ساتھ ان کے بیٹے جو فریب کاری کرتے ہیں اس پر قرآن ان کے رویے کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے:

قال بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون[۴۶]

کہا بلکہ تمہاری دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے تو بہتر صبر ہے اور اللہ سے اس پر مدد چاہی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

اسماعیلؑ اپنے شفیق باپ سے قربانی کا سن کر کہتے ہیں:

یا ابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین[۴۷]

ابا جان! آپ کو جو کہا جاتا ہے وہ کر گذریں اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔

صبر صرف شدائد کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہی کا نام نہیں ہے استقامت اور

ثابت قدمی کا مظہر بھی ہے۔ حضور اکرمؐ کو حکم ہوتا ہے:

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لهم(۴۸)

اے پیغمبرؐ! آپ بھی اسی طرح ثابت قدم رہیں جیسے پختہ ارادے والے پیغمبر ثابت قدم رہے' اور ان لوگوں کے لئے جلدی نہ کریں۔

ذاتی زندگی کی تنظیم ہو یا کار دعوت صبر ایک بنیادی وصف ہے اس کے بغیر کوئی کام بھی اچھے انجام کو نہیں پہنچتا۔ ایوبؑ کی استقامت نے بالاخر انہیں کھوئی ہوئی مال دولت اور اہل و عیال بھی دلادیے اور اللہ کی رضا وخوشنودی بھی حاصل ہو گئی۔

رجوع الی اللہ

اس سارے واقعہ کی اصل حقیقت رجوع الی اللہ ہے یہ شاہ کلید ہے۔ صبر' استقامت اور شکر میں سے کوئی شے بھی حاصل نہیں ہوسکتی اگر انسان کو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے کی توفیق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن اور اس پر اعتماد و توکل' اس کی قضا پر رضا اور اس کی نصرت کی آرزو کے بغیر کوئی کام بھی نہیں ہوسکتا۔ بس اس کی ذات سے وابستگی ہی تمام مسائل کا حل اور تمام مشکلات کا جواب ہے۔ آزمائش و ابتلاء میں بھی انسان کا اپنے رب سے تعلق قائم رکھنا استقامت کا باعث ہوتا ہے اور یوں انسان جلد بازی میں کوئی ایسی بات منہ سے نہیں نکالتا اور کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے ادبی و بے اعتمادی کا گمان ہو اور اسی طرح انسان عبدیت کی اعلیٰ منازل طے کرتا جاتا ہے اور قرب الٰہی کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

ایوبؑ کا اسوہ کار دعوت میں تعمیر شخصیت کے لئے شاندار نمونہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ النساء / ۱۶۳

۲۔ الانعام / ۸۴

Marfat.com

۳۔ سفر ایوب میں ان کے جن مکالموں کا ذکر ہے ان کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ وہ پیغمبر کے شایان شان نہیں۔

۴۔ تفہیم القرآن، ۳/ ۱۷۸

5- There was a man in the land of UZ whose name was job

Book of job, 111

6- Book of Job 1/15

۷۔ ترجمان القرآن، ۲/ ۴۸۶ : مورخ ابن عساکر کی بھی یہی رائے ہے کہ وہ انہیں لوطؑ کا معاصر اور دین ابراہیمی کا پیرو مانتے ہیں۔ فتح الباری، ۶/ ۳۲۶

۸۔ ارض القرآن، ۲/ ۲۴

۹۔ قصص القرآن، ۳/ ۱۸۰

۱۰۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، قصص القرآن، ۳/ ۱۸۰۔ ۱۸۱

۱۱۔ سید مودودیؒ کی رائے سید سلیمان ندویؒ کی رائے کی تائید کرتی نظر آتی ہے۔

۱۲۔ تفہیم القرآن، ۳/ ۱۷۸

۱۳۔ پیدائش، ۳۶/ ۸

۱۴۔ ایضاً، ۲۸/ ۹

۱۵۔ قصص القرآن، ۲/ ۱۷۶

۱۶۔ سفر ایوب، ۱/ ۱۔ ۶

۱۷۔ ایضاً، ۱/ ۹۔ ۱۱

۱۸۔ ایضاً، ۱/ ۲۲

۱۹۔ ایضاً، ۲/ ۳

۲۰۔ ایضاً، ۲/ ۴۔ ۵

۲۱۔ ایضاً، ۲/ ۸

۲۲۔ ایضاً، ۱۲

۲۳۔ ایضاً

Marfat.com

۲۴۔ ابن کثیر' ۳ / ۱۸۸
۲۵۔ ایضاً" ابن کثیر نے ابن جریر کے حوالے سے وہ پوری روایت نقل کی ہے جسے ہم ابن حجر سے تفسیر سورۂ ص نقل میں کر رہے ہیں۔
۲۶۔ فتح الباری' ۶ / ۳۲۶
۲۷۔ بخاری کتاب بدء الخلق' باب قول اللہ تعالیٰ و ایوب اذ نادی ربہ' ۴ / ۱۲۴
۲۸۔ فتح الباری' ۶ / ۳۲۶
۲۹۔ تفہیم القرآن' ۳ / ۱۸۰ ۔ ۱۸۱
۳۰۔ الانبیاء / ۸۴
۳۱۔ ص / ۴۱ ۔ ۴۳
۳۲۔ الانبیاء / ۸۴
۳۳۔ مختصر ابن کثیر' سورۂ ص' ۳ / ۲۰۵
۳۴۔ الانبیاء / ۸۴
۳۵۔ سفر ایوب' ۴۲ / ۱۰' ۱۶
۳۶۔ ایضاً" ' ۳ / ۳
۳۷۔ ایضاً" ' ۳ / ۱۱
۳۸۔ ایضاً" ' ۶ / ۴
۳۹۔ تفہیم القرآن' ۴ / ۳۴۱
۴۰۔ ص / ۴۴
۴۱۔ البقرہ / ۱۵۵ ۔ ۱۵۸
۴۲۔ العنکبوت / ۲ ۔ ۳
۴۳۔ ترمذی' کتاب الزھد' باب الصبر علی البلاء' ۴ / ۶۰۱ ۔ ۶۰۲
۴۴۔ ایضاً"
۴۵۔ مسند' ۱ / ۱۷۳ ' ۱۷۲' ۱۸۰' ۱۸۵' دارمی' کتاب الرقائق' باب فی اشد الناس بلاء ۲ / ۳۲۰' امام بخاری نے کتاب المرضیٰ میں ایک باب کا عنوان باندھا ہے۔

Marfat.com

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل، ۷ / ۳

۴۶۔ یوسف / ۱۸

۴۷۔ الصافات / ۱۰۲

۴۸۔ الاحقاف / ۳۵

❑❑❑

Marfat.com

موسیٰ علیہ السلام

قرآن نے جن انبیاء کو اولوالعزم کہا ہے ان میں موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت نمایاں ہے۔ قرآن کی چھتیس سورتوں میں ان کا ذکر آیا ہے۔ موسیٰؑ کی شخصیت ایک معجزانہ شخصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ لاڈلا پیغمبر قدم قدم پر تائید الٰہی سے بہرہ ور ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ چونکہ ان کی دعوتی ذمہ داریاں منفرد نوعیت کی تھیں اس لئے تائید ایزدی کے تجربے بھی اسی نوعیت کے تھے۔ یوں تو تمام انبیاء کار دعوت میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ کا مرکز رہے ہیں لیکن موسیٰؑ کو اس توجہ کا کچھ زیادہ ہی حصہ نصیب ہوا۔ ان کی ذاتی زندگی اور ان کے کار دعوت میں نصیحت و ہدایت کا بڑا سامان موجود ہے۔

تاریخی پس منظر

موسیٰؑ کی شخصیت اور ان کے کام کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس تاریخی پس منظر کو سامنے رکھا جائے جس میں وہ پروان چڑھے اور اپنا کام شروع کیا۔ موسیٰؑ کا تعلق بنو اسرائیل کے ایک خاندان سے تھا اور ہم نے یوسفؑ کے ضمن میں پڑھا ہے کہ ان کا پورا کنبہ مصر میں آباد ہوا تھا۔ قرآن نے اشارۃً صرف اتنا کہا ہے کہ یوسفؑ نے اپنے والد اور خاندان کو خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا:

ادخلوا مصر ان شاء اللہ آمنین[1]

چلو اب شہر میں چلو، اللہ نے چاہا تو امن چین سے رہو گے۔

لیکن بائبل نے زیادہ تفصیلات دی ہیں:

And Pharaoh Spake unto Joseph, saying, thy father and thy bretheren are come unto thee. The land of Egypt is before thee; in the best of the land make thy father and brethren to dwell; in the land of Goshen let them dwell :

and if thou knowest any men of activity among them, then make them rulers over my cattle.[۲]

تب فرعون نے یوسف سے کہا کہ تیرا باپ اور تیرے بھائی تمہارے پاس آئے ہیں۔ مصر کی زمین تیرے آگے ہے اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو اس سرزمین کے ایک مقام پر جو سب سے بہتر ہے' بسا' جشن کی زمین میں انہیں رہنے دے۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ ان میں سے کچھ فعال ہیں تو ان کو میرے مواشی پر مختار بنا دے۔

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا کہ یوسفؑ نے فرعون سے کہا کہ میرے خاندان کے لوگ اپنا سب اثاثہ لے کر جشن کے علاقہ میں پہنچ گئے ہیں اور خاندان کے پانچ افراد کو اس کے سامنے پیش کیا۔ فرعون سے سوال و جواب کے سلسلے میں انہوں نے ایسی سرزمین میں آباد ہونے کی درخواست کی تھی جس کے جواب میں فرعون نے یوسف کو اجازت دی تھی۔[۳]

بائبل ہمیں مزید بتاتی ہے کہ:

And Joseph placed his father and his brethren and gave them a possession in the land of Egypt, in the best of the land, in the land of Rameses, as Pharaoh has commanded And Joseph nourished his fahter, and his brethren, and all his father's household, with bread, according to their families.[۴]

اور یوسف نے اپنے باپ اور بھائیوں کو مصر کی بہترین زمین میں جو رعمیسس کی زمین ہے' جیسا کہ فرعون نے حکم دیا تھا' آباد کیا اور انہیں اس کا مالک بنایا اور یوسف اپنے باپ' اپنے بھائیوں اور اپنے باپ کے سب گھرانے کی' ان کے افراد کے مطابق روٹی سے پرورش کی۔

And Israel dewlt in the land of Egypt, in the country of

Marfat.com

Goshen, and they had passessions therein, and grew, and multiplied exceedingly. And Jacob lived in the land of Egypt seventeen years; so the whole age of Jacob was an hundred forty and seven years.(۵)

اور اسرائیل نے مصر کی زمین میں جشن کے علاقے میں سکونت اختیار کی اور وہ وہاں ملکیتیں رکھتے تھے اور وہ بڑھے اور بہت زیادہ ہوئے اور یعقوب مصر کی سرزمین میں سترہ برس جئے۔ سو یعقوب کی کل عمر ایک سو سنتالیس برس کی ہوئی۔

حضرت یعقوب کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنی اولاد کو اکٹھا کیا اور سب کے لئے دعا کی(۶) اور یوسف کے دونوں بیٹوں کو پیار کیا' ان کے لئے دعا کی اور چھوٹے بیٹے افرائیم کے لئے خصوصی دعا کی۔(۷) قرآن کا بیان ہے:

ام کنتم شهداء اذ حضر يعقوب الموت اذ قال لبنيه ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الهک و اله آباءک ابراهيم و اسمعيل و اسحق الها واحدا و نحن له مسلمون(۸)

پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا؟ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا: میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے؟" سب نے جواب دیا: ہم اس ایک خدا کی بندگی کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیم' اسماعیل اور اسحاق نے خدا مانا ہے۔ ہم اسی کے تابعدار ہیں۔

یعقوب کی وفات کے بعد بھی ان کی اولاد یوسفؑ کی سرپرستی میں سرزمین مصر میں مقیم رہی۔ بائبل یوسفؑ کی وفات کا ذکر کرتی ہے اور ان کی عمر اور ان کی نسل کے بارے میں بھی معلومات مہیا کرتی ہے:

And Joseph dwelt in Egypt, he and his fahter's house : and Joseph lived and hundred and ten years. And Joseph

Marfat.com

saw Ephraim's children of the third generation: the children also of Machir the son of Manasseh were brought up upon Joseph skness. And Joseph said unto his brethren I die : and God will surely visit you, and bring you out of this land unto the land which he sware to Ibrahim, to Isaac and to Jacob. And Joseph took an oath of the children of Israel, saying God will surely visit you, and ye shall carry up my bones from hence. So Joseph died, being an hundred and ten years old : and they anbalmed him, and he was just in a coffin in Egypt.(۹)

اور یوسف اور اس کے باپ کے گھرانے نے مصر میں سکونت اختیار کی اور یوسفؑ ایک سو دس برس جیے۔ اور یوسفؑ نے افرائیم کے لڑکے جو تیسری پشت میں تھے دیکھے اور منسی کے بیٹے مکیر کے بیٹے بھی یوسف کے گھٹنوں پر پالے گئے۔ اور یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا میں مرتا ہوں اور خدا یقیناً تم کو یاد کرے گا اور تم کو اس زمین سے باہر اس زمین میں جس کی بابت اس نے ابراہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کی ہے لے جائے گا۔ اور یوسف نے بنی اسرائیل سے قسم لے کر کہا خدا یقیناً" تم کو یاد کرے گا اور تم میری ہڈیوں کو یہاں سے لے جائیو۔ سو یوسفؑ ایک سو دس برس کے بوڑھے ہو کر فوت ہوئے۔ اور انہوں نے ان میں خوشبو بھری اور اسے مصر میں صندوق میں رکھا۔

یوسفؑ کی وصیت کے مطابق ان کی اولاد نے ان کے جسم کو حنوط کر کے تابوت میں محفوظ کر دیا اور جب موسیٰؑ کے زمانہ میں بنی اسرائیل مصر سے ہجرت کر کے چلے تو یوسفؑ کی وصیت پورا کرنے کے لئے ان کا تابوت بھی ساتھ لے گئے اور انبیاء کی سرزمین میں لا کر دفن کر دیا۔

Marfat.com

بائبل میں ہے:

And Moses took the bones of Joseph with him : for he had straitly sworn the children of Isreal saying, God will surely vivit you : and ye shall carry up my bones away hence with you...(10)

اور موسیٰؑ نے یوسفؑ کی ہڈیاں ساتھ لیں کیونکہ اس نے بنی اسرائیل کو "تاکیداً" قسم دے کر کہا تھا کہ خدا یقیناً تمہاری خبرگیری کرے گا۔ تم یہاں سے میری ہڈیاں ساتھ لے جاؤ۔

بہرکیف بنی اسرائیل یوسفؑ کے زمانے میں مصر آئے تھے اور موسیٰؑ کے عہد تک وہاں مقیم رہے۔ اس دوران ان پر اچھے اور برے وقت آئے۔ بائبل کے مطابق یوسفؑ کی وفات بعد کے بنی اسرائیل پھلے پھولے لیکن کچھ عرصہ بعد حالات تبدیل ہوئے اور بنی اسرائیل کے لئے مشکلات پیدا ہوئیں۔ بائبل کہتی ہے:

And the children of Isreal were fruitful. and increased abundantly, and multiplied, and waxed exceeding mighty; and the land was filled with them. Now there arose up a new king over Egypt, which knew not Joseph. And he said unto his people, behold, the people of the children of Isreal are more and mighter than we; come on, let us deal with them wisely with them; They multiply, and it come to pass, that, when there falleth out any war, they join also unto our enemies and fight against us, and get them up out of the land. Therefore they did set over them task masters to afflict them with their burden. And they built for Pharaoh tneasurer cities, Pithoms and Raamses.

Marfat.com

But the more they afflict them the more they multiplied and grew. And they were grieved because of the children of Isreal. And the Egyptians made the children of Isreal to seve with rigour : And they made their lives bitter with hard bondage, in monter, and in brick, and in all manner of service, wherein they made them serve, was with rigour. And the king of Egypt spake to the Hebrew midwives of which the name of one was Shiphrah and the name of the other Puah : And he said, when ye do the office of a midwife to the hebrew woman and see them up on the stools; if it be a son, then ye shall kill him: but if it be a dauther, then she shall live.(11)

اور بنی اسرائیل بار آور تھے لہذا ان کی تعداد بہت بڑھی اور وہ کئی گنا ہوگئے اور طاقتور بن گئے اور سرزمین ان سے بھر گئی۔ تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا اور اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ دیکھو اسرائیل ہم سے زیادہ اور قوی ہوگئے ہیں سو آؤ ہم ان کے ساتھ حکمت سے پیش آئیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہوجائیں اور اس وقت جنگ چھڑ جائے تو ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں۔ اس لئے انہوں نے ان پر بیگار لینے والے مقرر کئے جو ان سے سخت کام لے کر انہیں ستائیں سو انہوں نے فرعون کے لئے ذخیرے کے شہر پتوم اور رعمسیس بنائے۔ لیکن وہ انہیں جتنا ستاتے اتنا ہی ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا اور وہ کئی گنا بڑھتے اور مصری اسرائیلیوں کی بڑھتی ہوئی آبادی سے پریشان تھے۔ اور مصریوں نے بنی اسرائیل پر تشدد کرکے ان سے کام کرایا اور انہوں نے ان سے سخت محنت سے گارا اور

Marfat.com

اینٹ بنوا بنوا کر اور کھیت میں ہر قسم کی خدمت لے کر ان کی زندگی تلخ کی۔ ان کی سب خدمتیں جو وہ ان سے کراتے تھے تشدد کی تھیں۔ تب مصر کے بادشاہ نے عبرانی دائیوں سے بات کی جن میں سے ایک کا نام شفراہ اور دوسری کا پواہ تھا۔ اس نے کہا کہ جب عبرانی عورتوں کے تم بچہ جناؤ اور ان کو پتھر کی بیٹھکوں پر بیٹھا دیکھو تو اگر بیٹا ہو تو مار ڈالنا اور اگر بیٹی ہو تو وہ جیتی رہے۔

بائبل ہمیں مزید بتاتی ہے کہ دائیوں نے خدا کے خوف کی وجہ سے بادشاہ کا حکم نہ مانا اور اسرائیلی بچوں کی جان بچائی۔ بادشاہ نے انہیں بلا کر وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ اسرائیلی عورتیں طاقتور اور فعال ہیں اور ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی بچوں کو جنم دے کر فارغ ہو جاتی ہیں۔ اس طرح خدا نے دائیوں کی رہنمائی کی اور اسرائیلی آبادی بڑھی اور وہ لوگ مضبوط ہوئے۔[۱۲] کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ فرعون نے حکم دیا:

Every son that is born ye shall cast into the river and every daughter ye shall save alive.[۱۳]

پیدا ہونے والے ہر بچے کو دریا میں ڈال دو اور ہر بچی کو زندہ رکھو۔

قرآن مجید نے بنی اسرائیل کی اس مصیبت اور ذلت و خواری کا تذکرہ مختلف مقامات پر کیا ہے۔ مثلاً:

ان فرعون علا فی الارض و جعل اھلھا شیعا یستضعف طائفة منھم یذبح ابناء ھم و یستحی نساء ھم انه کان من المفسدین[۱۴]

واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کردیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا۔ اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔

سورہ بقرہ میں ہے:

و اذ نجینکم من آل فرعون یسو مونکم سوء العذاب یذبحون

Marfat.com

ابناء کم و یستحیون نساء کم و فی ذلکم بلاء من ربکم عظیم (۱۵)

اور یاد کرو جب کہ ہم نے تم کو آل فرعون کے قبضہ سے چھڑایا۔ وہ تمہیں برے عذاب چکھاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی ہی آزمائش تھی۔

موسیٰؑ نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد کراتے ہوئے اس مصیبت سے نجات دلانے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

و اذ قال موسٰی لقومه اذکرو نعمة اللّٰه علیکم اذ انجکم من آل فرعون یسو مونکم سوء العذاب و یذبحون ابناء کم و یستحیون نساء کم و فی ذلکم بلاء من ربکم عظیم (۱۶)

اور یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا "اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ اس نے تم کو فرعون والوں سے چھڑایا جو تم کو سخت تکلیفیں دیتے تھے۔ تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ بچا رکھتے تھے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔

قتل ابناء کے سلسلے میں فرعون کی یہ مہم کس بنا پر تھی اس کی وضاحت میں دو طرح کے اقوال ہیں۔ ایک جسے ہمارے مفسرین نے اسرائیلی روایات اور خصوصاً" تالمود سے نقل کردہ قول کہ فرعون نے کوئی خوفناک خواب دیکھا تھا یا کسی نجومی نے اسے بتایا تھا کہ اسرائیلیوں میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جس کے ہاتھوں فرعونی اقتدار کا خاتمہ ہوگا لہٰذا اس خطرے کے سدباب کے لئے اس نے اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ دوسرا یہ کہ بنی اسرائیل کی بڑھتی ہوئی آبادی اسے خطرناک لگی لہٰذا آبادی کی منصوبہ بندی کا ایک طریقہ نکالا گیا۔ جیسا کہ بائبل میں ہے اسے ڈر تھا کہ بڑی تعداد کے لوگ اگر حملہ آور سے مل گئے تو اس کے اقتدار کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ نوٹ نقل کر دیا جائے جو سید مودودیؒ نے سورہ قصص کی

Marfat.com

آیت نمبر ۴ کی وضاحت میں لکھا ہے۔

وہ کتاب خروج سے اقتباس نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ حضرت یوسفؑ کا دور گزر جانے کے بعد مصر میں ایک قوم پرستانہ انقلاب ہوا تھا اور قبطیوں کے ہاتھ میں جب دوبارہ اقتدار آیا تو نئی قوم پرست حکومت نے بنی اسرائیل کا زور توڑنے کی پوری کوشش کی تھی۔ اس سلسلے میں صرف اتنے پر ہی اکتفا نہ کیا گیا کہ اسرائیلیوں کو ذلیل و خوار کیا جاتا اور انہیں ادنیٰ درجے کی خدمات کے لئے مخصوص کر لیا جاتا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ پالیسی اختیار کی گئی کہ بنی اسرائیل کی تعداد گھٹائی جائے اور ان کے لڑکوں کو قتل کر کے صرف ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے تاکہ رفتہ رفتہ ان کی عوتیں قبطیوں کے تصرف مین آتی جائیں اور ان سے اسرائیل کی بجائے قبطیوں کی نسل پیدا ہو۔"

تلمود اس کی مزید تفصیل یہ دیتی ہے کہ حضرت یوسفؑ کی وفات پر ایک صدی سے کچھ زیادہ مدت گزر جانے کے بعد یہ انقلاب ہوا تھا۔ وہ بتاتی ہے کہ نئی قوم پرست حکومت نے پہلے تو بنی اسرائیل کو ان کی زرخیز زمینوں اور ان کے مکانات اور جائدادوں سے محروم کیا۔ پھر انہیں حکومت کے تمام مناصب سے بے دخل کیا۔ اس کے بعد بھی جب قبطی حکمرانوں نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل اور ان کے ہم مذہب مصری کافی طاقتور ہیں تو انہوں نے اسرائیلیوں کو ذلیل و خوار کرنا شروع کیا اور ان سے سخت محنت کے کام قلیل معاوضوں پر یا بلا معاوضہ لینے لگے۔ یہ تفسیر ہے قرآن کے اس بیان کی کہ مصر کی آبادی کے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا اور سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کہ آل فرعون بنی اسرائیل کو سخت عذاب دیتے تھے (یسوموںکم سوء العذاب)

مگر بائبل اور قرآن دونوں اس ذکر سے خالی ہیں کہ فرعون سے کسی نجومی نے یہ کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جس کے ہاتھوں فرعونی اقتدار کا

Marfat.com

تختہ الٹ جائے گا اور اسی خطرے کے روکنے کے لئے فرعون نے اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ یا فرعون نے کوئی خوفناک خواب دیکھا تھا اور اس کی تعبیر یہ دی گئی تھی کہ ایک لڑکا بنی اسرائیل میں ایسا اور ایسا پیدا ہونے والا ہے۔ یہ افسانہ تلمود اور دوسری اسرائیلی روایات سے ہمارے مفسرین نے نقل کیا ہے۔(۱۷)

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ فرعونیوں کے اس عمل کی وجہ سے بنی اسرائیل میں مردوں کی شدید کمی واقع ہو رہی تھی اس لئے قبطیوں کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ انہیں وہ سب کام کرنے پڑیں گے لہٰذا فرعون کو مشورہ دیا گیا کہ اس پروگرام میں کچھ تخفیف کی جائے لہٰذا اس نے یہ حکم دیا کہ ایک سال قتل ابناء کے منصوبے پر عمل کیا جائے اور دوسرے سال عمل در آمد روک دیا جائے۔ چنانچہ ہارونؑ کی پیدائش اسی سال ہوئی جب عمل در آمد رکا ہوا تھا اور موسیٰؑ کی پیدائش عمل در آمد کے سال میں ہوئی تھی۔(۱۸) بنی اسرائیل کی اس ناگفتہ حالت پر اللہ تعالیٰ کو رحم آیا اور اس نے ان کی نجات کی تدبیر کی۔

تدبیر الٰہی

قرآن مجید نے اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ذکر کیا ہے جس کا مرکزی کردار موسیٰؑ ہوں گے قرآن مجید نے موسیٰؑ کی پیدائش کے ذکر سے پہلے مشیت الٰہی کا خصوصی ذکر کیا ہے جس کا تعلق بنی اسرایل کی نجات سے ہے۔ ارشاد باری ہے:

و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم ائمۃ و نجعلھم الوارثین و نمکن لھم فی الارض و نری فرعون و ھامان و جنودھما منھم ما کانوا یحذرون۔(۱۹)

اور ہم یہ ارادہ رکھتے تھے کہ مہربانی کریں ان لوگوں پر جو زمین میں ذلیل کر کے رکھے گئے تھے اور انہیں اپنا پیشوا بنادیں اور انہی کو وارث بنائیں اور زمین میں ان کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھلا دیں جس کا انہیں ڈر تھا۔

Marfat.com

مولانا اصلاحی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

"مطلب یہ ہے کہ فرعون اور اس کے اعیان تو یہ ظلم و ستم ڈھائے ہوئے تھے اور ان کی پوری کوشش یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو کسی طرح ابھرنے نہ دیں لیکن ہمارا ارادہ یہ تھا کہ ہم مظلوموں پر احسان کریں انکو پیشوائی کا منصب بخشیں اور ظالموں کو مٹا کر مظلوموں کو وراثت و خلافت عطا کریں نجعلھم ائمۃ" سے اشارہ اس دینی پیشوائی کی طرف ہے جو حضرت موسیٰؑ کی بعثت کے بعد بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی اور نجعلھم الوارثین سے خلافت و حکومت مراد ہے جو ان کو ارضی فلسطین میں ملی اور حضرت سلیمانؑ کے عہد میں جس کے حدود نہایت وسیع ہو گئے۔ یہاں تک کہ مصر کی حکومت ان کی باجگزار ریاست بن گئی۔[۲۰]

وہ مزید لکھتے ہیں :

"ماکانوا یحذرون" سے اشارہ فرعون اور اس کے اعیان کے اسی اندیشہ کی طرف ہے . . . . کہ وہ بنی اسرائیل کی تعداد میں روز افزوں اضافہ سے بہت خائف تھے کہ اگر یہ قوت پکڑ گئے تو یا تو وہ خود ملک پر قابض ہوجائیں گے یا باہر کے دشمنوں سے مل کر یہاں کے قبطیوں کو بے دخل کر دیں گے۔ اس خطرے کے سدباب کے لئے ان احمقوں نے بنی اسرائیل کے ذکور کے قتل کی اسکیم بنائی تھی . . . . . لیکن اللہ تعالیٰ کی اسکیم کے مقابلے میں ان کی ساری اسکیمیں اور پیش بندیاں بالکل بیکار ثابت ہوئیں۔ ارادہ الٰہی مظلوموں کے حق میں پورا ہو کے رہا اور ان کے دشمن تمام زور و سطوت اور تمام تدبیر و تدبر کے باوجود پامال ہوئے۔[۲۱]

موسیٰؑ کی پیدائش

مشیت الٰہی کی اسکیم میں موسیٰؑ کی شخصیت کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اس نے اسی سال جو اسرائیلی بچوں کے قتل کا سال تھا موسیٰؑ کی پیدائش کا انتظام کیا۔ اس کی

Marfat.com

حفاظت کی اور اپنی نگرانی میں اسے وہاں پہنچایا جو قتل کے منصوبہ بندی کرنے والے تھے اور انہیں سے پرورش کا انتظام کرایا۔ بائبل اور قرآن دونوں میں پیدائش اور پرورش کے یکساں واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ البتہ قرآن نے بعض تصحیحات کے ساتھ اہم اشارے بھی کیے ہیں جو بائبل میں مفقود ہیں۔ ہم سب سے پہلے بائبل کا بیان نقل کرتے ہیں اس کے بعد قرآن کا۔ بائبل میں موسیٰؑ کی پیدائش کا ذکر کچھ اس طرح ہے

And there went a man of the house of Levi, and took to wife a daughter of Levi. And the woman concieved, and bore a son: and when she saw him that he was a goodly child, she hide him three months. And when could not longer hide him, she took for him an ark of bulrushes and doubled it with slime and with pitch and put the child therein; and she laid it in the flags by the river's bank. And his sister stood afar off, to wit what would be done to him. And the daughter of Pharaoh came down to wash herself at the river; and her maidens walked along by the river's side; and when she saw the ark among the flags, she sent her maid to fetch it. And when she had opened it, she saw the child: and behold, the babe wept. And she had compassion on him, and said, this is one of the Hebrews' children. Then said his sister to Pharaoh's daughter, shall I go and call to the nurse of the the Hebrew woman, that she may nurse the child for thee. And Pharaoh's daughter said to her, go.

Marfat.com

And the maid went and called the child's mother. And Pharaoh's daughter said unto her, take this child away, and nurse it for me, and I will give thee thy wages. And the woman took the child and nursed it. And the child grew and she brought him unto Pharaoh's daughter, and he became her son. And she called his name Moses: And she said, because I drew him out of water.(۲۲)

"اور لاوی کے گھرانے کے ایک شخص نے جا کر لاوی کی نسل کی ایک عورت سے بیاہ کیا۔ وہ عورت حاملہ ہوئی اور اس کے بیٹا ہوا اس نے یہ دیکھ کر کہ بچہ خوبصورت ہے تین مہینے تک اسے چھپا کر رکھا۔ اور جب اسے اور زیادہ چھپا نہ سکی تو اس نے سرکنڈوں کو ایک ٹوکرا لیا اور اس پر چکنی مٹی اور رال لگا کر لڑکے کو اس میں رکھا اور اسے دریا کے کنارے جھاؤ میں چھوڑ آئی۔ اور اس کی بہن دور کھڑی رہی تاکہ دیکھے کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ اور فرعون کی بیٹی دریا پر غسل کرنے آئی اور اس کی سہیلیاں دریا کے کنارے کنارے ٹہلنے لگیں۔ تب اس نے جھاؤ میں وہ ٹوکرا دیکھ کر اپنی سہیلی کو بھیجا کہ اسے اٹھا لائے۔ جب اس نے اسے کھولا تو لڑکے کو دیکھا وہ بچہ رو رہا تھا۔ اسے اس پر رحم آیا اور کہنے لگی یہ کسی عبرانی کا بچہ ہے۔ تب اس کی بہن نے فرعون کی بیٹی سے کہا کیا میں جا کر عبرانی عورتوں میں سے ایک دائی تیرے پاس بلا لاؤں جو تیرے لئے اس بچے کو دودھ پلایا کرے؟۔ فرعون کی بیٹی نے اسے کہا جا۔ وہ لڑکی جا کر اس بچے کی ماں کو بلا لائی۔ فرعون کی بیٹی نے اسے کہا تو اس بچے کو لے جا کر میرے لئے دودھ پلا۔ میں تجھے تیری اجرت دیا کروں گی۔ وہ عورت اس بچے کو دودھ پلانے لگی۔ جب بچہ کچھ بڑا ہوا تو وہ اسے فرعون کی بیٹی کے پاس لے گئی اور وہ اس کا بیٹا ٹھہرا اور اس نے اس کا نام موسیٰ یہ کہہ کر

Marfat.com

رکھا کہ میں نے اسے پانی سے نکالا۔

قرآن پاک نے موسیٰؑ کے پیدائش کے سلسلے میں ابتدائی تفصیلات بیان نہیں کیں۔ تالمود میں موسیٰؑ کے والد کا نام عمرام بتایا گیا ہے۔ قرآن اسی کا تلفظ عمران کرتا ہے۔ موسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے ان کے ہاں دو بچے ہو چکے تھے۔ سب سے بڑی لڑکی مریم (Miriam) نامی تھی جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ ان سے چھوٹے حضرت ہارون تھے۔ غالباً" یہ فیصلہ کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو بیٹا پیدا ہوا اسے قتل کر دیا جائے' حضرت ہارون کی پیدائش کے زمانے میں نہیں ہوا تھا' اس لئے وہ بچ گئے۔ پھر یہ قانون جاری ہوا اور اسی خوفناک زمانے میں تیسرے بچے کی پیدائش ہوئی۔[۲۳] قرآن اپنے بیان کا آغاز ام موسیٰؑ کی طرف سے وحی الٰہی سے کرتا ہے کہ جب بچے کے بارے میں خطرہ محسوس ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا۔ یعنی پیدا ہوتے ہی دریا میں ڈال دینے کا حکم نہ تھا بلکہ ارشاد یہ ہوا کہ جب تک خطرہ نہ ہو بچے کو دودھ پلاتی رہو جب راز فاش ہوتا نظر آئے اور اندیشہ ہو کہ بچے کی آواز سن کر یا اور کسی طرح دشمنوں کو اس کی پیدائش کا علم ہوجائے گا' یا خود بنی اسرائیل ہی میں سے کوئی کمینہ آدمی مخبری کر بیٹھے گا' تو بے خوف و خطرہ اسے ایک تابوت میں رکھ کر ڈال دینا۔ بائبل ہی میں ہے کہ پیدائش کے بعد تین مہینے تک حضرت موسیٰؑ کی والدہ ان کو چھپائے رہیں۔[۲۴]۔ تلمود اس پر اضافہ کرتی ہے کہ فرعون کی حکومت نے اس زمانے میں جاسوس عورتیں چھوڑ رکھی تھیں جو اسرائیلی گھروں میں اپنے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے لے جاتی تھیں اور وہاں کسی نہ کسی طرح ان بچوں کو رلا دیتی تھیں تاکہ اگر کسی اسرائیل نے اپنے ہاں کوئی بچہ چھپا رکھا ہو تو وہ دوسرے بچے کی آواز سن کر رونے لگے۔ اس نئے طرز جاسوسی سے حضرت موسیٰؑ کی والدہ پریشان ہوگئیں اور انہوں نے اپنے بچے کی جان بچانے کے لئے پیدائش کے تین مہینے بعد اسے دریا میں ڈال دیا۔ اس حد تک دونوں کتابوں کا بیان قرآن کے مطابق ہے اور دریا میں ڈالنے کی کیفیت بھی انہوں نے وہی بتائی ہے جو قرآن میں بتائی گئی۔ سورہ طہٰ میں ارشاد ہوا ہے اقذفیہ فی التابوت فاقذفیہ فی الیم (بچے کو تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دے)۔ اس کی تائید

Marfat.com

بائبل اور تالمود بھی کرتی ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا اور اسے چکنی مٹی اور رال سے لیپ کر پانی سے محفوظ کردیا' پھر اس میں حضرت موسیٰؑ کو لٹا کر دریائے نیل میں ڈال دیا لیکن سب سے بڑی بات جو قرآن میں بیان کی گئی ہے اس کا کوئی ذکر اسرائیلی روایات میں نہیں ہے یعنی یہ کہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے یہ کام اللہ تعالیٰ کے اشارے پر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ان کو یہ اطمینان دلا دیا تھا کہ اس طریقے پر عمل کرنے میں نہ صرف یہ کہ تمہارے بچے کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ ہم بچے کو تمہارے پاس ہی پلٹا لائیں گے اور یہ کہ تمہارا یہ بچہ آگے چل کر ہمارا رسول ہونے والا ہے۔[۲۵] اس ساری صورت حال کو قرآن کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

و اوحینا الی ام موسٰی ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک و جاعلوہ من المرسلین۔ فالتقطہ آل فرعون لیکون لھم عدوا و حزنا ان فرعون و ھامان و جنود ھما کانوا خطئین و قالت امرات فرعون قرت عین لی ولک عسی ان ینفعنا او نتخذہ ولدا وھم لا یشعرون و اصبح فواد ام موسٰی فرغا ان کادت لتبدی بہ لولا ان ربطنا علی قلبھا لتکون من المومنین و قالت لاختہ قصیہ فبصرت بہ عن جنب و ھم لا یشعرون و حرمنا علیہ المراضع من قبل فقالت ھل ادلکم علی اھل بیت یکفلونہ لکم و ھم لہ نصحون فرددنہ الی امہ کی تقر عینھا ولا تحزن و لتعلم ان وعد اللہ حق و لکن اکثر ھم لا یعلمون۔[۲۶]

"ہم نے موسیٰ کی ماں کو اشارہ کیا کہ اس کو دودھ پلا' پھر جب تجھے اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم نہ کر' ہم اسے تیرے ہی پاس واپس لے آئیں گے اور اس کو پیغمبروں میں شامل کریں گے۔ آخر کار فرعون کے گھر والوں نے اسے دریا سے نکال لیا تاکہ

وہ ان کا دشمن اور ان کے لئے سبب رنج بنے۔ واقعی فرعون اور ھامان اور ان کے لشکر (اپنی تدبیریں) بڑے غلط کار تھے۔ فرعون کی بیوی نے (اس سے) کہا' یہ میرے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' اسے قتل نہ کرو کیا عجب کہ یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو' یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں۔ اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے۔ ادھر موسیٰ کی ماں کا دل اڑا جارہا تھا۔ وہ اس کا راز فاش کر بیٹھتی اگر ہم اس کی ڈھارس نہ بندھا دیتے تا کہ وہ (ہمارے وعدے پر) ایمان لانے والے میں سے ہو۔ اس نے بچے کی بہن سے کہا: "اس کے پیچھے پیچھے جا۔ چنانچہ وہ الگ سے اس کو دیکھتی رہی کہ (دشمنوں کو) اس کا پتہ نہ چلا اور ہم نے بچے پر پہلے ہی دودھ پلانے والیوں کی چھاتیاں حرام کر رکھی تھیں (یہ حالت دیکھ کر) اس لڑکی نے ان سے کہا "میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتاؤں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں اور خیرخواہی کے ساتھ اسے رکھیں؟ اس طرح ہم موسیٰ کو اس کی ماں کے پاس پلٹا لائے تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو اور جان لے کے اللہ کا وعدہ سچا تھا مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

سورہ طٰہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو اپنے احسانات یاد کراتے ہوئے پیدائش کا واقعہ بیان کیا اور اس میں بعض اشارے سورہ قصص کے بیان سے زیادہ ہیں۔ ارشاد باری ہے:

و لقد مننا علیک مرۃ اخری اذ اوحینا الی امک ما یوحی ان اقذفیہ فی التابوت فاقذفیہ فی الیم فلیلقہ الیم بالساحل یاخذہ عدو لی وعدو لہ و القیت علیک محبۃ منی و لتصنع علی عینی اذ تمشی اختک فتقول ھل ادلکم علی من یکفلہ فرجعنک الی امک کی تقر عینھا ولا تحزن۔۔۔(۲۷)

"ہم نے پھر ایک مرتبہ تجھ پر احسان کیا۔(۲۸) یاد کرو وہ جبکہ ہم نے

Marfat.com

تیری ماں کو اشارہ کیا' ایسا اشارہ جو وحی کے ذریعہ ہی کیا جاتا ہے کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے' اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے۔ دریا اسے ساحل پر پھینک دے گا اور اسے میرا اور اس بچے کا دشمن اٹھا لے گا۔ میں نے اپنی طرف سے تجھ پر محبت طاری کردی اور ایسا انتظام کیا کہ تو میری نگرانی میں پالا جائے۔ یاد کر جبکہ تیری بہن چل رہی تھی' پھر جا کر کہتی ہے "میں تمہیں اس کا پتہ دوں جو اس بچے کی پرورش اچھی طرح کرے؟" اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ رنجیدہ نہ ہو۔

قرآن کے بیان میں دو باتوں کا خصوصی ذکر ہے۔ ایک موسیٰؑ کی شخصیت کی جاذبیت اور دوسرے ربانی نگرانی کا اظہار۔ مولانا اصلاحی نے ان نکات کی وضاحت بہت عمدہ کی ہے۔ ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ فرعون کے ہاں موسیٰؑ کے بھیجے جانے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پھر یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور حضرت موسیٰؑ دونوں کے دشمن سے حضرت موسیٰ کی پرورش کرائی بلکہ اس کی تدبیر و حکمت کا یہ بھی ایک کرشمہ ہے کہ اس نے فرعون سے اس کے اور اس کی قوم کے سب سے بڑے دشمن کی پرورش کرائی اور فرعون خود اپنے ہی ہاتھوں اس خطرے کا سامان کیا جس سے بچنے کے لئے اس نے نہ جانے کیا کیا جتن کئے۔

و القیت علیک محبۃ منی۔ یہ وہ خدائی تدبیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو اپنے اور ان کے' دونوں کے دشمن کی نگاہوں میں محبوب بنا دینے کے لئے فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے تم پر اپنی محبت کا ایک پرتو ڈال دیا۔ بچہ تو یوں ہی موہنا ہوتا ہے۔ ہر سلیم الفطرت انسان کے اندر اس کو دیکھ کر شفقت پیدا ہوتی ہے اور حضرت موسیٰؑ تو' تورات کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ نہایت خوبصورت بھی تھے۔[۲۹] پھر مزید لطف خداوندی یہ ہوا کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ایک پرتو

Marfat.com

ڈال دیا۔ کون اندازہ کر سکتا ہے کہ اس بچے کے موہنے پن کا جس پر محبت الٰہی کا پرتو ہو! ایک ایسا موہنا بچہ جب وہ سرکنڈوں کی ایک ٹوکری میں، دریا کی موجوں کا پھینکا ہوا، یکہ و تنہا، معصومیت و دل آویزی کی مورت بنا ہوا پڑا ہو تو آخر کس کا دل اس کے دیکھ کر تڑپ نہیں جائے گا! فرعون آخر فرعون ہی تھا کوئی پتھر تو نہیں تھا! چنانچہ یوں ہوا کہ فرعون اور اس کی بیوی نیل کے کنارے سیر کو نکلے، ان کی نظر ٹوکرے پر پڑ گئی۔ اس میں انہوں نے ایک چاند سے بچے کو دیکھا۔ سمجھ گئے کہ یہ کسی اسرائیلی کا بچہ ہے جس کو غالباً اس کے ماں باپ نے، اس کے قتل کے اندیشہ سے، تن بہ تقدیر، دریا کی موجوں کے حوالہ کر دیا ہے کہ شاید اسی راہ سے اس کے بچاؤ کی کوئی شکل پیدا ہو جائے۔ بچہ کو دیکھ کر ان کے دل میں رحم پیدا ہو گیا۔ اس رحم میں بھی زیادہ دخل فرعون کی بیوی کا تھا۔(۳۰) عورتیں یوں بھی فطرتاً بچوں کے معاملے میں بڑی رحم دل ہوتی ہیں اور فرعون کی یہ بیوی تو، جیسا کہ سورہ تحریم کی آیت ۱۱ سے ثابت ہے کہ نہایت خدا ترس اور رحم دل بی بی تھیں۔ بہرحال اس خدائی تدبیر سے دریائے نیل میں پھینکے ہوئے حضرت موسیٰؑ اسی فرعون کے محل میں پرورش کے لئے پہنچ گئے جس کے ڈر سے ان کی ماں نے اپنے آغوش سے جدا کر کے ان کو دریا کی آغوش میں دیا تھا۔

و لتصنع علی عینی یہاں حرف عطف بر بنائے قرینہ دلیل ہے کہ اس کا معطوف علیہ محذوف ہے ۔ ۔ ۔ اس کو کھول دیجئے تو پوری بات یوں ہو گی کہ ہم نے تم پر اپنی محبت کا پرتو اس لئے ڈالا کہ تم سے تمہارے دشمن محبت کریں اور تمہاری پرورش خاص ہماری نگرانی میں، ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی محبت کا یہ پرتو ہی تھا جو حضرت موسیٰؑ کا محافظ بنا اور اس محافظ نے اس طرح ان کو محفوظ کر دیا کہ ان کو نہ صرف یہ کہ اپنے جانی دشمن سے کوئی خطرہ نہیں رہا بلکہ وہ دشمن

ان کا گرویدہ بن گیا۔ اسی محافظ محبت کو اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی آنکھ سے تعبیر فرمایا ہے گویا اپنی محبت کا پرتو ڈال کر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر اپنی حفاظت کا پہرہ بٹھا دیا۔ (۳۱)

فرعون کی بیوی کا کردار

قرآن نے تابوت کے پکڑے جانے کی تفصیلات بیان نہیں کیں۔ بائبل کے مطابق فرعون کی بیٹی کو اس کی سہیلیوں نے نکال کر دیا۔ اس کا بھی امکان ہے کہ فرعون اور اس کی بیوی سیر کر رہے ہوں اور انہوں نے اس ٹوکرے کو دیکھا ہو اور نکلوایا ہو یا محل کے عملے نے دریا سے نکال کر پیش کیا ہو اور قتل کا بھی مشورہ دیا۔ سب امکانات ہیں یقینی بات اتنی ہے کہ فرعون کی بیوی کو بچے کو دیکھنے کے بعد اس موہنی صورت کی وجہ سے بے اختیار پیار آیا۔ اس لئے اس سے نہ رہا گیا اور اس نے کہا کہ اسے قتل نہ کرو بلکہ لے کر پال لو۔ یہ جب ہمارے ہاں پرورش پائے گا اور ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں گے تو اسے کیا خبر ہوگی کہ میں اسرائیلی ہوں۔ یہ اپنے آپ کو آل فرعون کا ایک فرد سمجھے گا اور اس کی قابلیتیں بنی اسرائیل کے بجائے ہمارے کام آئیں گی۔ بائبل اور تلمود کا بیان ہے کہ وہ عورت جس نے حضرت موسیٰؑ کو پالنے اور بیٹا بنانے کے لئے کہا تھا فرعون کی بیٹی تھی لیکن قرآن صاف الفاظ میں اسے ''امراۃ فرعون'' (فرعون کی بیوی) کہتا ہے اور ظاہر ہے کہ صدیوں بعد مرتب کی ہوئی زبانی روایت کے مقابلہ میں براہ راست اللہ تعالیٰ کا بیان ہی قابل اعتماد ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ اسرائیلی روایات سے مطابقت پیدا کرنے کی خاطر عربی محاورہ استعمال کے خلاف ''امراۃ فرعون'' کے معنی ''فرعون کے خاندان کی عورت'' کئے جائیں۔ (۳۲)

مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی کا خیال ہے کہ مورخین اس اختلاف کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ ہوسکتا ہے کہ پانی میں بہتے ہوئے صندوق کو فرعون کی بیٹی نے اٹھایا ہو اور بیٹا بنانے کی آرزو اور فرعون سے اس بچہ کو قتل نہ کرنے اور خود پالنے کی خواہش کا اظہار اور فرعون سے سفارش فرعون کی بیوی (آسیہ) نے کی ہو۔ (۳۳)

مولانا سیوہاروی نے قرآن کے انداز بیان کو اس رائے کے حق میں بطور استدلال بیان کیا ہے کیونکہ قرآن نے صندوق اٹھانے والوں کے لئے "آل فرعون" اور قتل نہ کرنے کی سفارش کرنے والے کے لئے "امراۃ فرعون" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ (۳۴) لیکن بائبل کا پورا بیان پڑھنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ وہاں فرعون کی بیوی کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اس کے آخر میں ہے کہ ام موسیٰ اسے فرعون کی بیٹی کے پاس لائی اور وہ اسی کا بیٹا قرار پایا۔ (۳۵)

سید مودودیؒ کی رائے زیادہ صائب ہے کہ براہ راست وحی الٰہی کا بیان زبانی روایات پر مبنی بیان سے زیادہ قابل اعتبار ہے اس لئے فرعون کی بیوی ہی کے مثبت رویہ کے باعث ہی موسیٰؑ کی جان بچی اور شاہی محل میں پرورش پانے کے مستحق بنے۔ مشیت الٰہی کی تدبیر میں فرعون کی بیوی کا کردار طے شدہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ تحریم میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

ضرب اللہ مثلاً للذین آمنوا امراۃ فرعون اذ قالت رب ابن لی عندک بیتا فی الجنۃ و نجنی من فرعون و عملہ و نجنی من القوم الظالمین۔ (۳۶)

اور اللہ ایمان والوں کے لئے مثال بیان کرتا ہے فرعون کی بیوی کی۔ جب کہ اس نے دعا کی: اے میرے رب! میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھ کو نجات دے فرعون سے اور اس کے عمل سے اور مجھے نجات دے ظالموں کی قوم سے۔

بچے کا اپنی ماں کے پاس لوٹنا

مشیت الٰہی کی تدبیر میں صرف موسیٰؑ کو بچانا ہی نہ تھا بلکہ اسے ماں کے پاس لوٹانا بھی تھا کیونکہ اس کے بغیر مقاصد الٰہیہ کی تکمیل ممکن نہ تھی۔ اس عمر کے بچے کا ماں سے چھن جانا ایک ناقابل برداشت صدمہ ہے اور اگر ارادہ الٰہیہ کا فعال تصرف نہ ہوتا تو سارا منصوبہ الٹ سکتا تھا۔ ام موسیٰؑ کا حال یہ تھا کہ انہوں نے ایماء خداوندی سے

دریا میں تو ڈال دیا لیکن غم سے کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔ ان کا دل صبر و قرار سے بالکل خالی ہوگیا قریب تھا کہ بے صبری میں ان سے کوئی ایسی بات صادر ہو جائے جس سے راز فاش ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو سنبھال لیا تاکہ جس دولت ایمان سے وہ بہرمند تھیں اس پر اس آزمائش میں بھی وہ ثابت قدم رہیں۔ ارشاد باری ہے:

و اصبح فواد ام موسی فارغا ان کادت لتبدی به لولا ان ربطنا علی قلبها لتکون من المومنین (۳۷)

اور موسیٰ کی ماں کا دل بالکل بے چین ہوگیا۔ قریب تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو نہ سنبھالتے کہ وہ اہل ایمان میں سے بنی رہی۔

اس کے لئے دو تدابیر کی گئیں ایک تو ام موسیٰؑ نے اپنی بیٹی کو اس تابوت کی نگرانی پر مامور کیا اور دوسرے اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ پر تمام عورتوں کا دودھ ممنوع کر دیا۔ یہی دو تدابیر بچے کو اپنی ماں کے پاس لانے کا باعث بنیں۔ پہلی تدبیر کے بارے میں قرآن کا بیان ہے:

و قالت لاخته قصیه فبصرت به عن جنب و هم لا یشعرون (۳۸)

اور اس نے اسکی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا تو وہ اس کو دور سے دیکھتی رہی اور ان لوگوں کو اس کی خبر نہ ہونے پائی۔

چنانچہ موسیٰؑ کی بہن لوگوں کی نظریں بچا کر اس کو دیکھتی رہی بالاخر ان کو معلوم ہوگیا کہ صندوق فرعون کے محل کے پاس پہنچا اور وہاں دریا نے اس کو کنارے پر ڈال دیا اور فرعون اور اس کی بیوی نے بچے کو اٹھا لیا۔ دوسری تدبیر کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

و حرمنا علیها المراضع من قبل (۳۹)

اور ہم نے بچے پر پہلے ہی دودھ پلانے والوں کی چھاتیاں حرام کر رکھی تھیں۔

حضرت موسیٰؑ کی بہن جو نگرانی کر رہی تھیں وہ فرعون کے محل میں پہنچیں۔ وہاں

Marfat.com

انہوں نے دیکھا کہ بچے کو کسی دایہ کا دودھ پلانے کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن بچہ مچلا ہوا ہے' وہ کسی کی چھاتی منہ ہی سے نہیں لگاتا۔ حضرت موسیٰؑ کی بہن نے فرعون کی بیوی کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر آپ لوگ کہیں تو میں ایک ایسے گھر والوں کا پتہ دے سکتی ہوں جو اس بچے کی نہایت اچھی دیکھ بھال کریں گے اور بچے کو مانوس کرلیں گے۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ کے دودھ نہ پینے کے سبب فرعون اور اس کے گھر والوں کو نہایت پریشانی تھی اس وجہ سے یہ تجویز مان لی گئی اور اس طرح حضرت موسیٰؑ پھر اپنی ماں کی آغوش میں پہنچ گئے۔(۴۰) بائبل میں اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

> "تب اس کی بہن نے فرعون کی بیٹی کو کہا کہ کہیے تو میں جا کر عبرانی عورتوں میں سے ایک دائی تجھ پاس لے آؤں تاکہ وہ تیرے لئے اس لڑکے کو دودھ پلائے۔ فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کہ جا' وہ لڑکی گئی اور لڑکے کی ماں کو بلایا۔ فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کہ اس لڑکے کو لے اور اسے میرے لئے دودھ پلا' میں تجھے اجرت دوں گی۔ اس عورت نے لڑکے کو دودھ پلایا۔(۴۱)

موسیٰؑ کی بہن نے نہ صرف اس تابوت پر نظر رکھی بلکہ مناسب موقع پر ایسی تجویز دی جو موسیٰؑ کی واپسی کا باعث بنی۔ ہمارے پاس تفصیلات موجود نہیں جس سے اندازہ کیا جاسکے کہ اس نے یہ تجویز کب اور کس وقت دی۔ سید مودودیؒ سورہ قصص کی آیت ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کے محل میں بھائی کے پہنچ جانے کے بعد بہن گھر نہیں بیٹھ گئی بلکہ وہ اپنی اسی ہوشیاری کے ساتھ محل کے آس پاس چکر لگاتی رہی۔ پھر جب اسے پتہ چلا کہ بچہ کسی کا دودھ نہیں پی رہا اور ملکہ عالیہ پریشان ہیں کہ کوئی ایسی انا ملے جو بچے کو پسند آئے تو وہ ذہین لڑکی سیدھی محل میں پہنچ گئی اور جا کر کہا کہ میں ایک اچھی انا کا پتہ بتاتی ہوں جو اس بچے کو بڑی شفقت سے پالے گی۔ اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ قدیم زمانے میں ان ممالک کے بڑے خاندانی لوگ بچوں کو اپنے ہاں پالنے کی بجائے عموماً" اناؤں کے سپرد کر دیتے تھے اور وہ اپنے ہاں ان کی پرورش کرتی تھیں۔ ۔ ۔ ۔ یہی طریقہ مصر میں بھی تھا اسی بنا

Marfat.com

پر حضرت موسیٰؑ کی بہن نے یہ نہیں کہا کہ میں ایک اچھی انا لا کر دیتی ہوں بلکہ یہ کہا کہ میں ایسے گھر کا پتہ بتاتی ہوں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں گے اور اسے خیر خواہی کے ساتھ پالیں گے۔"(۴۲)

مولانا اصلاحی نے سورہ طٰہٰ کی آیت ۴۰ کی تفسیر میں جو نکتہ بیان کیا ہے وہ عمدہ وضاحت ہے وہ لکھتے ہیں:

یہاں "اذ تمشی اختک فتقول" میں صیغے مضارع کے استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی بہن کو بار بار فرعون کی بیوی کو مطمئن کرنے کے لئے ان کے پاس آنا جانا پڑا تب وہ اپنی تجویز پر ان کو راضی کرنے میں کامیاب ہوئیں اس طرح حضرت موسیٰؑ دوبارہ اپنی ماں کے پاس پہنچے اور ماں کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔(۴۳)

ابتدائی زندگی

اس کے بعد کے حالات کے بارے میں کوئی تفصیلات مہیا نہیں۔ بائبل اتنا بتاتی ہے کہ موسیٰؑ جب کچھ بڑے ہوئے تو ام موسیٰؑ انہیں فرعون کی بیٹی کے سپرد کر گئی کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور چونکہ انہیں پانی سے نکالا گیا تھا اس لئے اس کا نام موسیٰ پکارا گیا۔ (۴۴) قرآن نے موسیٰؑ کی پرورش اور فرعون کے ہاں واپسی کے بارے میں کچھ بیان نہیں کیا۔ البتہ یہ واضح ہے کہ موسیٰؑ کی پرورش شاہی خاندان میں ہوئی اور ان کی تعلیم و تربیت میں وہ تمام طریقے اختیار کیے گئے ہوں گے جو شاہزادوں کی تعلیم و تربیت میں اختیار کیے جاتے ہیں۔ عہد نامہ جدید کی کتاب "اعمال" میں ہے کہ: موسیٰؑ نے مصریوں کے تمام علوم کی تعلیم پائی اور وہ کام اور کلام میں قوت والا تھا۔"(۴۵) تلمود کا بیان ہے کہ موسیٰؑ نے فرعون کے گھر میں ایک خوبصورت جوان بن کر اٹھے۔ شاہزادوں کا لباس پہنتے، شاہزادوں کی طرح رہتے اور لوگ ان کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ وہ اکثر جشن کے علاقے میں جاتے جہاں اسرائیلیوں کی بستیاں تھیں۔ اور ان تمام سختیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے جو ان کی قوم کے ساتھ قبطی حکومت کے ملازمین کرتے

Marfat.com

تھے۔ ان ہی کی کوششوں سے فرعون نے اسرائیلیوں کے لئے ہفتہ میں ایک دن کی چھٹی مقرر کی۔ انہوں نے فرعون سے کہا کہ دائما مسلسل کام کرنے کی وجہ سے یہ لوگ کمزور ہوجائیں گے اور حکومت ہی کا نقصان ہوگا۔ ان کی قوت بحال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں ہفتے میں ایک دن آرام کا دیا جائے۔ اسی طرح اپنی دانائی سے انہوں نے اور بہت سے ایسے کام کیے جن کی وجہ سے تمام ملک مصر میں ان کی شہرت ہوگئی۔(۴۶) قرآن صرف ان کی عمر کی پختگی اور خدائی عطیہ علم و حکمت کی بات کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

ولما بلغ اشده آتینه حکما و علما و کذلک نجزی المحسنین(۴۷)

اور جب موسیٰ اپنی پوری جوانی کو پہنچ گئے اور ان کا نشو و نما مکمل ہوگیا تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا۔ ہم نیک لوگوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

قرآن یہاں ان کے ذہنی نشو و نما کی تکمیل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حکم سے مراد حکمت، دانائی، فہم و فراست اور قوت فیصلہ ہے اور علم سے مراد دینی اور دنیوی دونوں علوم ہیں۔ کیونکہ اپنے والدین کے ساتھ ربط ضبط قائم رہنے کی وجہ سے ان کو اپنے باپ دادا، (حضرت یوسف، یعقوب، اسحاق اور ابراہیم) کی تعلیمات سے بھی واقفیت حاصل ہوگئی اور بادشاہ وقت کے ہاں شاہزادے کی حیثیت سے پرورش پانے کے باعث ان کو وہ تمام دنیوی علوم بھی حاصل ہوئے جو اس زمانے کے اہل مصر میں متداول تھے۔ اس حکم اور علم کے عطیہ سے مراد نبوت کا عطیہ نہیں ہے کیونکہ حضرت موسیٰ کی نبوت تو اس سن کے کئی سال بعد عطا فرمائی جیسا کہ آگے آرہا ہے اور اس سے پہلے سورہ شعراء میں بھی بیان ہوچکا ہے۔(۴۸)

مولانا اصلاحی کے بقول جب موسیٰ جسمانی اعتبار سے جوانی کو اور عقلی و مزاجی اعتبار سے اعتدال و توازن کی عمر کو پہنچے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ جوانی بجائے خود کوئی بڑی دقیع چیز نہیں ہے اگر اس کے ساتھ عقلی و مزاجی اعتدال کا جمال نہ ہو۔۔۔ فرمایا جب حضرت موسیٰ جوانی کو پہنچے اور ان کی عقل اور ان کے مزاج میں اعتدال و

Marfat.com

توازن آگیا تو ہم نے ان کو حکمت و معرفت سے نوازا۔ وکذلک نجزی المحسنین اسی طرح جو لوگ خوب کار ہوتے ہیں ہم ان کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں۔ محسنین سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو ان کے صحیح مصرف میں بلکہ صحیح طریقہ پر استعمال کرتے ہیں۔(۴۹)

قرآن نے پوری جوانی اور نشوونما کی تکمیل یا مزاج کے اعتدال و توازن کا ذکر کیا ہے لیکن عمر کا تعین نہیں کیا۔ یہودی روایات میں ان کی عمر ۱۸ سال بیان کی گئی ہے۔ کسی نے ۲۰ سال لکھی ہے اور عہدنامہ جدید میں ۴۰ سال بیان کی گئی ہے۔(۵۰) ان کی زندگی کا یہی مرحلہ ہے جہاں ایک خاص واقعہ پیش آتا ہے اور زندگی نیا موڑ مڑتی ہے۔

قبطی کا قتل اور موسیٰؑ کا مصر سے خروج

بائبل اور قرآن مجید دونوں نے اس واقعہ کو اپنے اپنے انداز سے بیان کیا ہے۔ ہم سب سے پہلے بائبل کا بیان نقل کرتے ہیں:

And it came to pass in those days, when Moses was grown, that he went out unto his brethren, and looked on their burden: and he spied an Egyptian smiting an Hebrew, one of his brethren.

And he looked this way and that way, and when he saw that there was no man, he slew the Egyptian, and hid him in the sand.

And when he went out the second day, behold, two men of the Hebrews strove together: and he said to him that did the wrong, Wherefore smitest thou thy fellow?

And he said, Who made thee a prince and a judge over us? intendest thou to kill me, as thou killedst the Egyptian? And Moses feared, and said, Surely this thing is known.

Marfat.com

Now when Pharaoh heard this thing, he sought to slay Moses. But Moses fled from the face of Pharaoh, and dwelt in the land of Midian: and he sat down by a well..

Now the priest of Midian had seven daughter: and they came and drew water, and filled the troughs to water their father's flock.

And the shepherds came and drove them away: but Moses stood up and helped them, and watered their flock.

And when they came to Reuel their father, he said, How is it that ye are come so soon to day?

And they said, An Egyptian delivered us out of the hand of the shepherds, and also drew water enough for us, and watered the flock.

And he said unto his daughters, and where is he? why is that ye have left the man? call him, that he may eat bread.

And Moses was content to dwell with the man: and he gave Moses Ziporah his daughter.

And she bare him a son, and he called his name Gershom: for he said, I have been a stranger in a strange land. (51)

اتنے میں جب موسیٰ بڑا ہوا تو باہر اپنے بھائیوں کے پاس گیا اور ان کی مشقتوں پر اس کی نظر پڑی اور اس نے دیکھا کہ ایک مصری اس کے ایک عبرانی بھائی کو مار رہا ہے۔ پھر اس نے ادھر ادھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اس مصری کو جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا۔ پھر دوسرے دن وہ باہر گیا اور دیکھا کہ دو عبرانی آپس میں مار پیٹ کر رہے ہیں۔ تب اس نے اسے جس کا قصور تھا کہا کہ تو اپنے ساتھی کو مارتا ہے۔ اس نے کہا تجھے کس نے ہم پر حاکم یا منصف مقرر کیا؟ کیا جس طرح تو نے اس مصری کو مار ڈالا مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے؟

Marfat.com

تب موسیٰؑ یہ سوچ کر ڈرا کہ بلا شک یہ بھید فاش ہوگیا۔ جب فرعون نے یہ سنا تو چاہا کہ موسیٰؑ کو قتل کرے پر موسیٰؑ فرعون کے حضور سے بھاگ کر ملک مدیان میں جا بسا۔ وہاں وہ ایک کوئیں کے نزدیک بیٹھا تھا۔ اور مدیان کے کاہن کی سات بیٹیاں تھیں۔ وہ آئیں اور پانی بھر بھر کر کٹھروں میں ڈالنے لگیں تا کہ اپنے باپ کی بھیڑ بکریوں کو پلائیں۔ اور گڈریے آکر ان کو بھگانے لگے لیکن موسیٰؑ کھڑا ہوگیا اور اس نے ان کی مدد کی اور ان کی بھیڑ بکریوں کو پانی پلایا۔ اور جب وہ اپنے باپ رعوایل کے پاس لوٹیں تو اس نے پوچھا کہ آج تم اس قدر جلد کیسے آگئیں؟ انہوں نے کہا کہ ایک مصری نے ہم کو گڈریوں کے ہاتھ سے بچایا اور ہمارے بدلے پانی بھر بھر کر بھیڑ بکریوں کو پلایا۔ اس نے اپنی بیٹیوں سے کہا کہ وہ آدمی کہاں ہے؟ تم اسے کیوں چھوڑ آئیں؟ اسے بلا لاؤ کہ روٹی کھائے۔ اور موسیٰؑ اس شخص کے ساتھ رہنے کو راضی ہوگیا۔ تب اس نے اپنی بیٹی صفورہ موسیٰؑ کو بیاہ دی۔ اور اس کے ایک بیٹا ہوا اور موسیٰؑ نے اس کا نام جیرسوم یہ کہہ کر رکھا کہ میں اجنبی ملک میں مسافر ہوں۔

اس واقعہ کو قران مجید نے سورہ قصص میں مفصل اور سورہ طٰہٰ میں اشارۃً بیان کیا ہے۔ سورہ طٰہٰ میں اسلوب بیان مختلف ہے کیونکہ وہاں اللہ کے انعامات کا تذکرہ ہو رہا ہے اور موسیٰؑ کو یاد کرایا جارہا ہے کہ کس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نگرانی اور اس کی رحمتوں کے سائے میں پلے بڑھے ہیں۔ فرمایا:

و قتلت نفسا فنجینک من الغم و فتنک فتونا فلبثت سنین فی اھل مدین ثم جئت علی قدر یموسیٰ (۵۲)

اور تم نے ایک شخص کو قتل کردیا تو ہم نے تم کو غم سے نجات دی اور ہم نے تم کو خوب پرکھا۔ پھر کئی سال اہل مدین میں رہے۔ پھر خاص اندازہ کئے ہوئے وقت پر تم یہاں پہنچے۔

سورہ قصص میں واقعہ کا تفصیلی بیان کچھ یوں ہے:

Marfat.com

و دخل علی حین غفلة من اهلها فوجد فیها رجلین یقتتلن هذا من شیعته و هذا من عدوه فاستغاثه الذی من شیعته علی الذی من عدوه فوکزه موسیٰ فقضی علیه قال هذا من عمل الشیطن انه عدو مضل مبین قال رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی فغفرله انه هو الغفور الرحیم قال رب بما انعمت علی فلن اکون ظهیرا للمجرمین فاصبح فی المدینة خائفا یترقب فاذا الذی استنصره بالامس لیستصرخه قال له موسیٰ انک لغوی مبین فلما اراد ان یبطش بالذی هو عدو لهما قال یموسیٰ اترید ان تقتلنی کما قتلت نفسا بالامس ان ترید الا ان تکون جبارا فی الارض وما ترید ان تکون من المصلحین و جاء رجل من اقصا المدینة یسعی قال یموسیٰ ان الملا یا تمرون بک لیقتلوک فاخرج انی لک من الناصحین فخرج منها خائفا یترقب قال رب نجنی من القوم الظالمین فلما توجه تلقاء مدین قال عسی ربی ان یهدینی سواء السبیل فلما ورد ماء مدین وجد علیها امة من الناس یسقون و وجد من دونهم امراتین تذودان قال ما خطبکما قالتا لانسقی حتی یصدرا لرعاء و ابونا شیخ کبیر فسقی لهما ثم تولی الی الظل فقال رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر فجاءته احد لهما تمشی علی استحیاء قالت ان ابی یدعوک لیجزیک اجر ما سقیت لنا فلما جاءه وقص علیه القصص قال لا تخف نجوت من القوم الظالمین قالت احد هما یا بت استاجره ان خیر من استاجرت القوی الامین قال انی ارید ان انکحک احدی ابنتی هتین علی ان تاجرنی ثمنی حجج فان اتممت عشرا فمن عندک وما ارید ان اشق علیک ستجدنی ان شاء الله من الصلحین قال ذلک بینی و بینک ایما الاجلین قضیت فلا عدوان علی و

Marfat.com

اللہ علی ما نقول وکیل (۵۳)

(ایک روز) وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا جبکہ اہل شہر غفلت میں تھے وہاں اس نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ ایک اس کی اپنی قوم کا تھا اور دوسرا دشمن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی قوم کے آدمی نے دشمن قوم والے کے خلاف اسے مدد کے لئے پکارا۔ موسیٰؑ نے اس کو ایک گھونسا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا (یہ حرکت سرزد ہوتے ہی) موسیٰؑ نے کہا "یہ شیطان کی کارفرمائی ہے وہ سخت دشمن اور کھلا گمراہ کن ہے۔ پھر وہ کہنے لگا "اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا' میری مغفرت فرمادے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی وہ غفور رحیم ہے۔ موسیٰؑ نے عہد کیا کہ "اے میرے رب یہ احسان تونے مجھ پر کیا ہے اس کے بعد میں اب کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔ دوسرے روز وہ صبح سویرے ڈرتا اور ہر طرف سے خطرہ بھانپتا ہوا شہر میں جا رہا تھا کہ یکایک کیا دیکھتا ہے کہ وہی شخص جس نے کل اسے مدد کے لئے پکارا تھا آج پھر اسے پکار رہا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا تو تو بڑا ہی بہکا ہوا آدمی ہے۔ پھر جب موسیٰؑ نے ارادہ کیا کہ دشمن قوم کے آدمی پر حملہ کرے تو وہ پکار اٹھا "کیا آج تو مجھے اسی طرح قتل کرنے لگا ہے جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر چکا ہے' تو اس ملک میں جبار بن کر رہنا چاہتا ہے اصلاح کرنا نہیں چاہتا۔" اس کے بعد ایک آدمی شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا "موسیٰ' سرداروں میں تیرے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں' یہاں سے نکل جا' میں تیرا خیرخواہ ہوں۔" یہ خبر سنتے ہی موسیٰؑ ڈرتا اور سہمتا نکل کھڑا ہوا اور اس نے دعا کہ "اے میرے رب مجھے ظالموں سے بچا۔ (مصر سے نکل کر) جب موسیٰؑ نے مدین کا رخ کیا تو اس نے کہا "امید ہے کہ میرا رب مجھے ٹھیک راستے پر ڈال دے گا' اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے

ہیں اور ان سے الگ ایک طرف دو عورتیں اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں۔ موسیٰؑ نے ان عورتوں سے پوچھا "تمہیں کیا پریشانی ہے"؟ انہوں نے کہا ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانور نہ نکال لے جائیں اور ہمارے والد ایک بہت بوڑھے آدمی ہیں۔ یہ سن کر موسیٰؑ نے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ پھر ایک سائے کی جگہ جا بیٹھا اور بولا "پروردگار، جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کردے میں اس کا محتاج ہوں۔" (کچھ دیر نہ گزری تھی) کہ ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی "میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے لئے جانوروں کو پانی جو پلایا ہے اس کا اجر آپ کو دیں۔ موسیٰؑ جب اس کے پاس پہنچا اور اپنا سارا قصہ اسے سنایا تو اس نے کہا "کچھ خوف نہ کرو، اب تم ظالم لوگوں سے بچ نکلے ہو۔" ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا "ابا جان، اس شخص کو نوکر رکھ لیجئے بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔ اس کے باپ نے موسیٰؑ سے کہا "میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کردوں بشرطیکہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو۔ اور اگر دس سال پورے کردو تو یہ تمہاری مرضی ہے۔ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا۔ تم ان شاء اللہ مجھے نیک آدمی پاؤ گے۔ موسیٰؑ نے جواب دیا "یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کروں اس کے بعد پھر کوئی زیادتی مجھ پر نہ ہو، اور جو کچھ قول و قرار ہم کر رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔

قرآن مجید کا بیان واضح اور پیغمبر کے شایان شان ہے اور مشیت الٰہی کی سکیم عین مطابق۔ موسیٰؑ کو اگلے مرحلے کے لئے راستہ مہیا کیا جا رہا ہے۔ تاہم قرآن مجید بعض آیات اور واقعہ میں بیان کردہ بعض مقامات کی توضیح کتب تفسیر میں موجود ہے۔

Marfat.com

ہم یہاں بعض مقامات کی وضاحت تدبر قران اور تفہیم القرآن کی تشریحات سے کرنا چاہیں گے۔ اس طرح موسیٰؑ کی حیات مبارکہ کا یہ حصہ اور زیادہ واضح ہوجائے گا۔ قرآنی بیان کی ابتداء میں مذکور ہے کہ موسیٰؑ لوگوں کی بے خبری میں شہر میں داخل ہوئے۔ مولانا اصلاحی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مدینہ سے مراد اصل شہر ہے جو شرفاء و اعیان کا مرکز اور حکومت کا مستقر تھا۔ بنی اسرائیل کی حیثیت چونکہ غلاموں اور خدمتگاروں کی تھی اسی وجہ سے ان کی بستی اصل شہر سے الگ بسائی گئی تھی۔ وہ صرف مزدوروں اور خدمتگاروں کی طرح کام کے اوقات میں شہر میں جایا کرتے تھے۔ موسیٰؑ جب جوان ہوئے..... تو وہ وقتاً فوقتاً شہر میں اپنے مظلوم بھائیوں کا حال دیکھنے کے لئے جانے لگے۔(۵۴) جب موسیٰؑ شہر میں گئے تو ہوسکتا ہے وہ صبح سویرے کا وقت ہو یا گرمی میں دوپہر کا' یا سردیوں میں رات کا بہرحال مراد یہ ہے کہ جب سڑکیں سنسان تھیں اور شہر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔(۵۵) قرآن کے مطابق موسیٰؑ نے غیر ارادی قتل پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور پروردگار نے معاف فرمایا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کے معافی مانگنے پر یہ نہیں فرمایا کہ تم بے قصور ہو' قبطی ظالم آدمی تھا' بلکہ ان کو غلطی کا مرتکب قرار دیتے ہوئے معافی دی تو اس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ معلوم ہوتا ہے میں نے مظلوم کی حمایت کرنی چاہی لیکن معاملہ تحقیق نہ کرنے کے سبب سے مجھ سے ظالم کی حمایت صادر ہوگئی اس وجہ سے آئندہ کے لئے آپ نے یہ عہد فرمایا کہ اب میں بلاتحقیق کسی کی حمایت نہ کروں گا۔ بلکہ صرف اس کی حمایت کروں گا جس کا مظلوم ہونا معلوم ہو۔(۵۶)

موسیٰؑ کا یہ عہد کہ "اس کے بعد میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔" ایک اہم بیان ہے جس کی تفسیر میں قدیم و جدید مفسرین نے توجہ کی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس پر ایک جامع نوٹ لکھا ہے جس سے نہ صرف موسیٰؑ کے مزاج کا پتہ

Marfat.com

چلتا ہے بلکہ دعوت کے کارکن کے لئے ایک رہنما اصول بھی مستنبط ہوتا ہے۔ سید مودودی لکھتے ہیں:

"حضرت موسیٰؑ کا یہ عہد بہت وسیع الفاظ میں ہے۔ اس سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ میں کسی مجرم فرد کا مددگار نہیں بنوں گا' بلکہ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ میری امداد و اعانت کبھی ان لوگوں کے ساتھ نہ ہوگی جو دنیا میں ظلم و ستم کرتے ہیں۔ ابن جریر اور متعدد دوسرے مفسرین نے اس کا یہ مطلب بالکل ٹھیک لیا ہے کہ اس روز حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کی حکومت سے قطع تعلق کر لینے کا عہد کر لیا' کیونکہ وہ ایک ظالم حکومت تھی اور اس نے خدا کی زمین پر ایک مجرمانہ نظام قائم کر رکھا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ کسی ایمان دار آدمی کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ ایک ظالم سلطنت کا کل پرزہ بن کر رہے اور اس کی حشمت و طاقت میں اضافے کا موجب بنے۔

علماء نے بالعموم حضرت موسیٰؑ کے اس عہد سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایک مومن کو ظالم کی اعانت سے کامل اجتناب کرنا چاہئے' خواہ وہ ظالم فرد ہو' یا گروہ' یا حکومت و سلطنت' مشہور تابعی عطاء بن ابی رباح سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ میرا بھائی بنی امیہ کی حکومت میں کوفے کے گورنر کا کاتب (سیکرٹری) ہے۔ معاملات کے فیصلے کرنا اس کا کام نہیں ہے البتہ جو فیصلے کئے جاتے ہیں وہ اس کے قلم سے جاری ہوتے ہیں۔ یہ نوکری وہ نہ کرے تو مفلس ہوجائے۔ حضرت عطاء نے جواب میں یہی آیت پڑھی اور فرمایا: تیرے بھائی کو چاہئے کہ اپنا قلم پھینک دے' رزق دینے والا اللہ ہے۔

ایک اور کاتب نے عامر شعبی سے پوچھا: اے ابو عمرو' میں بس احکام لکھ کر جاری کرنے کا ذمہ دار ہوں فیصلے کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوں کیا یہ رزق میرے لئے جائز ہے؟ انہوں نے کہا "ہو سکتا ہے کہ کسی بے گناہ کے قتل کا فیصلہ کیا جائے اور وہ تمہارے قلم سے جاری ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کا مال ناحق ضبط کیا جائے یا کسی کا گھر گرانے کا حکم دیا جائے اور وہ تمہارے قلم سے جاری ہو۔ پھر امام موصوف نے یہ

Marfat.com

آیت پڑھی جسے سنتے ہی کاتب نے کہا: "آج کے بعد میرا قلم بنی امیہ کے احکام جاری کرنے میں استعمال نہ ہوگا۔" امام نے کہا: "پھر اللہ بھی تمہیں رزق سے محروم نہ فرمائے گا۔" ضحاک کو تو عبدالرحمٰن بن مسلم نے صرف اس خدمت پر بھیجنا چاہا تھا کہ وہ بخارا کے لوگوں کی تنخواہیں جا کر بانٹ آئیں مگر انہوں نے اس سے بھی انکار کردیا۔ ان کے دوستوں نے کہا آخر اس میں کیا حرج ہے؟ انہوں نے کہا میں ظالموں کے کسی کام میں مددگار نہیں بننا چاہتا (روح المعانی' ۲۰/۴۹)

امام ابو حنیفہ کا یہ واقعہ ان کے تمام مستند سوانح نگاروں' الموفق المکی' ابن البزاز الکردری' ملا علی قاری وغیرھم نے لکھا ہے کہ انہی کی تلقین پر منصور کے کمانڈر انچیف حسن بن قحطبہ نے یہ کہہ کر اپنے عہدے سے استعفیٰ دیا تھا کہ آج تک میں نے آپ کی سلطنت کی حمایت کے لئے جو کچھ کیا ہے یہ اگر خدا کی راہ میں تھا تو میرے لئے بس اتنا ہی کافی ہے لیکن اگر یہ ظلم کی راہ میں تھا تو میں اپنے نامہ اعمال میں مزید جرائم کا اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔(۵۷)

موسیٰؑ نے دوسرے دن اس اسرائیلی کو قبطی سے لڑتے ہوئے دیکھا اور اس نے مدد کے لئے پکارا تو موسیٰؑ نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا کہ تو بہکا ہوا آدمی ہے تاہم قبطی کو پکڑنے کی کوشش کی تو اسرائیلی نے گھبراہٹ کے عالم میں شور مچایا اور گزشتہ روز کے قتل کا راز فاش کردیا۔ بائبل کا بیان یہاں قرآن کے بیان سے مختلف ہے بائبل کہتی ہے کہ دوسرے دن جھگڑا دو اسرائیلیوں کے درمیان تھا لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ جھگڑا بھی اسرائیلی اور مصری کے درمیان ہی تھا۔ قرین قیاس بھی یہی دوسرا بیان معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلے دن کے قتل کا راز فاش ہونے کی جو صورت آگے بیان ہو رہی ہے وہ اسی طرح رونما ہوسکتی تھی کہ مصری قوم کے ایک شخص کو اس واقعہ کی خبر ہوجاتی۔ ایک اسرائیلی کے علم میں اس کے آجانے سے یہ امکان کم تھا کہ اپنی قوم کے پشتیبان شہزادے کے اتنے بڑے قصور کی اطلاع پاتے ہی وہ جا کر فرعونی حکومت میں اس کی مخبری کردیتا۔(۵۸)

راز افشا ہونے کے بعد فرعونیوں کی آتش غضب پوری طرح ان کے خلاف بھڑکی

Marfat.com

اور وہ ان کے قتل کے منصوبے بنانے لگے تو ایک خاص شخص کو اس کا علم ہوا اور وہ بھاگا ہوا موسیٰؑ کے پاس آیا اور انہیں مشورہ دیا کہ یہاں سے نکل جانے میں ہی خیر ہے۔ اس شخص سے متعلق یہاں تفصیل نہیں ہے لیکن سورہ مومن میں ایک مومن آل فرعون کا ذکر بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ ان کا تعلق شاہی خاندان سے تھا۔ یہ ابتدا ہی سے موسیٰؑ کے خیرخواہوں میں سے تھے . : . . انہوں نے اعیان حکومت کے سامنے حضرت موسیٰؑ کی بڑی پرزور حمایت کی۔ ان وجوہ سے ظن غالب یہ ہے کہ یہ اشارہ بھی انہی کی طرف ہے۔(۵۹) موسیٰؑ وہاں سے مدین کی طرف جاتے ہیں۔ قرآن کے اسلوب کلام سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ جس وقت مصر سے نکلے ہیں اس وقت انہوں نے اپنے سفر کی منزل متعین نہیں کی تھی۔ یہ فیصلہ انہوں نے بعد میں کیا کہ انہیں مدین کی طرف جانا چاہئے اور مدین کے معاملے میں بھی یہ بات ان کے ذہن میں واضح نہیں تھی کہ انہیں کس کے پاس اور کس مقام پر جانا چاہئے بلکہ بغیر کسی تعین کے مدین کی سمت کو اس امید کے ساتھ چل کھڑے ہوئے کہ رب کریم و کارساز سیدھی راہ کی طرف راہنمائی فرمائے گا اور کسی مستقر پر پہنچائے گا۔(۶۰)

بائبل کا بیان اس امر میں قرآن سے متفق ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے مصر سے نکل کر مدین کا رخ کیا تھا لیکن تلمود یہ بے سروپا قصہ بیان کرتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ مصر سے بھاگ کر حبش چلے گئے اور وہاں بادشاہ کے مقرب ہوگئے اور پھر اس کے مرنے پر لوگوں نے ان کو اپنا وارث بنا لیا اور اس کی بیوہ سے ان کی شادی کردی۔ ۴۰ سال گزر جانے کے بعد اس عورت نے حبش کے باشندوں سے شکایت کی کہ اس شخص نے آج تک نہ تو مجھ سے زن و شو کا تعلق رکھا ہے اور نہ کبھی حبش کے دیوتاؤں کی پرستش کی ہے اس پر امرائے سلطنت نے انہیں معزول کر کے اور بہت سا مال دے کر ملک سے باحترام رخصت کردیا۔ تب وہ حبش سے مدین پہنچے اور وہ واقعات پیش آئے جو آگے بیان ہو رہے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔ اس قصے کے بے سروپا ہونے کی ایک کھلی دلیل یہ ہے کہ اس قصے میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اس زمانے میں اسیریا (شمالی عراق) پر حبش کی حکومت تھی، اور اسیریا والوں کی بغاوتیں کچلنے کے لئے

حضرت موسیٰؑ نے بھی اور ان کی پیش رو بادشاہ نے بھی فوجی چڑھائیاں کی تھیں۔ اب جو شخص بھی تاریخ جغرافیہ سے کوئی واقفیت رکھتا ہو وہ نقشے پر ایک نگاہ ڈال کر دیکھ سکتا ہے کہ اسیریا پر حبش کا تسلط اور حبش فوج کا حملہ یا تو اس صورت میں ہو سکتا تھا کہ مصر اور فلسطین و شام پر اس کا قبضہ ہوتا یا پورا ملک عرب اس کے زیر نگیں ہوتا' یا حبش کا بیڑا ایسا زبردست ہوتا کہ وہ بحر ہند اور خلیج فارس کو عبور کر کے عراق فتح کر لیتا۔ تاریخ اس ذکر سے خالی ہے کہ کبھی حبشیوں کو ان ممالک پر تسلط حاصل ہوا ہو۔ یا ان کی بحری طاقت اتنی زبردست رہی ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنی اسرایل کا علم خود اپنی تاریخ کے بارے میں کتنا ناقص تھا اور قرآن ان کی غلطیوں کی تصیح کر کے صیح واقعات کیسی منقح صورت میں پیش کرتا ہے۔ لیکن عیسائی یہودی مستشرقین کو یہ کہتے ذرا شرم نہیں آتی کہ قرآن نے یہ قصے بنی اسرائیل سے نقل کر لئے ہیں۔(٦١)۔

واضح رہے کہ اس زمانہ میں مدین فرعون کی سلطنت سے باہر تھا۔ مصر کی حکومت پورے جزیرہ نمائے سینا پر نہ تھی بلکہ صرف اس کے مغربی اور جنوبی علاقے تک محدود تھی۔ خلیج عقبہ کے مشرقی اور مغربی سواحل جن پر بنی مدیان آباد تھے' مصری اثر و اقتدار سے بالکل آزاد تھے۔ اسی بنا پر حضرت موسیٰؑ نے مصر سے نکلتے ہی مدین کا رخ کیا تھا کیونکہ قریب ترین آزاد اور آباد علاقہ وہی تھا۔ لیکن وہاں جانے کے لئے انہیں گزرنا بہرحال مصر کے مقبوضہ علاقوں ہی سے تھا اور مصر کی پولیس اور فوجی چوکیوں سے بچ کر نکلنا تھا۔ اسی لئے انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے ایسے راستے پر ڈال دے جس سے میں صیح و سلامت پہنچ جاؤں۔(٦٢)

مدین میں ورود

موسیٰؑ مدین پہنچے تو اس کے کنویں یا چشمے پر بیٹھ گئے۔ یہ مقام جہاں موسیٰؑ پہنچے تھے عربی روایات کے مطابق خلیج عقبہ کے غربی ساحل پر مقنا سے چند میل بجانب شمال واقع تھا۔ سید مودودیؒ کے بقول آج کل اسے البدع کہتے ہیں اور وہاں ایک چھوٹا سا قصبہ آباد ہے میں نے دسمبر ١٩٥٩ء میں تبوک سے عقبہ جاتے ہوئے اس جگہ کو دیکھا

Marfat.com

ہے۔ مقامی باشندوں نے مجھے بتایا کہ ہم باپ دادا سے یہی سنتے چلے آئے ہیں کہ مدین اسی جگہ واقع تھا۔(۶۳) وہاں انہوں نے دیکھا کہ چرواہوں کی ایک بھیڑ اپنے اپنے گلوں کو پانی پلا رہی ہے اور دو عورتیں اپنے گلے روکے ہوئے ہیں ان سے پرے کھڑی ہیں۔ لفظ "تذو دان" سے یہ بات نکلتی ہے کہ ان کا گلہ تو گھاٹ پر پہنچ کر پانی پینے کے لئے آگے بڑھنے کے لئے زور لگا رہا ہے لیکن ان بیچاریوں کو زبردستی اس کو پیچھے ہٹانا پڑ رہا ہے۔ انہوں نے ان سے پوچھا کہ تمہارے سامنے کیا مشکل ہے؟ یہاں آ کر تم اپنے گلے کو کیوں روکے کھڑی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے باپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ گلے کی دیکھ بھال ہمیں کرنی پڑ رہی ہے اور ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس بھیڑ کے اندر گھس کر اپنے گلے کو پانی پلا سکیں اس وجہ سے ہمیں چرواہوں کے واپس ہونے تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ جب تک وہ اپنے گلے ہٹا نہ لیں ہم اپنے گلے کو پانی نہیں پلا سکتے۔ ان شریف زادیوں کی یہ بات سن کر حضرت موسیٰؑ کا جذبہ حمایت ضعیف بھڑک اٹھا۔ وہ اٹھے اور ان کی بکریوں کو انہوں نے پانی پلایا۔ اور پانی پلا کر پھر اسی سایہ میں آ کر بیٹھ گئے جس کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور دعا فرمائی:(۶۴)

رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔(۶۵)

اے رب! اس جو چیز بھی تو میرے لئے نازل فرمائے اس کا محتاج ہوں۔

بائبل کا بیان مختلف ہے اس کے مطابق بیبیوں نے حوض کو پانی سے بھر لیا تھا مگر دوسرے لوگوں نے زبردستی ان کو ہٹا کر اپنے جانوروں کو پانی پلانا شروع کر دیا' یہ دیکھ کر موسیٰؑ کو غصہ آیا۔ اسی طرح بائبل میں ہے کہ شیخ مدین کی سات بیٹیاں تھیں۔(۶۶)

شیخ مدین کے ہاں حاضری

جیسا کہ بائبل میں ہے اس روز صاحبزادیاں چونکہ معمول کے خلاف وقت سے پہلے فارغ ہو کر گھر پہنچ گئیں اس لئے والد نے ان سے پوچھا کہ آج تم اتنی جلدی کیسے چلی آئیں؟ اس پر انہوں نے بتایا کہ کہ آج ایک مصری نے ہم پر احسان کیا کہ اس نے ہماری بکریوں کو خود بھر کر پانی پلا دیا۔ والد نے ان سے فرمایا تم نے ان کو چھوڑ کیوں

Marfat.com

دیا؟ جا کر ان کو بلا لاؤ کہ ہمارے ہاں روٹی کھائیں۔(۶۷)۔ حضرت موسیٰؑ ابھی سایہ میں بیٹھے ہی تھے کہ ان میں سے ایک صاحبزادی لجاتی شرماتی ہوئی آئیں اور بولیں آپ کو ہمارے والد ماجد بلاتے ہیں کہ آپ نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کا آپ کو صلہ دیں۔ حضرت موسیٰؑ اس وقت اس طرح کی کسی مدد کے نہایت محتاج تھے۔ اس کو انہوں نے تائید غیبی سمجھا اور فوراً اس کے ساتھ ہو لئے۔(۶۸) قرآن نے اس بی بی کے آنے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

فجاء ته احدٰهما تمشی علی استحیاء(۶۹)

یعنی ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

وہ حضرت موسیٰؑ کو بلانے آئیں تو شرماتی ہوئی آئیں یعنی یہ نہیں کیا کہ آکر بے دھڑک حضرت موسیٰؑ کے سامنے کھڑی ہو جائیں بلکہ سمٹی سمٹائی' کپڑوں کو سنبھالے اور اپنی احتیاط کی جگہوں کو محفوظ کیے ہوئے آئیں۔(۷۰) حضرت عمرؓ نے اس فقرے کی یہ تشریح کی ہے:

جاء ت تمشی علی استحیاء قائلة بثو بها علی وجهها لیست بسلفع من النساء دلاجة و لا جة خراجة

وہ شرم و حیاء کے ساتھ چلتی ہوئی اپنا منہ گھونگھٹ سے چھپائے ہوئے آئی۔ ان بے باک عورتوں کی طرح درانہ نہیں چلی آئی جو ہر طرف نکل جاتی اور ہر جگہ جا گھستی ہیں۔

اس مضمون کی متعدد روایات سعید بن منصور' ابن جریر' ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے معتبر سندوں کے ساتھ حضرت عمر سے نقل کی ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے عہد میں حیا داری کا اسلامی تصور جو قرآن اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم و تربیت سے ان بزرگوں نے سمجھا تھا' چہرے کو اجنبیوں کے سامنے کھولے پھرنے اور گھر سے باہر بے باکانہ چلت پھرت دکھانے کے "قطعاً" خلاف تھا۔(۷۱)۔ مولانا اصلاحی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Marfat.com

اب سوال یہ ہے کہ واقعہ کی یہ جزئیات قرآن نے اس جز رسی کے ساتھ کیوں بیان فرمائی ہیں؟ اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ قرآن ہر قدم پر یہ نمایاں کرنا چاہتا ہے کہ شریفانہ زندگی کے عادات و اطوار کیا ہیں اور شریف بی بی کو مردوں کے معاملے میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ یہی شریفانہ عادات و اطوار ہیں جن کو قرآن نے ایک ضابطہ کی صورت میں سورہ نور اور سورہ احزاب میں ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔(۷۲)

موسیٰؑ شیخ مدین کی دعوت پر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو اپنی ساری داستان سنائی۔ انہوں نے سارا ماجرا سن کر فرمایا:

لا تخف نجوت من القوم الظالمین

اب تم کوئی خوف نہ کرو خدا نے تمہیں ظالموں سے نجات دی۔

یہ بشارت موسیٰؑ کی دعا کا جواب تھی جو انہوں نے بدین الفاظ مانگی تھی:

رب نجنی من القوم الظالمین

پروردگار مجھے ان ظالموں کے شر سے نجات دے۔

شیخ سے رشتہ مصاہرت

مولانا اصلاحی نے احدٰهما کے اعادے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ شیخ کی دوسری صاحبزادی نے والد سے سفارش کی کہ انہیں ملازم رکھ لیا جائے۔ اور ملازم کی صفات بیان کرتے ہوئے القوی الامین کے الفاظ استعمال کئے۔ صاحبزادی نے حضرت موسیٰؑ کی مروت، بے نیازی اور پاکیزہ نگاہی کا تجربہ تو خود ہی کر لیا تھا پھر ان کی فتوت کی وہ سرگزشت جو حضرت موسیٰؑ نے سنائی تھی اس سے ان پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ اس عزم و ہمت کے آدمی کے اندر اگر امانت و دیانت نہ ہوگی تو بھلا کس میں ہوگی۔(۷۳)

مولانا سیوہاروی کے مطابق شیخ مدین اور موسیٰؑ کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی کہ بیٹی نے سفارش کی۔(۷۴) جبکہ سید مودودی کے بقول: "ضروری نہیں کہ یہ بات لڑکی نے اپنے باپ سے حضرت موسیٰؑ کی پہلی ملاقات کے وقت ہی کہہ دی ہو۔ اغلب یہ

Marfat.com

ہے کہ اس کے والد نے اجنبی مسافر کو ایک دو روز اپنے پاس ٹھہرا لیا ہوگا اور اس دوران میں کسی وقت بیٹی نے باپ کو یہ مشورہ دیا ہوگا۔ اس مشورے کے مطلب یہ تھا کہ آپ کی کبرسنی کے باعث مجبوراً" ہم لڑکیوں کو کام کے لئے نکلنا پڑتا ہے۔ ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے کہ باہر کے کام کو سنبھالے۔ آپ اس شخص کو ملازم رکھ لیں۔ مضبوط آدمی ہے ہر طرح کی مشقت کرلے گا بھروسے کے قابل آدمی ہے۔ محض اپنی شرافت کی بنا پر اس نے ہم عورتوں کو بے بس کھڑا دیکھ کر ہماری مدد کی اور کبھی ہماری طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ بیٹی کی بات سنتے ہی باپ نے فوراً حضرت موسیٰؑ سے یہ بات کہہ دی ہو۔ قیاس چاہتا ہے کہ انہوں نے بیٹی کے مشورے پر غور کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہوگی کہ آدمی شریف سہی مگر جوان بیٹیوں کے گھر میں ایک جوان' تندرست و توانا آدمی کو یونہی ملازم رکھ چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ جب یہ شریف' تعلیم یافتہ' مہذب اور خاندانی آدمی ہے (جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کا قصہ سن کر انہیں معلوم ہوچکا ہوگا) تو کیوں نہ اسے داماد بنا کر ہی گھر میں رکھا جائے۔ اس رائے پر پہنچنے کے بعد انہوں نے کسی مناسب وقت پر حضرت موسیٰؑ سے یہ بات کہی ہوگی۔(۷۵)

شیخ نے موسیٰؑ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح اس شرط کے ساتھ تمہارے ساتھ کردوں کہ تم آٹھ سال میری خدمت کرو اور اگر تم نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ میں اس معاملے میں تم پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ ویسے انشاء اللہ تم مجھے بھلے آدمیوں میں سے پاؤ گے۔ یہ پیش کش اشارہ غیبی پر فرمائی گئی ہوگی اور ان کا یہ ارشاد کہ ما ارید ان اشق علیک حضرت موسیٰؑ کو معاملہ پر غور کر کے فیصلہ کرنے کے لئے ایک مہلت تھی کہ وہ اس شرط پر اچھی طرح غور کر کے فیصلہ کریں' ان کے دباؤ میں آکر مجبوراً" کوئی فیصلہ نہ کریں۔ حضرت موسیٰؑ نے یہ پیش کش اور یہ شرط دونوں منظور کرلیں۔ فرمایا کہ ان دونوں مدتوں میں سے جو مدت بھی میں پوری کرسکا مجھے اس کا اختیار حاصل رہے گا۔ اور اس وقت ہم جو قول و قرار کر رہے ہیں اس پر

Marfat.com

ہم اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہیں۔(۷۶)

یہاں پھر بنی اسرائیل کی ایک کرم فرمائی ملاحظہ ہو جو انہوں نے اپنے جلیل القدر نبی' اپنے سب سے بڑے محسن اور قومی ہیرو پر کی ہے۔ تلمود میں کہا گیا ہے کہ "موسیٰ ' رعویل کے ہاں رہنے لگے' اور وہ اپنے میزبان کی بیٹی صفورہ پر نظر عنایات رکھتے تھے' یہاں تک کہ آخر کار انہوں نے اس سے بیاہ کر لیا۔" ایک اور یہودی روایت جو جیوئش انسائیکلو پیڈیا میں نقل کی گئی ہے' یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جب یثرو کو اپنا سارا ماجرا سنایا تو اس نے سمجھ لیا کہ یہی وہ شخص ہے جس کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت تباہ ہونے کی پیشین گوئیاں کی گئی تھیں اس لئے اس نے فوراً حضرت موسیٰ کو قید کرلیا تاکہ انہیں فرعون کے حوالہ کر کے انعام حاصل کرے۔ سات یا دس سال تک وہ اس کی قید میں رہے۔ ایک تاریک تہہ خانہ تھا جس میں وہ بند تھے مگر یثرو کی بیٹی زفورا (یا صفورا) جس سے کنویں پر ان کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ چپکے چپکے ان سے قید خانے میں ملتی رہی اور انہیں کھانا پانی بھی پہنچاتی رہی۔ ان دونوں میں شادی کی خفیہ قرارداد ہو چکی تھی۔ سات یا دس سال کے بعد زفورا نے اپنے باپ سے کہا کہ اتنی مدت ہوئی آپ نے ایک شخص کو قید میں ڈال دیا تھا اور پھر اس کی خبر تک نہ لی۔ اب تک اسے مر جانا چاہئے تھا لیکن اگر وہ اب بھی زندہ ہو تو ضرور کوئی خدا رسیدہ آدمی ہے۔ یثرو اس کی یہ بات سن کر جب قید خانے میں گیا تو حضرت موسیٰؑ کو زندہ دیکھ کر اسے یقین آگیا کہ وہ معجزے سے زندہ ہیں۔ تب اس نے زفورا سے اس کی شادی کر دی۔ جو مستشرقین قرآنی قصوں کے ماخذ ڈھونڈتے پھرتے ہیں انہیں کہیں یہ کھلا فرق بھی نظر آتا ہے جو قرآن کے بیان اور اسرائیلی روایات میں پایا جاتا ہے۔(۷۷)

شیخ مدین کا تعین

مفسرین نے شیخ مدین کے تعین کے سلسلے میں کئی اقوال نقل کئے ہیں۔ مولانا سیوہاروی نے ابن کثیر سے پانچ اقوال نقل کئے ہیں۔(۷۸) زیادہ مشہور یہ ہے کہ وہ شعیبؑ ہی ہیں۔ یہی حسن بصری سے منقول ہے۔ مولانا اصلاحی نے اپنی تفسیر میں

Marfat.com

شعیب ہی کا نام استعمال کیا ہے۔ مولانا سیوہاروی لکھتے ہیں :

"ان پانچ اقوال کی نقل کے بعد ہمارے نزدیک راجح اور صحیح مسلک وہی معلوم ہوتا ہے جو ابن جریر اور ابن کثیر جیسے جلیل القدر محدثین و مفسرین نے اختیار کیا ہے' وہ فرماتے ہیں کہ نام کی تصریح کے بارے میں کوئی روایت صحت کو نہیں پہنچتی اور جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ قابل احتجاج نہیں ہیں' اس لئے جس طرح تصریح کئے بغیر قرآن عزیز نے ان کا ذکر کیا ہے اسی طرح ہم بھی ان کے نام کی تصریح کو خدا کے حوالہ کردیں۔ ابن کثیر کی عبارت یہ ہے :

قال ابو جعفر و ھذا مما لا یدرک علمہ' الا بخبر و لا خبر بذلک تجب حجۃ فلا قول فی ذلک اولی بالصواب مما قالہ اللہ جل شانہ (۷۹)

ابو جعفر طبری نے کہا ہے کہ نام کی تصریح کا یہ معاملہ خبر اور اطلاع کے بغیر طے نہیں ہو سکتا۔ اور اس سلسلے میں کوئی خبر (روایت) ایسی موجود نہیں جو حجت اور دلیل بن سکے۔ پس سب سے بہتر قول اس سلسلے میں وہی ہے جو قرآن میں اللہ جل شانہ نے اختیار فرمایا ہے۔ یعنی نام کی تصریح نہیں کی۔ معاصر مفسرین میں سے سید مودودی نے اس پر مفصل نوٹ لکھا ہے۔ ذیل میں اسے نقل کیا جاتا ہے :

"ان خواتین کے والد کے متعلق ہمارے ہاں کی روایات میں یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے لیکن قرآن مجید میں اشارۃ و کنایتہ بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی جس سے یہ سمجھا جاسکے کہ وہ حضرت شعیب ہی تھے حالانکہ شعیبؑ کی شخصیت قرآن میں ایک معروف شخصیت ہے۔ اگر ان خواتین کے والد وہی ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ یہاں اس کی تصریح نہ کردی جاتی۔ بلاشبہ بعض احادیث میں ان کے نام کی تصریح ملتی ہے لیکن علامہ ابن جریر اور ابن کثیر دونوں اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے کسی کی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ اسی لیے ابن عباس' حسن

Marfat.com

بصری، ابو عبیدہ اور سعید بن جبیر جیسے اکابر مفسرین نے بنی اسرائیل کی روایات پر اعتماد کر کے ان بزرگ کے وہی نام بتائے ہیں جو تلمود وغیرہ میں آئے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر نبیؐ سے اسم شعیب کی تصریح منقول ہوتی تو یہ حضرات کوئی دوسرا نام نہ لے سکتے تھے۔ بائبل میں ایک جگہ ان بزرگ کا نام رعوایل اور دوسری جگہ یترو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ مدین کے کاہن تھے۔ (خروج ۲/۱۶-۱۸، ۳/۱، ۱۸/۵) تلمودی لٹریچر میں رعوایل، یترو اور حوباب تین مختلف نام بتائے گئے ہیں۔ موجودہ زمانے کے علمائے یہود کا خیال ہے کہ یترو ہزایکسی لنسی کا ہم معنی لقب تھا اور اصل نام رعوایل یا حوباب تھا۔ اسی طرح لفظ کاہن (Kohen Midious) کی تشریح بھی علماء یہود کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اس کو پروہت (Prieat) کا ہم معنی بتاتے ہیں اور بعض رئیس یا امیر (Prince) کا۔[۸۰]

ایفاء مدت

موسیٰؑ اپنے خسر کے ہاں مدت اجارہ پوری کرنے کے لئے مقیم رہے۔ مفسرین نے مستند روایات کی بنا پر کہا ہے کہ موسیٰؑ نے دس سال پورے کئے۔ ابن عباس کی روایت کے مطابق حضور اکرمؐ نے فرمایا: قضی اکثر ھما و اطیبھما[۸۱] یعنی وہ مدت پوری کی جو زیادہ تھی اور ان کے لئے بہت خوشگوار تھی۔ گویا موسیٰؑ نے دس سال کی مدت پوری کی اور اپنے عہد کو بطریق احسن نبھایا۔ حسن بن علیؓ سے بھی منقول ہے کہ موسیٰؑ نے آٹھ سال کے بجائے دس سال پورے کئے۔ بائبل کے مطابق موسیٰؑ نے یہ عرصہ شیخ مدین کی خدمت میں گزارا۔ شیخ کی بیٹی سے ان کی شادی ہوئی اور اس سے ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام جرشوم رکھا کیونکہ وہ ایک اجنبی ملک میں مسافر تھے۔[۸۲] اس دوران مصر میں بنی اسرائیل کے حالات کیسے تھے؟ اس کے بارے میں بائبل کا بیان ہے:

Marfat.com

And it came to pass in process of time, that the king of Egypt died : and the children of Isreal sighed by reson of the bondage, and they cried, and their cry came up unto God by reason of the bondage.

And God heard their groaning. and God remembered his convenant with Abraham, with Issac, and with Jacob And God looked upon the children of Isreal, and God had respect unto them.(۸۳)

اور ایک مدت کے بعد یوں ہوا کہ مصر کا بادشاہ مر گیا اور بنی اسرائیل اپنی غلامی کے سبب سے آہ بھرنے لگے اور روئے اور ان کا رونا جو ان کی غلامی کے باعث تھا خدا تک پہنچا۔ اور خدا نے ان کا کراہنا سنا اور خدا نے اپنے عہد کو جو ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے ساتھ تھا یاد کیا۔ اور خدا نے بنی اسرائیل پر نظر کی اور ان کے حال کو معلوم کیا۔

قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مدت پوری ہونے کے بعد موسیٰؑ مصر کے لئے روانہ ہوئے جبکہ بائبل کا بیان ہے کہ نبوت ملنے کے بعد وہ مصر کے لئے روانہ ہوئے۔ بائبل کے الفاظ میں :

And Moses went and returned to Jethro his father in law and said unto him, Let me go, I pray thee, and return unto my brethren which are in Egypt. and see whether they be yet alive, And Jethro said to Moses, Go in Peace.

تب موسیٰؑ روانہ ہوا اور اپنے سسر یترو کے پاس گیا اور اسے کہا کہ میں تیری منت کرتا ہوں کہ مجھے رخصت دے کہ اپنے بھائیوں کے پاس جو مصر میں ہیں جاؤں اور دیکھوں کہ وہ ابھی تک زندہ ہیں؟ اور یترو نے موسیٰؑ سے کہا کہ امن و سلامتی سے جاؤ۔

مولانا سیوہاروی کی رائے میں قرآن سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ مدت ختم

Marfat.com

ہوتے ہی چل نکلے۔ "معالم التنزیل" کی یہ بات کہ مدت ختم ہونے کے فوراً بعد ہی موسیٰؑ مصر کو روانہ ہوگئے اور ان کے خسر نے روانگی کے سال میں بکریوں نے جس قدر بچے دیئے تھے ان کے حوالے کر دیئے اور وہ اپنی بیوی اور اس ریوڑ کو لے کر چل پڑے۔ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: شاید ان کا یہ قول اس آیت کے پیش نظر ہو:

فلما قضی موسیٰ الاجل و سار باھلہ آنس من جانب الطور نارا" (۸۵)

پس جب موسیٰؑ نے مدت پوری کر دی اور اپنے اہل کو لے کر چل دیا تو طور کی جانب آگ کو محسوس کیا۔

ان حضرات نے مدت کے ایفاء اور روانگی کے بیان میں جو قربت ہے اس سے یہ اندازہ کر لیا کہ وہ فوراً ہی روانہ ہوگئے حالانکہ جب تک خاص قرینہ موجود نہ ہو اس وقت تک واؤ نہ تعقیب پر دلالت کرتی ہے اور نہ ترتیب پر اور "معالم التنزیل" میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ وفاء مدت کے بعد دس سال مزید اپنے خسر کے یہاں مقیم رہے۔ (۸۶) تورات اسی قول کی تائید کرتی ہے کہ موسیٰؑ مدت ختم ہونے پر فوراً ہی مصر روانہ نہیں ہوگئے تھے بلکہ بکریاں چراتے ہوئے بھولے بھٹکے جب "وادی مقدس" میں پہنچ کر خدا کا حکم ملا کہ بنی اسرائیل کو غلامی سے رہا کراؤ اور مصر جا کر فرعون کے ظلم سے ان کو نجات دلاؤ تب وہ مصر روانہ ہوئے۔ (۸۷)

بہتر یہی ہے کہ حقیقت حال کو علم الٰہی کے ہی سپرد کر دیا جائے۔ "واللہ اعلم بحقیقۃ الحال" تاہم قرآن حکیم کا اسلوب بیان یہ ضرور رہنمائی کرتا ہے کہ عام کتب تفسیر میں جو یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی یہ روانگی جو طٰہٰ اور قصص میں مذکور ہے فلما قضی موسیٰ الاجل و سار باھلہ مصر کے لئے تھی غالباً صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اگر موسیٰؑ گھر کے ارادہ سے چلے تھے تو جب وادی مقدس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو کہا گیا کہ ظالم فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ اور ان کو سمجھاؤ تو حضرت موسیٰؑ جواب میں یہ نہ فرماتے:

قال رب انی قتلت منھم نفسا فاخاف ان یقتلون (۸۸)

موسیٰؑ نے کہا اے پروردگار میں نے ان کے ایک آدمی کو قتل کیا ہے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔

ولھم علی ذنب فاخاف ان یقتلون(۸۹)

اور مجھ پر ان کے ہاں ایک جرم کا الزام بھی ہے اس لئے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کردیں گے۔

یہ جواب خود بول رہا ہے کہ اس گفتگو کے وقت قتل والے معاملے کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ کو مصر جانے کا حوصلہ نہیں تھا' البتہ جب خدائے تعالیٰ کی عطا و بخشش نے ان کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور اس وقت مصر جانے کا حکم ملا تو موسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے اپنا اطمینان کرکے یہیں سے مصر روانہ ہوگئے اور حکمِ الٰہی کے سامنے خسر کے پاس جاکر اجازت لینے کی بھی پرواہ نہ کی۔(۹۰)

اس کے برعکس مولانا اصلاحی اور سید مودودی اسے مصر کا سفر ہی قرار دیتے ہیں۔ مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

"حضرت موسیٰؑ موعودہ مدت پوری کرنے کے بعد اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مصر کے لئے روانہ ہوئے۔ اس بات کی تصریح قرآن یا تورات میں نہیں ہے کہ انہوں نے آٹھ سال کی مدت پوری کی یا وہاں دس سال گزارے البتہ تورات سے اتنا معلوم ہوتا ہے ہ ان کے ساتھ بیوی کے سوا آپ کے دو بچے بھی تھے۔(۹۱)

سید مودودی زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں اور اس میں مولانا سیوہاروی کے خوف والے اعتراض کا جواب ایک طرح سے آگیا ہے:

"اس سفر کا رُخ طور کی جانب ہونے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنے اہل و عیال کو لے کر مصر ہی جانا چاہتے ہوں گے۔ اس لئے کہ طور اس راستے پر ہے جو مدین سے مصر کی طرف جاتا ہے۔(۹۲) غالباً" موسیٰؑ نے خیال کیا ہوگا کہ دس سال گزر چکے ہیں۔ وہ فرعون بھی مرچکا ہے جس کی حکومت کے زمانے میں وہ مصر سے نکلے تھے۔ اب اگر خاموشی

Marfat.com

کے ساتھ وہاں چلا جاؤں اور اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہ پڑوں تو شاید کسی کو میرا پتہ بھی نہ چلے۔ بائبل کا بیان یہاں واقعات کی ترتیب میں قرآن کے بیان سے بالکل مختلف ہے۔ وہ کہتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنے خسر کی بکریاں چراتے ہوئے بیابان کی پرلی طرف سے خدا کے پہاڑ "خواب کے نزدیک" آ نکلے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا اور انہیں رسالت کے منصب پر مامور کر کے مصر جانے کا حکم دیا پھر وہ اپنے خسر کے پاس واپس آگئے اور ان سے اجازت لے کر اپنے بال بچوں کے ساتھ مصر روانہ ہوگئے۔ (خروج، ۳ / ۱ ۔ ۴، ۴ / ۱۸) اس کے برعکس قرآن کہتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ مدت پوری کرنے کے بعد اپنے اہل و عیال کو لے کر مدین سے روانہ ہوئے اور اس سفر میں اللہ تعالیٰ کی مخاطبت اور منصب نبوت پر تقرر کا معاملہ پیش آیا۔ بائبل اور تالمود دونوں کا متفقہ بیان ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ قیام مدین میں وہ فرعون مرچکا تھا جس کے ہاں انہوں نے پرورش پائی تھی اور اب ایک دوسرا فرعون مصر کا فرمانروا تھا۔[۹۴]

مولانا سیوہاروی کے استدلال میں وزنی بات موسیٰؑ کے اس خوف کی ہے کہ کہیں انہیں قبطی کے قتل کی وجہ سے مار نہ دیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو اس کا تعلق نمایاں طرز زندگی (High Profile) سے تھا۔ چونکہ موسیٰؑ کو یہ حکم مل رہا تھا کہ فرعون کے خدائی اختیار کو چیلنج کرو اس لئے انہیں ڈر تھا کہ ان کے خلاف ہر خفیہ و اعلانیہ تدبیر اختیار کی جائے گی۔ جہاں تک ایک عام شہری کی حیثیت سے Low Profile میں رہنے کا تعلق ہے تو شاید اس میں اتنا خطرہ نہ تھا اس لئے انہوں نے مدت پوری کرنے کے بعد ایک عام آدمی کی حیثیت سے جانے کا ارادہ کیا ہوگا۔

بعثت

موسیٰؑ کی شخصیت چونکہ مشیت ایزدی کی اسکیم کا بنیادی کردار ہے۔ اس لئے ان

کی زندگی کے ہر مرحلے کا تعین بھی اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ وہ اپنے طور پر ایک اقدام کرتے ہیں لیکن قدرت اسے ایک نیا رخ دیتی ہے جو ان کے اگلے مرحلے کی تیاری سے متعلق ہوتا ہے۔ قران کے مطابق وہ موعودہ مدت پوری کرنے کے بعد واپس مصر جا رہے ہوتے ہیں اور بائبل کے مطابق وہ بکریاں چرانے گئے ہوتے ہیں کہ انہیں رات ہوجاتی ہے اور اندھیرے میں رستہ کا پتہ نہیں چلا۔ اسی دوران انہیں آگ دکھائی دیتی ہے۔ وہ قریب جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے شرف مخاطبت حاصل ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم سب سے پہلے بائبل اور پھر قرآن کا بیان دیں گے۔

Now Moses kept the flock of Jethro his father in law, the priest of Midian: and he led the flock to the backside of the desert, and came to the mountain of God, even to Horeb.

And the angel of the Lord appeared unto him in a flame of fire out of the midst of a bus: and he looked, and behold the bush burned with fire, and the bush was not consumed.

And Moses said, I will now turn aside, and see this great sight, why the bush is not burnt.

And when the Lord saw that he turned aside to see, God called unto him out of the midst of the bush, and said, Moses, Moses. And he said, Here am I. And he said, Draw not nigh hither: put off thy shoes from of thy feet, for the place whereon thous standest is holy ground.

Moreover he said, I am the God of thy father, the God of Abraham, the God Isaac, and the God of Jacob. And Moses hid his face; for he was afraid to look upon God.

And the Lord said, I have surely seen the affliction of my people which are in Egypt, and have heard their cry by

Marfat.com

reason of their taskmasters; for I know their sorrows:
And I am come down to deliver them out of the hand of the Egyptians, and to bring them up out of that land unto a good land and a large, unto a land flowing with milk and honey; unto the place of the Canaanites, and the Hittites, and the Amorites, and the Perizzites, and the Hivites, and the Jebusites.
Now therefore, behold, the cry of the children of Israel is come unto me: and I have also seen the oppression wherewith the Egyptians oppress them. Come no therefore and I will send thee unto Pharaoh, that thou mayest bring forth my people the children of Israel out of Egypt.
And Moses said unto God, Who am I, that I should go unto Pharaoh, and that I should bring forth the children of Israel out of Egypt?
And he said, Certainly I will be with thee; and this shall be a token unto thee, that I have sent thee: When thou hast brought forth the people out of Egypt, ye shall serve God upon this mountain.
And Moses said unto God, Behold, when I come unto the children of Israel, and shall say unto them, The God of your fathers hath sent me unto you; and they shall say to me, What is his name? what shall I say unto them?
And God said unto Moses, I AM THAT I AM: and he said, Thus shalt thou say unto the children of Israel, I AM hath sent me unto you.
And God said moreover unto Moses, Thus shalt thou say unto the children of Israel, The Lord God of your fathers, the God of Abraham, the God of Isaac, and the God of

Marfat.com

Jacob, hath sent me unto you: this is my name for ever, and this is my memorial unto all generations.

Go, and gather the elders of Israel together, and say unto them, The Lord God of your fathers, the God of Abraham, of Isaac, and of Jacob appeared unto me, saying, I have surely visited you, and seen that which is done to you in Egypt.

And I have said, I will bring you up out of the affliction of Egypt unto the land of the Canaanites, and the Hitties, and the Amorites, and the Perizzites, and the Hivites, and the Jebusites, unto a land flowing with milk and honey.

And they shall hearken to thy voice; and thou shalt come, thou and the elders of Israel unto the king of Egypt, and ye shall say unto him, The Lord God of the Hebrews hath met with us: and now let us go, we beseech thee, three days journey into the wilderness, that we may sacrifice to the Lord our God.

And I am sure that the king of Egypt will not let you go, nc · not by a mighty hand.

And I will stretch out my hand, and smite Egypt with all my wonders which I will do in the midst thereof: and after that he will let you go.

And I will give this people favour in the sight of the Egyptians: and it shall come to pass, that, when ye go, ye shall not go empty:

But every woman shall borrow of her neighbor, and of her that sojourneth in her house, jewels of silver, and jewels of gold, and raiment: and ye shall put hem upon your sons, and upon your daughters; and ye shall spoil the Egyptians. (94)

Marfat.com

اور موسیٰؑ اپنے خسر یترو کی جو مدیان کا کاہن تھا بھیڑ بکریاں چراتا تھا اور وہ بھیڑ بکریوں کو ہنکاتا ہوا ان کو بیابان کی پرلی طرف سے خدا کے پہاڑ حورب کے نزدیک لے آیا۔ اور خداوند کا فرشتہ ایک جھاڑی میں سے آگ کے شعلہ میں اس پر ظاہر ہوا۔ اس نے نگاہ کی اور کیا دیکھتا ہے کہ ایک جھاڑی میں آگ لگی ہوئی ہے پر وہ جھاڑی بھسم نہیں ہوتی۔ تب موسیٰؑ نے کہا میں اب ذرا ادھر کترا کر اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ جھاڑی کیوں نہیں جل جاتی۔ جب خداوند نے دیکھا کہ وہ دیکھنے کو کترا کر آرہا ہے تو خدا نے اسے جھاڑی میں سے پکارا اور کہا اے موسیٰؑ! اے موسیٰؑ! اس نے کہا میں حاضر ہوں۔ تب اس نے کہا ادھر پاس مت آ۔ اپنے جوتا اتار کیونکہ جس جگہ تو کھڑا ہے وہ مقدس زمین ہے۔ پھر اس نے کہا کہ میں تیرے باپ کا خدا یعنی ابرہام کا خدا اور اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔ موسیٰؑ نے اپنا منہ چھپایا کیونکہ وہ خدا پر نظر کرنے سے ڈرتا تھا۔ اور خداوند نے کہا میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں ہیں خوب دیکھی اور ان کی فریاد جو بیگار لینے والوں کے سبب سے ہے سنی اور میں ان کے دکھوں کو جانتا ہوں۔ اور میں اترا ہوں کہ ان کو مصریوں کے ہاتھ سے چھڑاؤں اور اس ملک سے نکال کر ان کو ایک اچھے اور وسیع ملک میں جہاں دودھ اور شہد بہتا ہے یعنی کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کے ملک میں پہنچاؤں۔ دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک پہنچی ہے اور میں نے وہ ظلم بھی جو مصری ان پر کرتے ہیں دیکھا ہے۔ سو اب میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں کہ تو میری قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے۔ موسیٰؑ نے خدا سے کہا میں کون ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لاؤں۔؟ اس نے کہا میں ضرور تیرے ساتھ رہوں گا اور اس کا کہ میں نے تجھے بھیجا ہے تیرے لئے یہ نشان ہوگا کہ جب تو ان لوگوں کو مصر سے نکال لائے گا

Marfat.com

تو تم اس پہاڑ پر خدا کی عبادت کرو گے۔ تب موسیٰؑ نے خدا سے کہا جب میں بنی اسرائیل کے پاس جا کر ان کو کہوں کہ تمہارے باپ دادا کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور وہ مجھے کہیں کہ اس کا نام کیا ہے؟ تو میں ان کو کیا بتاؤں؟۔ خدا نے موسیٰؑ سے کہا میں جو ہوں سو میں ہوں۔ سو تو بنی اسرائیل سے یوں کہنا کہ میں جو ہوں نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ پھر خدا نے موسیٰؑ سے یہ بھی کہا کہ تو بنی اسرائیل سے یوں کہنا کہ خداوند تمہارا باپ دادا کے خدا ابرہام کے خدا اور اضحاق کے خدا اور یعقوب کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہوں۔ ابد تک میرا یہی نام ہے اور سب نسلوں میں اسی سے میرا ذکر ہوگا۔ جا کر اسرائیلی بزرگوں کو ایک جگہ جمع کر اور ان کو کہہ کہ خداوند تمہارے باپ دادا کے خدا ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے خدا نے مجھے دکھائی دے کر یہ کہا ہے کہ میں نے تم کو بھی اور جو کچھ برتاؤ تمہارے ساتھ مصر میں کیا جارہا ہے اسے بھی خوب دیکھا ہے۔ اور میں نے کہا ہے کہ میں تم کو مصر کے دکھ میں سے نکال کر کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کے ملک میں لے چلوں گا جہاں دودھ اور شہد بہتا ہے۔ اور وہ تیری بات مانیں گے اور تو اسرائیلی بزرگوں کو ساتھ لے کر مصر کے بادشاہ کے پاس جانا اور اس سے کہنا کہ خداوند عبرانیوں کے خدا کی ہم سے ملاقات ہوئی۔ اب تو ہم کو تین دن کی منزل تک بیابان میں جانے دے تا کہ ہم خداوند اپنے خدا کے لئے قربانی کریں۔ اور میں جانتا ہوں کہ مصر کا بادشاہ تم کو نہ یوں جانے دے گا نہ بڑے زور سے۔ سو میں اپنا ہاتھ بڑھاؤں گا اور مصر کو ان سب عجائب سے جو میں اس میں کروں گا مصیبت میں ڈال دوں گا۔ اس کے بعد وہ تم کو جانے دے گا۔ اور میں ان لوگوں کو مصریوں کی نظر میں عزت بخشوں گا اور یوں ہوگا کہ جب تم نکلو گے تو خالی ہاتھ نہ نکلو گے۔ بلکہ تمہاری ایک ایک عورت اپنی اپنی پڑوسن سے

اور اپنے اپنے گھر کی مہمان سے سونے چاندی کے زیور اور لباس مانگ لے گی۔ ان کو تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے اور مصریوں کو لوٹ لو گے۔

And Moses answered and said, But, behold, they will not believe me, nor hearken unto my voice: for they will say, The Lord hath not appeared unto thee. And the Lord said unto him, What is that in thine hand? And he said, A rod.

And he said, Cast it on the ground. And he cast it on the ground, and it became a serpent:. and Moses fled from before it.

And the Lord said unto Moses, Put forth thine hand, and take it by the tail. And he put forth his hand and caught it, and it became a rod in his hand:

That they may believe that the Lord God of their fathers, the God of Abraham, the God of Isaac, and the God of Jacob, hath appeared unto thee.

And the Lord said furthermore unto him, Put now thine hand into thy bosom. And he put his hand into his bosom: and when he took it out, behold, his hand was leprous as snow.

And he said, Put tine hand into thy bosom again. And he put his hand into his bosom again; and plucked it out of hiw bo{om,!and, behold, it was(turned again as his other flesh.

And it shall come to pass, if they will not believe thee, neither hearken to the voice of the first sign, that they will believe the voice of the latter sign.

And it shall come to pass, if they will not believe also these two signs, neither hearken unto thy voice, that thous

Marfat.com

shalt take of the water of the river, and pour it upon the dry land: and the water which thou takest out of they river shall become blood upon the dry land.

And Moses said unto Lord O my Lord! I am not eloquent, neither heretofore, nor since thou hast spoken unto thy servant: but I am slow of speech, and of a slow tongue.

And the Lord said unto him, Who hath made man's mouth? or who maketh the dumb, or deaf, or the seeing, or the blind? have not I the Lord?

Now therefore go, and I will be with thy mouth, and teach thee what thou shalt say.

And he said, O my Lord, send, I pray thee, by the hand of him whom thou wilt send. And the anger of the Lord was kindled against Moses, and he said. Is not Aaron the Levite thy brother? I know that the can speak well. And also, behold, he cometh forth to meet thee and when he seeth thee, he will be glad in his heart.

And thou shalt speak unto him, and put words in his mouth: and I will be with thy mouth, and with his mouth, and will teach you what ye shall do.

And he shall be thy spokesman unto the people: and he shall be, even he shalt be to thee instead of a mouth, and thou shalt be to him instead of God.

And thou shalt take this rod in thine hand, wherewith thou shalt do signs.

And Moses went and returned to Jethro his father in law and said unto him, let me go, I pray thee, and return unto my brethren which are in Egypt, and see whether they be yet alive. And Jethro said to Moses go in peace.

Marfat.com

And the Lord said unto Moses in Midian, Go, return into Egypt: for all the men are dead which sought thy life,

And Moses took his wife and his sons, and set them upon an ass, and he returned to the land of Egypt: and Moses took the rod of God in his hand.

And the Lord said unto Moses, When thou goest to return into Egypt, see that thou do all those wonders be fore Pharaoh, which I have put in thine hand: but I will harden his heart, that he shall not let the people go.

And thou shalt say unto Pharaoh, Thus saith the Lord, Israel is my son, even my firstborn:

And I say unto thee, Let my son go, that he may serve me: and if thou refuse to let him go, behold, I will slay thy son, even thy firstborn. And it came to pass by the way in the inn, that the Lord met him, and sought to kill him.

Then Zipporah took a sharp stone, and cut off the foreskin of her son, and cast it at his feet, and said, Surely a bloody husband art thou to me.

So he let him go: then she said, A bloody husband thou art, because of the circumcision.

And the Lord said to Aaron, Go into the wilderness to meet Moses. And he went, and met him in the mount of God, and kissed him.

And Moss told Aaron all the words of the Lord who had sent him, and all the signs which he had commanded him.

And Moses and Aaron went and gathered together all the elders of the children of Israel:

And Aaron spake all the words which the Lord had

Marfat.com

spoken unto Moses, and did the signs in the sight of the people.

And the people believed: and when they heard that the Lord had visited the children of Israel, and that he had looked upon their affliction, then they bowed their heads and worshipped. (95)

تب موسیٰ نے جواب دیا لیکن وہ تو میرا یقین ہی نہیں کریں گے' نہ میری بات سنیں گے۔ وہ کہیں گے خداوند تجھے دکھائی نہیں دیا۔ اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس نے کہا لاٹھی۔ پھر اس نے کہا اسے زمین پر ڈال دے۔ اس نے اسے زمین پر ڈالا اور وہ سانپ بن گئی اور موسیٰ اس کے سامنے سے بھاگا۔ تب خداوند نے موسیٰ سے کہا ہاتھ بڑھا کر اس کی دم پکڑ لے (اس نے ہاتھ بڑھایا اور اسے پکڑ لیا۔ وہ اس کے ہاتھ میں لاٹھی بن گیا) تاکہ وہ یقین کریں کہ خداوند ان کے باپ دادا کا خدا ابرہام کا خدا اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا تجھ کو دکھائی دیا۔ پھر خداوند نے اسے یہ بھی کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ کر ڈھانک لے۔ اس نے اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ کر اسے ڈھانک لیا اور جب اس نے اسے نکال کر دیکھا تو اس کا ہاتھ کوڑھ سے برف کی مانند سفید تھا۔ اس نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ پر اپنے سینہ پر رکھ کر ڈھانک لے (اس نے پھر اسے سینہ پر رکھ کر ڈھانک لیا۔ جب اس نے اسے سینہ پر سے باہر نکال کر دیکھا تو وہ پھر اس کے باقی جسم کی مانند ہوگیا۔) اور یوں ہوگا کہ اگر وہ تیرا یقین نہ کریں اور پہلے معجزہ کو بھی نہ مانیں تو وہ دوسرے معجزہ کے سبب سے یقین کریں گے۔ اور اگر وہ ان دونوں معجزوں کے سبب سے بھی یقین نہ کریں اور تیری بات نہ سنیں تو تو دریا کا پانی لے کر خشک زمین پر چھڑک دینا اور وہ پانی جو تو دریا سے لے گا خشک زمین پر خون ہوجائے گا۔ تب موسیٰ نے خداوند سے کہا اے خداوند! میں فصیح نہیں۔ نہ تو پہلے

Marfat.com

ہی تھا اور : جب سے تو نے اپنے بندے سے کلام کیا بلکہ رک رک کر بولتا ہوں اور میری زبان کند ہے۔ تب خداوند نے اسے کہا کہ آدمی کا منہ کس نے بنایا ہے؟ اور کون گونگا یا بہرا یا بینا یا اندھا کرتا ہے؟ کیا میں ہی جو خداوند ہوں یہ نہیں کرتا۔ سو اب تو جا اور میں تیری زبان کا ذمہ لیتا ہوں اور تجھے سکھاتا رہوں گا کہ تو کیا کیا کہے۔ تب اس نے کہا کہ اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج۔ تب خداوند کا قہر موسیٰؑ پر بھڑکا اور اس نے کہا کیا لاویوں میں سے ہارون تیرا بھائیؑ نہیں ہے؟ میں جانتا ہوں کہ وہ فصیح ہے اور وہ تیری ملاقات کو آ بھی رہا ہے اور تجھے دیکھ کر دل خوش ہوگا۔ سو تو اسے سب کچھ بتانا اور یہ سب باتیں اسے سکھانا اور میں تیری اور اس کی زبان کا ذمہ لیتا ہوں اور تم کو سکھاتا رہوں گا کہ تم کیا کیا کرو۔ اور وہ تیری طرف سے لوگوں سے باتیں کرے گا اور وہ تیرا منہ بنے گا اور تو اس کے لئے گویا خدا ہوگا۔ اور تو اس لاٹھی کو اپنے ہاتھ میں لئے جا اور اسی سے ان معجزوں کو دکھانا۔

تب موسیٰؑ لوٹ کر اپنے خسر یترو کے پاس گیا اور اسے کہا کہ مجھے ذرا اجازت دے کہ اپنے بھائیوں کے پاس جو مصر میں ہیں جاؤں اور دیکھوں کہ وہ اب تک جیتے ہیں یا نہیں۔ یترو نے موسیٰؑ سے کہا سلامت جا۔

اور خداوند نے مدیان میں موسیٰؑ سے کہا کہ مصر کو لوٹ جا کیونکہ وہ سب جو تیری جان کے خواہاں تھے مر گئے۔ تب موسیٰؑ اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں کو لے کر اور ان کو ایک گدھے پر چڑھا کر مصر کو لوٹا اور موسیٰؑ نے خدا کی لاٹھی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور خداوند نے موسیٰؑ سے کہا کہ جب تو مصر میں پہنچے تو دیکھ وہ سب کرامات جو میں نے تیرے ہاتھ میں رکھی ہیں۔ فرعون کے آگے دکھانا لیکن میں اس کے دل کو سخت کروں گا اور وہ ان

لوگوں کو جانے نہیں دے گا۔ اور تو فرعون سے کہنا کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پہلوٹھا ہے۔ اور میں تجھے کہہ چکا ہوں کہ میرے بیٹے کو جانے دے تاکہ وہ میری عبادت کرے اور تو نے اب تک اسے جانے دینے سے انکار کیا ہے۔ سو دیکھ میں تیرے بیٹے کو بلکہ تیرے پہلوٹھے کو مار ڈالوں گا۔ اور راستہ میں منزل پر خداوند اسے ملا اور چاہا کہ اسے مار ڈالے۔ تب صفورہ نے چقماق کا ایک پتھر لے کر اپنے بیٹے کی کھلڑی کاٹ ڈالی اور اسے موسیٰؑ کے پاؤں پر پھینک کر کہا تو بے شک میرے لئے خونی دلہا ٹھہرا۔ تب اس نے اسے چھوڑ دیا۔ پس اس نے کہا کہ ختنہ کے سبب سے تو خونی دلہا ہے۔

اور خداوند نے ہارون سے کہا کہ بیابان میں جا کر موسیٰؑ سے ملاقات کر۔ وہ گیا اور خدا کے پہاڑ پر اسے ملا اور اسے بوسہ دیا۔ اور موسیٰؑ نے ہارون کو بتایا کہ خدا نے کیا کیا باتیں کہہ کر اسے بھیجا اور کون کون سے معجزے دکھانے کا اسے حکم دیا ہے۔ تب موسیٰؑ اور ہارون نے جا کر بنی اسرائیل کے سب بزرگوں کو ایک جگہ جمع کیا۔ اور ہارون نے سب باتیں جو خداوند نے موسیٰؑ سے کہی تھیں ان کو بتائیں اور لوگوں کے سامنے معجزے کئے۔ تب لوگوں نے ان کا یقین کیا اور یہ سن کر کہ خداوند نے بنی اسرائیل کی خبرلی اور ان کے دکھوں پر نظر کی انہوں نے اپنے سر جھکا کر سجدہ کیا۔

قرآن مجید نے بعثت و عطاء نبوت کے تجربے کو اپنے معجزانہ انداز سے بیان کیا ہے۔ چونکہ موسیٰؑ کا واقعہ کئی مقامات پر آیا ہے اور ہر مقام کا اسلوب سیاق و سباق سے متعلق ہوتا ہے اس لئے انداز بیان کے تھوڑے سے اختلاف کے باوجود نفس مضمون میں کوئی اختلاف نہیں۔ مدین سے واپسی پر جب وہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ وادی طور کے پاس پہنچے تو شب کا وقت تھا۔ راستہ کا بھی کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا اور سردی بھی معلوم ہوتا ہے کہ سخت تھی۔ اتنے میں ایک سمت سے ایک شعلہ سا نظر آیا۔ حضرت

موسیٰؑ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ تم لوگ یہیں ٹھہرو، مجھے ایک شعلہ سا دکھائی دیا ہے، میں وہاں جاتا ہوں یا تو وہاں سے تمہارے تاپنے کے لئے، جیسا کہ سورہ قصص میں تصریح ہے، کوئی انگارہ لاؤں گا یا وہاں کچھ لوگ ہوئے تو ان سے راستہ معلوم کر لوں گا اور ہمارا سفر جاری رہ سکے گا۔ جب حضرت موسیٰؑ اس مقام پر پہنچے جہاں ان کو شعلہ نظر آیا تو ان کو آواز آئی کہ اے موسیٰؑ یہ تو میں تمہارا رب ہوں۔ تم جوتے اتار دو(۹۶) کہ تم اس وقت طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔ تمہیں منصب نبوت و رسالت کے لئے منتخب کیا ہے اور تم پر جو کچھ وحی کی جا رہی ہے اس کو غور سے سنو۔(۹۷) اس کے بعد دعوت کے بنیادی اصول عطا کیے گئے۔

قرآن مجید نے اس تجربے کو مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔ الفاظ کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ نفس مضمون یکساں ہے۔ قرآن کے مطابق موسیٰؑ کو وادی مبارک کے کنارے سے، جو مبارک خطہ میں تھی، ایک خاص درخت سے جو آواز آئی اور جہاں انہیں آگ نظر آئی اس کے بارے میں قرآن عزیز میں ہے:

وَ هل اتک حدیث موسیٰؑ اذرا نارا فقال لا هله امکثوا انی انست نارا لعلی آتیکم منها بقبس او اجد علی النار هدی فلما اتها نودی یموسیٰؑ انی انا ربک فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی و انا اخترتک فاستمع لما یوحی اننی انا اللہ لا اله الا انا فاعبدنی و اقم الصلوة لذکری ان الساعة آتیة اکاد اخفیها لتجزی کل نفس بما تسعی فلا یصدنک عنها من لا یومن بها و اتبع هوله فتردی(۹۸)

اور تمہیں کچھ موسیٰؑ کی خبر بھی پہنچی ہے؟ جب کہ اس نے ایک آگ دیکھی اور اپنے گھر والوں سے کہا کہ "ذرا ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ شاید کہ تمہارے لئے ایک آدھ انگارا لے آؤں، یا اس آگ پر مجھے راستے کے متعلق کوئی رہنمائی مل جائے، وہاں پہنچا تو پکارا گیا "اے موسیٰؑ میں ہی تیرا رب ہوں، جوتیاں اتار دے۔(۹۹) تو وادی مقدس طویٰ میں

ہے اور میں نے تجھ کو چن لیا ہے' سن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے۔ میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے' پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لئے نماز قائم کر۔ قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔ میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔ پس کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کا بندہ بن گیا ہے تجھ کو اس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے' ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

اذ قال موسیٰ لا هله انی آنست نارا ساتیکم منها بخبراو آتیکم بشهاب قبس لعلکم تصطلون فلما جاء ها نودی ان بورک من فی النار و من حولها و سبحن الله رب العالمین یموسیٰ انه انا الله العزیز الحکیم(۱۰۰)

(انہیں اس وقت کا قصہ سناؤ) جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے ایک آگ سی نظر آئی ہے' میں ابھی یا تو وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا کوئی انگارہ چن لاتا ہوں تاکہ تم لوگ گرم ہو سکو۔ وہاں جو پہنچا تو ندا آئی کہ مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے ماحول میں ہے۔ پاک ہے اللہ' سب جہان والوں کا پروردگار۔ اے موسیٰ یہ میں ہوں اللہ' زبردست اور دانا۔

فلما قضی موسیٰ الا جل و سا ر با هله آنس من جانب الطور نارا قال لا هله امکثوا انی انست نارا لعلی آتیکم منها بخبراو جذوة من النار لعلکم تصطلون فلما اتها نودی من شاطی الواد الایمن فی البقعة المبارکة من الشجرة ان یموسیٰ انی انا الله رب العالمین(۱۰۱)

جب موسیٰ نے مدت پوری کردی اور وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر چلا تو طور کی جانب اس کو ایک آگ نظر آئی۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا۔

Marfat.com

ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں وہاں سے کوئی خبر لے آؤں یا اس آگ سے کوئی انگارہ ہی اٹھا لاؤں جس سے تم تاپ سکو، وہاں پہنچا تو وادی کے داہنے کنارے پر مبارک خطے میں ایک درخت سے پکارا گیا کہ اے موسیٰؑ میں ہی اللہ ہوں، سارے جہان والوں کا مالک۔

دعوت کا موضوع

مشیت ایزدی نے موسیٰ کو جس مقصد کے لئے تیار کیا تھا اب انہیں اس کے حصول کی راہ پر ڈالا جارہا ہے۔ انہیں آزمائش کے[۱۰۲] مختلف مراحل سے گزار کر براہ راست خطاب سے نواز کر نبوت و رسالت کے منصب پر سرفراز فرمایا۔ ہم دیگر انبیاء کے سلسلے میں دیکھ چکے ہیں کہ ان کی دعوت دو نوعیتوں کی ہوتی ہے ایک عمومی اور دوسری خصوصی۔ عمومی دعوت میں وہ تمام اصول ہوتے ہیں جو تمام انبیاء کی دعوت کا مشترکہ اثاثہ ہیں اور خصوصی دعوت میں اس مشن کی تکمیل یا اصلاح کا خصوصی پہلو جس کا تعلق اس قوم یا اس وقت کے حالات سے ہوتا ہے۔ موسیٰؑ کی عمومی دعوت میں توحید، آخرت اور عبادت کا تذکرہ ہے جبکہ خصوصی دعوت میں فرعون اور قوم کی اصلاح اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا ہے۔ قرآن مجید کے بیان میں دعوت کے عمومی و خصوصی موضوعات باہم دگر اس طرح متعلق اور مربوط ہیں کہ دونوں کا نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے اور وہ ہے بندگی رب جو ہر نبی کی دعوت کا اساسی پتھر ہے۔

دعوت عمومی

توحید الٰہی:

دعوت عمومی توحید الٰہی کی حیثیت بنیادی ہے چنانچہ موسیٰؑ کو ربانی آواز میں جو پہلی بات سنائی دی وہ توحید الٰہی کی صدا تھی۔ ارشاد باری ہے:

انی انا ربک . . . و انا اخترتک فاستمع لما یوحی[۱۰۳]

Marfat.com

میں تمہارا رب ہوں.... میں نے تم کو برگزیدہ کیا تو جو وحی کی جارہی ہے اسے غور سے سنو۔

موسیٰؑ کو یہ سمجھایا جارہا ہے کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں اپنے کارخاص، فریضہ نبوت و رسالت کے لئے منتخب کیا ہے۔ موسیٰؑ کو اپنے خاندانی پس منظر کی وجہ سے رب کا تصور تو معلوم تھا لیکن رب تعالیٰ کے براہ راست مخاطب ہونے کا تجربہ نیا تھا نیز منصب رسالت پر فائز ہونے کا حکم بھی انوکھا تجربہ تھا۔ نبوت و رسالت ملنے پر پہلی وحی کو غور سے سننے کا حکم ہوا۔ پہلی وحی کے الفاظ ہیں:

انني انا الله لا اله الا انا فاعبدني (۱۰۴)

بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کیجئو۔

يموسىٰ انه انا الله العزيز الحكيم (۱۰۵)

اے موسیٰؑ یہ میں ہوں اللہ زبردست اور دانا۔

يموسىٰ انى انا الله رب العالمين (۱۰۶)

اے موسیٰؑ میں ہی اللہ ہوں سارے جہان والوں کا مالک۔

سب سے پہلے عقیدہ توحید کی بات کی اس لئے کہ یہ مرکز دین ہے۔ جہاں تک خدا کے ماننے کا تعلق ہے دنیا نے ہمیشہ خدا کو مانا ہے۔ انکار خدا کی حماقت موجودہ زمانے کی پیداوار ہے البتہ شرک کی ضلالت کسی نہ کسی شکل میں انسان پر حملہ آور ہوتی رہی ہے چنانچہ ہر نبی کو سب سے پہلے توحید ہی کی تعلیم دی گئی اور ہر نبی نے سب سے پہلے شرک ہی کے خلاف جہاد کیا۔ (۱۰۷)

عبادت رب

دوسری چیز جس کی موسیٰؑ کو ہدایت ہوئی وہ خدا کی عبادت ہے۔ یہ عبادت اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور یہ حق بلا شرکت غیرے ہے۔ جب وہ معبود ہے تو لازم ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور جب اس کا کوئی شریک نہیں تو یہ بھی لازم ہے کہ یہ عبادت بلا

Marfat.com

شرکت غیرے ہو۔ عبادت کی اصل روح خدا کے آگے اپنی بندگی اور غلامی کا اقرار اور اس کے ساتھ اپنے عہد اطاعت و وفاداری کی تجدید اور اس کا تذکرہ ہے۔ اس وجہ سے یہ بات خدا کی بندگی کے بالکل منافی ہے کی تسبیح تو اس کی کی جائے اور شریعت خود تصنیف کی جائے یا کسی دوسرے کے لئے یہ حق تسلیم کیا جائے یہ شرک ہے۔[۱۰۸]

ارشاد ہوتا ہے:

فاعبدنی واقم الصلوة لذکری[۱۰۹]

میری ہی عبادت کیجیو اور میری یاد کے لیے نماز کا اہتمام رکھیو

نماز کے لئے اقامت کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے اندر اہتمام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ نماز کا حکم اللہ کے ذکر کو قائم و دائم رکھنے کے لیے دیا گیا ہے۔ اقم الصلواۃ لذکری۔ نماز انفرادی ہو یا اجتماعی خدا کے ذکر کی سب سے بڑی محافظ بھی ہے اور اس کا سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ موثر مظہر بھی اسی وجہ سے تمام انبیاء کو توحید کی تعلیم کے بعد سب سے پہلے اسی کی ہدایت ہوئی۔[۱۱۰] یہاں نماز کی اصلی غرض پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ آدمی خدا سے غافل نہ ہوجائے۔ دنیا کے دھوکہ دینے والے مظاہر اس کو اس حقیقت سے بے فکر نہ کردیں کہ میں کسی کا بندہ ہوں' آزاد و خودمختار نہیں ہوں۔ اس فکر کو تازہ رکھنے اور خدا سے آدمی کا تعلق جوڑے رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ نماز ہے۔ جو ہر روز کئی بار آدمی کو ہنگاموں سے ہٹا کر خدا کی طرف لے جاتی ہے۔[۱۱۱]

آخرت

توحید کے بعد دوسری حقیقت جو ہر زمانے میں تمام انبیاء علیہم السلام پر منکشف کی گئی اور جس کی تعلیم دینے پر وہ مامور کیے گئے' یہاں نہ صرف اس حقیقت کو بیان کیا بلکہ اس کے مقصد پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ ارشاد باری ہے:

ان الساعة آتیة اکاد اخفیها لتجزی کل نفس بما تسعی فلا یصدنک عنها من لا یومن بها واتبع هواه فتردی[۱۱۲]

Marfat.com

قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔ میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔ پس کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش نفس کا بندہ بن گیا ہے تجھ کو اس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے' ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

یہ قیامت کی یاد دہانی ہے اور اس کے لئے آتیہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ وہ آئے گی' بلکہ یہ فاعل کا صیغہ ہے جس کا اندر زور اور تاکید ہے کہ یہ آکے رہے گی' یہ شدنی اور اٹل ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ قیامت کے باب میں عام ذہن کبھی انکار صریح کا نہیں بلکہ تعجب اور استبعاد کا رہا ہے۔ اس وجہ سے قرآن نے اس کے اثبات کے پہلو بہ پہلو اس کی قطعیت پر بہت زور دیا ہے۔ لتجزی کل نفس بما تسعی میں قیامت کا اصل مقصد بیان ہوا ہے کہ اس کا آنا لابدی ہے کہ ہر جان کو اس کی کمائی کا' نیک ہو یا بد' بدلہ دیا جانا ناگزیر ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ دنیا ایک حکیم کی بنائی ہوئی دنیا نہیں بلکہ ایک کھلنڈرے کا کھیل بن کے رہ جاتی ہے اور یہ بات بالبداہت خلاف عقل ہے۔ بما تسعی کے لفظ نے یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے عمل ہی کا بدلہ پائے۔ اگر کسی کے اعمال تو ہوں شیطان کے لیکن وہ کسی سعی و سفارش یا اپنے حب و نسب کے بل پر مرتبہ صالحین و ابرار کا حاصل کر لے یا بازپرس سے ہ[illegible]ی ہوجائے تو اس کے معنی نعوذ باللہ یہ ہوں گے کہ اللہ میاں کے ہاں بھی اصل قدر عمل و کردار کی نہیں بلکہ شفاعت و سفارش اور خاندان و نسب ہی کی ہے۔[۱۱۳]

توحید' نماز اور آخرت کی تعلیم کوئی نئی بات نہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ کو توحید کی تعلیم کے بعد سب سے پہلے جس چیز کی تاکید ہوئی وہ نماز ہے اور خاص طور پر جس چیز کی یاددہانی کرائی گئی وہ آخرت ہے۔ یہی بات حضرات انبیاء کرام کی تاریخ سے.... ہم آہنگ بھی ہے لیکن یہود کی بدقسمتی قابل ماتم ہے کہ انہوں نے نماز بھی ضائع کردی اور آخرت کو بھی بھلا بیٹھے۔ آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ ان کے صحیفوں میں قربانی کا ذکر تو ملتا ہے لیکن، نماز کا ذکر بالخصوص ہیکل میں صرف ایک جگہ سفر خامس، باب ۲۶

میں ملتا ہے۔ ان کے بعض فقہاء کا خیال تو یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے نماز کے سرے سے حکم دیا ہی نہیں' اگر تورات میں اس کا کہیں ذکر ہے تو وہ بعد کے مرتبوں کی ایجاد ہے۔ رہا آخرت کا معاملہ تو ان کے صدوقی تو حشر بعد الموت کے سرے سے قائل ہی نہیں ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جزا اور سزا جو کچھ ہے سب اسی دنیا میں پوری ہوجاتی ہے۔ ہمارے یہاں مرجبہ نے بھی اپنا عقیدہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں سے مستعار لیا ہے۔ آخر میں لفظ "فتردی" بطور تنبیہہ ہے کہ اگر نماز اور یاد آخرت سے غفلت ہوئی تو سمجھ لو کہ بیڑا غرق ہوجائے گا۔ یہی چیزیں سارے دین کی حفاظت کرنے والی اور شیطان کے فتنوں سے امان میں رکھنے والی ہیں۔ جو ان سے غافل ہوا اس نے گویا اپنے آپ کو شیطان کے حوالہ کردیا۔(۱۱۴)

معجزات کا عطیہ

قرآن کے مطابق انبیاء علیہم السّلام کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک شخص کو منصب نبوت و رسالت پر سرفراز کیا جاتا ہے اور اسے عمومی و خصوصی دعوت کا فریضہ سونپا جاتا ہے۔ وہ جب اپنی قوم کو بتاتا ہے کہ وہ رسول ہے اور ان کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا ہے تو قوم کے چیلنج اور ان کے مطالبہ پر اپنی صداقت کے نشان کے طور پر معجزہ دکھاتا ہے اور عام طور پر ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کوئی قوم اپنے انجام کو پہنچنے والی ہوتی ہے لیکن موسیٰؑ کے سلسلے میں نیا قاعدہ ترتیب پاتا ہے۔ انہیں مقابلے کے وقت دیگر معجزات بھی عطا کئے لیکن عام معمول سے ہٹ کر سرفرازی نبوت کے ساتھ ہی معجزات سے مسلح کیا گیا۔ مولانا اصلاحی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ ایسے سرکش اور جابر حکمران کی طرف رسول بنا کر بھیجے جا رہے تھے جو شخصی اور قومی دونوں اعتبار سے حضرت موسیٰؑ کا جانی دشمن تھا۔ ان کی بات سننا اور سمجھنا تو درکنار اندیشہ اس بات کا تھا کہ یہ علم ہوتے ہی کہ یہ حضرت موسیٰؑ ہیں

Marfat.com

فوراً ان کے قتل کا حکم دے دیتا۔ بلکہ ان کے قتل کا حکم تو اسی وقت وہ دے چکا تھا جب قبطی کے قتل کا واقعہ پیش آیا تھا۔ لیکن حضرت موسیٰؑ چھپ کر مدین چلے گئے اس وجہ سے وہ اپنے ارادے میں ناکام رہا۔ ایک ایسے منتقم و جبار کے سامنے اگر حضرت موسیٰؑ ایک رسول کی حیثیت سے انذار کے لئے جاتے تو وہ بھلا ان کی بات سننے کا کب روادار ہوتا۔ وہ تو صرف اسی شکل میں کوئی بات سننے کے لئے تیار ہوسکتا تھا جب حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں میں کوئی ایسی بات ظاہر ہوتی جو اس کو مرعوب کر دیتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی میں ان کو دو ایسے معجزوں سے مسلح کر دیا جن کی مدد سے وہ اپنے دشمن کی ہر تعدی سے محفوظ رہے اور انہوں نے فرعون کے سامنے جاتے ہی جیسا کہ آگے کی روایات سے واضح ہوگا' اپنے ان معجزات کا اظہار بھی کردیا تاکہ وہ خبردار رہے کہ اگر اس نے کوئی غلط اقدام کیا تو وہ بھی خالی ہاتھ نہیں آئے ہیں بلکہ ان کے ہاتھ میں بھی وہ عصا ہے جو ہر کبر و غرور کا سرپاش پاش کر دینے کے لئے بالکل کافی ہے۔(۱۱۵)

قرآن مجید کے مختلف مقامات پر عطیہ معجزات کا ذکر ہے لیکن سورہ طٰہٰ میں جو پیرایہ اظہار ہے وہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی تعلق کو واضح کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ لاڈلا پیغمبر شرف ہم کلامی سے متمتع ہوتا ہے اپنی مشکلات اور اپنے اندیشے بیان کرتا ہے اپنی تائید و تقویت کے لئے بھائی کی نبوت کے لئے درخواست کرتا ہے۔ اپنے مطالبوں کی تکمیل' اپنی مشکلات کے حل اور اندیشوں کے رفع ہونے کی یقین دہانی کے بعد معجزوں سے مسلح ہو کر فرض کی ادائیگی کے لئے روانہ ہوجاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

وما تلک بیمینک یموسیٰ قال ھی عصای آتو کوا علیھا وا ھش بھا علی غنمی ولی فیھا مارب اخری قال القھا یموسیٰ فالقا ھا فاذا ھی حیة تسعی قال

Marfat.com

خذھا ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولی واضمم یدک الی جناجک تخرج بیضاء من غیر سوء آیة اخری لنریک من آیاتنا الکبری (۱۱۶)

اور یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے' اے موسیٰؑ اس نے کہا' یہ میری لٹھیا ہے۔ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے دوسرے فائدے بھی ہیں۔ فرمایا' اس کو زمین پر ڈال دو' اے موسیٰؑ! اس نے اس کو ڈال دیا تو دفعتہ وہ ایک رینگتا ہوا سانپ بن گئی۔ فرمایا اس کو اٹھالو اور ڈرو نہیں' ہم اس کو پھر اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے اور اپنے ہاتھ کو اپنے بازو کی طرف سکیڑ لو' وہ وہاں سے ایک دوسری نشانی بن کر' چٹا سفید' بغیر کسی مرض کے' برآمد ہوگا تاکہ ہم اپنی بڑی نشانیوں میں سے بعض کا تمہیں مشاہدہ کرائیں۔

سورہ النمل میں ہے:

والق عصاک فلما راھا تھتز کانھا جان ولی مدبرا ولم یعقب یموسیٰ لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون الا من ظلم ثم بدل حسنا بعد سوء فانی غفور رحیم و ادخل یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء فی تسع آیات الی فرعون و قومه انھم کانوا قوما فسقین (۱۱۷)

اور پھینک تو ذرا اپنی لاٹھی' جونہی کہ موسیٰؑ نے دیکھا کہ لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے' تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اے موسیٰؑ ڈرو نہیں۔ میرے حضور رسول ڈرا نہیں کرتے الا یہ کہ کسی نے قصور کیا ہو پھر اگر برائی کے بعد اس نے بھلائی سے (اپنے فعل کو) بدل لیا تو میں معاف کرنے والا مہربان ہوں۔ اور ذرا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں تو ڈالو چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے۔ یہ (دو نشانیاں) نو نشانیوں میں

Marfat.com

سے ہیں۔ فرعون اور اس کی قوم کی طرف دیے جانے کے لئے، وہ بڑے بدکردار لوگ ہیں:

و ان الق عصاک فلما را ھا تھتز کانھا جان ولی مدبرا و لم یعقب یموسیٰ اقبل ولا تخف انک من الا منین اسلک یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء واضمم الیک جناحک من الرھب فذنک برھا نن من ربک الی فرعون و ملائہ انھم کانوا قوما فسقین۔ (۱۱۸)

اور یہ کہ تم اپنا عصا ڈال دو تو جب اس نے اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا گویا سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پھر مڑ کر نہ دیکھا۔ اے موسیٰؑ آگے آؤ اور ڈرو نہیں، تم بالکل مامون ہو۔ تم اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو وہ بغیر کسی مرض کے سفید نکلے گا اور سکیڑ لو اپنا بازو جس طرح خوف سے سکیڑ لیتے ہیں۔ پس یہ تیرے رب کی جانب سے دو نشانیاں ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جانے کے لئے۔ بے شک وہ بڑے ہی نافرمان لوگ ہیں۔

موسیٰؑ کے لے یہ تجربہ انوکھا تھا۔ لاٹھی کے سانپ بننے کا منظر دیکھ کر وہ سخت دہشت زدہ ہوئے اور اس طرح پیچھے کو بھاگے کہ اس کی طرف مڑ کر دیکھنے کی جرات نہیں کی۔ اس کیفیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نہایت رافت کے ساتھ ان کو اطمینان دلایا کہ اے موسیٰؑ! آگے بڑھو، اس کو اٹھاؤ اس سے تمہارے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہ خطرہ ہے تو تمہارے دشمنوں کے لئے ہے تم ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہو۔

مولانا اصلاحی نے اس تجربہ کی وضاحت میں شاندار نوٹ لکھا ہے جو قابل مطالعہ ہے وہ فرماتے ہیں:

"حضرت انبیائے کرام علیہم السلام کو نبوت کے ابتدائی مشاہدات بالکل بے سامان گمان پیش آتے ہیں، نہ ان کے ذہن میں پہلے سے ان کا کوئی تصور ہوتا ہے نہ ارمان، اسی وجہ سے شروع شروع میں وہ ان سے گھبراتے

ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو بالتدریج ان سے مانوس کر دیتا ہے۔ ساحروں کاہنوں، متنبیوں، مفتریوں کے ذہن میں تو پہلے سے ایک سکیم ہوتی ہے اور وہ اس کے لئے بہت سے پاپڑ بیلتے ہیں اور جب ان کو عوام فریبی کے لئے کوئی مشغلہ ہاتھ آجاتا ہے تو اس کو اپنی بہت بڑی کامیابی سمجھتے ہیں لیکن حضرات انبیاء کرام اس قسم کے وساوس سے بالکل پاک ہوتے ہیں اس وجہ سے ان کو کوئی معجزہ دیا جاتا ہے تو وہ ان کے لئے ایک بالکل انوکھی چیز ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ جس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے جانے والے تھے اس کے ساحروں کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ وہ اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ بنادیتے اور اس فن کو حاصل کرنے کے لئے نہیں معلوم وہ کیا کیا ریاضتیں کرتے۔ اور جب اس میں کامیاب ہوجاتے تو سمجھتے کہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی مراد حاصل ہوگئی لیکن حضرت موسیٰؑ کا حال یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی لاٹھی کو سانپ بنا دیا تو وہ اس سے خوف زدہ ہو کر بھاگے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے اس ابتدائی مشاہدہ کے اس پہلو کو خاص طور پر اس لئے نمایاں فرمایا ہے کہ آپ کے جس معجزے کو فرعونیوں نے سحر و ساحری کا کرشمہ قرار دیا اس کو دیئے جانے کے وقت حضرت موسیٰؑ پر کیا گزری۔ [119]

قرآن مجید میں لاٹھی کے سانپ بننے کے لئے حیہ (سانپ) کسی جگہ جان (جو بالعموم چھوٹے سانپ کے لئے بولا جاتا ہے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور کسی جگہ ثعبان کہا جارہا ہے۔ اس کی توجیہ امام رازی اس طرح کرتے ہیں کہ حیہ عربی زبان میں سانپ کی جنس کے لئے مشترک نام ہے۔ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور ثعبان کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا کہ جسامت کے اعتبار سے وہ اژدھے کی طرح تھا اور جان کا لفظ اس بنا پر استعمال کیا گیا کہ اس کی پھرتی اور تیزی سانپ جیسی تھی۔ [120]

موسیٰؑ کا دوسرا معجزہ ید بیضا تھا۔ یعنی موسیٰؑ جب اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالتے تو بغیر کسی مرض کے چٹا سفید نکلتا۔ ابن جریرؒ، ابن کثیرؒ، زمخشریؒ، رازیؒ، ابوالسعود عمادیؒ

Marfat.com

آلوسیؒ اور دوسرے بڑے بڑے مفسرین اس پر متفق ہیں کہ یہاں بیضا بمعنی روشن اور چمکدار ہے۔ جونہی کہ حضرت موسیٰؑ نے بغل سے ہاتھ نکالا یکایک سارا ماحول جگمگا اٹھا اور یوں محسوس ہوا جیسے سورج نکل آیا ہے۔(۱۲۱)

بائبل میں یدبیضا کی ایک اور ہی تعبیر کی گئی ہے جو وہاں سے نکل کر ہمارے ہاں کی تفسیروں میں رواج پا گئی۔ وہ یہ کہ حضرت موسیٰؑ نے جب بغل میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو پورا ہاتھ برص کے مریض کی طرح سفید تھا' پھر جب دوبارہ بغل میں رکھا تو وہ اصلی حالت پر آگیا۔ یہی تعبیر اس معجزے کی تلمود میں بھی بیان کی گئی ہے اور اس کی حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ فرعون کو برص کی بیماری تھی جسے وہ چھپائے ہوئے تھا۔ اس لئے اس کے سامنے یہ معجزہ پیش کیا گیا کہ دیکھ یوں آنا فانا" برص کا مرض پیدا بھی ہوتا ہے اور کافور بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن اول تو ذوق سلیم اس سے ابا کرتا ہے کہ کسی نبی کو برص کا معجزہ دے کر ایک بادشاہ کے دربار میں بھیجا جائے۔ دوسرے اگر فرعون کو مخفی طور پر برص کی بیماری تھی تو ید بیضا صرف اس کی ذات کے لئے معجزہ ہو سکتا ہے' اس کے درباریوں پر اس معجزے کا کیا رعب طاری ہوتا۔ لہٰذا صحیح بات وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی کہ اس ہاتھ میں سورج کی چمک پیدا ہو جاتی تھی جسے دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔(۱۲۲)

سورہ النمل میں ان معجزات کا ذکر کرتے ہوئے "فی تسع آیات" یعنی نو نشانیوں میں سے کے الفاظ استعمال کئے۔ سورہ اعراف میں ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔(۱۲۳) لاٹھی جو اژدہا بن جاتی تھی' ہاتھ جو بغل سے سورج کی طرح چمکتا ہوا نکلتا تھا' جادوگروں کو برسر عام شکست دینا حضرت موسیٰؑ کی پیشگی اعلان کے مطابق سارے ملک میں قحط' طوفان' ٹڈی دل' تمام غلے کے ذخیروں میں سرسریاں اور انسان و حیوان سب میں جوئیں' مینڈکوں کا طوفان اور خون' یہ وہ نو آیات ہیں جو موسیٰؑ کو عطا کی گئی تھیں۔

دعوت خصوصی

شرف ہمکلامی سے نوازنے' دعوت کے عمومی اصول بیان کرنے اور معجزات عطا کرنے کے بعد خصوصی ذمہ داری کی بات کی۔ وہ خصوصی ذمہ داری فرعون کی سرکشی کی اصلاح تھی۔ ارشاد ہوتا ہے:

اذهب الی فرعون انه طغی (۱۲۴)

تم فرعون کے پاس جاؤ وہ بڑا سرکش ہوگیا ہے۔

واذ نادی ربک ان ائت القوم الظلمین قوم فرعون الا یتقون (۱۲۵)

اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰؑ کو کہ ظالم قوم' قوم فرعونؑ کے پاس جاؤ' کیا وہ ڈریں گے نہیں!

فی تسع ایات الی فرعون و ملائه انهم کانوا قوم فسقین (۱۲۶)

نو نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اسکی قوم کے پاس جاؤ' وہ بڑے ہی نافرمان لوگ ہیں۔

فذانک برهانان من ربک الیٰ فرعون و ملائه انهم کانوا قوما فسقین (۱۲۷)

پس یہ تیرے رب کی جانب سے دو نشانیاں ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جانے کے لئے بے شک وہ بڑے ہی نافرمان لوگ ہیں۔

بنی اسرائیل کی غلامی سے نجات

اس دعوت خصوصی کا اہم پہلو بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانا تھا۔ اس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب موسیٰؑ فرعون کے پس پہنچ جائیں گے۔ قرآن نقل کرتا ہے:

فاتیه فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبهم (۱۲۸)

اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے رسول

Marfat.com

ہیں، تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے اور ان کو عذاب میں مبتلا نہ رکھ۔

قد جئتکم بینة من ربکم فارسل معی بنی اسرائیل (۱۲۹)

میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے صریح دلیل ماموریت لے کر آیا ہوں لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

فاتیا فرعون فقولا انا رسول رب العالمین ان ارسل معنا بنی اسرائیل (۱۳۰)

فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو، ہم کو رب العالمین نے اس لئے بھیجا ہے کہ تو بنی اسرائیل ہمارے ساتھ جانے دے۔

موسیٰؑ و ہارون کی دعوت کے دو جزو تھے۔ ایک فرعون کو اللہ کی بندگی کی طرف بلانا، جو تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا اصل مقصود رہا ہے۔ دوسرے، بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نکالنا، جو مخصوص طور پر ان ہی دونوں حضرات کا مشن تھا۔ قرآن مجید میں کسی جگہ صرف پہلے جز کا ذکر کیا ہے اور کسی جگہ دوسرے جزو کا۔ دوسرے جزو کو سامنے رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ان کی جدوجہد قومی تھی اور وہ محض بنی اسرائیل کے نجات دہندہ تھے تو یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ قرآن نے ان کی دعوت کے دو پہلوؤں کو بیان کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

اذھب الی فرعون انه طغی فقل ھل لک الی ان تزکی و اھدیک الی ربک فتخشی (۱۳۱)

فرعون کے پاس جا، وہ سرکش ہوگیا ہے اور اس سے کہہ کیا تو اس کے لئے تیار ہے کہ پاکیزگی اختیار کرے اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہنمائی کروں تو (اس کا) خوف صرف تیرے اندر پیدا ہو۔

قرآن پاک کے مجموعی بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ موسیٰؑ صرف بنی اسرائیل کی رہائی کے لئے فرعون کے پاس نہیں بھیجے گئے تھے جیساکہ بعض لوگوں کا خیال ہے، بلکہ ان کی بعثت کا پہلا مقصد فرعون اور اس کی قوم کو راہ راست دکھانا تھا اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ راہ راست قبول نہ کرے تو بنی اسرائیل کو (جو اصل میں ایک مسلمان

قوم تھے) اس کی غلامی سے چھڑا کر مصر سے نکال لائیں۔ یہ بات ان آیات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان میں سرے سے بنی اسرائیل کی رہائی کا ذکر ہی نہیں ہے۔ بلکہ حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے سامنے صرف حق کی تبلیغ پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان مقامات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جہاں حضرت موسیٰؑ نے تبلیغ اسلام بھی کی ہے اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ بھی فرمایا ہے۔(۱۳۲)

موسیٰؑ کے عہد کا فرعون

آگے سے بڑھنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ موسیٰؑ کے عہد کا حکمران کون تھا؟۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ یوسفؑ سے لے کر موسیٰؑ تک مصر پر مختلف خاندان حکمران رہے۔ ان حکمرانوں کا شاہی لقب فرعون تھا اس لئے ہر حکمران فرعون کہلاتا۔ لفظ فرعون کے معنی ہیں "سورج دیوتا کی اولاد" قدیم اہل مصر سورج کو جو ان کا مہادیو یا رب اعلیٰ تھا رع کہتے تھے اور فرعون اسی کی طرف منسوب تھا۔ اہل مصر کے اعتقاد کی رو سے کسی فرمانروا کی حاکمیت کے لئے اس کے سوا کوئی بنیاد نہیں ہو سکتی تھی کہ رع کا جسمانی مظہر اور اس کا ارضی نمائندہ ہو' اسی لئے ہر شاہی خاندان جو مصر میں برسر اقتدار آتا تھا' اپنے آپ کو سورج بنسی بنا کر پیش کرتا اور ہر فرمانروا جو تخت نشین ہوتا "فرعون" کا لقب اختیار کر کے باشندگان ملک کو یقین دلاتا کہ تمہارا رب اعلیٰ یا مہادیو میں ہوں۔(۱۳۳)

یہاں یہ بات جان لینی چاہئے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کے قصے میں دو فرعونوں کا ذکر آتا ہے ایک وہ جس کے زمانہ میں آپ پیدا ہوئے اور جس کے گھر میں آپ نے پرورش پائی۔ دوسرا وہ جس کے پاس اسلام کی دعوت اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ لے کر پہنچے اور بالآخر غرق ہوا۔ موجودہ زمانے کے محققین کا عام میلان اس طرف ہے کہ پہلا فرعون "رعمیس دوم" تھا جس کا زمانہ حکومت ۱۲۹۲ء سے ۱۲۲۵ قبل مسیح تک رہا۔ اور دوسرا فرعون جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے منفتہ یا منفتاح تھا جو اپنے باپ رعمیس دوم کی زندگی ہی میں شریک حکومت ہو چکا تھا اور اس کے مرنے

کے بعد سلطنت کا مالک ہوا۔ یہ قیاس بظاہر اس لحاظ سے مشتبہ معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلی تاریخ کے حساب سے حضرت موسیٰؑ کی تاریخ وفات ۱۲۷۲ قبل مسیح ہے۔ لیکن بہرحال یہ تاریخی قیاسات ہی ہیں اور مصری، اسرائیلی اور عیسوی جنتریوں کے تطابق سے بالکل صحیح تاریخوں کا حساب لگانا مشکل ہے۔ (۱۳۴)

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے نجار کی قصص الانبیاء کے حوالے سے احمد یوسف احمد آفندی کے مضمون سے طویل اقتباس نقل کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ موسیٰؑ کے زمانہ کا فرعون رعمیس ثانی کا بیٹا منفتاح ہے جس کا دور حکومت ۱۲۹۲ ق م سے شروع ہو کر ۱۲۲۵ ق م پر ختم ہوتا ہے۔ مصری عجائب خانہ میں یہ نعش آج بھی محفوظ ہے اور قرآن عزیز کے اس کلام بلاغت نظام کی تائید کر رہی ہے۔ (۱۳۵)

الیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیۃ (۱۳۶)

اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچائیں گے تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لئے نشان عبرت بنے۔

سید مودودی کے بقول "اگر یہ ڈوبنے والا وہی فرعون منفتہ ہے جس کو زمانہ حال کی تحقیق نے فرعون موسیٰؑ قرار دیا ہے تو اس کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ ۱۹۰۷ء میں سرگرافٹن الیٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔" (۱۳۷)

بعثت نبوت پر موسیٰؑ کا ردعمل

موسیٰؑ کو یکایک جس صورت حال کا سامنا تھا وہ خوفزدہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ لاٹھی کے سانپ بننے پر ان کا ردعمل فطری تھا۔ اسی طرح اچانک ایک کلام الٰہی کے جلال اور اس کی ہیبت کا رعب بھی طاری تھا۔ جب ذرا پرسکون ہوئے تو انہیں اس ذمہ داری کے بوجھ کا احساس ہوا۔ ہم کلامی کی لذت نے بھی انہیں حوصلہ دیا تو انہوں نے اپنے رب کے سامنے ان خطرات و مشکلات کا ذکر کیا جو کار دعوت کے سلسلے میں

Marfat.com

انہیں پیش آنے والی تھیں۔ ان میں سے ایک تو اظہار و بیان کی کمزوری تھی۔ مفسرین نے موسیٰؑ کی زبان میں لکنت کی بات کی ہے۔(۱۳۸) مولانا سیوہاروی کی بھی یہی رائے ہے۔(۱۳۹) کہ ان کی زبان میں پیدائشی لکنت تھی۔ انہوں نے نجار کے حوالے سے تفصیلی بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں۔ تلمود نے لمبا چوڑا واقعہ بیان کیا ہے کہ بچپن جب حضرت موسیٰؑ فرعون کے گھر پرورش پا رہے تھے۔ ایک روز انہوں نے فرعون کے سر کا تاج اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس بچے نے یہ کام بالارادہ کیا ہے یا یہ محض طفلانہ فعل ہے۔ آخر کار یہ تجویز کیا گیا کہ بچے کے سامنے سونا اور آگ دونوں ساتھ رکھے جائیں چنانچہ چیزیں لا کر سامنے رکھی گئیں اور حضرت موسیٰؑ نے اٹھا کر آگ منہ میں رکھ لی۔ اس طرح ان کی جان تو بچ گئی مگر زبان میں ہمیشہ کے لئے لکنت پڑ گئی۔ یہ قصہ اسرائیلی روایات سے منتقل ہو کر ہمارے ہاں تفسیروں میں بھی رواج پا گیا لیکن عقل اسے ماننے سے انکار کرتی ہے۔ اس لئے کہ اگر بچے نے آگ پر ہاتھ مارا بھی ہو تو یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے کہ وہ انگارے کو اٹھا کر منہ میں لے جاسکے۔ بچہ تو آگ کی جلن محسوس کرتے ہی ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ منہ میں لے جانے کی نوبت ہی کہاں آسکتی ہے؟ قرآن کے الفاظ سے جو بات ہماری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنے اندر خطابت کی صلاحیت نہ پاتے تھے اور ان کو اندیشہ لاحق تھا کہ نبوت کے فرائض ادا کرنے کے لئے اگر تقریر کی ضرورت پیش آئی (جس کا انہیں اس وقت تک اتفاق نہ ہوا تھا) تو ان کی طبیعت کی جھجک مانع ہو جائے گی۔(۱۴۰)

مولانا اصلاحی نے بھی لکنت والی روایت کا انکار کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"ان آیات سے یہ بات تو ضرور معلوم ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کوئی زبان آور خطیب نہیں تھے لیکن یہ بات کہیں سے نہیں نکلتی کہ ان کی زبان میں لکنت تھی۔ لکنت کی روایت تو صرف تورات میں ہے۔ وہیں سے ہماری تفسیر کی کتابوں میں داخل ہوئی اور پھر اس کو مستند کرنے کے لئے ہمارے مفسرین نے ایک عجیب و غریب واقعہ بھی گھڑ لیا۔(۱۴۱) اظہار و بیان کی اسی کمزوری کی وجہ سے موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انہیں

Marfat.com

بیان کی طاقت عطا کی جائے اور ان کے بھائی کو جو فصیح اللسان ہے' مددگار بنایا جائے۔ فرعون نے ان کی اس کمزوری کا ایک مرتبہ طعنہ بھی دیا تھا کہ یہ شخص تو اپنی ۔ ۔ بھی پوری طرح بیان نہیں کرسکتا۔ لا یکاد یبین [۱۴۲] یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ہکلے یا توتلے آدمی کو اپنا رسول مقرر فرمائے۔ رسول ہمیشہ شکل' صورت شخصیت اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بہترین لوگ ہوئے ہیں جن کے ظاہر و باطن کا ہر پہلو دلوں اور نگاہوں کو متاثر کرنے والا ہوتا تھا۔ کوئی رسول ایسے عیب کے ساتھ نہیں بھیجا گیا اور نہیں بھیجا جاسکتا تھا جس کی بنا پر وہ لوگوں میں مضحکہ بن جائے یا حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ [۱۴۳] قرآن مجید نے ان کی اس درخواست کو بیان کیا ہے:

قال رب اشرح لی صدری و یسرلی امری و احلل عقدة من لسانی یفقهوا قولی و اجعل لی وزیرا من اهلی هرون اخی اشدد به ازری و اشرکه فی امری کی نسبحک کثیرا و نذکرک کثیرا انک کنت بنا بصیرا [۱۴۴]

موسیٰؑ نے عرض کیا پروردگار میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو میرے لئے آسان کردے اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں میرے لئے اپنے کنبے سے ایک وزیر مقرر کردے۔ ہارون جو میرا بھائی ہے۔ اس کے ذریعہ سے میرا ہاتھ مضبوط کر اور اس کو میرے کام میں شریک کردے' تاکہ ہم خوب تیری پاکی بیان کریں اور خوب تیرا چرچا کریں۔ تو ہمیشہ ہمارے حال پر نگراں رہا ہے۔

سورہ شعراء میں تکذیب کے اندیشہ کا بھی ذکر ہے۔ فرمایا:

قال رب انی اخاف ان یکذبون و یضیق صدری ولا ینطلق لسانی فارسل الی هارون [۱۴۵]

اے میرے رب' مجھے خوف ہے کہ وہ مجھ کو جھٹلا دیں گے اور میرا سینہ

Marfat.com

بھینچتا ہے اور میری زبان رواں نہیں ہے تو ہارون کے پاس پیغام بھیج۔
سورہ قصص میں ہارون کی فصاحت کا خصوصی تذکرہ کرتے ہیں۔ ارشاد ہے:

واخی هارون هو افصح مني لسانا فارسله معی ردا یصدقنی انی اخاف ان یکذبون[۱۴۶]

اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے تو اس کو ایک معاون کی حیثیت سے میرے ساتھ بھیجئے کہ وہ میری تائید کرے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کی یہ درخواست قبول فرمائی اور انہیں بیان کی قدرت بھی عطا فرمائی اور ان کے بھائی ھارون کو نبی بنا کر ان کا معاون بنایا۔ آگے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی یہ کمزوری دور ہو گئی تھی اور وہ خوب زوردار تقریر کرنے لگے تھے۔ چنانچہ قرآن اور بائبل میں ان کی بعد کے دور کی جو تقریریں آئی ہیں وہ کمال فصاحت و طلاقت لسانی کی شہادت دیتی ہیں۔[۱۴۷] قبولیت دعا کے لئے ارشاد ہوتا ہے:

قال قد اوتیت سولک یموسیٰ[۱۴۸]

فرمایا: دیا گیا جو تو نے مانگا اے موسیٰؑ

قال سنشد عضدک باخیک و نجعل لکما سلطانا فلا یصلون الیکما بایتنا انتما ومن اتبعکما الغالبون[۱۴۹]

ہم تیرے بھائی کے ذریعہ سے تیرا ہاتھ مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو ایسی سطوت بخشیں گے کہ وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کے زور سے غلبہ تمہارا اور تمہارے پیرووں کا ہی ہے۔

دوسری درخواست جو موسیٰؑ نے کی وہ فرعون کے انتقام سے متعلق تھی۔ موسیٰؑ نے قبطی کے ظالمانہ رویہ کی وجہ سے اس کو گھونسا مارا تھا جس کے نتیجے میں وہ مرگیا تھا۔ یہ ایک نادانستہ قتل تھا جس کی معافی انہوں نے اپنے رب سے طلب کی تھی اور انہیں معاف کر دیا گیا تھا۔ لیکن انہیں خطرہ تھا کہ وہ اس کی بنا پر انتقام میں کہیں قتل نہ کیے جائیں۔ قرآن مجید میں ہے:

Marfat.com

و لھم علی ذنب فاخاف ان یقتلون(۱۵۰)

اور مجھ پر ان کے ہاں ایک جرم کا الزام بھی ہے' اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

قال رب انی قتلت منھم نفسا فاخاف ان یقتلون(۱۵۱)

موسیٰؑ نے عرض کا "میرے آقا' میں تو ان کا ایک آدمی قتل کر چکا ہوں' ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔

اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس ڈر سے میں وہاں نہیں جانا چاہتا' بلکہ مطلب یہ تھا کہ حضور کی طرف سے ایسا کوئی انتظام ہونا چاہئے کہ میرے پہنچتے ہی کسی بات چیت اور ادائے رسالت کی نوبت آنے سے پہلے وہ لوگ مجھے الزام قتل میں گرفتار نہ کرلیں' کیونکہ اس صورت میں تو وہ مقصد ہی فوت ہوجائے گا جس کے لئے مجھے اس مہم پر بھیجا جا رہا ہے۔ بعد کی عبارت سے یہ بات خود واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی اس گزارش کا یہ مدعا ہرگز نہیں تھا کہ وہ ڈر کے مارے نبوت کا منصب قبول کرنے اور فرعون کے ہاں جانے سے انکار کرنا چاہتے تھے۔(۱۵۲)

موسیٰؑ نے جس خدشے کلا اظہار کیا تھا اس کا جواب دیا گیا اور اللہ پاک کی طرف سے یہ تسلی دی گئی کہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:

قال کلا فاذھبا بایاتنا انا معکم مستمعون(۱۵۳)

ہرگز نہیں' تم دنوں جاؤ ہماری نشانیاں لے کر' ہم تمہارے ساتھ سب کچھ سنتے رہیں گے۔

قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی قال لا تخافا اننی معکما اسمع واری(۱۵۴)

دونوں نے عرض کیا(۱۵۵) پروردگار ہمین اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا پل پڑے گا' فرمایا ڈرو مت' میں تمہارے ساتھ ہوں' سب کچھ سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

اس واقعے کو بائبل اور تلمود میں جس طرح بیان کیا گیا ہے اسے بھی ایک نظر

Marfat.com

دیکھ لیجئے تا کہ اندازہ ہو کہ قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کا ذکر کس شان سے کرتا ہے اور بنی اسرائیل کی روایات میں ان کی کیسی تصویر کشی کی گئی ہے۔ بائبل کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ جب خدا نے موسیٰ سے کہا کہ "اب میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں کہ تو میری قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے' تو حضرت موسیٰؑ نے جواب میں کہا "میں کون ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لاؤں۔" پھر خدا نے حضرت موسیٰؑ کو بہت کچھ سمجھایا' ان کی ڈھارس بندھائی' معجزے عطا کئے' مگر حضرت موسیٰؑ نے پھر کہا تو یہی کہا کہ "اے خداوند' میں تیری منت کرتا ہوں کہ کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج" (خروج ۴) تلمود کی روایت اس سے بھی چند قدم آگے جاتی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ کے درمیان سات دن تک اسی بات پر ردوکد ہوتی رہی۔ اللہ کہتا رہا کہ نبی بن' مگر موسیٰؑ کہتے رہے کہ میری زبان ہی نہیں کھلتی تو میں نبی کیسے بن جاؤں۔ آخر اللہ میاں نے کہا میری خوشی یہی ہے کہ تو ہی نبی بن۔ اس پر حضرت وسیٰ نے کہا کہ لوط کو بچانے کے لئے آپ نے فرشتے بھیجے' ہاجرہ جب سارہ کے گھر سے نکلی تو اس کے لئے پانچ فرشتے بھیجے' اور اب اپنے خاص بچوں (بنی اسرائیل) کو مصر سے نکلوانے کے لئے آپ مجھے بھیج رہے ہیں۔ اس پر خدا ناراض ہوگیا اور اس نے رسالت میں ان کے ساتھ ہارون کو شریک کردیا اور موسیٰؑ کی اولاد کو محروم کر کے کہانت کا منصب ہارون کی اولاد کو دے دیا۔ یہ کتابیں ہیں جن کے متعلق بے شرم لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں ان سے یہ قصے نقل کر لئے گئے ہیں۔[۱۵۶] قرآن نے وضاحت کی کہ موسیٰؑ کو جو خدشات لاحق تھے ان کا ازالہ کر دیا گیا۔ اس بیان سے کہیں بھی یہ مترشح نہیں ہوتا کہ موسیٰؑ یہ ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ قرآن کے بیان سے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ شرف ہمکلامی کی لذت سے اتنے سرشار تھے کہ وہ اسے زیادہ دیر جاری رکھنا چاہتے تھے۔ کجا یہ گستاخی کہ وہ منصب نبوت لینے سے انکار کریں یا اداء فرض سے پہلوتہی کریں۔ قرآنی بیان پڑھنے والا منصف مزاج انسان یہ مانے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ عظمت و شائستگی کلام ربانی ہونے کا ثبوت ہے۔

Marfat.com

اسلوب دعوت

موسیٰ کو فرعون اور آل فرعون کے انداز فکر اور طرز عمل کا تجربہ تھا اور رب تعالیٰ کے علم میں نہ صرف ماضی و حال کے واقعات تھے بلکہ مستقبل میں پیش آنے والے حالات بھی تھے اس لئے اس نے اپنے رسول کو نہ صرف حفاظت مہیا کی بلکہ دعوت کے طریقے اور زبان کے بارے میں بھی ہدایات دیں۔ رب تعالیٰ کو موسیٰؑ کے مزاج اور انداز بیان کی تیزی کا پتہ تھا اور فرعون کے غرور اور طغیان کا بھی علم تھا اس لئے داعی کو واضح ہدایات دینی ضروری تھیں۔ ارشاد ربانی ہے:

اذهب انت و اخوک بایاتی ولا تنیا فی ذکری اذهبا الی فرعون انه طغی فقولا له قولا لینا لعله یتذکر او یخشی (۱۵۷)

تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور میرے ذکر میں ڈھیلے نہ پڑنا۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ' بے شک وہ بہت سرکش ہوگیا ہے۔ پس اس کو نرمی کے ساتھ دعوت دو' شاید وہ یاددہانی حاصل کرے یا ڈرے۔

غالباً" یہ ہدایات اس وقت دی گئیں جب موسیٰ مصر پہنچ گئے اور ہارون ساتھ شامل ہوگئے تھے۔ ان ہدایات میں دو چیزیں واضح ہیں ایک ذکر الٰہی اور دوسرے نرم بات۔ تیسری بات کا تعلق مقصد دعوت یا نتیجہ دعوت سے ہے۔

ذکر الٰہی

ولا تنیا فی ذکری میرے ذکر میں ڈھیلے نہ پڑنا۔ سے دوبارہ ذکر الٰہی کی اہمیت واضح کی جارہی ہے۔ اس سے پہلے اولین کلام الٰہی میں "اقم الصلوٰة لذکری" کی ہدایت موجود ہے۔ ذکر الٰہی ایک دائمی عمل ہے اور یہ ذکر عبادت اور ذکر دعوت دونوں کو شامل ہے۔ دعوت کا اصل سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی سرچشمہ سے اس کو غذا اور قوت حاصل ہوتی ہے اگر اسی سرچشمہ سے تعلق کمزور ہوجائے تو دعوت بے جان اور بے روح ہوجاتی ہے اور اگر اس سرچشمہ سے تعلق بالکل ہی منقطع ہوجائے تو پھر

Marfat.com

وہ دعوت بالکل شیطانی دعوت بن کر رہ جاتی ہے اگرچہ اس میں نام خدا ہی کا لیا جائے۔ (۱۵۸)

یہ واضح ہے کہ نبی کا ہر کام ذکر الٰہی ہوتا ہے۔ وہ نماز ادا کرے یا تذکیر و انذار کا کام کرے۔ نماز اگر قوت و معرفت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے تو دعوت الی اللہ اسے مستحکم کرنے اور آگے منتقل کرنے کا وسیلہ۔ داعی کو ہر حال میں تعلق باللہ پر نظر رکھنی ہوتی ہے کیونکہ اسی سے اس کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور یہی رہنمائی کا ماخذ ہے۔

نرم گفتگو

"قولا له قولا لینا" کے ذریعہ طریق دعوت کی ہدایت دی کہ دعوت بہرحال نرمی کے ساتھ دی جائے۔ اس ہدایت کی ضرورت اس پہلو سے نہیں تھی کہ اب حضرت موسیٰؑ فرعون کے سامنے ایک بے بس اسرائیلی کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کے سفیر کی حیثیت سے جارہے تھے اور ہاتھ میں عصائے موسوی بھی تھا بلکہ لینت و نرمی دعوت حق کی فطرت ہے۔ حضرات انبیاء کی بعثت تعلیم و اصلاح کے لئے ہوئی اس وجہ سے ان کی دعوت اور ان کے انذار میں ایک معلم کی شفقت اور ایک غمگسار کی دلسوزی ہمیشہ نمایاں رہی ہے۔ کسی نبی کے متعلق بھی یہ بات علم میں نہیں آئی کہ اس نے ہیکڑی جتائی اور دھونس جمائی ہو۔ سخت سے سخت حالات میں بھی ان کا طرز خطاب اور انداز جواب نہایت ہی نرم، موثر اور ہمدردانہ رہا ہے۔ ہیکڑی جتانا اور دھونس جمانا دنیا پرست لیڈروں کی خصوصیات میں سے ہے۔ موجودہ زمانے کی شیطانی پروپیگنڈے تو سمجھئے ساری بنیاد ہی اس پر ہے۔ (۱۵۹)

دعوت کا مقصد

دعوت کے مقصد کو لعله یتذکرا و یخشی میں بیان فرمایا۔ حضرات انبیاء کی دعوت و تعلیم کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ مخاطب میں تذکر اور خشیت پیدا ہو۔ جن کے اندر صرف غفلت ہوتی ہے وہ تو نبی کی تذکیر سے فوراً" جاگ پڑتے ہیں۔ وہ گویا

Marfat.com

اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو۔ میں تمہارے سامنے (اپنی ماموریت کی) صریح سند پیش کرتا ہوں۔

فرعون کا ردعمل

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ موسیٰؑ کی دعوت کا بنیادی اصول توحید الٰہی تھا اور راستہ بھولے ہوئے ہوتے ہیں' بتانے والے نے جونہی ان کو بتایا وہ سیدھی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ دوسرے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی گمراہی پختہ ہوجاتی ہے' اس طرح کے لوگوں کے اندر' اگر ان کے اندر قبولیت حق کی کچھ صلاحیت ہوتی ہے' نبی کے انذار سے خدا اور اس کی پکڑ کا کچھ خوف پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنے لگتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو تو وہ ہدایت کی راہ بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں "یتذکر" سے پہلی حالت کی طرف اشارہ ہے اور "یخشی" سے دوسری حالت کی طرف۔[١٦٠]

سورہ النازعات میں اس مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

فقل ھل لک الی ان تزکی و اھدیک الی ربک فتخشی[١٦١]

اس سے کہہ کہ کیا تو اس کے لئے تیار ہے کہ پاکیزگی اختیار کرے اور میں تیرے رب کی طرف رہنمائی کروں تو اس کا خوف تیرے اندر پیدا ہو۔

گویا اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ و ہارونؑ کو حکمت و تبلیغ کے اصول بتائے تاکہ براہ راست بات کرتے ہوئے ان حدود و قیود کا خیال رہے جو اللہ تعالیٰ نے متعین کیں اور کوئی ایسی بات نہ ہو جو پیغمبرانہ شان کے شایاں نہ ہو۔ ان ہدایات میں اسلوب و دعوت کے بنیادی اصول بیان کر دیئے گئے اور مقصد دعوت بھی واضح کر دیا گیا۔ معجزات تو پہلے ہی عطا کر دیئے تھے تاکہ مخاطب پر پیغمبرانہ حیثیت کا رعب پڑے اور وہ کسی غلط اقدام کی جرات نہ کرے۔ یوں موسیٰؑ ربانی ہدایت اور معجزانہ قوت کے ساتھ فرعون اور آل فرعون کو اللہ کا پیغام پہنچانے تشریف لے گئے۔

لا اقول علی اللہ الا الحق قد جئتکم ببینۃ من ربکم فارسل معی بنی اسرائیل(۱۶۲)

موسیٰؑ نے کہا "اے فرعون، میں کائنات کے مالک کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں، میرا منصب یہی ہے کہ اللہ کا نام لے کر کوئی بات حق کے سوا نہ کہوں، میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے صریح دلیل ماموریت لے کر آیا ہوں لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

دوسری جگہ پر فرعون کی طرف جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فاتیا فرعون فقولا انا رسول رب العالمین ان ارسل معنا بنی اسرائیل(۱۶۳)

فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم خداوند عالم کے رسول ہیں۔ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے۔

مزید فرمایا:

فاتیہ فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم قد جئنک بایۃ من ربک والسلم علی من اتبع الھدی(۱۶۴)

پس اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے رسول ہیں تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے اور ان کو عذاب میں مبتلا نہ رکھ ہم تیرے خداوند کے پاس سے ایک بڑی نشانی بھی لے کر آئے ہیں اور سلامتی ان لوگوں پر ہے جو ہدایت کی پیروی کریں۔

سورہ دخان میں ہے:

و لقد فتنا قبلھم قوم فرعون و جاء ھم رسول کریم ان ادوا الی عباداللہ انی لکم رسول امین و ان لا تعلوا علی اللہ انی آتیکم بسلطن مبین(۱۶۵)

ہم ان سے پہلے فرعون کی قوم کو اسی آزمائش میں ڈال چکے ہیں۔ ان کے پاس ایک نہایت شریف رسول آیا اور س نے کہا: "اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کردو۔ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں اور

رسالت اس کی نمائندگی کا مظہر تھی۔ اصل مقصود فرعون کی اصلاح تھی ازاں بعد بنی اسرائیل کی آزادی کی بات تھی۔ فرعون کے رد عمل میں بھی اولیں بات الوہیت و ربوبیت کا انکار اور دعوت الی اللہ کی تحقیر تھی فرعون کے تکبر و غرور نے اسے انکار پر آمادہ کیا اور اس کے بعد موسیٰؑ و ہارون کو قید و بند کی دھمکیاں دیں۔ اور بنی اسرائیل پر مظالم کا اضافہ کردیا۔ قرآن مجید نے اس سارے عرصے کے واقعات و حالات میں سے صرف انہیں کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق دعوت الی اللہ سے ہے۔ ان میں ربوبیت الٰہی پر مناظرہ، ساحران مصر سے مقابلہ، موسیٰؑ کی صداقت کے لئے معجزات کا ظہور اور بالاخر بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون و آل فرعون کا غرق ہونا وہ اہم واقعات ہیں جنہیں قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔

موسیٰؑ کی دعوت پر پہلا رد عمل تلخی اور تحقیر کا ہے سورہ شعراء میں ہے کہ فرعون نے موسیٰؑ سے کہا:

قال الم نربک فینا ولیدا و لبثت فینا من عمرک سنین و فعلت فعلتک التی فعلت و انت من الکفرین (۴۶)

فرعون نے کہا: کیا ہم نے تجھے اپنے ہاں بچہ سا نہیں پالا تھا؟ تونے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں گزارے اور اس کے بعد کر گیا جو کچھ کر گیا۔ تو بڑا احسان فراموش آدمی ہے۔

فرعون نے ازرہ تحقیر یہ کہا کہ تم وہی نہیں ہو جس کی پرورش بچپن میں ہم نے اپنے گھر میں کی ہے اور تم وہی نہیں جس نے قتل جیسی حرکت کی۔ تمہاری حیثیت تو ہمارے پروردہ اور ایک مجرم کی ہے۔ یہ نبوت کی بات کیسی ہے؟

موسیٰؑ نے اس کے جواب میں جو کچھ کہا اسے قرآن نے نقل کیا ہے:

قال فعلتها اذا و انا من الضالین ففررت منکم لما خفتکم فوھب لی ربی حکما و جعلنی من المرسلین و تلک نعمة تمنها علی ان عبدت بنی اسرائیل (۴۷)

موسیٰؑ نے کہا: اس وقت وہ کام میں نے نادانستگی میں کر دیا تھا پھر میں تمہارے خوف سے بھاگ گیا۔ اس کے بعد میرے رب نے مجھ کو

فرعون کے سامنے دعوت حق

موسیٰ و ہارون فرعون کے پاس پہنچے اور اسے دعوت حق دی۔ قرآن مجید کے مطابق موسیٰ نے سب سے پہلے اپنی رسالت کی بات کی اور رب تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کی حقانیت کو واضح کیا اس کے بعد یہ مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیج دے۔ قرآن مجید اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

و قال موسیٰ یفرعون انی رسول من رب العالمین حقیق علی ان

حکم عطا کیا اور مجھے رسولوں میں شامل فرمالیا۔ رہا تیرے احسان جو تونے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تونے بنی اسرائیل کو غلام بنالیا تھا۔

موسیٰ نے قتل کا اعتراف کیا کہ وہ نادانستگی پر ہوا لیکن اللہ نے مجھے نبوت سے نوازا۔ اور جہاں تک تمہارے احسان کا تعلق ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر ظلم ہی کی نتیجے میں تمہارے گھر تک پہنچا ورنہ میں اپنے گھر میں پرورش پاتا۔[۱۶۸] یا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ احسان تو ہے لیکن اس کے بدلے میں تمہیں یہ حق تو حاصل نہیں ہوسکتا کہ تم تمام بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھو اور میں اس کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھاؤں۔[۱۶۹] مولانا سیوہاروی نے عبدالوہاب نجار کے حوالے سے ایک اور مفہوم بھی نقل کیا ہے۔[۱۷۰] لیکن ان کے بقول یہ تکلف ہے۔

ربوبیت الٰہی کی تحقیر

موسیٰ نے اپنی رسالت کی بات کرتے ہوئے رب العالمین کا ذکر کیا ہے۔ فرعون نے رب العالمین کا مذاق اڑایا اور کہا کہ رب العالمین کیا چیز ہے؟ طریق دعوت میں ایک مرحلہ دعوت کے حق میں مسکت دلائل مہیا کرنا ہے۔ موسیٰ نے اس کے اس گستاخانہ رویے کو بنیاد بنا کر ربوبیت الٰہی پر مسکت دلائل مہیا کیے۔ فرعون نے جب ازرہ استہزاء کہا و ما رب العالمین[۱۷۱] (یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے) تو موسیٰ نے جواب دیا:

Marfat.com

قال رب السموات و الا رض و ما بینهما ان کنتم مومنین (۱۷۲)

فرمایا: تمہارا رب العالمین وہی ہے' جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب کا رب ہے' اگر تم یقین لانے والے ہو۔

قرآن نے فرعون و موسیٰؑ کے درمیان ہونے والی پوری گفتگو نقل کی ہے۔

قال لمن حوله الا تستمعون قال ربکم و رب ابا ئکم الا ولین قال ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون قال رب المشرق و المغرب وما بینهما ان کنتم تعقلون قال لئن اتخذت الها غیری لا جعلنک من المسجونین (۱۷۳)

فرعون نے اپنے گردوپیش کے لوگوں سے کہا سنتے ہو؟ موسیٰؑ نے کہا تمہارا رب بھی اور تمہارے ان آبا و اجداد کا رب بھی جو گزر چکے ہیں۔ فرعون نے (حاضرین سے) کہا تمہارے یہ رسول صاحب تو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں بالکل ہی پاگل معلوم ہوتے ہیں۔ موسیٰؑ نے کہا "مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب' اگر آپ لوگ کچھ عقل رکھتے ہیں۔ فرعون نے کہا گر تونے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو تجھے بھی ان لوگوں میں شامل کردوں گا جو قید خانوں میں پڑے سڑ رہے ہیں۔

سورہ طہٰ میں اس موضوع کو اور انداز سے بیان کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

قال فمن ربکما یموسیٰ قال ربنا الذی اعطی کل شئی خلقه ثم هدی قال فما بال القرون الا ولی قال علمها عند ربی فی کتاب لا یضل ربی ولا ینسی الذی جعل لکم الا رض مهدا و سلک لکم فیها سبلا و انزل من السماء ماء فاخرجنا به ازواجا من نبات شتی کلوا و ارعوا انعامکم ان فی ذلک لا یات لا ولی النهی منها خلقنکم و فیها نعیدکم و منها نخرجکم تارة اخری (۱۷۴)

فرعون نے کہا "اچھا تو پھر تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ؟ موسیٰ نے جواب دیا "ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی'

Marfat.com

پھر اس کو راستہ بتایا فرعون بولا "اور پہلے جو نسلیں گزر چکی ہیں ان کی پھر کیا حالت تھی۔" موسیٰؑ نے کہا "اس کا علم میرے رب کے پاس ایک نوشتے میں محفوظ ہے۔ میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔" وہی جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا' اور اس میں تمہارے چلنے کو راستے بنائے' اور اوپر سے پانی برسایا' پھر اس کے ذریعہ سے مختلف اقسام کی پیداوار نکالی۔ کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ۔ یقیناً" اس میں بہت سی نشانیاں ہیں' عقل رکھنے والوں کے لئے۔ اس زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے' اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔

موسیٰؑ کے استدلال کا کوئی جواب اس کے پاس نہیں تھا لہٰذا بوکھلاہٹ میں اپنی الوہیت و ربوبیت کے دعوٰی کو دہرانے کے سوا کوئی بات نہ کرسکا۔ تکذیب و تحقیر اور استکبار و ادبار کے سوا کچھ نہ بن سکا۔ قرآن مجید نے اس کی بوکھلاہٹ کو مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

و قال فرعون یا ایھا الملا ما علمت لکم من الہ غیری فا وقد لی یھا من علی الطین فا جعل لی صرحا لعلی اطلع الی الہ موسیٰؑ و انی لا ظنہ من الکذبین(۱۷۵)

اور فرعون نے کہا' اے درباریو! میں تو تمہارے لئے اپنے سوا کسی اور معبود سے واقف نہیں' تو اے ھامان! تم مٹی کی اینٹوں کا پژاوہ لگواؤ اور میرے لئے ایک اونچا محل بنواؤ کہ میں موسیٰؑ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں' میں تو اس کو ایک جھوٹا آدمی خیال کرتا ہوں۔

سورہ غافر میں ہے:

و قال فرعون یا ھامان ابن لی صرحا لعلی ابلغ الاسباب اسباب السموت فاطلع الی الہ موسیٰؑ و انی لا ظنہ کاذبا و کذلک زین لفرعون سوء عملہ و صدعن السبیل و ما کید فرعون الا فی

Marfat.com

تباب[۱۷۶]

فرعون نے کہا اے ہامان' میرے لئے ایک بلند عمارت بنا تاکہ میں راستوں تک پہنچ سکوں' آسمانوں کے راستوں تک' اور موسیٰؑ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں مجھے تو یہ موسیٰؑ جھوٹا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح فرعون کے لئے اس کی بدعملی خوشنما بنا دی گئی اور وہ راہ راست سے روک دیا گیا۔ فرعون کی ساری چالبازی (اس کی اپنی) تباہی کے راستے ہی میں صرف ہوئی۔

فرعون کا دعوائے الوہیت

فرعون کے ردعمل میں جہاں ربوبیت الٰہی کا استہزاء ہے وہاں اپنے استکبار کی وجہ سے الوہیت و ربوبیت کا دعویٰ بھی ہے۔ سورۃ قصص میں اس کے دعویٰ الوہیت کا ذکر گزر چکا ہے۔ سورۃ النازعات میں اس کے دعوائے ربوبیت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

فکذب و عصی ثم ادبر یسعی فحشر فنادی فقال انا ربکم الاعلی[۱۷۷]

مگر اس نے جھٹلا دیا اور نہ مانا پھر چالبازیاں کرنے کے لئے پلٹا اور لوگوں کو جمع کرکے اس نے پکار کر کہا' میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

سورۃ شعرا میں ہے کہ اگر موسیٰؑ نے اس کے سوا کسی اور اللہ کو مانا تو اسے قید کردیا جائے گا۔ ان سب مقامات پر اس کے دعوائے الوہیت و ربوبیت کا تذکرہ ہے۔ موسیٰؑ کی دعوت سے اسے جو خطرہ محسوس ہوا اس کا اظہار اسی بوکھلاہٹ میں ہے۔ مفسرین نے اس کے دعویٰ کی حقیقت پر مفصل بحثیں کی ہیں اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ الوہیت کی تفسیر میں یہاں اس سے کیا مراد ہے۔ مولانا اصلاحی کا خیال ہے کہ فرعون کی حیثیت (God king) کی تھی وہ سورۃ اعراف کی ۱۲۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

و یذرک و الھتک کی تاویل میں ہمارے علماء و مفسرین کو بڑا اضطراب پیش آیا

Marfat.com

ہے۔ اس میں اشکال یہ ہے کہ الھتک کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسے دیوی دیوتا بھی مصر میں تھے جن کی پرستش خود فرعون بھی کرتا تھا۔ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے رب اعلیٰ ہونے کے دعویٰ کی توجیہ کیا ہوگی؟ جو خود رب اعلیٰ ہونے کا مدعی ہو وہ کسی دوسرے دیوی دیوتا کو ماننے والا یا ان کی پرستش کرنے والا کیسے ہو سکتا ہے؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ فرعون اپنے زعم کے مطابق اپنے آپ کو مصریوں کے سب سے بڑے دیوتا سورج کا اوتار سمجھتا تھا اس طرح اس کی حیثیت اوتار بادشاہ (God king) کی تھی۔ گویا وہ بیک وقت مصریوں کا بادشاہ بھی اور ان کے سب سے بڑے دیوتا کا مظہر اور اوتار ہونے کے سبب سے ان کا رب اعلیٰ بھی۔ اس نے اپنے بے شمار اسٹیچو اور بت بنوا کر اپنی مملکت میں جگہ جگہ نصب کرادیے تھے اور اس کی رعایا ان کے درشن اور ان کے آگے ڈنڈوت کرتی تھی۔ اسی طرح بادشاہ کو بیک وقت رعایا پر خدائی و شاہی دونوں قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ یہاں الھتک کے لفظ سے اس کے انہی اسٹیچوؤں اور بتوں کی طرف اشارہ ہے جو اس کی ذات کی نمائندگی کرتے تھے۔ مصر کے قدیم مندروں کے جو آثار ملے ہیں ان سے بھی اسی بات کی تصدیق ہوتی ہے۔(۱۷۸)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی رائے میں مصریوں کے ہاں بہت سے دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش ہوتی تھی تاہم فرعون سورج دیوتا کے اوتار کی حیثیت سے بادشاہی کا استحقاق جتاتا تھا۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فرعون کے اس سوال کا منشا یہ تھا کہ تم دونوں کے رب بنا بیٹھے ہو، مصر اور اہل مصر کا رب تو میں ہوں۔ سورۂ نازعات میں اس کا یہ قول نقل کیا گیا ہے انا ربکم الاعلی اے اہل مصر تمہارا رب اعلیٰ میں ہوں۔ سورۂ زخرف میں وہ بھرے دربار کو مخاطب کرکے کہتا ہے یقوم الیس لی ملک مصر و ھذہ الانھار التی تجری من تحتی "اے میری قوم! کیا مصر کی یہ بادشاہی میری نہیں ہے؟ اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟" (آیت ۵۱) سورۂ قصص میں وہ اپنے درباریوں کے سامنے یوں ہنکارتا ہے یا ایھا الملاء ما علمت لکم من الہ

غیری فاوقدلی یا ھامان علی الطین فاجعل لی صرحا لعلی اطلع الی الہ موسیٰ" "اے سرداران قوم! میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور بھی الہ ہے، اور اے ھامان ذرا اینٹیں پکوا اور ایک بلند عمارت میرے لئے تیار کرا تاکہ میں ذرا چڑھ کر دیکھوں تو سہی کہ یہ موسیٰ کسے الہ بنا رہا ہے" (آیت ۳۸) سورۂ شعراء میں وہ حضرت موسیٰؑ کو ڈانٹ کر کہتا ہے لئن اتخذت الھا غیری لا جعلنک من المسجونین "اگر تو نے میرے سوا کسی کو الہ بنایا تو یاد رکھ کر تجھے جیل بھیج دوں گا" (آیت ۲۹)

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فرعون اپنی قوم کا واحد معبود تھا اور وہاں اس کے سوا کسی کی پرستش نہ ہوتی تھی۔ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ فرعون خود سورج دیوتا (رع یا راع) کے اوتار کی حیثیت سے بادشاہی کا استحقاق جتاتا تھا۔ اور یہ بات بھی مصر کی تاریخ سے ثابت ہے کہ اس قوم کے مذہب میں بہت سے دیوتاؤں اور دیویوں کی عبادت ہوتی تھی اس لئے فرعون کا دعویٰ "واحد مرکز پرستش" ہونے کا نہ تھا، بلکہ وہ عملاً" مصر کی اور نظریہ کے اعتبار سے دراصل پوری نوع انسانی کی سیاسی ربوبیت خداوندی کا مدعی تھا اور یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھا کہ اس کے اوپر کوئی دوسری ہستی فرمانروا ہو جس کا نمائندہ آکر ایک حکم دے اور اس حکم کی اطاعت کا مطالبہ اس سے کرے۔ بعض لوگوں کو اس کی لن ترانیوں سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا منکر تھا اور خود خدا ہونے کا دعویٰ رکھتا تھا مگر یہ بات قرآن سے ثابت ہے کہ وہ عالم بالا پر کسی اور کی حکمرانی مانتا تھا۔ سورۂ المومن آیات ۲۸ تا ۳۴ اور سورۂ زخرف آیت ۵۳ کو غور سے دیکھئے۔ یہ آیتیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی ہستی سے اس کو انکار نہ تھا۔ البتہ جس چیز کو ماننے کے لئے وہ تیار نہ تھا وہ یہ تھی کہ اس کی سیاسی خدائی میں اللہ کا کوئی دخل ہو اور اللہ کا کوئی رسول آکر اس پر حکم چلائے۔ (۱۷۹)

اگر اس کے ساتھ وہ توضیح بھی شامل ہوجائے جو سید مرحوم نے سورۂ شعراء کی آیت ۲۹ کے تحت لکھی ہے تو فرعون کے تصور الوہیت پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ سید

مرحوم لکھتے ہیں:

"اس گفتگو کو سمجھنے کے لئے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ آج کی طرح قدیم زمانے میں بھی "معبود" کا تصور صرف مذہبی معنوں تک محدود تھا یعنی یہ کہ اسے بس پوجا پاٹ اور نذر و نیاز کا استحقاق پہنچتا ہے اور وہ اپنے فوق الفطری غلبہ و اقتدار کی وجہ سے اس کا یہ منصب بھی ہے کہ انسان اپنے معاملات میں اس سے استمداد و استعانت کے لئے دعائیں مانگیں۔ لیکن کسی معبود کی یہ حیثیت کہ وہ قانونی و سیاسی معنوں میں بھی بالادست ہے اور اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ معاملات دنیا میں وہ جو چاہے حکم دے اور انسانوں کا یہ فرض ہے کہ اس کے امر و نہی کو قانون برتر مان کر اس کے آگے جھک جائیں' یہ چیز زمین کے مجازی فرمانرواؤں نے نہ پہلے کبھی مان کر دی تھی' نہ آج وہ اسے ماننے کے لئے تیار ہیں۔ وہ ہمیشہ سے یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ دنیا کے معاملات میں ہم مختار مطلق ہیں' کسی معبود کو ہماری سیاست اور ہمارے قانون میں دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ دنیوی حکومتوں اور بادشاہوں سے انبیاء علیہم السلام اور ان کی پیروی کرنے والے مصلحین کے تصادم کی اصل وجہ یہی رہی ہے۔ انہوں نے ان سے خداوند عالم کی حاکمیت و بالادستی تسلیم کرانے کی کوشش کی ہے اور یہ اس کے جواب میں نہ صرف یہ کہ اپنی حاکمیت مطلقہ کا دعویٰ پیش کرتی رہی ہے بلکہ انہوں نے ہر اس شخص کو مجرم اور باغی ٹھہرایا ہے جو ان کے سوا کسی اور کو قانون و سیاست کے میدان میں معبود مانے۔ اس تشریح سے فرعون کی اس گفتگو کا صحیح مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ اگر معاملہ صرف پوجا پاٹ اور نذر و نیاز کا ہوتا تو اس کو اس سے کوئی بحث نہ تھی کہ حضرت موسیٰ دوسرے دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ رب العالمین کو اس کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اگر صرف اس معنی میں توحید فی العبادت کی دعوت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو دی ہوتی تو اسے غضب

Marfat.com

ناک ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ اگر کچھ کرتا تو بس یہ کہ اپنا آبائی دین چھوڑنے سے انکار کردیتا' یا حضرت موسیٰؑ سے کہتا کہ میرے مذہب کے پنڈتوں سے مناظرہ کرلو۔ لیکن جس چیز نے اسے غضبناک کردیا وہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب العالمین کے نمائندے کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کرکے اسے اسی طرح ایک سیاسی حکم پہنچایا کہ گویا وہ ایک ماتحت حاکم ہے اور ایک حاکم برتر کا پیغامبر آکر اس سے اطاعت امر کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس معنی میں وہ اپنے اوپر کسی سیاسی و قانونی برتری ماننے کے لئے تیار نہ تھا' بلکہ وہ یہ بھی گوارا نہ کرسکتا تھا کہ اس کی رعایا میں سے کوئی فرد بجائے کسی اور کو حاکم برتر مانے۔ اسی لئے اس نے پہلے "رب العالمین" کی اصطلاح کا چیلنج کیا کیونکہ اس کی طرف سے لائے ہوئے پیغام میں محض مذہبی معبودیت کا نہیں بلکہ کھلا کھلا سیاسی اقتدار اعلیٰ کا رنگ نظر آتا تھا۔ پھر جب حضرت موسیٰؑ نے بار بار تشریح کرکے بتایا کہ جس رب العالمین کا پیغام وہ لائے ہیں وہ کون ہے تو اس نے صاف صاف دھمکی دے دی کہ ملک مصر میں تم نے میرے اقتدار اعلیٰ کے سوا کسی اور کے اقتدار کا نام لیا بھی تو جیل کی ہوا کھاؤ گے۔(۱۸۰)

فرعون کے قول یا ایھا الملاء ما علمت لکم من الہ غیری(۱۸۱) "اے اہل دربار میں تو اپنے سوا تمہارے کسی خدا کو نہیں جانتا" کی تشریح کرتے ہوئے سید مودودی لکھتے ہیں:

اس قول سے فرعون کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ میں ہی تمہارا اور زمین و آسمان کا خالق ہوں' کیونکہ ایسی بات صرف ایک پاگل ہی کے منہ سے نکل سکتی تھی۔ اور اسی طرح اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیونکہ اہل مصر کے مذہب میں بہت سے معبودوں کی پرستش ہوتی تھی۔ اور خود فرعون کو جس بنا پر معبودیت کا مرتبہ دیا گیا تھا وہ بھی صرف یہ تھی کہ اسے سورج

دیوتا کا اوتار جانا جاتا تھا۔ سب سے بڑی شہادت قرآن مجید کی موجود ہے کہ فرعون خود بہت سے دیوتاؤں کا پرستار تھا: وقال الملاء من قوم فرعون اتذر موسیٰ و قومه لیفسدوا فی الارض و یذرک و آلھتک "اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا: کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو کھلی چھوٹ دے دے گا کہ ملک میں فساد برپا کریں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں" (الاعراف آیت ۱۲۷) اس لئے لامحالہ یہاں فرعون نے لفظ "خدا" بمعنی خالق و معبود نہیں بلکہ مطاع و حاکم مطلق استعمال کیا تھا۔ اس کا مدعا یہ تھا کہ اس سرزمین مصر کا مالک میں ہوں۔ یہاں میرا حکم چلے گا۔ میرا ہی قانون یہاں مانا جائے گا۔ میری ذات ہی یہاں امر و نہی کا سرچشمہ تسلیم کی جائے گی۔ کوئی دوسرا یہاں حکم چلانے کا مجاز نہیں ہے۔ یہ موسیٰ کون ہے جو رب العالمین کا نمائندہ بن کر آ کھڑا ہوا ہے اور مجھے اس طرح احکام سنا رہا ہے کہ گویا اصل فرمانروا یہ ہے اور میں اس کا تابع فرمان ہوں۔ اسی بنا پر اس نے اپنے دربار کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا تھا: یقوم الیس لی ملک مصر وھذہ الانھار تجری من تحتی اے قوم، کیا مصر کی بادشاہی میری ہی نہیں ہے اور یہ نہریں میرے تحت جاری نہیں ہیں (الزخرف، آیت ۵۱) اور اسی بنا پر وہ حضرت موسیٰؑ سے بار بار کہتا تھا: اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیه آباءنا و تکون لکما الکبریاء فی الارض "تو کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اس طریقے سے ہٹا دے جو ہمارے باپ دادا کے زمانے سے چلا آ رہا ہے اور اس ملک میں بڑائی تم دونوں بھائیوں کی ہو جائے؟ یونس آیت ۷۸ اجئتنا لتخرجنا من ارضنا بسحرک یموسی اے موسیٰؑ کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے زور سے ہماری زمینوں سے بے دخل کر دے؟ (طہٰ آیت ۵۷) انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظھر فی الارض الفساد میں ڈرتا ہوں کہ یہ شخص تم لوگوں کا دین بدل ڈالے گا، یا ملک میں فساد برپا کر دے گا (المومن۔ آیت ۲۶) اس لحاظ سے اگر غور کیا جائے تو فرعون کی پوزیشن ان ریاستوں کی پوزیشن سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے جو خدا کے پیغمبر کی لائی ہوئی شریعت سے آزاد و خود مختار ہو کر سیاسی اور قانونی حاکمیت کے مدعی

Marfat.com

ہیں۔ وہ خواہ سرچشمہ قانون اور صاحب امرونہی کسی بادشاہ کو مانیں یا قوم کی مرضی کو' بہرحال جب تک وہ یہ موقف اختیار کئے ہوئے ہیں کہ ملک میں خدا اور اس کے رسول کا نہیں بلکہ ہمارا حکم چلے گا اس وقت تک ان کے اور فرعون کے موقف میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ بے شعور لوگ فرعون پر لعنت بھیجتے رہیں اور ان کو سند جواز عطا کرتے رہیں۔ حقائق کی سوجھ بوجھ رکھنے والا آدمی تو معنی اور روح کو دیکھے گا نہ کہ الفاظ و اصطلاحات کو۔ آخر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ فرعون نے اپنے لئے الہ کا لفظ استعمال کیا تھا اور یہ اسی معنی میں حاکیت کی اصطلاح استعمال کرتی ہیں۔(۱۸۲)

سید مودودیؒ کی تشریح سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں الوہیت و ربوبیت سیاسی حاکیت اور اقتدار اعلیٰ کے معنوں میں استعمال ہوئی ہے اور محدود مذہبی معنی میں نہیں جبکہ مولانا اصلاحی کے بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ فرعون کے دعوائے الوہیت میں خدائی اور بادشاہی دونوں شامل تھیں۔

معجزات کا اظہار

ہدایات ربانی کے مطابق موسیٰؑ نے نرم لہجے میں توحید الٰہی پر دلائل مہیا کئے۔ یہ اتنے موثر تھے کہ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا لیکن وہ اپنی ڈھٹائی کی وجہ سے ضد کئے جارہا تھا اور موسیٰؑ کی دعوت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ بالاخر موسیٰؑ نے عقلی دلائل کے بعد مشاہداتی و معجزاتی دلائل پیش کئے۔ قرآن مجید میں اظہار معجزہ کے لئے موسیٰ کی پیش کش، اور فرعون کے مطالبے کے بیانات موجود ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

قد جئتکم ببینة من ربکم فارسل معی بنی اسرائیل قال ان کنت جئت بایة فات بها ان کنت من الصادقین(۱۸۳)

میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے صریح دلیل ماموریت لے کر آیا ہوں لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے

Marfat.com

کہا: اگر تو کوئی نشانی لایا ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے تو اسے پیش کر۔

قال اولو جئتک بشی مبین قال فات بہ ان کنت من الصدقین (۱۸۴)

موسیٰ نے کہا، کیا اس صورت میں بھی کہ جب میں تمہارے پاس کوئی واضح نشانی لے کر آیا ہوں، اس نے کہا، وہ پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

فرعون کے اس مطالبے پر موسیٰ نے بھرے دربار میں فرعون کے سامنے اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈالا، اس وقت اس نے اژدہا کی شکل اختیار کرلی اور یہ حقیقت تھی، نظر کا دھوکا نہ تھا اور پھر موسیٰ نے اپنے ہاتھ کو گریبان کے اندر لے جاکر نکالا تو وہ ایک روشن ستارہ کی طرح چمکتا ہوا نظر آرہا تھا۔ یہ دوسری نشانی اور دوسرا معجزہ تھا۔ فرعون کے درباریوں نے جب اس طرح ایک اسرائیلی کے ہاتھوں اپنی قوم اور اپنے بادشاہ کی شکست کو دیکھا تو وہ تلملا اٹھے اور کہنے لگے: بلاشبہ یہ بہت بڑا ماہر جادوگر ہے اور اس نے یہ سب ڈھونگ اس لئے رچایا ہے کہ تم پر غالب آکر تم کو تمہاری سرزمین سے باہر نکال دے لہٰذا اب ہم کو سوچنا چاہیے کہ اس کے متعلق کیا ہونا چاہیے۔ قرآن مجید نے اظہار معجزہ کے واقعہ کو مختلف مقامات پر نقل کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

فالقی عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین و نزع یدہ فاذا ھی بیضاء للناظرین قال الملاء من قوم فرعون ان ھذا لساحر علیم یرید ان یخرجکم من ارضکم فماذا تامرون (۱۸۵)

موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا اور یکایک وہ ایک جیتا جاگتا اژدھا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو وہ دفعتاً" دیکھنے والوں کے لئے چمکتا ہوا نکلا۔ اس پر فرعون کے سرداروں نے آپس میں کہا یقیناً یہ شخص بہت بڑا ماہر جادوگر ہے۔ تمہیں تمہاری سرزمین سے بے دخل کرنا چاہتا ہے اب کہو کیا کہتے ہو۔

سورۂ شعراء میں اسے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا:

فالقی عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین و نزع یدہ فاذا ھی بیضاء للناظرین قال للملاء حولہ ان ھذا لسحر علیم یرید ان یخرجکم

Marfat.com

من ارضکم بسحرہ فماذا تامرون(۱۸۶)

موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا اور یکایک وہ ایک صریح اژدہا تھا۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچا اور وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔ فرعون اپنے گرد و پیش کے سرداروں سے بولا۔ ”یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔ اب بتاؤ تم کیا حکم دیتے ہو۔

سورۂ قصص میں فرمایا:

فلماء جاء ھم موسیٰ بایاتنا بینت قالوا ماھذا الاسحر مفتری وما سمعنا بھذا فی آبائنا الاولین(۱۸۷)

پھر جب موسیٰ ان لوگوں کے پاس ہماری کھلی کھلی نشانیاں لے کر پہنچا تو انہوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر بناوٹی جادو اور یہ باتیں تو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانے میں کبھی سنی ہی نہیں۔

سورۂ یونس میں ہے:

ثم بعثنا من بعدھم موسیٰ و ھرون الی فرعون و ملائہ بایتنا فاستکبروا وکانوا مجرمین فلما جاء ھم الحق من عندنا قالوا ان ھذا لسحر مبین قال موسیٰ اتقولون للحق لما جاء کم اسحر ھذا ولا یفلح الساحرون قالوا اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیہ اباء نا وتکون لکما الکبریاء فی الارض وما نحن لکما بمومنین(۱۸۸)

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا، مگر انہوں نے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ پس جب ہمارے پاس سے حق ان کے سامنے آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ موسیٰؑ نے کہا: تم حق کو یہ کہتے ہو جبکہ وہ تمہارے سامنے آگیا؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں

Marfat.com

پایا کرتے انہوں نے جواب میں کہا "کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اس طریقے سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور زمین میں بڑائی تم دونوں کی قائم ہوجائے؟ تمہاری بات تو ہم ماننے والے نہیں ہیں؟"

سورۂ طٰہ میں فرمایا:

ولقد ارینه آیتنا کلها فکذب وابی قال اجئتنا لتخرجنا من ارضنا بسحرک یموسیٰ (۱۸۹)

ہم نے فرعون کو اپنی سب ہی نشانیاں دکھائیں مگر وہ جھٹلائے چلا گیا اور نہ مانا۔ کہنے لگا "اے موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کرے۔"

سورۂ نازعات میں ہے:

فاراه الایة الکبری (۱۹۰)

موسیٰ نے اسے بڑی نشانی دکھائی۔

فرعون کا ردعمل

ان معجزات کی قاہری ایسی نمایاں تھی کہ فرعون اور اس کے درباری سب ہک دک رہ گئے۔ لیکن فرعون نے نہایت ہوشیاری سے لوگوں کو مرعوبیت سے بچانے کی کوشش کی۔ اس نے حضرت موسیٰؑ کے کارنامے کی تو داد دی' اس لئے کہ اس سے مفر نہ تھا لیکن ساتھ ہی یہ تاثر بھی لوگوں کو دینے کی کوشش کی کہ یہ محض فن جادوگری میں مہارت کا کرشمہ ہے۔ اس کو نبوت اور رسالت سے کوئی تعلق نہیں ہے مزید براں حضرت موسیٰ کے خلاف ایک سیاسی بدگمانی پیدا کرنے کے لئے ذہنوں میں یہ وسوسہ بھی ڈال دیا کہ یہ شخص اپنے جادو کے زور سے لوگوں کو اپنے حق میں ہموار کرنا اور ہم کو ملک سے بے دخل کرنا چاہتا ہے۔ (۱۹۱) مولانا اصلاحی سورۂ اعراف کی آیت ۱۰۹ - ۱۱۰ کے تحت لکھتے ہیں:

وہ حضرت موسیٰؑ اور ہارون سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان کے ماضی و حاضر اور

Marfat.com

ان کے اخلاق و کردار کو سامنے رکھ کر وہ آسانی سے فیصلہ کرسکتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ نہ تو کوئی جادوگر ہوسکتے ہیں اور نہ اصلاح کے سوا ان کے سامنے کوئی اور مقصد ہوسکتا ہے لیکن اربابِ اقتدار کا ہمیشہ یہ شیوہ رہا ہے کہ جب ان کے مقابل کوئی اصلاحی دعوت اٹھی ہے تو انہوں نے اپنے عوام کو اس سے برگشتہ کرنے کے لئے اس کے اندر کوئی نہ کوئی خطرناک سیاسی معنی و مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی حرکت فرعون کے درباریوں نے کی انہوں نے حضرت موسیٰؑ کی اس خالص اصلاحی دعوت اور جدوجہد کو متہم کرنے کے لئے یہ اشغلا چھوڑا کہ یہ درحقیقت ارسٹوکریسی کو اس ملک سے بے دخل کرنے کی ایک سازش ہے۔

فرعون کے درباریوں کا یہ اسٹنٹ وقت کے حالات کے لحاظ سے ایک موثر اور کارگر اسٹنٹ تھا۔ یہ مصر کے جس دور کی سرگذشت بیان ہو رہی ہے اس دور کی تاریخ تورات میں پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ اس زمانے میں فرعون اور اس کے اعیان اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ بنی اسرائیل کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی ہے' ایسا نہ ہو کہ وہ طاقت پکڑ جائیں اور ایک دن ہمیں اس ملک سے نکال چھوڑیں۔ تورات کی کتاب خروج سے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

"اور اسرائیل کی اولاد برومند اور کثیر التعداد اور فراواں اور نہایت زور آور ہوگئی اور وہ ملک ان سے بھر گیا۔ تب مصر میں ایک نیا بادشاہ پیدا ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا اور اس نے اپنی قوم کے لوگوں کو کہا دیکھو' اسرائیلی ہم سے زیادہ اور قوی ہوگئے ہیں سو آؤ ہم ان کے ساتھ حکمت سے پیش آئیں یہ نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہوجائیں اور اس وقت جنگ چھڑ جائے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں اس لئے انہوں نے ان پر بیگار لینے والے مقرر کئے جو ان سے سخت کام لے کر ان کو ستائیں ۔۔۔۔ اس پر انہوں نے جتنا ان کو ستایا وہ اتنا ہی بڑھتے اور پھیلتے گئے اس لئے وہ لوگ بنی اسرائیل کی طرف سے فکر مند ہوگئے ۔۔۔۔۔ تب مصر کے بادشاہ نے عبرانی دائیوں سے کہا کہ جب عبرانی عورتوں کے تم بچہ جناؤ ۔۔۔ تو اگر بیٹا ہو تو مار ڈالنا اور اگر بیٹی ہو تو جیتی رہے ۔۔۔۔ اور فرعون نے

Marfat.com

اپنی قوم کے سب لوگوں کو تاکیداً کہا کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اسے دریا میں ڈال دینا اور جو بیٹی ہو اسے جیتی چھوڑنا۔"(۱۹۲)

یہ طویل اقتباس ہم نے محض اس لئے پیش کیا ہے کہ اندازہ ہوسکے کہ مصر کی ارسٹو کریسی بنی اسرائیل کی تعداد اور ان کی قوت سے اس زمانے میں کس درجہ تشویش میں مبتلا تھی۔ اسی زمانے میں حضرت موسیٰ کی دعوت بلند ہوتی ہے اور وہ بھی اس انداز سے کہ وہ تمام بنی اسرائیل کو تین دن کی راہ بیابان میں عید قربان منانے کے لئے لے جانے کا مطالبہ پیش کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں فرعون کے اعیان کے پاس اپنی قوم کو حضرت موسیٰؑ اور ان کی دعوت سے وحشت زدہ کرنے کے لئے اس سے زیادہ کارگر حربہ اور کیا ہوسکتا تھا کہ وہ یہ شگوفہ چھوڑیں کہ اب وہ خطرہ سامنے آگیا ہے جس کا ڈر لگا ہوا تھا یعنی یہ شخص بنی اسرائیل کو منظم کرکے اب تمہیں اس ملک سے بے دخل کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے اگر تم اپنا تحفظ چاہتے ہو تو اس کے مقابلے کے لئے کمریں کس لو۔(۱۹۳)

مولانا کی تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ موسیٰؑ کی دعوت خالصتاً اصلاحی تھی اور فرعون اور اس کے اعیان نے اسے سیاسی رنگ دینے کی کوشش کی تھی۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ملک سے بے دخل کرنے کی سازش کا اعلان فرعون نے کیا جیسا کہ سورۂ شعراء سے معلوم ہوتا ہے جبکہ سورۂ اعراف میں یہ اعلان اعیان فرعون کی طرف منسوب ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ابتدائی طور پر سرداران قوم نے یہ رائے طے کی ہو اور پھر یہ طے شدہ رائے فرعون کے گوش گذار کی ہو اور فرعون نے اسی رائے کو دہرایا ہو جسے سورۂ شعرا میں نقل کیا گیا ہے۔ بہرکیف موسیٰؑ و ہارونؑ کو ناپسندیدہ قرار دینے کی ایک تدبیر تھی جو اختیار کی گئی۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ موسیٰؑ کی دعوت خالصتاً اصلاحی تھی اور اس کے کوئی سیاسی اثرات و نتائج نہ تھے۔ یہ ایک رائے ہے جسے بعض مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ لیکن اور نقطہ نظر بھی ہے کہ موسیٰ کی دعوت میں سیاسی تبدیلی کے عناصر موجود تھے اور فرعون اور اعیان سلطنت کا خوف اور ان کے اندیشے بے سبب نہ تھے۔ اس نقطہ نظر کی وضاحت سید ابوالاعلیٰ مودودی کے الفاظ میں ملاحظہ کریں۔ وہ سورۂ شعراء کی آیت ۳۵ کے تحت لکھتے ہیں:

Marfat.com

دونوں معجزوں کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ یا تو ایک لمحہ پہلے وہ اپنی رعیت کے ایک فرد کو برسر دربار رسالت کی باتیں اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کرتے دیکھ کر پاگل قرار دے رہا تھا (کیونکہ اس کے نزدیک ایک غلام قوم کے فرد کا اس جیسے باجبروت بادشاہ کے حضور ایسی جسارت کرنا پاگل پن کے سوا اور کچھ نہ ہوسکتا تھا) اور اسے دھمکی دے رہا تھا کہ اگر تو نے میرے سوا کسی کو معبود مانا تو جیل میں سڑا سڑا کر مار دوں گا یا اب نشانیوں کو دیکھتے ہی اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اسے اپنی بادشاہی اور اپنا ملک چھیننے کا خطرہ لاحق ہوگیا اور بدحواسی میں اسے یہ بھی احساس نہ رہا کہ میں بھرے دربار میں نوکروں کے سامنے کیسی بے تکی باتیں کر رہا ہوں۔ بنی اسرائیل جیسی دبی ہوئی قوم کے دو افراد وقت کے سب سے بڑے طاقتور بادشاہ کے سامنے کھڑے تھے۔ کوئی لاؤ لشکر ان کے ساتھ نہ تھا۔ کوئی جان ان کی قوم میں نہ تھی۔ کسی بغاوت کا نام و نشان تک ملک کے کسی گوشے میں نہ تھا۔ ملک سے باہر کسی دوسری حکومت کی طاقت بھی ان کی پشت پر نہ تھی۔ اس حالت میں صرف ایک لاٹھی کا اژدہا بنتے دیکھ کر اور ایک ہاتھ کو چمکتے دیکھ کر یکایک اس کا چیخ اٹھنا کہ یہ دو بے سروسامان آدمی میری سلطنت کا تختہ الٹ دیں گے اور پورے حکمران طبقے کو اقتدار سے بے دخل کردیں گے' آخر کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کا یہ کہنا کہ یہ شخص جادو کے زور سے ایسا کرڈالے گا مزید بدحواسی کی دلیل ہے۔ جادو کے زور سے دنیا میں کبھی کوئی سیاسی انقلاب نہیں ہوا' کوئی ملک فتح نہیں ہوا' کوئی جنگ جیتی نہیں گئی' جادوگر تو اس کے اپنے ملک میں موجود تھے اور بڑے بڑے کرشمے دکھا سکتے تھے مگر وہ خود جانتا تھا کہ تماشا کرکے انعام لینے سے بڑھ کر ان کی کوئی اوقات نہیں ہے۔ سلطنت تو کجا وہ بے چارے تو سلطنت کے کسی پولیس کانسٹیبل کو بھی چیلنج کرنے کی ہمت نہ کرسکتے تھے۔ (۱۹۴)

سورۂ اعراف کی آیت ۱۱۰ کی تشریح میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس نقطہ نظر کی توضیح کے لئے کافی ہے۔ سیدؒ لکھتے ہیں:

"یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک غلام قوم کا ایک بے سروسامان آدمی یکایک اٹھ کر فرعون جیسے بادشاہ کے دربار میں جا کھڑا ہوتا ہے جو شام سے لیبیا تک اور بحر

Marfat.com

روم کے سواحل سے حبش تک کے عظیم الشان ملک کا نہ صرف مطلق العنان بادشاہ بلکہ معبود بنا ہوا تھا تو محض اس کے اس فعل سے کہ اس نے ایک لاٹھی کو اژدہا بنا دیا اتنی بڑی سلطنت کو یہ خطرہ کیسے لاحق ہوجاتا ہے کہ یہ ایک اکیلا انسان سلطنت مصر کا تختہ الٹ دے گا اور شاہی خاندان کو حکمران طبقے سمیت ملک کے اقتدار سے بے دخل کردے گا؟ پھر یہ سیاسی انقلاب کا خطرہ آخر پیدا بھی کیوں ہوا جبکہ اس شخص نے صرف نبوت کا دعویٰ اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ ہی پیش کیا تھا اور کسی قسم کی سیاسی گفتگو سرے سے چھیڑی ہی نہ تھی؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ موسیٰؑ کا دعوائے نبوت اپنے اندر خود ہی یہ معنی رکھتا تھا کہ وہ دراصل پورے نظام زندگی کو بحیثیت مجموعی تبدیل کرنا چاہتے ہیں جس میں لامحالہ ملک کا سیاسی نظام بھی شامل ہے۔ کسی شخص کا اپنے آپ کو رب العالمین کے نمائندے کی حیثیت سے پیش کرنا لازمی طور پر اس بات کو متضمن ہے کہ وہ انسانوں سے اپنی کلی اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے' کیونکہ رب العالمین کا نمائندہ کبھی مطیع اور رعیت بن کر رہنے کے لئے نہیں آتا بلکہ مطاع اور راعی بننے کے لئے آیا کرتا ہے اور کسی کافر کے حق حکمرانی کو تسلیم کرلینا اس کی حیثیت رسالت کے قطعاً منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی زبان سے رسالت کا دعویٰ سنتے ہی فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کے سامنے سیاسی و معاشی اور تمدنی انقلاب کا خطرہ نمودار ہوگیا۔ رہی یہ بات کہ حضرت موسیٰؑ کے اس دعوے کو مصر کے دربار شاہی میں اتنی اہمیت ہی کیوں دی گئی جبکہ ان کے ساتھ ایک بھائی کے سوا کوئی معاون و مددگار اور صرف ایک سانپ بن جانے والی لاٹھی اور ایک چمکنے والے ہاتھ کے سوا کوئی نشان ماموریت نہ تھا؟ تو میرے نزدیک اس کے دو بڑے سبب ہیں۔ ایک کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت سے فرعون اور اس کے درباری خوب واقف تھے۔ ان کی پاکیزہ اور مضبوط سیرت' ان کی غیر معمولی قابلیت اور قیادت و فرمانروائی کی پیدائشی صلاحیت کا سب کو علم تھا۔ تلمود اور یوسیفوس کی روایات اگر صحیح ہیں تو حضرت موسیٰؑ نے ان پیدائشی قابلیتوں کے علاوہ فرعون کے ہاں علوم و فنون اور حکمرانی و سپہ سالاری کی وہ پوری

Marfat.com

تعلیم و تربیت بھی حاصل کی تھی جو شاہی خاندان کے افراد کو دی جاتی تھی۔ اور زمانہ شاہزادگی میں حبش کی مہم پر جاکر وہ اپنے آپ کو بہترین جنرل بھی ثابت کرچکے تھے۔ پھر جو تھوڑی بہت کمزوریاں شاہی محلوں میں پرورش پانے اور فرعونی نظام کے اندر امارت کے مناصب پر سرفراز رہنے کی وجہ سے ان میں پائی جاتی تھیں' وہ بھی آٹھ دس سال مدین کے علاقہ میں صحرائی زندگی گزارنے اور بکریاں چرانے کی بدولت دور ہوچکی تھیں اور اب فرعونی دربار کے سامنے ایک ایسا سن رسیدہ و سنجیدہ فقیر کشور گیر نبوت کا دعویٰ لئے ہوئے کھڑا تھا جس کی بات کو بہرحال باد ہوائی سمجھ کر اڑایا نہ جاسکتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عصا اور یدبیضا کی نشانیاں دیکھ کر فرعون اور اس کے درباری سخت مرعوب ہوچکے تھے اور ان کو تقریباً" یہ یقین ہوگیا تھا کہ یہ شخص فی الواقع کوئی فوق الفطری طاقت اپنی پشت پر رکھتا ہے۔ ان کا حضرت موسیٰؑ کو ایک طرف جادوگر بھی کہنا اور پھر دوسری طرف یہ اندیشہ بھی ظاہر کرنا کہ یہ ہم کو اس سرزمین کی فرمانروائی سے بے دخل کرنا چاہتا ہے ایک صریح تضاد بیان تھا اور اس کی بوکھلاہٹ کا ثبوت تھا جو ان پر نبوت کے اس اولین مظاہرے سے طاری ہوگئی تھی۔ اگر حقیقت میں وہ حضرت موسیٰؑ کو جادوگر سمجھتے تو ہرگز ان سے کسی سیاسی انقلاب کا اندیشہ نہ کرتے کیونکہ جادو کے بل بوتے پر کبھی دنیا میں سیاسی انقلاب نہیں ہوا ہے۔(۱۹۵)

نقطہ نظر کا اختلاف غالباً" دعوت انبیاء کے تصور کے متعلق ہے۔ سید مودودی کے ہاں انبیاء کی دعوت اصلاح کا تعلق نظام کی تبدیلی سے ہے لہٰذا یہ ایک کلی اور محیط فکری و عملی پروگرام ہے جس میں اقتدار کی تبدیلی شامل ہے یا کم از کم اقتدار کی اصلاح شامل ہے جبکہ مولانا اصلاحی کے ہاں دعوت اصلاح میں انذار کا پہلو غالب ہے اور داعی سیاسی اقتدار کا حریف نہیں ہوتا۔ مولانا اصلاحی کے ہاں اس تصور کی شدت شاید جماعت اسلامی سے نکلنے اور سیاسی سرگرمیوں کے تلخ تجربے کے بعد پیدا ہوئی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے سرداران قوم کے ہاتھوں جو مصائب برداشت کرنے پڑے ہیں اور جس طرح انہوں نے ان پاکباز ہستیوں کو اپنا حریف سمجھ کر اذیتوں سے دوچار کیا ہے اور جس طرح ان انبیاء نے الوہیت اور ربوبیت الٰہی پر اصرار کیا ہے اس سے

Marfat.com

تو دعوت انبیاء کا ہمہ پہلو ہونا بہت واضح نظر آتا ہے۔

استکبار و تکذیب

فرعون کے ردعمل میں استکبار و تکذیب بھی نمایاں ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے واضح طور پر ربوبیت الٰہی کا انکار کیا اور رسالت کی تکذیب کی۔ ارشاد باری ہے:

فکذب وعصی ثم ادبر یسعی فحشر فنادی فقال انا ربکم الاعلی (۱۹۶)

اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی پھر پلٹا دوڑ دھوپ کرتے ہوئے پھر سب کو جمع کرکے پکارا تم سب کا رب میں ہی ہوں

سورۂ قصص میں ہے:

واستکبر ھو و جنودہ فی الارض بغیر الحق وظنوا انھم لا یرجعون (۱۹۷)

اس نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں بغیر کسی حق کے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور سمجھے کہ انہیں کبھی ہماری طرف پلٹنا نہیں ہے

فرعون نے اگر ایک طرف استکبار و تکذیب کا رویہ اختیار کیا تو دوسری طرف موسیٰ و ہارون کو اپنی قوم اور ملک کے لئے خطرناک لوگ قرار دیا لہٰذا ان سے نجات حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ طے کیا کہ انہیں لوگوں کے سامنے بے وقار کردیا جائے اس کے لئے اس نے اور اس کے اعیان سلطنت نے جو تجویز کی وہ جادوگروں کے ساتھ مقابلہ تھا۔ انہیں یہ خیال تھا کہ اس طرح لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ موسیٰ ایک جادوگر ہے اور وہ جادو کے زور سے اپنی بات منوانا چاہتا ہے۔ قرآن کے مطابق اعیان سلطنت نے مشورہ دیا کہ تمام ملک کے ماہر جادوگروں کو بلایا جائے اور ان کے ذریعہ سے لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپوں میں تبدیل کرکے لوگوں کو دکھایا جائے تاکہ عامتہ الناس کے دلوں میں اس پیغمبرانہ معجزے سے جو ہیبت بیٹھ گئی ہے اگر وہ بالکل دور نہ ہو تو کم از کم شک ہی میں تبدیل ہوجائے۔ چنانچہ فرعون کے حکم سے پورے ملک سے ماہر

Marfat.com

جادوگروں کو اکٹھا کیا گیا اور موسیٰؑ سے طے شدہ دن اس مقابلے کا انتظام کیا گیا جو بالآخر موسیٰؑ کی فتح پر منتج ہوا اس مقابلے میں نہ صرف یہ کہ جادو کی اصلیت ظاہر ہوئی بلکہ جادوگروں کے ایمان لانے سے فرعون کی مزید تذلیل ہوئی۔ اس شکست پر فرعون نے ڈھٹائی سے اپنا پرانا الزام دہرایا کہ موسیٰ اپنے جادو سے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور یہ جادوگر اس کے شاگرد ہیں اور انہوں نے مل کر سازش کی ہے ۔ ان پر بغاوت کا الزام لگا کر انہیں سزا دینے کا اعلان کیا۔

قرآن مجید نے اس سارے واقعہ کو مختلف اسالیب سے بیان کیا ہے :

قالوا ارجه واخاه وارسل فی المدائن حاشرین یاتوک بکل ساحر علیم (۱۹۸)

پھر ان سب نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اسے اور اس کے بھائی کو انتظار میں رکھئے اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ ہر ماہر فن جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں۔

وقال فرعون ائتونی بکل سحر علیم (۱۹۹)

فرعون نے کہا کہ ہر ماہر فن جادوگر کو میرے پاس لاؤ

سورۂ طٰہٰ میں ذرا تفصیل سے بیان کیا:

فلنا تینک بسحر مثله فاجعل بیننا و بینک موعدا لا نخلفه نحن ولا انت مکانا سوی قال موعدکم یوم الزینة و ان یحشر الناس ضحی فتولی فرعون فجمع کیده ثم اتی (۲۰۰)

ہم بھی تمہارے مقابلے میں ایسا ہی جادو لائیں گے تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک مقام متعین ٹھہرالو' کوئی بیچ کی جگہ نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں نہ تم' اس نے کہا' تمہارے لئے وعدے کا دن میلہ والا دن ہے اور یہ کہ لوگ بوقت چاشت جمع کئے جائیں پس فرعون وہاں سے ہٹا اور اپنی ساری تدبیریں اکٹھی کرکے پھر مقابلہ میں آیا۔

سورۂ شعراء میں فرمایا:

قالوا ارجه واخاه وابعث فی المدائن حشرین یاتوک بکل سحار

Marfat.com

علیم فجمع السحرۃ لمیقات یوم معلوم و قیل للناس ھل انتم مجتمعون لعلنا نتبع السحرۃ ان کانوا ھم الغلبین (۲۰۱)

انہوں نے کہا کہ اس کو اور اس کے بھائی کو ابھی ٹالیے اور شہروں میں ہرکارے بھیجئے جو آپ کے پاس تمام ماہر جادوگر لائیں۔ تو ساحر ایک معین دن کے مقرر وقت کے لئے جمع کئے گئے اور لوگوں کو منادی کردی گئی کہ لوگو، جمع ہو تاکہ ہم ساحروں کے ساتھ دیں اگر وہ غالب رہنے والے ثابت ہوں۔

موسیٰؑ اور جادوگروں کا مقابلہ

آخر کار میلے کا دن آپہنچا فرعون اور اعیان سلطنت اپنی اپنی نشستوں پر براجمان تھے اور عوام کی بڑی تعداد تماشائیوں کی صورت میں موجود تھی ایک طرف فرعون اپنی برتری کے احساس اور اپنے غرور و تمکنت کے اظہار کے ساتھ موجود تھا اور دوسری طرف موسیٰؑ اور ہارونؑ تائید ایزدی کے ساتھ غلبہ حق کی آرزو لئے حاضر تھے۔ ایسے میں جادوگر آتے ہیں اور فرعون سے انعام و اکرام حاصل کرنے کی درخواست کرتے ہیں جو منظور کی جاتی ہے اور بالخصوص انہیں مقربین شاہی بننے کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس پہلو کا خصوصی تذکرہ کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وجاء السحرۃ فرعون قالوا ان لنا لاجرا ان کنا نحن الغالبین قال نعم و انکم لمن المقربین (۲۰۲)

چنانچہ جادوگر فرعون کے پاس آگئے۔ انہوں نے کہا "اگر ہم غالب رہے تو ہمیں اس کا صلہ تو ضرور ملے گا؟ فرعون نے جواب دیا ہاں تم مقرب بارگاہ ہوگے۔

سورۂ شعراء میں ہے:

فلماء جاء السحرۃ قالوا لفرعون ائن لنا لاجرا ان کنا نحن الغالبین قال نعم انکم اذا لمن المقربین (۲۰۳)

Marfat.com

جب جادوگر میدان میں آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا "ہمیں انعام تو ملے گا اگر ہم غالب رہے۔ اس نے کہا: "ہاں اور تم اس وقت مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔"

قرآن مجید نے اس بیان سے جادوگر اور نبی کا فرق واضح کر دیا۔ قرآن کے مطابق یہ تھے وہ حامیان دین مشرکین جو موسیٰؑ کے حملے سے اپنے دین کو بچانے کے لئے اس فیصلہ کن مقابلے کے وقت ان پاکیزہ جذبات کے ساتھ آئے تھے کہ ہم نے پالا مار لیا تو سرکار سے کچھ انعام مل جائے گا اور یہ تھا وہ بڑے سے بڑا اجر جو ان خادمان دین و ملت کو بادشاہ کے ہاں سے مل سکتا تھا۔ یعنی روپیہ پیسہ ہی نہیں ملے گا دربار میں کرسی بھی نصیب ہو جائے گی۔ اس طرح فرعون اور اس کے ساحروں نے پہلے ہی مرحلے پر نبی اور جادوگر کا عظیم اخلاقی فرق کھول کر رکھ دیا۔ ایک طرف وہ حوصلہ تھا کہ بنی اسرائیل جیسی پسی ہوئی قوم کا ایک فرد دس سال قتل کے الزام میں روپوش رہنے کے بعد فرعون کے دربار میں درانہ آکھڑا ہوتا ہے اور دھڑلے کے ساتھ کہتا ہے کہ میں اللہ رب العالمین کا بھیجا ہوا ہوں' بنی اسرائیل کو میرے حوالے کر۔ فرعون سے دو بدو بحث کرنے میں وہ ادنیٰ سی جھجک بھی محسوس نہیں کرتا۔ اس کی دھمکیوں کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔ دوسری طرف یہ کم حوصلگی ہے کہ اسی فرعون کے ہاں باپ دادا کے دین کو بچانے کی خدمت پر بلائے جا رہے ہیں' پھر بھی ہاتھ جوڑ کر کہتے ہیں کہ سرکار' کچھ انعام تو مل جائے گا نا؟ اور جواب میں یہ سن کر پھولے نہیں سماتے کہ پیسہ بھی ملے گا اور قرب شاہی سے بھی سرفراز کئے جائیں گے۔ یہ دو مقابل کے کردار آپ سے آپ ظاہر کر رہے تھے کہ نبی کس شان کا انسان ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں جادوگروں کی کیا ہستی ہوتی ہے۔ جب تک کوئی شخص بے حیائی کی ساری حدوں کو نہ پھاند جائے وہ نبی کو جادوگر کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا(۲۰۴)

اتمام حجت اور دعوت عام

جادوگروں نے جب فرعون کی طرف سے اطمینان کر لیا تو وہ موسیٰؑ کی طرف متوجہ ہوئے ابھی وہ کچھ کہہ نہیں پائے تھے کہ موسیٰ نے ایک منذر کی حیثیت سے تنبیہہ کی

Marfat.com

اور بتایا کہ حق کے مقابلے میں جھوٹ پر اصرار اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے تم سوچو کہ یہ کیا کررہے ہو! موسیٰؑ کی اس تنبیہہ کا بظاہر ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس دوران لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ قرآن نے اسے اپنے حکیمانہ انداز میں بیان کیا ہے:

قال لهم موسى ويلكم لا تفتروا على الله كذبا فيسحتكم بعذاب و قد خاب من افترى فتنا زعوا امرهم بينهم واسروا النجوى قالوا ان هذن لسحران يريدان ان يخرجكم من ارضكم بسحر هما و يذهبا بطريقتكم المثلى فاجمعوا كيدكم ثم ائتوا صفا و قد افلح من استعلى (۲۰۵)

موسیٰؑ نے (عین موقع پر گروہ مقابل کو مخاطب کرکے) کہا "شامت کے مارو، نہ جھوٹی تہمتیں باندھو اللہ پر، ورنہ وہ ایک سخت عذاب سے تمہارا ستیا ناس کردے گا۔ جھوٹ جس نے بھی گھڑا وہ نامراد ہوا۔ یہ سن کر ان کے درمیان اختلاف رائے ہوگیا اور وہ چپکے چپکے باہم مشورہ کرنے لگے۔ آخر کار کچھ لوگوں نے کہا کہ "یہ دونوں تو محض جادوگر ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کردیں اور تمہارے مثالی طریق زندگی کا خاتمہ کردیں۔ اپنی ساری تدبیریں آج اکٹھی کرلو اور ایکا کرکے میدان میں آؤ۔ بس یہی سمجھ لو کہ آج جو غالب رہا وہی جیت گیا۔

قرآن کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ موسیٰؑ کے انذار کا اثر ہوا اور لوگوں میں کمزوری ظاہر ہونے لگی تو فرعونی پارٹی کے لوگوں نے تسلی دیتے ہوئے موسیٰؑ کی جادوگری کا ذکر دہرایا اور لوگوں کو غیرت دلائی کہ یہ شخص جادوگری کے زور سے تمہیں ملک سے نکالنا چاہتا ہے اور اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا ایسے حال میں اپنی تمام تدبیریں مجتمع کرکے اس کا مقابلہ کرو۔ موسیٰؑ کی تنبیہہ داعی کا اتمام حجت تھا جس کے مخاطب جادوگر بھی تھے اور عام مجمع بھی۔ بالآخر جادوگروں نے موسیٰؑ کو مخاطب کرتے

Marfat.com

ہوئے کہا کہ ابتداء تمہاری جانب سے ہوگی یا ہماری طرف سے۔ موسیٰؑ نے فرمایا کہ ابتدا تم ہی کرو چنانچہ ساحروں نے اپنی رسیاں' بان اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں جو سانپ اور اژدھے کی شکل میں دوڑتی نظر آنے لگیں۔ موسیٰؑ نے یہ دیکھا تو دل میں خوف و ہراس محسوس کیا کہ کہیں لوگ اس مظاہرہ سے متاثر نہ ہوجائیں اور ساحروں کے سحر کو حقیقت نہ سمجھ لیں' کیونکہ اگر ایسا ہوا تو یہ تاثر اور رعب قبول حق کے لئے سد راہ بن جائے گا۔ تب خدائے تعالیٰ نے ان کو مطمئن فرمایا اور وحی کے ذریعہ مطلع کیا کہ موسیٰ خوف نہ کھاؤ۔ ہمارا وعدہ ہے کہ تم ہی غالب رہو گے' اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈالو۔ موسیٰؑ نے جب لاٹھی کو ڈالا تو اژدھا بن کر اس نے ساحروں کے تمام شعبدوں کو نگل لیا اور تھوڑی سی دیر میں سارا میدان صاف ہوگیا اور اسی طرح ساحر اپنے سحر میں ناکامیاب رہے۔[۲۰۶]

قرآن مجید نے اس منظر کو مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے:

قالوا یموسی اما ان تلقی واما ان نکون نحن الملقین قال القوا فلما القوا سحروا اعین الناس واسترھبوھم وجاءوا بسحر عظیم واوحینا الی موسی ان الق عصاک فاذا ھی تلقف ما یافکون فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون فغلبوا ھنالک وانقلبو صغرین[۲۰۷]

پھر انہوں نے موسیٰؑ سے کہا: "تم پھینکتے ہو یا ہم پھینکیں؟" موسیٰؑ نے جواب دیا: "تم ہی پھینکو" انہوں نے جو اپنے آنچھر پھینکے تو نگاہوں کو مسحور اور دلوں کو خوفزدہ کردیا اور بڑا ہی زبردست جادو بنا لائے۔ ہم نے موسیٰ کو اشارہ کیا کہ پھینک اپنا عصا۔ اس کا پھینکنا تھا کہ آن کی آن میں وہ ان کے اس جھوٹے طلسم کو نگلتا چلا گیا اس طرح جو حق تھا وہ حق ثابت ہوا اور جو کچھ انہوں نے بنا رکھا تھا وہ باطل ہو کر رہ گیا۔ فرعون اور اس کے ساتھی میدان مقابلہ میں مغلوب ہوئے اور (فتح مند ہونے کی بجائے) الٹے ذلیل ہوگئے۔

Marfat.com

قالوا یموسی اما ان تلقی واما ان نکون اول من القی قال بل القوا فاذا حبالهم و عصیهم یخیل الیه من سحر هم انها تسعی فاوجس فی نفسه خیفة موسی قلنا لا تخف انک انت الاعلی والق ما فی یمینک تلقف ما صنعوا انما صنعوا کید ساحر ولا یفلح الساحر حیث اتی(۲۰۸)

جادوگر بولے، موسیٰ تم پھینکتے ہو یا ہم پہلے پھینکیں؟ موسیٰؑ نے کہا: "تم ہی پھینکو یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور موسیٰ اپنے دل میں ڈر گیا۔ ہم نے کہا، مت ڈر تو ہی غالب رہے گا۔ پھینک جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے، ابھی ان کی ساری بناوٹی چیزوں کو نگلے جاتا ہے۔ یہ جو کچھ بنا کر لائے ہیں یہ تو جادوگری کا فریب ہے، اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، خواہ کسی شان سے وہ آئے۔

قال لهم موسی القوا ما انتم ملقون فالقوا حبالهم و عصیم وقالوا بعزة فرعون انا لنحن الغالبون فالقی موسی عصاه فاذا هی تلقف ما یافکون(۲۰۹)

موسیٰ نے کہا، پھینکو جو تمہیں پھینکنا ہے۔ انہوں نے فوراً اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینک دیں اور بولے فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو یکایک وہ ان کے جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرتا چلا جارہا تھا

فلما جاء السحرة قال لهم موسی القوا ما انتم ملقون فلما القوا قال موسی ما جئتم به السحر ان الله سیبطله ان الله لا یصلح عمل المفسدین و یحق الله الحق بکلمته ولو کره المجرمون(۲۱۰)

جب جادوگر آگئے تو موسیٰؑ نے ان سے کہا "جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے پھینکو" پھر جب انہوں نے اپنے آنچھر پھینک دیئے تو موسیٰ نے کہا "یہ جو کچھ

تم نے پھینکا ہے یہ جادو ہے اللہ ابھی اسے باطل کیے دیتا ہے' مفسدوں کے
کام کو اللہ سدھرنے نہیں دیتا' اور اللہ اپنے فرمانوں سے حق کو حق کر
دکھاتا ہے خواہ مجرموں کو وہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

غلبہ حق

جادوگروں نے جو کہ اپنے فن کے ماہر و کامل تھے "جب عصا موسیٰ کا یہ کرشمہ دیکھا تو وہ حقیقت حال سمجھ گئے اور جس کو اس وقت تک فرعون اور اس کے درباری لوگ پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے رہے تھے وہ اس کو نہ چھپا سکے اور انہوں نے بر سر مجلس یہ اقرار کرلیا کہ موسیٰؑ کا یہ عمل جادو سے بالاتر خدا کا معجزہ ہے' اس کا سحر سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور پھر فوراً سجدہ میں گر پڑے اور اعلان کردیا کہ ہم موسیٰ و ہارون کے پروردگار پر ایمان لائے کیونکہ وہی رب العالمین ہے۔[۲۱۱]

والقی السحرة سجدین قالوا آمنا برب العالمین رب موسٰی و ھرون[۲۱۲]

اور جادوگروں کا حال یہ ہوا کہ گویا کسی چیز نے اندر سے انہیں سجدے میں
گرا دیا۔ کہنے لگے "ہم نے مان لیا رب العالمین کو' اس کو جسے موسیٰؑ اور
ہارونؑ مانتے ہیں۔

فالقی السحرة سجدا قالوا آمنا برب ھارون و موسٰی[۲۱۳]

آخر کو یہی ہوا کہ سارے جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے اور پکار اٹھے
"مان لیا ہم نے ہارون اور موسیٰ کے رب کو"

فالقی السحرة سجدین قالوا آمنا برب العلمین رب موسٰی و ھرون[۲۱۴]

اس پر سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور بول اٹھے کہ
"مان گئے ہم رب العالمین کو موسیٰ اور ہارون کے رب کو"

Marfat.com

فرعون کی چال

فرعون نے جب یہ دیکھا کہ میرا تمام دام فریب تار تار ہوگیا اور موسیٰؑ کو شکست دینے کی جو آخری پناہ تھی وہ بھی منہدم ہوگئی' اب کہیں ایسا نہ ہو کہ مصری عوام بھی ہاتھ سے جائیں اور موسیٰؑ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائے تو اس نے مکر و فریب کا دوسرا طریقہ اختیار کیا اور ساحروں سے کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ تم سب کا استاد ہے اور تم سب نے آپس میں سازش کر رکھی تھی تب ہی تو میری رعایا ہوتے ہوئے میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰؑ کے خدا پر ایمان لانے کا اعلان کردیا' اچھا میں تم کو عبرت ناک سزا دوں گا تاکہ آئندہ کسی کو ایسی غداری کی جرات نہ ہو پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں گا اور پھر سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔(۲۱۵)

قال فرعون آمنتم به قبل ان آذن لکم ان هذا لمکر مکر تموه فی المدینة لتخرجو امنها اهلها فسوف تعلمون لا قطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ثم لا صلبنکم اجمعین(۲۱۶)

فرعون نے کہا "تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں؟ یقیناً یہ کوئی خفیہ سازش تھی جو تم لوگوں نے اس دارالسلطنت میں کی تاکہ اس کے مالکوں کو اقتدار سے بے دخل کردو۔ اچھا تو اس کا نتیجہ اب تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا اور اس کے بعد تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔

سورۃ طہ میں ہے:

قال آمنتم له قبل ان آذن لکم انه لکبیر کم الذی علمکم السحر فلا قطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولا صلبنکم فی جذوع النخل ولتعلمن اینا اشد عذابا وابقی(۲۱۷)

فرعون نے کہا تم ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تم کو اس کی اجازت دیتا؟ معلوم ہوگیا کہ یہ تمہارا گرو ہے جس نے تمہیں جادوگری

سکھائی تھی۔ اچھا اب میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواتا ہوں اور کھجور کے تنوں پر تم کو سولی دیتا ہوں پھر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔

سورۂ شعراء میں ہے:

قال آمنتم له قبل ان آذن لکم انه لکبیرکم الذی علمکم السحر فلسوف تعلمون لا قطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولا صلبنکم اجمعین(۲۱۸)

فرعون نے کہا "تم موسیٰ کی بات مان گئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا! ضرور یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے' میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھادوں گا۔

فرعون کے اس بیان میں جہاں اپنے اعیان و عوام کو مطمئن کرنے کی ایک چال تھی وہاں جادوگروں کو سزا و عذاب کی دھمکی بھی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ہزیمت نہایت رسوا کن تھی اور فرعون نے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ قائم رکھنے کے لئے یہ بات بنائی کہ موسیٰؑ اور جادوگر ایک ہی ہیں اور حکومت کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فرعون' جادوگر اور تماشائی عوام و خواص معجزے اور جادو کے فرق سے واقف تھے اور امتحان اس بات کا ہو رہا تھا کہ موسیٰ جو کچھ دکھا رہے ہیں یہ جادو کی قسم ہے یا اس معجزے کی قسم جو رب العالمین کی قدرت کے کرشمے کے سوا اور کسی طاقت سے نہیں دکھایا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جادوگروں نے اپنے جادو کو مغلوب ہوتے دیکھ کر یہ نہیں کہا کہ "ہم نے مان لیا' موسیٰؑ ہم سے زیادہ باکمال ہے" بلکہ انہیں فوراً یقین ہوگیا کہ موسیٰ واقعی اللہ رب العالمین کے سچے پیغمبر ہیں اور وہ پکار اٹھے کہ ہم اس خدا کو مان گئے جس کے پیغمبر کی حیثیت سے موسیٰ و ہارون آئے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مجمع عام پر اس شکست کے کیا اثرات پڑے ہوں گے' اور پھر پورے ملک پر اس کا کیسا زبردست اثر ہوا ہوگا۔(۲۱۹) اس اثر اور خفت کو مٹانے کے لئے فرعون

Marfat.com

نے یہ بیان دیا۔ جہاں تک جادوگروں کو دھمکی دینے کا تعلق ہے تو س کا ایک پہلو تو ہزیمت کے اثرات کو ختم کرنا تھا لیکن دوسرا پہلو انہیں عذاب کی دھمکی دے کر ایمان سے باز رکھنا بھی تھا۔ ممکن ہے کہ عوام پر اس دھمکی کا اثر ہوا ہو مگر جادوگروں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا انہوں نے فرعون کی دھمکی سن کر کچھ لگی لپٹی رکھے بغیر صاف سنا دیا کہ تمہیں جو کچھ کرنا ہے کر گزرو اور اب ہم ان روشن نشانیوں پر جو ہمارے مشاہدے میں آچکی ہیں اور اپنے خالق پر جس نے ہمیں وجود بخشا ہے۔ تمہیں ترجیح دینے والے نہیں۔ تم اگر کچھ کرسکتے ہو تو اسی دنیا کی زندگی کا کرسکتے ہو اور ہمیں اس دنیا کی زندگی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ دیکھا آپ نے ایمان کا کرشمہ! یہ وہی جادوگر ہیں جن کا حال قرآن میں دوسری جگہ یہ بیان ہوا ہے کہ جب وہ مقابلے کے لئے بلائے گئے تو انہوں نے بڑی لجاجت کے ساتھ فرعون سے اپنی کامیابی کی صورت میں انعام کی درخواست کی' یا اب ایمان کے نور نے ان کے دلوں کو اس طرح منور کردیا کہ خدا اور آخرت کے سوا اس دنیا کی کسی چیز کی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت باقی نہیں رہی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت کی راہ میں اپنی زندگی بھی قربان کرنے کے لئے بالکل تیار ہیں۔[۲۲۰] انہوں نے فرعون کی موجودگی ہی میں بے دھڑک اسلام کا اعلان کردیا اور جب انہوں نے فرعون کی ان جابرانہ دھمکیوں کو سنا تو کہنے لگے:

قالوا لن نوثرک علی ما جاء نا من البینات والذی فطرنا فاقض ما انت قاض انما تقضی ھذہ الحیوۃ الدنیا انا آمنا بربنا لیغفرلنا خطا یانا وما اکرھتنا علیہ من السحر واللہ خیر وابقی[۲۲۱]

جادوگروں نے جواب دیا' قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے'
یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم روشن نشانیاں سامنے آجانے کے بعد بھی
(صداقت پر) تجھے ترجیح دیں تو جو کچھ کرنا چاہے کرلے۔ تو زیادہ سے زیادہ
اس دنیا کی زندگی کا فیصلہ کرسکتا ہے۔ ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے
تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف کردے اور اس جادوگری سے جس پر تو نے

Marfat.com

ہمیں مجبور کیا تھا' درگذر فرمائے۔ اللہ ہی اچھا ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے

قالوا لاضير انا الى ربنا منقلبون انا تطمع ان يغفرلنا ربنا خطينا ان كنا اول المومنين(۲۲۲)

انہوں نے جواب دیا "کچھ پرواہ نہیں' ہم اپنے رب کے حضور پہنچ جائیں گے۔ اور ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کردے گا کیونکہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں

سورۂ اعراف میں ہے:

قالوا انا الى ربنا منقلبون وما تنقم منا الا ان آمنا بايت ربنا لما جاء تنا ربنا افرغ علينا صبرا و توفنا مسلمين(۲۲۳)

وہ بولے ہم اپنے رب ہی کی طرف تو لوٹیں گے! تم ہمارے درپے آزار صرف اس غصے میں ہو رہے ہو کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر جب کہ وہ ہمارے پاس آئیں ایمان لائے۔ اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں وفات اسلام پر دے۔

ایمان باللہ کا کرشمہ

مولانا اصلاحی نے اس آیت کے تحت "ایمان باللہ کا کرشمہ" کے عنوان سے شاندار نوٹ لکھا ہے' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں نقل کیا جائے۔ اس سے واضح ہوگا کہ ایمان باللہ نے جادوگروں کی شخصیت میں کیسا انقلاب بپا کردیا کہ وہ ہر مصیبت کے لئے تیار ہوگئے۔ مولانا لکھتے ہیں:

"ایمان باللہ کا کرشمہ دیکھئے۔ یہ وہی جادوگر ہیں جن کی دناءت اور پست ہمتی کا ابھی چند منٹ پہلے یہ حال تھا کہ اپنے کرتب دکھانے کے لئے فرعون کے سامنے حاضر ہوتے ہیں تو بھانڈوں' نقالوں اور مسخروں کی طرح اپنے فن کے مظاہرے پر بھرپور انعام کی التجا کرتے ہیں یا ایمان کی روشنی دل میں داخل ہوتے ہی ان کے باطن کا ہر گوشہ اس طرح جگمگا اٹھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تاریکی کی کوئی پرچھائیں ان کے دلوں پر

پڑی ہی نہیں تھی اور یہ گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان نہیں بلکہ یہ عزیمت و استقامت کے پہاڑ اور پاکیزگی و قدوسیت کے ملائک صفت پیکر ہیں۔ غور کیجئے' فرعون نے کتنی بڑی دھمکی ان کو دی' لیکن انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا تو یہ فرمایا کہ کچھ غم نہیں' اگر تم نے ہمارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی دے دی تو ہمیں کہیں اور نہیں جائیں گے' اپنے رب ہی کے پاس جائیں گے اور جب تیرا سارا غضب ہمارے اوپر اس جرم میں ہے کہ ہم اپنے رب کی آیات پر' جب کہ وہ ہمارے پاس آئیں' ایمان لائے تو جو کچھ تو کرسکتا ہے وہ کر گزر' اگر اس جرم کی یہ سزا ہے تو ہم اس سزا کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اس انقلاب حال کے سبب پر غور کیجئے تو یہ حقیقت صاف نظر آئے گی کہ اگر انسان ایمان سے خالی ہے تو اس سے زیادہ حقیر کوئی شے نہیں اور اگر وہ ایمان سے بہرہ مند ہے تو اس سے زیادہ بلند اور کوئی شے نہیں۔"(۲۲۴)

مولانا سیوہاروی اس ایمانی کیفیت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"مگر سچا ایمان جب کسی کو نصیب ہوجاتا ہے خواہ وہ ایک لحہ کا ہی کیوں نہ ہو وہ ایسی بے پناہ روحانی قوت پیدا کردیتا ہے کہ کائنات کی کوئی زبردست سے زبردست طاقت بھی اس کو مرعوب نہیں کرسکتی' دیکھئے وہی جادوگر جو فرعون سے تھوڑی دیر پہلے انعام و اکرام اور عزت و جاہ کی آرزوئیں اور التجائیں کر رہے تھے ایمان لانے کے بعد ایسے نڈر اور بے خوف ہوگئے کہ ان کے سامنے سخت سے سخت مصیبت اور دردناک سے دردناک عذاب بھی ہیچ ہوکر رہ گیا اور کوئی دہشت بھی ان کے ایمان کو متزلزل نہ کرسکی اور انہوں نے فرعون کی موجودگی میں بے دھڑک اسلام کا اعلان کردیا۔(۲۲۵)

مقابلہ کے اثرات و نتائج

فرعون کی توقع کے خلاف موسیٰؑ کی صداقت مبرہن ہوگئی۔ جادوگروں نے ایمان قبول کرلیا اور عوام پر ایک رعب اور ہیبت طاری ہوگئی لیکن فرعون کی دھمکی اور اس کے ظالمانہ کردار کی دہشت کے باعث دعوت حق کو قبول کرنے کے لئے کوئی زیادہ سرگرمی پیدا نہ ہوسکی۔ فرعون نے اپنی قوم کو یہ باور کرایا تھا کہ یہ شخص دشمن ہے اور ہمارے اقتدار اور اختیار کے لئے خطرہ ہے لہٰذا ان میں سے کسی شخص کا فوری طور پر

Marfat.com

ایمان لے آنا مشکل تھا' تاہم موسیٰؑ کی اپنی قوم بنی اسرائیل کو تو قبول حق میں بظاہر کوئی پس و پیش نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن حالات پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سیاسی غلامی اور معاشرتی ذلت و ابتلا کے باعث کسی عملی اقدام کی قوت سے محروم تھے اور انہیں ہر وقت ظلم کی نئی صورت کا ڈر لگا رہتا تھا۔ اسی لئے قرآن نے بیان کیا کہ موسیٰؑ کی قیادت کو بنی اسرائیل کے چند نوجوانوں نے قبول کیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

فما آمن لموسی الا ذریة من قومه علی خوف من فرعون و ملا ئهم ان یفتنهم و ان فرعون لعال فی الا رض و انه لمن المسرفین[۲۲۶]

تو موسیٰ کی بات نہ مانی مگر اس قوم کے تھوڑے سے نوجوانوں نے ڈرتے ہوئے فرعون اور اپنے بڑوں سے کہ مبادا وہ ان کو کسی فتنہ میں نہ ڈال دے۔ بے شک فرعون ملک میں نہایت سرکش اور حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا

آیت میں "ذریة" کا ترجمہ نوجوان کیا گیا ہے۔ سید مودودیؒ اور مولانا اصلاحیؒ دونوں نے نوجوانوں کا لفظ استعمال کیا۔ سید مودودیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

متن میں لفظ ذریة استعمال ہوا ہے جس کے معنی اولاد کے ہیں۔ ہم نے اس کا ترجمہ "نوجوان" کیا ہے۔ مگر دراصل اس خاص لفظ کے استعمال سے جو بات قرآن مجید بیان کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ اس پرخطر زمانے میں حق کا ساتھ دینے اور علمبردار حق کو اپنا رہنما تسلیم کرنے کی جرات چند لڑکوں اور لڑکیوں نے تو کی مگر ماؤں اور باپوں اور قوم کے سن رسیدہ لوگوں کو اس کی توفیق نصیب نہ ہوئی ان پر مصلحت اندیشی اور دنیوی اغراض کی بندگی اور عافیت کوشی کچھ اس طرح چھائی رہی کہ وہ ایسے حق کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوئے جس کا راستہ ان کو خطرات سے پر نظر آتا تھا بلکہ وہ الٹے نوجوانوں کو ہی روکتے رہے کہ موسیٰ کے قریب نہ جاؤ' ورنہ تم خود بھی فرعون کے غضب میں مبتلا ہوگے اور ہم پر بھی آفت لاؤ گے۔[۲۲۷]

Marfat.com

مولانا اصلاحی کے بقول ذریۃ کا لفظ صرف قلت تعداد کو ظاہر نہیں کرتا جیسا کہ عام طور پر لوگوں نے سمجھا ہے بلکہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ پر ابتدائی ایمان لانے والے ان کی قوم کے اندر سے صرف تھوڑے سے نوجوان تھے۔ حضرات انبیاء کے معاملے میں سنت الٰہی یہی رہی ہے کہ شروع شروع میں ان کا ساتھ بالعموم نوجوانوں نے ہی دیا ہے۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ بھی اسی حقیقت کی شہادت دیتی ہے۔[۲۲۸] اور دوسرے انبیاء کی تاریخ بھی اگر تفصیل سے معلوم ہوسکے تو اس سے بھی یہی بات ثابت ہوگی کہ اس کی واضح نفسیاتی وجہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء جس ہمہ گیر دعوت کو لے کر اٹھتے ہیں اس کو ابتدائی مراحل میں آگے بڑھ کر قبول کرنا بڑی بلند حوصلگی بلکہ بڑے جان جوکھم کا کام ہوتا ہے اس کی ہمت وہ لوگ آسانی سے نہیں کرسکتے جو روایات و رسوم سے مرعوب اور حالات و مصالح کی رعایت کے خوگر ہوں۔ ایسے لوگوں کا حجاب آہستہ آہستہ ہی ٹوٹتا ہے۔ نوجوانوں میں اس قسم کی مرعوبیت و مغلوبیت کم ہوتی ہے اس وجہ سے ان کو جب دعوت حق اپیل کرلیتی ہے تو وہ اس کے لئے دنیوی عواقب سے بے پرواہ ہوکر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں نہ وہ اپنے بڑوں اور بزرگوں کی سرزنش کی کچھ زیادہ پرواہ کرتے ہیں نہ وقت کے ارباب اقتدار کی برہمی کو خاطر میں لاتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے معاملے میں حالات کا یہ خاص پہلو بھی قابل لحاظ ہے کہ ملک میں جو ارستو کریسی برسر اقتدار تھی وہ نسلاً " بھی حضرت موسیٰؑ کی قوم سے بالکل الگ تھی اور اس دور میں جو شخص تخت حکومت پر تھا' وہ بھی' جیسا کہ آیت کے الفاظ سے واضح ہے' طبعاً" نہایت جبار اور سرکش تھا۔ ایسے حالات میں ظاہر ہے کہ وہی لوگ ان کا ساتھ دینے کے لئے آگے بڑھ سکتے تھے جو اپنی حمیت حق کے جوش و جذبہ کو دبا سکنے پر قادر نہ ہوں۔[۲۲۹]

فما آمن لموسی کے الفاظ سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ شاید بنی اسرائیل سب کے سب کافر تھے اور ابتداً ان میں سے صرف چند آدمی ایمان لائے۔ لیکن ایمان کے ساتھ جب لام کا صلہ آتا ہے تو وہ بالعموم طاعت و انقیاد کے معنی دیتا ہے' یعنی کسی کی بات ماننا اور اس کے کہنے پر چلنا۔ پس دراصل ان الفاظ کا مفہوم یہ

ہے کہ چند نوجوانوں کو چھوڑ کر بنی اسرائیل کی پوری قوم میں سے کوئی بھی اس بات پر آمادہ نہ ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کو اپنا رہبرو پیشوا مان کر ان کی پیروی اختیار کرلیتا اور اس دعوت اسلامی کے کام میں ان کا ساتھ دیتا۔ پھر بعد کے فقرے نے اس بات کو واضح کردیا کہ ان کے اس طرز عمل کی وجہ یہ نہ تھی کہ انہیں حضرت موسیٰؑ کے صادق اور ان کی دعوت کے حق ہونے میں کوئی شک تھا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اور خصوصاً" ان کے اکابر و اشراف حضرت موسیٰؑ کا ساتھ دے کر اپنے آپ کو فرعون کی سخت گیری کے خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اگرچہ یہ لوگ نسل اور مذہب دونوں حیثیتوں سے ابراہیمؑ" اسحاقؑ" یعقوبؑ اور یوسف علیہم السلام کے امتی تھے اور اس بنا پر ظاہر ہے کہ سب مسلمان تھے لیکن ایک مدت دراز کے اخلاقی انحطاط نے اور پس ہمتی نے جو زیردستی سے پیدا ہوئی تھی' ان میں اتنا بل بوتا باقی نہ چھوڑا تھا کہ کفر و ضلالت کی فرمانروائی کے مقابلے میں ایمان و ہدایت کا علم لے کر خود اٹھتے یا جو اٹھا تھا اس کا ساتھ دیتے۔ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی کشمکش میں عام اسرائیلیوں کا طرز عمل کیا تھا اس کا اندازہ بائبل کی اس عبارت سے ہوسکتا ہے :

"جب وہ فرعون کے پاس سے نکلے آرہے تھے تو ان کو موسیٰ اور ہارون ملاقات کے لئے راستہ پر کھڑے ملے۔ تب انہوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے۔ تم نے تو ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہوں میں ایسا گھنونا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لئے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے (خروج ۶ / ۲۰ ۔ ۲۱) تلمود میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل موسیٰؑ اور ہارون علیہما السلام سے کہتے تھے :

"ہماری مثال تو ایسی ہے جیسے ایک بھیڑیے نے بکری کو پکڑا اور چرواہے نے آکر اس کو بچانے کی کوشش کی اور دونوں کی کشمکش میں بکری کے ٹکڑے اڑ گئے۔ بس اسی طرح تمہاری اور فرعون کی کھینچ تان میں ہمارا کام تمام ہو کر رہے گا۔"

انہی باتوں کی طرف سورۂ اعراف میں بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے کہا کہ :

Marfat.com

او ذینا من قبل ان تا تینا ومن بعد ما جئتنا (آیت ۱۲۹)(۲۳۰)

مولانا اصلاحی نے آمن له اور آمن به کا فرق بیان کرتے ہوئے کہا کہ "آمن له تو یہ ہے کہ آپ کسی شخص کے دعوے یا اس کی خبر کو سچ مان لیں۔ اس کے لئے حوالگی، تفویض، تسلیم اور انقیاد و اطاعت شرط نہیں ہے لیکن آمن به کا تقاضا پورا کرنے کے لئے یہ ساری چیزیں شرط ہیں۔ نبی اور رسول کے معاملے میں صرف آمن له کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے آمن به کے تقاضے پورے کرنے ہوتے ہیں۔ اس مرحلے تک کچھ اسرائیلی نوجوانوں نے حضرت موسیٰؑ کے دعوے کی صداقت تو تسلیم کرلی تھی لیکن ابھی آمن به کے مقام تک وہ نہیں پہنچے تھے۔ اس وجہ سے ان کے اعتراف و قبولیت کو قرآن نے آمن له سے تعبیر کیا ہے۔ یہ حقیقت چونکہ حضرت موسیٰؑ پر واضح تھی اس وجہ سے انہوں نے ان نوجوانوں کو ایمان کی اصل حقیقت سمجھائی جس کا ذکر آگے والی آیت میں آرہا ہے۔(۲۳۱)

نوجوانوں کا توکل

موسیٰ نے بنی اسرائیل کی کمزوری اور قبول حق میں ہچکچاہٹ کو دیکھتے ہوئے ایمان ایمان باللہ کی حقیقت سمجھائی کہ ایمان کے تقاضے پورے کرنے کی راہ میں کسی کا ڈر اور کسی کا لحاظ حائل نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے اور توکل کا تقاضا اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردینا ہے یہی حوالگی اسلام ہے موسیٰؑ کے خطاب پر نوجوانوں نے توکل علی اللہ کا اعلان کیا۔ قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے:

وقال موسى يقوم ان كنتم آمنتم بالله فعليه توكلوا ان كنتم مسلمين فقالوا على الله توكلنا ربنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظالمين و نجنا من القوم الكافرين(۲۳۲)

موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ لوگو! اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو اگر مسلمان ہو، انہوں نے جواب دیا: "ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا، اے ہمارے رب ہمیں ظالم لوگوں کے لئے فتنہ نہ بنا"

Marfat.com

معنی خیز دعا

قرآن مجید نے موسیٰؑ کے ساتھیوں کی یہ معنی خیز دعا ان کے اس عزم کے ساتھ نقل کی ہے جو توکل علی اللہ کے سلسلے میں انہوں نے ظاہر کیا۔ ان صادق الایمان نوجوانوں کی یہ دعا کہ "ہمیں ظالم لوگوں کے لئے فتنہ نہ بنا" بڑے وسیع مفہوم پر حاوی ہے۔ گمراہی کے عام غلبہ و تسلط کی حالت میں جب کچھ لوگ قیام حق کے لئے اٹھتے ہیں تو انہیں مختلف قسم کے ظالموں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ ایک طرف باطل کے اصلی علمبردار ہوتے ہیں جو پوری طاقت سے ان داعیان حق کو کچل دینا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف نام نہاد حق پرستوں کا ایک اچھا خاصا گروہ ہوتا ہے جو حق کو ماننے کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر باطل کی قاہرانہ فرمانروائی کے مقابلہ میں اقامت حق کی سعی کو غیر واجب' لاحاصل' یا حماقت سمجھتا ہے اور اس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنی اس خیانت کو جو وہ حق کے ساتھ کر رہا ہے کسی نہ کسی طرح درست ثابت کردے اور ان لوگوں کو الٹا برسر باطل ثابت کرکے اپنے ضمیر کی اس خلش کو مٹائے جو ان کی دعوت اقامت دین حق سے اس کے دل کی گہرائیوں میں جلی یا خفی طور پر پیدا ہوتی ہے تیسری طرف عامتہ الناس ہوتے ہیں جو الگ کھڑے تماشا دیکھ رہے ہوتے ہیں اور ان کا ووٹ آخر کار اسی طاقت کے حق میں پڑتا ہے جس کا پلہ بھاری رہے' خواہ وہ طاقت حق ہو یا باطل۔ اس صورت حال میں ان داعیان حق کی ہر ناکامی' ہر مصیبت' ہر غلطی' ہر کمزوری اور ہر خامی ان مختلف گروہوں کے لئے مختلف طور پر فتنہ بن جاتی ہے۔ وہ کچل ڈالے جائیں یا شکست کھاجائیں تو پہلا گروہ کہتا ہے کہ حق ہمارے ساتھ تھا نہ کہ ان بے وقوفوں کے ساتھ جو ناکام ہوگئے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ دیکھ لیا! ہم نہ کہتے تھے کہ ایسی بڑی بڑی طاقتوں سے ٹکرانے کا حاصل چند قیمتی جانوں کی ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوگا اور آخر کار اس تہلکہ میں اپنے آپ کو ڈالنے کا ہمیں شریعت نے مکلف ہی کب کیا تھا' دین کے کم از کم ضروری مطالبات تو ان عقائد و اعمال سے پورے ہو ہی رہے تھے جن کی اجازت فراعنہ وقت نے دے رکھی تھی۔ تیسرا گروہ فیصلہ کردیتا

Marfat.com

ہے کہ حق وہی ہے جو غالب رہا۔ اس طرح اگر وہ اپنی دعوت کے کام میں کوئی غلطی کرجائیں، یا مصائب و مشکلات کی سہار نہ ہونے کی وجہ سے کمزوری دکھا جائیں یا ان سے بلکہ ان کے کسی ایک فرد سے کبھی کسی اخلاقی عیب کا صدور ہوجائے تو بہت سے لوگوں کے لئے باطل سے چمٹے رہنے کے ہزار بہانے نکل آتے ہیں اور پھر اس دعوت کی ناکامی کے بعد مدتہائے دراز تک کسی دوسری دعوت حق کے اٹھنے کا امکان باقی نہیں رہتا۔ پس یہ بڑی معنی خیز دعا تھی جو موسیٰؑ کے ان ساتھیوں نے مانگی تھی کہ خدایا ہم پر ایسا فضل فرما کر ہم ظالموں کے لئے فتنہ بن کر نہ رہ جائیں۔ یعنی ہم کو غلطیوں سے، خامیوں سے، کمزوریوں سے بچا اور ہماری سعی کو دنیا میں بار آور کردے تاکہ ہمارا وجود تیری خلق کے لئے سبب خیر بنے نہ کہ ظالموں کے لئے وسیلہ شر۔(۲۳۳)

فرعون کی شکست اور بنی اسرائیل کا ابتلاء

اس کھلے مقابلہ میں موسیٰؑ کی کامیابی نے فرعون اور اس کے درباریوں کو بالکل بوکھلا دیا۔ وہ لوگ موسیٰؑ کی روحانی قوت کا مظاہرہ دیکھ کر بے حد مرعوب ہوگئے اگرچہ فرعون جادوگروں پر اپنے غیض و غضب کا اظہار کرتا رہا۔ لیکن موسیٰؑ سے اس وقت کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی۔ درباریوں نے فرعون سے باصرار یہ کہنا شروع کردیا کہ اب موسیٰؑ اور ان کی قوم کو مزید ڈھیل دینے کی گنجائش نہیں۔ اگر ان کو موقع دیا گیا تو یہ تجھ کو اور تیرے دیوتاؤں کو ٹھکراتے رہیں گے اور فساد پھیلاتے رہیں گے۔ فرعون نے انہیں اطمینان دلایا کہ گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہمارا اقتدار مستحکم ہے ہم ان کے بیٹوں کو قتل کرتے رہیں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھیں گے۔ قرآن مجید نے اس تدبیر کو مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

وقال الملاء من قوم فرعون اتذر موسی و قومه ليفسدوا في الارض و يذرک والهتک قال سنقتل ابناء هم ونستحي نساء هم وانا فوقهم قاهرون(۲۳۴)

اور قوم فرعون کے اعیان نے فرعون سے کہا کیا تو اسی طرح موسیٰ اور

Marfat.com

اس کی قوم کو چھوڑے رکھے گا کہ وہ ملک میں بدامنی پھیلائیں اور تجھ کو اور تیری مورتیوں کو ٹھکرائیں؟ اس نے کہا کہ ہم ان کے ذکور کو قتل کریں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھیں گے اور ان پر پوری طرح حاوی ہیں۔

ولقد ارسلنا موسیٰ بایتنا وسلطن مبین الی فرعون وھامان وقارون فقالوا ساحر کذاب فلما جاء ھم بالحق من عندنا قالوا اقتلوا ابناء الذین آمنوا معه واستحیوا نساء ھم وما کید الکفرین الا فی ضلال(۲۳۵)

اور ہم نے موسیٰ کو فرعون ہامان اور قارون کی طرف اپنی نشانیوں اور نمایاں سند ماموریت کے ساتھ بھیجا مگر انہوں نے کہا: "ساحر ہے کذاب ہے" پھر جب وہ ہماری طرف سے حق ان کے سامنے لے آیا تو انہوں نے کہا "جو لوگ ایمان لاکر اس کے ساتھ شامل ہوئے ہیں ان سب کے لڑکوں کو قتل کرو اور لڑکیوں کو جیتا چھوڑو مگر کافروں کی چال اکارت ہوگئی

سورۂ اعراف میں ہے درباریوں کے مشورہ پر فرعون نے قتل ابناء کی سکیم کا ذکر کیا تھا لیکن سورۂ مومن کی آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس تدبیر پر عمل درآمد کردیا تھا۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ موسیٰؑ کے حامیوں اور پیروؤں کو اتنا خوفزدہ کردیا جائے کہ وہ ڈر کے مارے ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔

موسیٰؑ کا دوسرا کام

قرآن نے مزید تفصیلات نہیں بتائیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ مقابلہ کے بعد اور کھلی شکست کے نتیجے میں موسیٰؑ کو دو محاذوں پر کام کرنا پڑا۔ ایک تو فرعونی اقتدار کا مقابلہ تھا جس نے پوری قوت کے ساتھ موسیٰؑ کی قوم کو تباہ کرنے کی سکیم تیار کی تھی اور موسیٰؑ پر دباؤ بڑھا دیا تھا۔ دوسری طرف بنی اسرائیل کے مورال کو قائم رکھنے کا مسئلہ تھا۔ موسیٰؑ جو بنی اسرائیل کے نجات دہندہ کے طور پر آئے تھے وہ فوری طور پر ان کی

Marfat.com

نجات کا سامان تو نہ کرسکے الٹا فرعون سے تصادم کی وجہ سے بنی اسرائیل پر مظالم کے نئے سلسلے کا باعث بنے۔ فرعون جو موسیٰؑ کی روحانی قوت سے مرعوب تھا بظاہر انؑ سے تعرض کرنے سے گریز کرتا تھا لیکن بنی اسرائیل پر اپنی پوری طاقت سے ظلم کر رہا تھا۔ فرعون اور اس کے اعیان ایک طرف تو بنی اسرائیل سے خائف تھے اور موسیٰؑ کی قیادت کی وجہ سے انہیں شدید خطرہ تھا کہ کہیں ان کا اقتدار نہ ختم ہوجائے لیکن دوسری طرف وہ اس بات پر تیار نہ تھے کہ وہ مصر سے نکل جائیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مصر کی تمام رفاہیت و خوش حالی انہی غلاموں کی رہین احسان تھی۔ اوپلے تھاپنے' اینٹیں بنانے سے لے کر زراعت اور تعمیرات کے سارے کام انہی کی مشقت سے انجام پاتے تھے۔ فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں کا کام صرف عیش کرنا اور ان اسرائیلیوں پر حکومت کرنا اور ان سے بیگار لینا تھا ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں نہ تو فرعونیوں کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ اسرائیلیوں کو بڑھنے اور پنپنے کا موقعہ دیں' نہ یہ ممکن تھا کہ ان کو یک قلم مصر سے نکل جانے دیں اس دو طرفہ خطرے سے بچنے کے لئے فرعون اور اس کے لال بجھکڑوں نے یہ پالیسی بنائی کہ ان کی نرینہ اولاد کو قتل کرکے ان کی تعداد کو قابو میں رکھا جائے۔(۲۳۶) موسیٰؑ کو جہاں فرعونیوں کی اصلاح پر مجبور کرنا تھا وہاں بنی اسرائیل میں نظم و ضبط قائم کرنا اور اللہ پاک سے تعلق کو مستحکم کرنا تھا۔ قرآن مجید نے ان دونوں محاذوں پر موسیٰؑ کے کام کی طرف اشارے کئے ہیں۔

موسیٰؑ اور بنی اسرائیل

بنی اسرائیل صدیوں کی غلامی و مظلومی اور مجبوری کی وجہ سے نہ صرف مفلس و بدحال تھے بلکہ کاہل و پریشان بھی۔ ان کے قوائے عملی کی خرابی سے زیادہ ان کے قوائے دماغی بیکار مضمحل اور ناکارہ ہوگئے تھے۔ ان میں ہمت و شجاعت مفقود تھی وہ نہ صرف پستی پر قناعت کرچکے تھے بلکہ ذلت و نکبت میں رہنے کی وجہ سے نا امیدی کا مجسم نمونہ تھے۔ موسیٰؑ نے انہیں دماغی و عملی پستی سے نکالنے کے لئے انہیں پکارا اور ہمت و شجاعت پر آمادہ کیا لیکن ان کے لئے یہ سب کچھ مشکل اور ناممکن العمل تھا۔ پھر

Marfat.com

فرعون کے تازہ جبر کی وجہ سے پوری قوم پریشان تھی۔ ان سختیوں سے گھبرا کر آپس میں دست بگریباں تھے اور موسیٰؑ کی پوری جدوجہد کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ تازہ آزمائش میں تو وہ پیغمبر کو الزام دینے لگے۔ موسیٰؑ کی تبلیغ حق سے لے کر خروج تک ان کی یہی حالت رہی۔(۲۳۷)

موسیٰؑ کو جب فرعون اور اس کے درباریوں کی گفتگو کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے صبر اور توکل علی اللہ کی تلقین کی۔ بنی اسرائیل نے سن کر جواب دیا کہ موسیٰؑ! ہم پہلے ہی مصیبتوں میں گرفتار تھے اب تیرے آنے پر کچھ امید بندھی تھی مگر تیرے آنے کے بعد بھی وہی مصیبت باقی رہی تو یہ سخت آفت کا سامنا ہے۔ موسیٰؑ نے تسلی دی کہ خدا کا وعدہ سچا ہے' گھبراؤ نہیں تم ہی کامیاب ہو گے اور تمہارے دشمن کو ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑے گا زمین کا مالک فرعون یا اس کی قوم نہیں ہے بلکہ رب العالمین ہے اور مختار مطلق خدا ہے پس وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا مالک بنادے اور انجام کار یہ انعام متقیوں کا ہی حصہ ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے:

قال موسٰی لقومہ استعینوا باللہ واصبروا ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا ومن بعد ماجئتنا قال عسی ربکم ان یھلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون(۲۳۸)

> موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا' اللہ سے مدد چاہو اور ثابت قدم رہو۔ زمین اللہ کی ہے وہ جس کو اپنے بندوں میں سے چاہتا ہے اس کو وارث بناتا ہے اور انجام کار کی کامیابی خدا سے ڈرنے والوں ہی کے لئے ہے۔ وہ بولے ہم تو تمہارے آنے سے پہلے بھی ستائے گئے اور تمہارے آنے کے بعد بھی۔ اس نے کہا توقع ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو پامال کرے گا اور تم کو ملک کا وارث بنائے گا کہ دیکھے تم کیا روش اختیار کرتے ہو۔

بنی اسرائیل کی گھبراہٹ کا سبب یہ تھا کہ ایک طرف تو فرعون نے ان کی نسل

کشی کی مہم کو مزید قوت و شدت کے ساتھ چلانے کے احکام جاری کردیئے دوسری طرف اپنے کارندوں، تحصیل داروں اور عمال کو یہ ہدایت کی کہ بنی اسرائیل سے جو بیگار لی جارہی ہے وہ سخت سے سخت تر کردی جائے۔ اینٹیں بنانے کے لئے جو بھس ان کو دیا جاتا رہا ہے وہ بند کردیا جائے اور ان کو حکم دیا جائے کہ بھس بھی وہی بٹوریں اور اینٹیں بھی لازماً ہر شخص سے روزانہ اتنی ہی بنوائی جائیں جتنی اب تک وہ بناتے رہے ہیں۔ اس طرح عذاب کا وہ شکنجہ جو پہلے بھی کچھ کم سخت نہ تھا حضرت موسیٰؑ کے بعد اور بھی سخت ہوگیا۔ بنی اسرائیل نے یہ سب کچھ حضرت موسیٰؑ کے کھاتے میں ڈال دیا کہ یہ سب تمہاری برکتیں ہیں۔(۲۳۹) لیکن موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی مایوسی اور بد دلی دور کرنے کے لئے پھر ان کو تسلی دی کہ مایوس نہ ہوں اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرے گا اور زمین میں تمہیں خلافت عطا کرے گا۔ یعنی فلسطین کا علاقہ تمہیں عطا کرے گا۔

دینی تنظیم

حالات کچھ ایسے تھے کہ فرعون کے مظالم کا سلسلہ جاری تھا اور جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے کہ فرعون بنی اسرائیل اور قبطی مومنوں کو مصر سے جانے کی اجازت بھی نہیں دیتا تھا۔ موسیٰؑ اس صورت حال میں صبر اور توکل علی اللہ کی تلقین کرتے ہیں اور قوم کو یہ امید دلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی ضرور مدد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل اور دیگر مومنین کو ثابت قدم رکھنے اور صبر و توکل پر قائم رہنے کے لئے دینی تنظیم ضروری ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

واوحینا الی موسی واخیہ ان تبوا لقومکما بمصر بیوتا واجعلوا بیوتکم قبلۃ واقیموا الصلوۃ وبشر المومنین(۲۴۰)

ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں کچھ گھر ٹھہرالو اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ اور نماز کا اہتمام کرو اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

"یہ تدبیر ارشاد ہوئی اس صبر اور توکل کے حصول کی جس کی تعلیم اوپر کی آیات میں دی گئی ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو حکم ہوا کہ مصر کے مختلف حصوں میں کچھ مقام نماز باجماعت کے لئے مخصوص کرلو جن میں بنی اسرائیل معین اوقات پر نماز کے لئے جمع ہوا کریں اور تم اپنے گھروں کو قبلہ قرار دے کر نماز باجماعت کا اہتمام کرو۔ یہ بعینہٖ اسی طرح کی ہدایت ہے جس طرح کی ہدایت نبیؐ کو مکہ کی پر مصائب زندگی میں دی گئی تھی ------ مصر کی غلامانہ زندگی میں بنی اسرائیل اپنی مذہبی تنظیم کی خصوصیات سے محروم ہوگئے تھے۔ ازاں جملہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں اجتماعی نماز و دعا کی بھی کوئی شکل باقی نہ رہ گئی تھی اب جب کہ حضرت موسیٰ نے ان کے اندر تجدید کا کام شروع کیا تو ظاہر ہے کہ اس کا آغاز اسی نقطہ سے ہونا تھا جو دینی تنظیم کا ابتدائی نقطہ ہے۔ چنانچہ انکو نماز کے قیام و اہتمام کا حکم ہوا اور اس کے لئے یہ ہدایت ہوئی کہ مصر کے مختلف حصوں میں کچھ مکانات مسجد کی حیثیت سے مخصوص کر لئے جائیں جن میں بنی اسرائیل اوقات نماز میں مجتمع ہوجایا کریں۔ یہ طریقہ اختیار کرنے کی ہدایت اس وجہ سے ہوئی کہ تمام بنی اسرائیل کا مصر کے مختلف حصوں سے ایک جگہ جمع ہونا ناممکن تھا۔

جب متعدد مسجدیں ہوئیں تو ان میں وحدت پیدا کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہوا کہ کوئی مسجد سب کے لئے قبلہ کی حیثیت سے معین ہو اس لئے حکم ہوا واجعلو بیوتکم قبلة اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ۔ میرا ذہن ان الفاظ سے اس طرف جاتا ہے کہ اس سے مراد وہ گھر ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے اپنے اور اپنے متعلقین اور اپنے آس پاس کے بنی اسرائیل کی نماز کے لئے مخصوص فرمائے ہوں گے۔ چونکہ دعوت ہدایت کے مرکز کی حیثیت انہی گھروں کو حاصل تھی اس وجہ سے اس عبوری دور میں انہی گھروں کو عارضی طور پر قبلہ کی حیثیت دے دی گئی۔ بعد میں جب بنی اسرائیل نے ہجرت کی تو اس کے بعد سے بیت المقدس کی تعمیر تک ان کے ہاں قبلہ کی حیثیت اس تابوت کو حاصل رہی جس کا ذکر سورۃ بقرہ میں گذر چکا ہے۔"(۲۴۱)

Marfat.com

موسیٰؑ اور آل فرعون

فرعون نے بنی اسرائیل پر اپنے ظلم کا شکنجہ کسا تھا تاکہ موسیٰؑ پر دباؤ بڑھے اور ادھر موسیٰؑ نے فرعون اور اس کی قوم پر اللہ کے عذاب کی مختلف صورتیں مسلط کرائیں تاکہ وہ راہ راست پر آئے یا بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کی اجازت دے قرآن نے عذاب کی ان مختلف صورتوں کو ایک جگہ بیان کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک عرصے پر محیط ہے۔ قرآن نے ان آزمائشوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ولقد اخذنا آل فرعون بالسنین ونقص من الثمرات لعلهم یذکرون فاذا جاءتهم الحسنة قالوا لنا هذه وان تصبهم سیئة یطیروا بموسی ومن معه الا انما طیرهم عندالله ولکن اکثرهم لا یعلمون وقالوا مهما تاتنا به من آیة لتسحرنا بها فما نحن لک بمومنین فارسلنا علیهم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم آیات مفصلات فاستکبروا وکانوا قوما مجرمین ولما وقع علیهم الرجز قالوا یموسی ادع لنا ربک بما عهد عندک لئن کشفت عنا الرجز لنومنن لک ولنرسلن معک بنی اسرائیل فلما کشفنا عنهم الرجز الی اجل هم بلغوه اذا هم ینکثون(۲۴۲)

ہم نے فرعون کے لوگوں کو کئی سال تک قحط اور پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا کہ شاید ان کو ہوش آئے مگر ان کا حال یہ تھا کہ جب اچھا زمانہ آتا تو کہتے کہ ہم اسی کے مستحق ہیں اور جب برا زمانہ آتا تو موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کو اپنے لئے فال بد ٹھہراتے حالانکہ درحقیقت ان کی فال بد تو اللہ کے پاس تھی مگر ان میں سے اکثر بے علم تھے۔ انہوں نے موسیٰؑ سے کہا کہ تو ہمیں مسحور کرنے کے لئے خواہ کوئی نشانی لے آئے ہم تو تیری بات ماننے والے نہیں ہیں۔ آخر کار ہم نے ان پر طوفان بھیجا ٹڈی دل چھوڑے، سرسریاں پھیلائیں، مینڈک نکالے اور خون برسایا۔ یہ سب

Marfat.com

نشانیاں الگ الگ کرکے دکھائیں مگر وہ سرکشی کئے چلے گئے اور وہ بڑے ہی مجرم لوگ تھے۔ جب کبھی ان پر بلا نازل ہوجاتی تو کہتے اے موسیٰؑ تجھے اپنے رب کی طرف سے جو منصب حاصل ہے اس کی بنا پر ہمارے حق میں دعا کر۔ اگر اب کے تو ہم پر سے یہ بلا ٹلوا دے تو ہم تیری بات مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے مگر جب ہم ان پر سے اپنا عذاب ایک وقت مقرر تک کے لئے جس کو وہ بہرحال پہنچنے والے تھے' ہٹا لیتے تو وہ یکلخت اپنے عہد سے پھر جاتے۔

سورۂ زخرف میں ان نشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فلما جاء هم بایتنا اذا هم یضحكون وما نریهم من آیة الا هی اكبر من اختها واخذنهم بالعذاب لعلهم یرجعون وقالوا یایه الساحر ادع لنا ربک بما عهد عندک اننا لمهتدون فلما كشفنا عنهم العذاب اذا هم ینكثون[۲۴۳]

پھر جب اس نے ہماری نشانیاں ان کے سامنے پیش کیں تو وہ ٹھٹھے مارنے لگے ہم ایک پر ایک ایسی نشانی ان کو دکھاتے چلے گئے جو پہلی سے بڑھ چڑھ کر تھی اور ہم نے ان کو عذاب میں دھرلیا تاکہ وہ اپنی روش سے باز آئیں۔ ہر عذاب کے موقع پر وہ کہتے' اے ساحر اپنے رب کی طرف سے جو منصب تجھے حاصل ہے اس کی بنا پر ہمارے لئے اس سے دعا کر ہم ضرور راہ راست پر آجائیں گے مگر جونہی کہ ہم ان پر سے عذاب ہٹا دیتے وہ اپنی بات سے پھر جاتے تھے۔

نو نشانیاں

قرآن مجید نے فرعونیوں کے لئے بھیجے جانے والے عذاب اور دکھائے جانے والے معجزات کے لئے آیات کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ۹ (نو) آیات کا ذکر ہے۔

Marfat.com

ولقد آتینا موسی تسع آیت بینات فسئل بنی اسرائیل اذ جاء هم فقال له فرعون انی لاظنک یموسی مسحورا قال لقد علمت ما انزل هولاء الا رب السموت والارض بصائر وانی لاظنک یفرعون مثبورا۔(۲۴۴)

ہم نے موسیٰؑ کو نو نشانیاں عطا کی تھیں جو صریح طور پر دکھائی دے رہی تھیں اب یہ تم خود بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب وہ سامنے آئیں تو فرعون نے یہی کہا تھا کہ "اے موسیٰ میں سمجھتا ہوں کہ تو ضرور ایک سحر زدہ آدمی ہے" موسیٰ نے اس کے جواب میں کہا "تو خوب جانتا ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں رب السموات و الارض کے سوا کسی نے نازل نہیں کی ہیں، اور میرا خیال یہ ہے کہ اے فرعون تو ضرور ایک شامت زدہ آدمی ہے

ولقد ارینه آیتنا کلها فکذب وابی(۲۴۵)

ہم نے فرعون کو اپنی سب ہی نشانیاں دکھائیں مگر وہ جھٹلائے چلا گیا اور نہ مانا۔

وادخل یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء فی تسع آیت الی فرعون و قومه انهم کانوا قوما فسقین فلما جاء تهم آیتنا مبصرة قالوا هذا سحر مبین و جحدوا بها واستیقنتها انفسهم ظلما وعلوا فانظر کیف کان عاقبة المفسدین(۲۴۶)

اور ذرا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں تو ڈالو چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے یہ (دو نشانیاں) تو نشانیوں میں سے ہیں فرعون اوراس کی قوم کی طرف (لے جانے کے لئے) وہ بڑے بدکردار لوگ ہیں مگر جب ہماری کھلی نشانیاں ان لوگوں کے سامنے آئیں تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے انہوں نے سراسر ظلم اور غرور کی راہ سے ان نشانیوں کا انکار کیا حالانکہ دل ان کے قائل ہوچکے تھے اب دیکھ لو کہ ان مفسدوں کا انجام کیسا ہوا

Marfat.com

یہ نو نشانیاں جو موسیٰؑ کو عطا فرمائی گئی تھیں ان کی تفصیل سورۂ اعراف کی مذکورہ بالا آیات میں گذر چکی ہے۔ یہ نو نشانیاں مندرجہ ذیل ہیں :
۱۔ لاٹھی جو اژدہا بن جاتی تھی' ۲۔ ہاتھ جو بغل سے سورج کی طرح چمکتا ہوا نکلتا تھا' ۳۔ جادوگروں کو بر سر عام شکست دینا[۲۴۷]' ۴۔ موسیٰؑ کے پیشگی اعلان کے مطابق سارے ملک میں قحط' ۵۔ طوفان' ۶۔ ٹڈی دل' ۷۔ تمام غلے کے ذخیروں میں سرسریاں اور انسان و حیوان سب میں جوئیں' ۸۔ مینڈکوں کا طوفان' ۹۔ خون۔ بائبل کے کتاب خروج باب ۷ ۔ ۸ ۔ ۹ ۔ ۱۰ اور ۱۲ میں بھی ان عذابوں کی مفصل روداد درج ہے' مگر وہ گپ اور حقیقت کا مجموعہ ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ جب خون کا عذاب آیا تو جادوگروں نے بھی ویسا ہی لاکر دکھا دیا مگر جب جوؤں کا عذاب آیا تو جادوگر جواب میں جوئیں پیدا نہ کرسکے اور انہوں نے کہا کہ یہ خدا کا کام ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب مینڈکوں کا سیلاب اٹھا تو جادوگر بھی جواب میں مینڈک چڑھا لائے لیکن اس کے باوجود فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے یہ درخواست کی کہ اللہ سے دعا کرکے اس عذاب کو دفع کرائیے۔ سوال یہ ہے کہ جب جادوگر مینڈک چڑھا لانے پر قادر تھے تو فرعون نے انہی کے ذریعہ سے یہ عذاب کیوں دور نہ کرالیا؟ اور آخر یہ معلوم کیسے ہوا کہ مینڈکوں کی اس فوج میں اللہ کے مینڈک کون سے ہیں اور جادوگروں کے مینڈک کون سے؟ یہی سوال خون کے بارے میں بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی تنبیہہ کے مطابق ہر طرف پانی کے ذخیرے خون میں تبدیل ہوچکے تھے تو جادوگروں نے کس پانی کو خون بنایا اور کیسے معلوم ہوا کہ فلاں جگہ کا پانی جادوگروں کے کرتب سے خون بنا ہے؟ ایسی ہی باتوں سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ بائبل خالص کلام الٰہی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس کے جن لوگوں نے تصنیف کیا ہے انہوں نے اس کے اندر اپنی طرف سے بھی بہت کچھ ملا دیا ہے۔ اور غضب یہ ہے کہ یہ مصنفین کچھ تھے بھی واجبی سی عقل کے لوگ جنہیں بات گھڑنے کا سلیقہ بھی نصیب نہ تھا۔[۲۴۸]

قرآن مجید نے مندرجہ بالا مقامات کے علاوہ بھی ان آیات کا حوالہ دیا ہے اور

فرعون کے انکار اور اس کی سرکشی کو بیان کیا ہے۔ ذیل میں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

فلما جاء هم موسى بايتنا بينت قالوا ما هذا الا سحر مفترى وما سمعنا بهذا فى آبائنا الاولين وقال موسى ربى اعلم بمن جاء بالهدى من عنده ومن تكون له عاقبة الدار انه لا يفلح الظلمون(۲۴۹)

پھر جب موسیٰ ان لوگوں کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر پہنچا تو انہوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر بناوٹی جادو اور یہ باتیں تو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانے میں کبھی سنیں ہی نہیں۔ موسیٰؑ نے جواب دیا ''میرا رب اس شخص کے حال سے خوب واقف ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ آخری انجام کس کا اچھا ہونا ہے حق یہ ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔''

ولقد جاء آل فرعون النذر كذبوا بايتنا كلها فاخذنهم اخذ عزيز مقتدر(۲۵۰)

اور آل فرعون کے پاس بھی تنبیہات آئی تھیں مگر انہوں نے ہماری ساری نشانیوں کو جھٹلا دیا آخر کو ہم نے ان کو پکڑا جس طرح کوئی زبردست قدرت والا پکڑتا ہے۔

بہرحال فرعون اور اس کی پیہم اور مسلسل سرکشی، ظلم، حق کے ساتھ استہزاء، مخول اور نافرمانی کے باعث خداتعالیٰ کی جانب سے مصریوں پر مختلف ہلاکتیں اور عذاب آتے رہے اور وقفہ کے ساتھ ان نشانات کا ظہور ہوتا رہا۔ جب ایک عذاب آتا تو سب واویلا کرنے لگتے اور حضرت موسیٰؑ سے کہتے کہ اگر اس مرتبہ تو نے اپنے خدا سے کہہ کر اس عذاب کو ٹال دیا تو ہم سب ایمان لے آئیں گے اور جب وہ ٹل جاتا تو پھر سرکشی شروع کر دیتے، آخر پھر دوسرا عذاب آپکڑتا اور پھر وہی صورت حال پیش آجاتی۔(۲۵۱) موسیٰؑ نے اپنی دعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔ فرعون بظاہر مطمئن نظر آتا

Marfat.com

لیکن موسیٰؑ کے روحانی غلبہ کا خیال اس کو اندر ہی سے گھلائے ڈالتا تھا۔ ہزمیجسٹی کے پاؤں تلے سے زمین نکلی جارہی تھی حضرت موسیٰؑ کے پے در پے معجزات نے ملک کے عوام کا عقیدہ اپنے دیوتاؤں پر سے متزلزل کردیا تھا اور فراعنہ کا باندھا ہوا وہ سارا طلسم ٹوٹ گیا تھا جس کے ذریعہ سے خداؤں کا اوتار بن کر یہ خاندان مصر میں اپنی خداوندی چلا رہا تھا۔ اسی صورت حال کو دیکھ کر فرعون چیخ اٹھا کہ کم بختو' تمہیں آنکھوں سے نظر نہیں آتا کہ اس ملک میں بادشاہی کس کی ہے اور دریائے نیل سے نکلی ہوئی یہ نہریں جن پر تمہاری معیشت کا انحصار ہے کس کے حکم سے جاری ہیں؟ یہ ترقیات (Development) کے کام تو میرے اور میرے خاندان کے کئے ہوئے ہیں اور تم گرویدہ ہو رہے ہیں اس فقیر کے۔(۲۵۲)

قرآن پاک نے فرعون کی شخصیت کے اس پہلو کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

ونادی فرعون فی قومه قال یقوم الیس لی ملک مصر وهذه الانهار تجری من تحتی افلا تبصرون ام انا خیر من هذا الذی هو مهین ولا یکاد یبین فلولا القی علیه اسورة من ذهب او جاء معه الملائکة مقترنین فاستخف قومه فاطاعوه انهم کانوا قوما فسقین(۲۵۳)

> ایک روز فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا "لوگوں کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں؟ کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا؟ میں بہتر ہوں یا یہ شخص جو ذلیل و حقیر ہے اور اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کرسکتا۔(۲۵۴) کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے؟ یا فرشتوں کا ایک دستہ اس کی اردلی میں نہ آیا؟ اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی' درحقیقت وہ تھے ہی فاسق

فرعون نے اپنے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے بودی باتوں کا سہارا لیا کہ اس کو سونے کے کنگن کیوں نیں دیئے گئے اور اس کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں ہیں' اس کی

Marfat.com

باتوں میں الجھاؤ ہے اور یہ بے اختیار ہے۔

موسیٰؑ کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی

لیکن یہ سب کچھ بوکھلاہٹ کا نتیجہ تھا۔ موسیٰؑ کے مقابلے میں اپنے آپ کو عاجز پاکر زچ ہوگیا تھا لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ موسیٰؑ کو قتل کیے بغیر یہ معاملہ ختم نہیں ہوگا اور آخر کار اعیان سلطنت اور اپنے ندیموں سے ایک روز کہنے لگا کہ ہم نے موسیٰ کو یونہی چھوڑے رکھا تو مجھے خوف ہے کہ یہ تمہارے دین کو بھی آہستہ آہستہ بدل ڈالے گا اور تمام مصر میں فساد مچا دے گا اب یہی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ موسیٰ کو قتل کردیا جائے۔[۲۵۵] قرآن نے اس کی تدبیر کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

وقال فرعون ذرونی اقتل موسی ولیدع ربہ انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظھر فی الارض الفساد قال موسی انی عذت بربی وربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب[۲۵۶]

ایک روز فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا "چھوڑو مجھے" میں اس موسیٰ کو قتل کیے دیتا ہوں اور پکار دیکھے یہ اپنے رب کو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔ موسیٰؑ نے کہا میں نے تو ہر اس متکبر کے مقابلے میں جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتا اپنے رب اور تمہارے کی پناہ لے لی ہے۔

قرآن کے مطابق فرعون نے دو خدشات کا اظہار کیا ہے ایک یہ موسیٰ ان کے دین کو بدل دے گا اور دوسرا یہ کہ ملک میں فساد برپا کردے گا۔ سید مودودیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یعنی مجھے اس سے انقلاب کا خطرہ ہے اور اگر یہ انقلاب برپا نہ بھی کرسکے تو کم از کم یہ خطرہ تو ہے ہی کہ اس کی کاروائیوں سے ملک میں فساد رونما ہوگا لہٰذا بغیر اس کے کہ یہ کوئی مستلزم سزائے موت جرم کرے، محض تحفظ امن عامہ (Maintenance of Public order) کی خاطر اسے قتل کردینا چاہیے رہی یہ

Marfat.com

بات کہ اس شخص کی ذات سے فی الواقع امن عام کو خطرہ ہے یا نہیں تو اس کے لئے صرف ہز میجسٹی کا اطمینان کافی ہے۔ سرکار عالی اگر مطمئن ہیں کہ یہ خطرناک آدمی ہے تو مان لینا چاہیے کہ واقعی خطرناک اور گردن زدنی ہے۔ اس مقام پر دین بدل ڈالنے کا مطلب بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے جس کے اندیشہ سے فرعون حضرت موسیٰؑ کو قتل کر دینا چاہتا تھا۔ یہاں دین سے مراد نظام حکومت ہے اور فرعون کے قول کا مطلب یہ ہے کہ انی اخاف ان یغیر سلطانکم (روح المعانی' ۲۴ / ۵۶) بالفاظ دیگر فرعون اوراس کے خاندان کے اقتدار اعلیٰ کی بنیاد پر مذہب و سیاست اور تمدن و معیشت کا جو نظام مصر میں چل رہا تھا وہ ملک کا دین تھا اور فرعون کو حضرت موسیٰؑ کی دعوت سے اس دین کے بدل جانے کا خطرہ تھا۔ لیکن ہر زمانے کے مکار حکمرانوں کی طرح اس نے بھی یہ نہیں کہا کہ مجھے اپنے ہاتھ سے اقتدار نکل جانے کا خوف ہے اس لئے میں موسیٰؑ کو قتل کرنا چاہتا ہوں بلکہ صورت معاملہ کو اس نے اس طرح پیش کیا کہ لوگو' خطرہ مجھے نہیں تمہیں لاحق ہے' کیونکہ موسیٰؑ کی تحریک اگر کامیاب ہوگئی تو تمہارا دین بدل جائے گا مجھے اپنی فکر نہیں ہے۔ میں تو تمہاری فکر میں گھلا جارہا ہوں کہ میرے سایہ اقتدار سے محروم ہوکر تمہارا کیا بنے گا۔ لہٰذا جس ظالم کے ہاتھوں یہ سایہ تمہارے سر سے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے اسے قتل کر دینا چاہیے کیونکہ وہ ملک اور قوم کا دشمن ہے۔(۲۵۷)

جب فرعون کی مجلس میں موسیٰؑ کے قتل کی بات ہو رہی تھی تو مصری ''مرد مومن'' بھی موجود تھا جس نے ابھی تک اپنا اسلام پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ جب اس نے قتل کی تجویز سنی تو موسیٰؑ کی مدافعت میں گفتگو کی اور انہیں سمجھایا کہ ایسے شخص کو قتل کرنے چلے ہو جو اللہ کو اپنا رب مانتا ہے اور اس پر بہترین دلائل پیش کئے ہیں اس نے کہا اگر وہ شخص جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا اور اگر وسچا ہے تو اس کے وعیدوں سے ڈرو۔ اس مرد مومن کا بیان سورۂ مومن کی آیت ۳۸ سے لے کر آیت ۴۴ تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ واقعہ اسرائیلی روایات میں نہیں ہے۔ سید مودودی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Marfat.com

یہاں سے جس واقعہ کا بیان شروع ہو رہا ہے وہ تاریخ بنی اسرائیل کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے جسے خود بنی اسرائیل بالکل فراموش کر گئے ہیں۔ بائبل اور تلمود دونوں اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ اور دوسری اسرائیلی روایات میں بھی اس کا کوئی نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ صرف قرآن مجید کے ذریعہ سے دنیا کو یہ معلوم ہوا ہے کہ فرعون اور حضرت موسیٰؑ کی کشمکش کے دور میں ایک وقت یہ واقعہ بھی پیش آیا تھا اس قصے کو جو شخص بھی پڑھے گا بشرطیکہ وہ اسلام اور قرآن کے خلاف تعصب میں اندھا نہ ہوچکا ہو، وہ یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے گا کہ دعوت حق کے نقطہ نظر سے یہ قصہ بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے اور بجائے خود یہ بات بعید از عقل و قیاس بھی نہیں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی شخصیت ان کی تبلیغ اور ان کے ہاتھوں ظہور پذیر ہونے والے حیرت انگیز معجزات سے متاثر ہوکر خود فرعون کے اعیان سلطنت میں سے کوئی شخص دل ہی دل میں ایمان لے آیا ہو اور فرعون کو انؑ کے قتل پر آمادہ دیکھ کر وہ ضبط نہ کرسکا ہو لیکن مغربی مستشرقین، علم و تحقیق کے لمبے چوڑے دعووں کے باوجود تعصب میں اندھے ہوکر جس طرح قرآن کی روشن صداقتوں پر خاک ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں مضمون "موسیٰ" کا مصنف اسی قصے کے متعلق لکھتا ہے:

"قرآن کی یہ کہانی کہ فرعون کے دربار میں ایک مومن موسیٰ کو بچانے کی کوشش کرتا ہے پوری طرح واضح نہیں ہے۔ (سورۃ ۴۰۔ آیت ۲۸) کیا ہمیں اس کا تقابل اس قصے سے کرنا چاہیے جو ہگادا میں بیان ہوا ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ یترو نے فرعون کے دربار میں عفو سے کام لینے کا مشورہ دیا تھا؟"

گویا ان مدعیان تحقیق کے ہاں یہ بات تو طے شدہ ہے کہ قرآن کی ہر بات میں ضرور کیڑے ہی ڈالنے ہیں۔ اگر اگر اس کے کسی بیان پر حرف زنی کی کوئی بنیاد نہیں ملتی تو کم از کم یہی شوشہ چھوڑ دیا جائے کہ یہ قصہ پوری طرح واضح نہیں ہے اور چلتے چلتے یہ شک بھی پڑھنے والوں کے دل میں ڈال دیا جائے کہ ہگادا میں یترو کا جو قصہ موسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے کا بیان ہوا ہے وہ کہیں محمد ﷺ نے سن لیا ہوگا اور اسے لاکر

یہاں اس شکل میں بیان کردیا ہوگا۔ یہ ہے "علمی تحقیق" کا وہ انداز جو ان لوگوں نے اسلام اور قرآن اور محمد ﷺ کے معاملے میں اختیار کر رکھا ہے۔"(۲۵۸)

موسیٰؑ کی دعا

بنی اسرائیل پر مظالم کی انتہاء ہوگئی تھی اور فرعون اور آل فرعون کو معجزات اور عذاب کی مختلف شکلوں سے دعوت حق کی صداقت واضح کردی گئی تھی لیکن فرعون کے استکبار اور تکذیب کی روش میں کوئی کمی نہیں آئی تھی بلکہ اب وہ حد سے بڑھتا جارہا تھا موسیٰؑ کے قتل کی منصوبہ بندی حد سے گذرنے والی بات تھی۔ سنت اللہ یہ رہی ہے کہ رسول اتمام حجت کا آخری ذریعہ ہوتا ہے۔ اس کے اتمام حجت کے بعد اگر کوئی قوم ایمان نہیں لاتی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اندر قبول حق کی ادنی صلاحیت بھی باقی نہیں ہے۔ اب اگر وہ خدا کی زمین پر باقی رہتی ہے تو دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ تو ہوسکتی ہے لیکن اسکے اندر سے کسی خیر کے پیدا ہونے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ قرآن مجید نے نوحؑ کی زبان سے اس حقیقت کو بیان فرمایا:

قال نوح رب انهم عصونی واتبعوا من لم یزده ماله و ولده الا خسارا و مکروا مکراً کبارا . . . . . . وقد اضلوا کثیرا ولا تزد الظالمین الا ضلالا . . . . . . وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا انک ان تذرهم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا(۲۵۹)

> نوحؑ نے دعا کی، اے میرے رب انہوں نے میری بات رد کردی اور اس کی پیروی جس کے مال و اولاد نے اس کے خسارے ہی میں اضافہ کیا اور انہوں نے بڑی بڑی چال چلی . . . . . اور انہوں نے بہتوں کو گمراہ کرڈالا اور تو ان ظالموں کی ضلالت ہی میں اضافہ کر . . . . . اور نوح نے دعا کی اے میرے رب تو زمین پر کافروں میں سے کسی کو چلتا پھرتا نہ چھوڑ اگر تو ان کو چھوڑے گا یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور صرف ناب کاروں

Marfat.com

اور ناشکروں کو جنم دیں گے۔

اس وجہ سے سنت الٰہی یہ رہی کہ جن قوموں پر کسی رسول کے ذریعہ سے اتمام حجت ہوئی اس کے مکذبین ایک خاص حد تک مہلت دیئے جانے کے بعد لازماً" تباہ کردیئے گئے ہیں۔ اس دنیا کے اندر زندگی کی جو مہلت قوموں کو ملتی ہے۔ وہ اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے ملتی ہے شر محض کی پرورش اس کائنات کے مزاج کے خلاف ہے چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے دعا اس وقت کی جب ان پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ان سرکشوں کی آنکھوں کی پٹی عذاب الٰہی کے سوا اب کوئی دوسری چیز نہیں کھول سکتی۔(۲۶۰) موسیٰؑ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی' بار الٰہا! فرعون اور فرعونیوں کو تو نے جو دولت و سطوت عطا فرمائی ہے اس پر شکریہ ادا کرنے کی بجائے وہ تیرے بندوں پر جبر اور ظلم و ستم کرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں اور تیری راہ حق کو نہ یہ خود قبول کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے ہیں بلکہ جبر و تشدد سے کام لے کر ان کے آڑے آتے ہیں لہٰذا اب تو ان کو ان کے مظالم کا ذائقہ چکھا اور ان کی اس دولت و ثروت کو تباہ و ہلاک کردے جس پر یہ نازاں ہیں اور جس طرح یہ ایمان کی سچائی کو ٹھکرا رہے ہیں تو بھی ان کو ایمان کے بجائے اب ایسا درد ناک عذاب دے کہ ان کی داستان دوسروں کے لئے عبرت بن جائے(۲۶۱) قرآن مجید نے موسیٰؑ کی دعا کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

قال موسی ربنا انک آتیت فرعون و ملاہ زینۃ واموالا فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم (۲۶۲)

اور موسیٰؑ نے دعا کی کہ اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے اعیان کو دنیا کی زندگی میں شان و شوکت اور مال و اسباب سے بہرہ مند کیا' اے ہمارے رب کہ وہ تیری راہ سے لوگوں کو بے راہ کریں' اے ہمارے رب ان کے مالوں کو مٹادے اور ان کے دلوں کو بند کردے کہ وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دیکھ لیں درد ناک عذاب کو۔

Marfat.com

سورۂ دخان میں ہے:

فدعا ربہ ان ھولاء قوم مجرمون (۲۶۳)

پھر دعا کی اپنے رب سے کہ یہ لوگ مجرم ہیں

قبولیت دعا

چونکہ موسیٰؑ و ہارونؑ نے کار دعوت میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی اور ان پر دعوت و تبلیغ، اصلاح و انذار اور احقاق حق کی جو ذمہ داری تھی وہ کماحقہ ادا ہوچکی تھی اس لئے ان کی دعا قبول ہوئی اور ان کو ہدایت کی گئی کہ ان سرکشوں کے ساتھ جو معاملہ ہونے والا ہے اس پر دل میں کوئی نرمی و رافت نہ پیدا کرنا نہ ان کے حق میں کوئی کلمہ سفارش کہنا اور نہ کسی پہلو سے اب ان کی چھوت تم کو یا تمہارے ساتھیوں کو لگنے پائے۔ یہ بعینہٖ اسی طرح کی ہدایت ہے جس طرح کی ہدایت نوحؑ کو ان کی قوم کے باب میں فیصلہ عذاب ہوجانے کے بعد دی گئی تھی۔ اس کا ذکر سورۂ ھود میں اس طرح ہے:

واصنع الفلک باعیننا ووحینا ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون (۲۶۴)

اور کشتی بناؤ ہماری نگرانی میں اور ہماری ہدایت کے مطابق اور ان ظالموں کے باب میں اب ہم سے کچھ نہ کہیو یہ لازماً غرق کئے جائیں گے۔

موسیٰؑ کی دعا کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے:

قال قد اجیبت دعوتکما فاستقیما ولا تتبعن سبیل الذین لا یعلمون (۲۶۵)

فرمایا تمہاری دعا قبول ہوئی تو تم دونوں جمے رہو اور ان لوگوں کی راہ کی پیروی نہ کیجیو جو علم نہیں رکھتے

موسیٰؑ کو یہ تسلی دی گئی کہ تمہاری دعا قبول ہوگئی ہے لہٰذا فرعونیوں کی تباہی اور بنی اسرائیل کی نجات کا مرحلہ آپہنچا ہے۔ قرآن کے مطابق موسیٰؑ کو حکم دیا گیا کہ وہ

Marfat.com

اس مرحلے کے لئے تیاری کریں۔

بنی اسرائیل کا خروج اور فرعون کا تعاقب

موسیٰ کو بذریعہ وحی حکم ملا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر باپ دادا کی سرزمین کی جانب لے جائیں:

واوحینا الی موسیٰ ان اسر بعبادی انکم متبعون (۲۶۶)

ہم نے موسیٰؑ کو وحی بھیجی کہ "راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔

واضح رہے کہ بنی اسرائیل کی آبادی مصر میں کسی ایک جگہ مجتمع نہ تھی بلکہ ملک کے تمام شہروں اور بستیوں میں بٹی ہوئی تھی اور خصوصیت کے ساتھ منف (Mamphis) سے رعمیس تک اس علاقے میں ان کی بڑی تعداد آباد تھی جسے جشن کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ لہٰذا موسیٰؑ کو جب حکم دیا گیا ہوگا کہ اب تمہیں بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جانا ہے تو انہوں نے بنی اسرائیل کی تمام بستیوں میں ہدایات بھیج دی ہوں گی کہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ ہجرت کے لئے تیار ہوجائیں اور ایک خاص رات مقرر کردی ہوگی کہ اس رات ہر بستی کے مہاجرین نکل کھڑے ہوں یہ ارشاد کہ "تمہارا پیچھا کیا جائے گا" اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہجرت کے لئے رات کو نکلنے کی ہدایت کیوں کی گئی تھی۔ یعنی قبل اس کے کہ فرعون لشکر لے کر تمہارے تعاقب میں نکلے تم راتوں رات اپنا راستہ اس حد تک طے کرلو کہ ان سے بہت آگے نکل چکے ہو۔ (۲۶۷) آخر کار ایک مقرر رات کو یہ سب لوگ ایک طے شدہ مقام پر جمع ہوکر ایک قافلے کی صورت میں روانہ ہوگئے اس زمانے میں نہر سویز موجود نہ تھی۔ بحر احمر سے بحر روم پورا علاقہ کھلا ہوا تھا مگر اس علاقے کے تمام راستوں پر فوجی چھاؤنیاں تھیں جن سے بخیریت نہ گذرا جاسکتا تھا۔ اس لئے حضرت موسیٰؑ نے بحر احمر کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا۔ غالباً" ان کا خیال یہ تھا کہ سمندر کے کنارے کنارے چل کر جزیرہ نمائے سینا کی طرف نکل جائیں لیکن ادھر سے فرعون ایک لشکر

Marfat.com

عظیم لے کر تعاقب کرتا ہوا ٹھیک اس موقع پر آپہنچا۔ سورۂ شعراء میں فرعون کی بوکھلاہٹ کو بیان کیا گیا ہے۔ اسے جب پتہ چلا کہ بنی اسرائیل نکل گئے ہیں تو وہ اپنے غیض و غضب کا اظہار کرتا ہے فوجیں اکٹھی کرتا ہے اور بنی اسرائیل کو سزا دینے کا اعلان کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :

فارسل فرعون فی المدائن حشرین ان ھولاء لشر ذمة قلیلون وانھم لنا لغائظون وانا لجمیع حذرون(۲۶۸)

اس پر فرعون نے (فوجیں جمع کرنے کے لئے) شہروں میں نقیب بھیج دیئے (اور کہلا بھیجا) کہ یہ مٹھی بھر لوگ ہیں اور انہوں نے ہم کو بہت ناراض کیا ہے اور ہم ایک ایسی جماعت ہیں جس کا شیوہ ہر وقت چوکنا رہنا ہے۔

سید مودودی کے بقول "یہ باتیں فرعون کی اس چھپی ہوئی خوف زدگی کو ظاہر کرتی ہیں جس پر وہ بے خوفی کا نمائشی پردہ ڈال رہا تھا۔ ایک طرف وہ جگہ جگہ سے فوجیں بھی فوری امداد کے لئے بلا رہا تھا جو اس بات کی کھلی علامت تھی کہ اسے بنی اسرائیل سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے دوسری طرف وہ اس بات کو بھی چھپانا چاہتا تھا کہ مدتہائے دراز کی دبی اور پسی ہوئی قوم' جو انتہائی ذلت کی غلامی میں زندگی بسر کر رہی تھی اس سے فرعون جیسا قاہر فرمانروا کوئی خطرہ محسوس کر رہا ہے حتیٰ کہ اسے فوری امداد کے لئے فوجیں طلب کرنے کی ضرورت پیش آگئی ہے اس لئے وہ اپنا پیغام اس انداز میں بھیجتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل بے چارے کیا چیز ہیں' کچھ مٹھی بھر لوگ ہیں جو ہمارا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے لیکن انہوں نے ایسی حرکتیں کی ہیں کہ ہمیں ان پر غصہ آگیا ہے اس لئے ہم انہیں سزا دینا چاہتے ہیں' اور فوجیں ہم کسی خوف کی وجہ سے جمع نہیں کر رہے ہیں بلکہ صرف ایک احتیاطی کاروائی ہے۔ ہماری دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی بعید سے بعید بھی امکانی خطرہ ہو تو ہم بروقت اس کی سرکوبی کرنے کے لئے تیار رہیں۔(۲۶۹) فرعون کے تعاقب کو قرآن نے مشیت ایزدی کی ایک تدبیر قرار دیا ہے۔ فرعون بڑے فخر سے کہتا تھا کہ ملک مصر اور اس کی نہریں کیا یہ میری نہیں ہیں؟ قرآن نے اس کی مہم جوئی کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

Marfat.com

فاخرجناھم من جنت و عیون وکنوز و مقام کریم کذلک واورثناھا بنی اسرائیل(۲۷۰)

اس طرح ہم انہیں ان کے باغوں اور چشموں اور خزانوں اور ان کی بہترین قیام گاہوں سے نکال لائے یہ تو ہوا ان کے ساتھ اور (دوسری طرف) بنی اسرائیل کو ہم نے ان سب چیزوں کا وارث کردیا۔

سورۂ دخان میں ہے:

کم ترکوا من جنت و عیون و زروع و مقام کریم ونعمۃ کانوا فیھا فکھین کذلک واورثنھا قوما آخرین فما بکت علیھم السماء والارض وما کانوا منظرین(۲۷۱)

کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیت اور شاندار محل تھے جو وہ چھوڑ گئے' کتنے ہی عیش کے سروسامان جن میں وہ مزے کر رہے تھے ان کے پیچھے دھرے رہ گئے۔ یہ ہوا ان کا انجام اور ہم نے دوسروں کو ان چیزوں کا وارث بنا دیا۔ پھر نہ آسمان ان پر رویا نہ زمین اور ذرا سی مہلت بھی ان کو نہ دی گئی۔

فرعون کا غرق ہونا

فرعون زبردست فوج لے کر رعمسیس سے نکلا اور ان کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے سر پر جا پہنچا۔ بائبل کے مطابق موسیٰؑ کے ساتھ نکلنے والوں کی تعداد چھ لاکھ تھی جب پو پھٹتے ہی انہوں نے فرعونی لشکر کو سر پر پایا تو گھبرا کر کہنے لگے: "کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہمیں مرنے کے لئے بیاباں میں لے آیا ہے؟ تو ہم نے سے یہ کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لایا؟ کیا ہم تجھ سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں؟ کیونکہ ہمارے لئے مصریوں کی خدمت کرنا بیاباں میں مرنے سے بہتر ہوتا۔(۲۷۲)

موسیٰؑ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا خوف نہ کرو خدا کا وعدہ سچا ہے وہ تم کو نجات

Marfat.com

دے گا اور تم ہی کامیاب ہوگے۔ پھر درگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوئے۔ وحی الٰہی نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی کو پانی پر مارو تاکہ پانی پھٹ کر بیچ میں راستہ نکل آئے۔ چنانچہ موسیٰؑ نے ایسا ہی کیا۔ جب انہوں نے بحر قلزم میں اپنا عصا مارا تو پانی پھٹ کر دونوں جانب دو پہاڑوں کی طرح کھڑا ہوگیا اور بیچ میں راستہ نکل آیا اور حضرت موسیٰؑ کے حکم سے تمام بنی اسرائیل اس میں اتر گئے اور خشک زمین کی طرح اس سے پار ہوگئے۔ فرعون نے دیکھا تو اپنی قوم سے مخاطب ہوکر کہنے لگا! یہ میری کرشمہ سازی ہے کہ بنی اسرائیل کو تم جاکر پکڑو لہٰذا بڑھے چلو' چنانچہ فرعون اور اس کا تمام لشکر بنی اسرائیل کے پیچھے اسی راستے پر اتر لئے لیکن اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ جب بنی اسرائیل کا ہر فرد دوسرے کنارہ پر سلامتی کے ساتھ پہنچ گیا تو پانی بحکم الٰہی پھر اپنی اصلی حالت میں آگیا اور اس کا تمام لشکر جو ابھی درمیان ہی میں تھا غرق ہوگیا۔ جب فرعون غرق ہونے لگا تو ملا تکہ عذاب سامنے نظر آنے لگے تو پکار کر کہنے لگا: ”میں اسی ایک واحد لاشریک لہ ہستی پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں“ مگر یہ ایمان چونکہ حقیقی ایمان نہ تھا بلکہ گزشتہ فریب کاریوں کی طرح نجات حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ایک مضطربانہ بات تھی اس لئے خدا کی طرف سے یہ جواب ملا:

الا ن وقد عصیت قبل و کنت من المفسدین(۲۷۳)

اب ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے تک تو نافرمانی کرتا رہا اور فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

یعنی خدا کو معلوم ہے کہ تو مسلمین میں سے نہیں بلکہ مفسدین میں سے ہے۔ درحقیقت فرعون کی یہ پکار ایسی پکار تھی جو ایمان لانے اور یقین حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے بعد اضطراری اور بے اختیاری میں نکلتی ہے۔(۲۷۴)

قرآن کا بیان

قرآن عزیز نے بنی اسرائیل کی روانگی' فرعون کے غرق اور بنی اسرائیل کی نجات

Marfat.com

کے واقعہ کو بہت مختصر بیان کیا ہے البتہ اس کے صرف ضروری اجزا کا ذکر کیا ہے لیکن اس سے متعلق عبرت و بصیرت اور موعظت کے معاملہ کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔(۲۷۵) قرآن مجید نے اس واقعہ کو مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔ ذیل میں ہم انہیں نقل کرتے ہیں:

فاتبعو هم مشرقين فلما تراء الجمعن قال اصحب موسى انا لمدركون كلا ان معي ربي سيهدين فا و حينا الى موسى ان اضرب بعصاك البحر فانفلق فكان كل فرق كالطود العظيم لفنا ثم الاخرين وانجينا موسى و من معه اجمعين ثم اغرقنا الاخرين(۲۷۶)

صبح ہوتے ہی یہ لوگ ان کے تعاقب میں چل پڑے۔ جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو موسیٰؑ کے ساتھی چیخ اٹھے کہ ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰؑ نے کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔ ہم نے موسیٰؑ کو وحی کے ذریعہ سے حکم دیا کہ مار اپنا عصا سمندر پر" یکایک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہوگیا۔ اسی جگہ ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے۔ موسیٰؑ اور ان سب لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے، ہم نے بچالیا اور دوسروں کو غرق کردیا۔

سورۂ طٰہٰ میں ہے:

ولقد اوحينا الى موسىٰ ان اسر بعبادى فاضرب لهم طريقا فى البحر يبسا لاتخف دركا ولا تخشى فاتبعهم فرعون بجنوده فغشيهم من اليم ما غشيهم و اضل فرعون قومه و ما هدى(۲۷۷)

ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ اب راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چل پڑ اور ان کے لئے سمندر میں سے سوکھی سڑک بنا لے، تجھے کسی کے تعاقب کا ذرا خوف نہ ہو اور نہ (سمندر کے بیچ سے گزرتے ہوئے) ڈر

Marfat.com

لگے پیچھے سے فرعون اپنے لشکر لے کر پہنچا اور پھر سمندر ان پر چھا گیا جیسا کہ چھا جانے کا حق تھا۔ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ ہی کیا تھا، کوئی صحیح رہنمائی نہیں کی تھی۔

سورہ اعراف میں ہے:

فانتقمنا منهم فاغرقناهم فی الیم بانهم كذبوا بايتنا و كانوا عنها غفلين(۲۷۸)

تب ہم نے ان سے انتقام لیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور ان سے بے پرواہ ہو گئے تھے۔

سورہ یونس میں فرمایا:

و جوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتبعهم فرعون و جنوده بغيا و عدوا حتى اذا ادركه الغرق قال آمنت انه لا اله الا الذى آمنت به بنو اسرائیل و انا من المسلمین ۔ آلن و قد عصیت قبل و کنت من المفسدين(۲۷۹)

اور ہم بنی اسرائیل کو سمندر سے گزار لے گئے۔ پھر فرعون اور اس کے لشکر ظلم اور زیادتی کی غرض سے ان کے پیچھے چلے۔ حتیٰ کہ فرعون ڈوبنے لگا تو بول اٹھا "میں نے مان لیا کہ خداوند حقیقی اس کے سوا کوئی نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں بھی سر اطاعت جھکا دینے والوں میں سے ہوں۔ جواب دیا گیا اب ایمان لاتا ہے! حالانکہ اس سے پہلے تک تو نافرمانی کرتا رہا اور فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

و استکبروجنوده فی الارض بغير الحق و ظنوا انهم الینا لا یرجعون فاخذنه و جنوده فنبذ نهم فی الیم فانظر کیف کان عاقبة الظلمين(۲۸۰)

اس نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں بغیر کسی حق کے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور سمجھے کہ انہیں کبھی ہماری طرف پلٹنا نہیں ہے۔ آخر کار ہم

Marfat.com

نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور سمندر میں پھینک دیا۔ اب دیکھ لو کہ ان ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔

سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

فاراد ان یستفزھم من الارض فاغرقنہ و من معہ جمیعا (۲۸۱)

آخر کار فرعون نے ارادہ کیا کہ موسیٰ اور بنی اسرائیل کو زمین سے اکھاڑ پھینکے مگر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر دیا۔

سورہ ذاریات میں فرمایا:

فاخذنہ و جنودہ فنبذنھم فی الیم و ھو ملیم (۲۸۲)

آخر کار ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور سب کو سمندر میں پھینک دیا اور وہ ملامت زدہ ہو کر رہ گئے۔

سورہ شعراء میں ہے:

و انجینا موسٰی و من معہ اجمعین ثم اغرقنا الاخرین ان فی ذلک لایۃ و ما کان اکثر ھم مومنین ان ربک لھو العزیز الرحیم (۲۸۳)

موسیٰ اور ان سب لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے ہم نے بچا لیا اور دوسروں کو غرق کر دیا۔ اس واقعہ میں ایک نشانی ہے، مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔

عظیم معجزہ

قرآن نے واضح طور پر کہا ہے کہ اس واقعہ میں نشانی ہے۔ نشانی منکرین کے لئے بھی اور مومنین کے لئے بھی۔ منکرین کے لئے نشانی ہے کہ انکار کا انجام کیسا دردناک ہوتا ہے۔ فرعون اور اس کی قوم نے معجزات کو نظر انداز کیا اور آخر میں عین غرق ہونے کے وقت بھی ان کو یہ نہ سوجھا کہ سمندری قافلے کے لئے پھٹ گیا ہے، پانی

Marfat.com

پہاڑوں کی طرح دونوں طرف کھڑا ہے اور بیچ میں سوکھی سڑک بنی ہوئی ہے۔ یہ صریح علامتیں دیکھ کر بھی ان کو عقل نہ آئی کہ موسیٰؑ کے ساتھ خدائی طاقت کام کر رہی ہے اور وہ اس طاقت سے لڑنے جا رہے ہیں۔ ہوش ان کو آیا بھی تو اس وقت جب پانی نے دونوں طرف سے ان کو دبوچ لیا تھا اور وہ خدا کے غضب میں گھر چکے تھے۔ اس وقت فرعون چیخ اٹھا کہ آمنت انہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنو اسرائیل وانا من المسلمین (یونس / ۹) لیکن اس وقت کا اعلان بے سود تھا۔ دوسری طرف اہل ایمان کے لئے بھی اس میں نشانی ہے کہ ظلم اور اس کی طاقتیں خواہ بظاہر کیسی ہی چھائی ہوئی نظر آتی ہوں آخر کار اللہ تعالیٰ کی مدد سے حق کا بول بالا ہوتا ہے اور باطل اس طرح سرنگوں ہو کر رہتا ہے۔(۲۸۴)

قرآن مجید نے سمندر کے پھٹنے اور پھر مل جانے کو ایک معجزے کے طور پر بیان کیا ہے۔ سرسید اور بعض دوسرے عقلیت پسندوں نے اس کی معجزانہ حیثیت کا انکار کرتے ہوئے اسے مدوجزر کے ساتھ منسلک کیا ہے۔ لیکن قرآن مجید کے اسلوب بیان سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی اس کی معجزانہ حیثیت کا انکار نہیں کرے گا۔ عصر حاضر کے دو عظیم مفسروں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحی نے اس کی معجزانہ حیثیت پر مدلل گفتگو کی ہے۔ ذیل میں سید مودودی کا وہ نوٹ نقل کرتے ہیں جو انہوں نے سورۂ شعراء کی آیت ۶۳ کے تحت لکھا ہے:

اصل الفاظ ہیں "کالطود العظیم"۔ طود عربی زبان میں کہتے ہی بڑے پہاڑ کو ہیں۔ لسان العرب میں ہے الطود' الجبل العظیم۔ اس کے لئے پھر عظیم کی صفت لانے کے معنی یہ ہوئے کہ پانی دونوں طرف بہت اونچے پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر جب اس بات پر غور کرتے ہیں کہ سمندر حضرت موسیٰؑ کے عصا مارنے سے پھٹا تھا' اور یہ کام ایک طرف بنی اسرائیل کے پورے قافلے کو گذرانے کے لئے کیا گیا تھا۔ اور دوسری طرف اس سے مقصود فرعون کے لشکر کو غرق کرنا تھا تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عصا کی ضرب لگنے پر پانی نہایت بلند پہاڑوں کی شکل میں کھڑا ہو گیا تھا اور اتنی دیر تک کھڑا رہا کہ ہزاروں لاکھوں بنی اسرائیل کا مہاجر قافلہ اس میں سے

Marfat.com

گذر بھی گیا اور پھر فرعون کا پورا لشکر ان کے درمیان پہنچ بھی گیا۔ ظاہر ہے کہ عام قانون فطرت کے تحت جو طوفانی ہوائیں چلتی ہیں وہ خواہ کیسی ہی تند و تیز ہوں' ان کے اثر سے کبھی سمندر کا پانی اس طرح عالی شان پہاڑوں کی طرح اتنی دیر تک کھڑا نہیں رہا کرتا۔ اس پر مزید سورۂ طٰہٰ کا بیان یہ ہے کہ فا ضرب لھم طریقا یبسا (ان کے لئے سمندر میں سوکھا راستہ بناذے) اس کے معنی یہ ہیں کہ سمندر پر عصا مارنے سے صرف اتنا ہی نہیں ہوا کہ سمندر کا پانی ہٹ کر دونوں طرف پہاڑوں کی طرح کھڑا ہوگیا بلکہ بیچ میں جو راستہ نکلا وہ خشک بھی ہوگیا۔ کوئی کیچڑ ایسی نہ رہی جو چلنے میں مانع ہوتی اس کے ساتھ سورۂ دخان کی آیت ۲۴ کے یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو ہدایت فرمائی کہ سمندر پار کرلینے کے بعد اس کو اسی حال پر رہنے دے' لشکر فرعون یہاں غرق ہونے والا ہے۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اگر دوسرے ساحل پر پہنچ کر سمندر پر عصا مار دیتے تو دونوں طرف کھڑا ہوا پانی پھر مل جاتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا تاکہ لشکر فرعون اس راستے میں اتر آئے اور پھر پانی دونوں طرف سے آکر اسے غرق کردے۔ یہ صریحاً" ایک معجزے کا بیان ہے اور اس سے ان لوگوں کے خیال کی غلطی بالکل واضح ہوجاتی ہے جو اس واقعہ کی تعبیر عام قوانین فطرت کے تحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (۲۸۵)

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے سرسید کے نقطہ نظر کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ تفاسیر' عربی لغت اور بائبل کی تائید سے ان کی رائے کی تردید کی ہے' اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:

بہرحال قرآن عزیز صراحت کرتا ہے کہ بحر قلزم میں غرق فرعون اور نجات موسیٰ کا یہ واقعہ موسیٰؑ کی تائید میں ایک عظیم الشان معجزہ تھا اور اگر کائنات کی کوئی شہادت بھی اس واقعہ کے اعجاز میں موجود نہ ہوتی تب بھی ہمارے لئے وحی الٰہی کا یہ فیصلہ ایک ناطق فیصلہ ہے اور مومن کا ایمان دور از کار تاویلات سے جدا اصل حقیقت ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور ہمارا یقین ہے کہ موسیٰؑ کی صداقت کے لئے یہ ایسا عظیم الشان

Marfat.com

معجزہ تھا جس نے تمام مادی قہرمانیت اور سامان استبدادیت کو ایک لمحہ میں شکست دے کر مظلوم قوم کو ظالم قوم کے پنجہ سے رستگاری دلائی واللہ علی کل شئی قدیر (۲۸۶)

مولانا اصلاحی بھی اسے معجزہ قرار دیتے ہیں وہ سورۂ طہٰ کی آیت ۷۷ کے تحت لکھتے ہیں:

"بحر سے مراد یہاں بحر احمر کی شمالی خلیج ہے۔ ہدایت ہوئی کہ پوری جماعت کے ساتھ ساحل سمندر پر پہنچو اور وہاں اپنی لٹھیا سمندر پر مار کر اس کے اندر سے لوگوں کے لئے خشک راہ پیدا کرلو۔ یہ اسلوب بیان اس اختیار کو ظاہر کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے معجزے کے ذریعہ سے حضرت موسیٰؑ کو بخشا کہ تم اس کے اشارے سے سمندر کو حکم دو گے تو وہ تمہارے گذرنے کے لئے خشک راستہ نکال دے گا۔(۲۸۷) مولانا اسے قدرت خداوندی کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ سورۂ طہٰ میں اور پھر سورۂ شعراء میں انہوں نے حاشیہ میں یہی عنوان دیا ہے سورۂ شعراء کی آیات ۶۳ ۔ ۶۶ کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں کہ "اس امتحان سے گذارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا۔ حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ اپنا عصا سمندر پر مارو۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ایسی ہوا چلی کہ سمندر کا پانی پھٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ دونوں طرف پانی کی دیوار کھڑی ہوگئی اور بیچ میں سے خشک راستہ نکل آیا۔ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر اس راستہ پر چلے۔ تدبیر الٰہی فرعونیوں کو بھی لائی اور انہوں نے بنی اسرائیل کے تعاقب میں اپنے رتھ اور گھوڑے سب ان کے پیچھے ڈال دیئے اس کے بعد حکم الٰہی سے وہ ہوا جس نے سمندر کے پانی کو پھاڑ کر رستہ پیدا کیا تھا رک گئی۔ حضرت موسیٰؑ تو اپنی قوم کے ساتھ بخیریت کنارے پر پہنچ گئے' ادھر سمندر کا پانی برابر ہونے لگا اور فرعونی اس کی لپیٹ میں آگئے انہوں نے پیچھے بھاگنے کی کوشش کی لیکن بھاگنے کا وقت گذر چکا تھا بالاخر پوری فوج غرق ہوگئی۔(۲۸۸)

اس کے بعد مولانا نے تورات کی عبارت نقل کی ہے۔ مولانا چونکہ بائبل کو ایک ماخذ کے طور پر استعمال کرتے ہیں اس لئے ان کا پورا بیان اس سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

فرعون ایک سامان عبرت شخصیت

گذشتہ اوراق میں فرعون کی سرکشی، تمرد و طغیان اور کبر و غرور کی تصویر واضح ہے لیکن ڈوبتے وقت فرعون کا اقرار توحید اس کی بے بسی کی کامل تصویر ہے۔ جو فراعنہ و متمردین پر اس وقت طاری ہوتی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آتے ہیں۔ قدرت نے جب اسے اپنے انتقام کی گرفت میں لیا تو اسے اپنی حیثیت کا حقیقی ادارک ہوا۔ معاملہ صرف یہی ختم نہیں ہوا بلکہ خدائے جبار و قہار نے اسے سامان عبرت بنادیا۔ ارشاد باری ہے:

فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیۃ وان کثیرا من الناس عن آیتنا لغفلون(۲۸۹)

پس آج ہم تیرے جسم کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے نشانی بنے اور بے شک بہت سارے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل رہتے ہیں۔

سورۂ نازعات میں فرمایا:

فاربہ الایۃ الکبری فکذب و عصی ثم ادبر یسعی فحشر فنادی فقال انا ربکم الاعلی فاخذہ اللہ نکال الاخرۃ والاولی ان فی ذلک لعبرۃ لمن یخشی(۲۹۰)

پھر موسیٰؑ نے فرعون کے پاس جاکر اس کو بڑی نشانی دکھائی مگر اس نے جھٹلا دیا اور نہ مانا، پھر چالبازیاں کرنے کے لئے پلٹا اور لوگوں کو جمع کرکے اس نے پکار کر کہا: "میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔" آخر کار اللہ تعالیٰ نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑلیا۔ درحقیقت اس میں بڑی عبرت ہے ہر اس شخص کے لئے جو ڈرے۔

سید مودودیؒ اور مولانا اصلاحی نے سورۂ یونس کی مذکورہ بالا آیات پر عمدہ نوٹ لکھے ہیں۔ مولانا اصلاحی کے نوٹ کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

Marfat.com

"قدرت کے انتقام کی اس عظیم نشانی کے اندر ایک دوسری عظیم نشانی یہ ظاہر ہوئی کہ فرعون کی لاش کو سمندر نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کو ایک نشان عبرت بنانے کے لئے باہر پھینک دیا۔ اور یہ لاش بعد میں لوگوں کو ملی بھی اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جو خدائی کا مدعی تھا اس کا انجام کیا ہوا۔ مصر میں لاشوں کو ممی کرکے محفوظ کرنے کا رواج تھا اور ایک فرعون کی ممی کی ہوئی لاش قاہرہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس لاش کے بارے میں اثریات کے ماہرین چاہے اختلاف کریں کہ یہ اسی فرعون کی لاش ہے یا کسی اور کی لیکن ان کے اٹکل پچو اندازوں کے مقابل میں قرآن کا یہ چودہ سو سال پرانا بیان زیادہ قابل اعتماد ہے۔ اسی طرح قدرت نے اس کی لاش کو عبرت کی ایک ایسی نشانی بنادیا جو آج کے فرعونوں کے لئے بھی محفوظ ہے لیکن دیکھنے کے لئے آنکھوں کی ضرورت ہے اور اس دنیا میں عبرت پذیر آنکھوں سے زیادہ کم یاب کوئی شئے تھی ہی نہیں و ان کثیرا من الناس عن آیتنا لغفلون میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ (۲۹۱)

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

آج تک وہ مقام جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے جہاں فرعون کی لاش سمندر میں تیرتی ہوئی پائی گئی تھی۔ اس کو موجودہ زمانے میں جبل فرعون کہتے ہیں اور اسی کے قریب ایک گرم چشمہ ہے جو کس مقامی آبادی نے حمام فرعون کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ اس کی جائے وقوع ابوزنیمہ سے چند میل اوپر شمال کی جانب ہے' اور علاقے کے باشندے اسی جگہ کی نشاندہی کرتے ہیں کہ فرعون کی لاش یہاں پڑی ہوئی ملی تھی۔ اگر یہ ڈوبنے والا وہی فرعون منفتہ ہے جس کو زمانہ حال کی تحقیق نے فرعون موسیٰ قرار دیا ہے تو اس کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ ۱۹۰۷ء میں سر گرافٹن ایلیٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔ (۲۹۲)

فرعون اور قوم فرعون کی ہلاکت دینوی اعتبار سے بھی عبرت و بصیرت کا ذریعہ

Marfat.com

ہے لیکن قرآن نے اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ اس قسم کے لوگوں کے لئے آخرت اور سرمدی و ابدی زندگی میں کس قدر سخت عذاب اور خدا کی پھٹکار کے کیسے عبرت ناک سامان مہیا ہیں تاکہ سلیم اور صالح طبائع اور نیک نہاد اور نیک سرشت ہستیاں ان کا مطالعہ کریں اور ان اعمال زشت سے خود کو بھی بچائیں اور دوسروں کو بچنے کی ترغیب دیں۔(۲۹۳) قرآن مجید نے ان کی زندگی بعد موت کی کیفیات کو بیان کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

ولقد ارسلنا موسى بايتنا وسلطن مبين الى فرعون و ملائه فاتبعوا امر فرعون وما امر فرعون برشيد يقدم قومه يوم القيامة فاوردهم النار وبئس الورد المورود واتبعوا في هذه لعنة و يوم القيامة بئس الرفد المرفود(۲۹۴)

اور موسیٰ کو ہم نے اپنی نشانیوں اور کھلی سند ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کی طرف بھیجا مگر انہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور اپنی پیشوائی میں انہیں دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ کیسی بدتر جائے ورود ہے یہ جس پر کوئی پہنچے۔ اور ان لوگوں پر دنیا میں بھی لعنت پڑی اور قیامت کے روز بھی پڑے گی۔ کیسا برا صلہ ہے یہ جو کسی کو ملے۔

سورۂ قصص میں ہے:

وجعلنهم ائمة يدعون الى النار و يوم القيمة لا ينصرون واتبعنهم في هذه الدنيا لعنة و يوم القيامة هم من المقبوحين(۲۹۵)

اور ہم نے ان کو دنیا میں جہنم کی طرف دعوت دینے والے پیشوا بنایا اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہ ہوگی اور اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگادی ہے اور قیامت کے دن وہی خوار ہونے والوں میں سے ہوں گے

Marfat.com

سورۂ مومن میں فرمایا:

وحاق بال فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیها غدوا وعشیا
و یوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب(۲۹۶)

اور فرعون کے ساتھی خود بدترین عذاب کے پھیر میں آگئے۔ دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے صبح و شام وہ پیش کئے جاتے ہیں اور جب قیامت کی گھڑی آجائے گی تو حکم ہوگا کہ آل فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کرو

سید مودودی اس آیت کی تفسیر میں عذاب کی نوعیت کو واضح کرتے ہیں جو فرعون اور آل فرعون کو عالم برزخ میں درپیش ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس عذاب برزخ کا صریح ثبوت ہے جس کا ذکر بکثرت احادیث میں عذاب قبر کے عنوان سے آیا ہے اللہ تعالیٰ یہاں صاف الفاظ میں عذاب کے دو مرحلوں کا ذکر فرما رہا ہے ایک کم تر درجے کا عذاب جو قیامت کے آنے سے پہلے فرعون اور آل فرعون کو دیا جارہا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہیں صبح و شام دوزخ کی آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جسے دیکھ کر وہ ہر وقت ہول کھاتے رہتے ہیں کہ یہ ہے وہ دوزخ جس میں آخر کار ہمیں جانا ہے۔ اس کے بعد جب قیامت آجائے گی تو انہیں وہ اصلی اور بڑی سزا دی جائے گی جو ان کے لئے مقدر ہے یعنی وہ اسی دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے جس کا نظارہ انہیں غرقاب ہونے کے وقت سے آج تک کرایا جارہا ہے اور قیامت کی گھڑی تک کرایا جاتا رہے گا۔ اور یہ معاملہ صرف فرعون اور آل فرعون کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے تمام مجرموں کو موت کی ساعت سے لے کر قیامت تک وہ انجام بد نظر آتا رہتا ہے جو ان کا انتظار کر رہا ہے اور تمام نیک لوگوں کو اس انجام نیک کی حسین تصویر دکھائی جاتی رہتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مہیا کر رکھا ہے۔ بخاری، مسلم اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

ان احدکم اذا مات عرض علیه مقعده بالغداة والعشی ان کان من اهل الجنة فمن اهل الجنة عرض وان کان من اهل النار فمن اهل

النار فیقال ھذا مقعدک حتی یبعثک اللّٰہ عز و جل الیہ یوم القیامۃ(۲۹۷)

تم میں سے جو شخص مرتا ہے اسے صبح و شام اس کی آخری قیام گاہ دکھائی جاتی رہتی ہے خواہ وہ جنتی ہو یا دوزخی اسے کہا جاتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں تو اس وقت جائے گا جب اللہ تجھے قیامت کے روز دوبارہ اٹھا کر اپنے حضور بلائے گا

گویا فرعون اور آل فرعون دنیاو آخرت میں سامان عبرت بنادیئے گئے۔ دنیا میں انہیں ہلاک و برباد کرکے اور ان کے لیڈر کی لاش کو محفوظ کرکے، برزخ میں صبح و شام آگ کا سامنا کراکے اور قیامت کے بعد جہنم کی آگ کا ایندھن بنا کر آنے والی انسانی نسلوں کے لئے عبرت و بصیرت کا نمونہ بنا دیا گیا ہے اور یوں غرور و نخوت، جبرو ظلم اور قہرمانیت انانیت کی ذلت و رسوائی کردی گئی تاکہ آئندہ کوئی اس راہ پر نہ چلے۔

موسیٰؑ کی کامیابی

دعوت کے سلسلہ میں سنت اللہ یہ رہی ہے کہ داعی الی اللہ اپنی دعوت پیش کرتا ہے اور اس کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے دلائل و براہین اور آیات و معجزات پیش کرتا ہے۔ مخاطب قوم کا کچھ حصہ اسے قبول کرتا ہے جبکہ مستکبرین و مترفین انکار کرتے ہیں اور داعی الی اللہ کے درپے آزار ہوتے ہیں۔ جب ہدایت کو قبول کرنے کے آثار باقی نہیں رہتے اور داعی اپنے تمام کاوشیں پوری کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اوراس کے متبعین کو محفوظ کرنے اور معاندین کو ان کے برے انجام تک پہنچانے کا سامان کرتا ہے۔ یہی کچھ موسیٰؑ کے سلسلے میں بھی ہوا فرعون نے دلائل و براہین سننے اور آیات و معجزات دیکھنے کے بعد بھی انکار و تکذیب اور استکبار و ادبار کی راہ اختیار کی اور بالاخر اپنے برے انجام کو پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل اور دوسرے مومنینؑ کو موسیٰؑ کی قیادت میں ظلم سے نجات دی اور خوشحال مستقبل کی رہنمائی کی۔ بنی اسرائیل کی نجات موسیٰؑ کی دعوت کا اہم جز تھا اس لئے اس نجات میں دعوت کی

کامیابی کی روشن دلیل اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تکمیل صاف دکھائی دیتی ہے۔ قرآن مجید نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

ولقد نجینا بنی اسرائیل من العذاب المھین من فرعون انہ کان عالیا من المسرفین ولقد اخترنھم علی علم علی العالمین(۲۹۸)

اس طرح بنی اسرائیل کو ہم نے سخت ذلت کے عذاب' فرعون سے نجات دی جو حد سے گذر جانے والوں میں بڑے اونچے درجے کا آدمی تھا اور ان کی حالت جانتے ہوئے ان کو دوسری قوموں پر ترجیح دی۔

سورۂ اعراف میں فرمایا

واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض و مغاربھا التی برکنا فیھا و تمت کلمۃ ربک الحسنی علی بنی اسرائیل بما صبروا ودمرنا ماکان یصنع فرعون و قومہ وما کانوا یعرشون(۲۹۹)

ان کی جگہ ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور بنا کر رکھے گئے تھے اسی سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جسے ہم نے برکتوں سے مالا مال کیا تھا اسی طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدہ خیر پورا ہوا کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا اور فرعون اور اس کی قوم کا وہ سب کچھ برباد کر دیا گیا جو وہ بناتے اور چڑھاتے تھے

اس آیت میں جس زمین کی وراثت کی بات کی گئی ہے وہ ارض فلسطین ہے اگرچہ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ بنی اسرائیل مصر کے مالک بنادیئے گئے لیکن اس کے لئے نہ تو قرآن کا واضح بیان موجود ہے اور نہ تاریخ و آثار سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ بنی اسرائیل کا مصر سے بچ نکلنا اور فلسطین میں آباد ہونا موسیٰؑ کی کامیابی ہے۔ موسیٰؑ و فرعون کا یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے بلکہ حق و باطل کے معرکوں میں ایک عظیم الشان معرکہ ہے' اور ایک جانب غرور و نخوت' جبر و ظلم اور قہرمانیت و انانیت کی ذلت و رسوائی ہے تو دوسری جانب مظلومیت' خدا پرستی اور صبر و استقامت

Marfat.com

کی فتح و کامرانی کا عجیب و غریب منظر ہے۔(۳۰۰) مشیت ایزدی نے اپنی خصوصی تائید سے موسیٰؑ کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ اس کے دشمن کو ہلاک کیا اور اس کی قوم کو نجات دی۔

بائبل کا بیان

قرآن مجید نے موسیٰؑ کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا مقصد عبرت و نصیحت اور دعوت و ارشاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ واقعہ قرآن کی مختلف سورتوں میں پھیلا ہوا ہے اور ہر جگہ موقع کی مناسبت سے حکمت و موعظت کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ ہمارے مفسرین نے واقعات کی تفصیل کے لئے اسرائیلی روایات پر بھروسہ کیا ہے۔ ان میں سے محققین نے ان روایات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور ان میں سے صرف قابل اعتماد روایات کو نقل کیا ہے۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں تفہیم القرآن' تدبر قرآن اور قصص القرآن سے استفادہ کرتے ہوئے اس واقعہ کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ ان محترم مولفین نے اپنے اپنے انداز کے مطابق استفادہ کیا ہے اور بائبل کے بیانات کو اپنے ہاں جگہ دی ہے۔ ان میں سے مولانا اصلاحی کا نقطہ نظر بہت واضح ہے وہ مقدمہ تدبر قرآن میں فہم قرآن کے خارجی وسائل میں قدیم آسمانی صحیفوں کو اہم ماخذ قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں جگہ جگہ قدیم آسمانی صحیفوں' تورات' زبور' انجیل کے حوالے ہیں۔ بہت سے مقامات پر انبیائے بنی اسرائیل کی سرگذشتیں ہیں۔ بعض جگہ یہود و نصاریٰ کی تحریفات کی تردید اور ان کی پیش کردہ تاریخ پر تنقید ہے۔ اس طرح کے مواقع میں میں نے ان روایات پر اعتماد نہیں کیا ہے جو ہماری تفسیر کی کتابوں میں منقول ہیں۔ یہ روایات زیادہ تر سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں اس وجہ سے نہ تو یہ اہل کتاب پر حجت ہوسکتی ہے اور نہ ان سے خود اپنے ہی دل کے اندر اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر میں نے بحث و تنقید کی بنیاد اصل ماخذوں یعنی تورات و انجیل پر رکھی ہے۔ جس حد تک قرآن اور قدیم صحیفوں میں موافقت ہے وہ موافقت میں نے دکھادی ہے

Marfat.com

اور جہاں فرق ہے وہاں قرآن کے بیان کی حجت و قوت واضح کردی ہے۔ --- یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اس طرح تورات' زبور اور انجیل بھی اللہ ہی کے اتارے ہوئے صحیفے ہیں۔ اگر ان کے بدقسمت حاملوں نے ان صحیفوں میں تحریفیں نہ کردی ہوتیں تو یہ بھی اسی طرح ہمارے لئے رحمت و برکت تھے جس طرح قرآن ہے۔ لیکن ان تحریفات کے باوجود آج بھی ان کے اندر حکمت کے خزانے ہیں۔ اگر آدمی ان کو پڑھے تو یہ حقیقت آفتاب کی طرح سامنے آتی ہے کہ ان صحیفوں کا سرچشمہ بھی بلاشبہ وہی ہے جو قرآن کا ہے۔ میں ان کو بار بار پڑھنے کے بعد اس رائے کا اظہار کرتا ہوں کہ قرآن کی حکمت کے سمجھنے میں جو مدد ان صحیفوں سے ملتی ہے وہ مدد مشکل ہی سے کسی دوسری چیز سے ملتی ہے۔ خاص طور پر زبور' امثال اور انجیلوں کو پڑھیے تو ان کے اندر ایمان کو وہ غذا ملتی ہے جو قرآن وحدیث کے سوا اور کہیں بھی نہیں ملتی۔ حیرت ہوتی ہے کہ جن قوموں کے پاس یہ صحیفے موجود ہیں وہ قرآن اور پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے کیوں محروم ہیں۔[۳۰۱]

اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی بائبل پر کس درجہ اعتماد کرتے ہیں موسیٰؑ کے واقعہ میں انہوں نے جگہ جگہ کتاب خروج سے حوالے دیئے ہیں۔ بعض مقامات پر اس کی معلومات کو اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ مولانا سیوہارویؒ ابن کثیر وغیرہ سے اسرائیلی روایات بھی نقل کرتے ہیں اور بائبل سے بھی نقل کرتے ہیں۔ موسیٰؑ کے حوالے سے انہوں نے نہ صرف کتاب خروج سے عبارات نقل کی ہیں بلکہ اس کی تفصیلات اپنے الفاظ میں بھی بیان کی ہیں۔ جہاں تطبیق ممکن تھی وہاں تطبیق کی کوشش کی ہے جہاں ممکن نہیں تھی وہاں تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ سید مودودیؒ کا رویہ مختلف ہے۔ انہوں نے گہری تنقیدی نظر سے دیکھا ہے۔ قاری محسوس کرتا ہے کہ انہوں نے تنقیدی تقابلی جائزے سے بائبل کی تحریفات کو واضح کیا ہے۔ موسیٰؑ کے واقعہ کے ضمن میں ہم نے ان کی تنقیدات کو موقع بہ موقع نقل کیا ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک اور اقتباس نقل کیا جائے جس سے نہ صرف یہ کہ ان کے رویہ کا پتہ چلے گا بلکہ واقعہ کی علمی و تاریخی حیثیت بھی معلوم ہوگی۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۷۹ کے

Marfat.com

تحت واقعہ موسیٰؑ کے اختتام پر لکھتے ہیں:

"اس قصے کے خاتمے پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کے بیانات کا بھی جائزہ لے لیا جائے تاکہ ان لوگوں کی جھوٹ کی حقیقت کھل جائے جو کہتے ہیں کہ قرآن میں یہ قصے بنی اسرائیل سے نقل کر لئے گئے ہیں بائبل کی کتاب خروج (Exodus) میں اس قصے کی جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں ان کے حسب ذیل اجزاء قابل توجہ ہیں:

(۱) باب ۴' آیت ۲ ۔ ۵ میں بتایا گیا ہے کہ عصا کا معجزہ حضرت موسیٰ کو دیا گیا تھا اور آیت ۱۷ میں انہی کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ "تو اس لاٹھی کو اپنے ہاتھ میں لیے جا اور اس سے ان معجزوں کو دکھانا" مگر آگے جا کر نہ معلوم یہ لاٹھی کس طرح حضرت ہارون کے قبضے میں چلی گئی اور وہی اس سے معجزے دکھانے لگے۔ باب ۷ سے لے کر بعد کے ابواب میں مسلسل ہم کو حضرت ہارون ہی کی لاٹھی کے معجزے دکھائی دیتے نظر آتے ہیں۔

(۲) باب ۵ میں فرعون سے حضرت موسیٰؑ کی پہلی ملاقات کا حال بیان کیا گیا ہے اور اس میں سرے سے اس بحث کا کوئی ذکر ہی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کے مسئلے پر ان کے اور فرعون کے درمیان ہوئی تھی۔ فرعون کہتا ہے کہ "خداوند کون ہے کہ میں اس کی بات مانوں اور بنی اسرائیل کو جانے دوں؟ میں خداوند کو نہیں مانتا" مگر موسیٰؑ اور ہارونؑ اس کے سوا کچھ جواب نہیں دیتے کہ "عبرانیوں کا خدا ہم سے ملا ہے" (باب ۵ آیت ۲ ۔ ۳)

(۳) جادوگروں سے مقابلے کی پوری داستان بس ان چند فقروں میں سمیٹ دی گئی ہے:

"اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ جب فرعون تم کو کہے کہ اپنا معجزہ دکھاؤ تو ہارون سے کہنا کہ اپنی لاٹھی لے کر فرعون کے سامنے ڈال دے تاکہ وہ سانپ بن جائے اور موسیٰؑ و ہارونؑ فرعون کے پاس گئے اور انہوں نے خداوند کے حکم کے مطابق کیا اور ہارون نے اپنی لاٹھی فرعون اور اس کے خادموں کے سامنے ڈال دی اور وہ سانپ بن گئی۔ تب فرعون نے بھی داناؤں اور جادوگروں کو بلوایا اور مصر کے

Marfat.com

جادوگروں نے بھی اپنا جادو سے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ انہوں نے بھی اپنی لاٹھی سامنے ڈال دی وہ سانپ بن گئیں لیکن ہارون کی لاٹھی ان کی لاٹھیوں کو نگل گئی۔ (باب ۷ آیت ۸ - ۱۲)

اس بیان کا مقابلہ قرآن کے بیان سے کرکے دیکھ لیا جائے کہ قصے کی ساری روح یہاں کس بری طرح فنا کی گئی ہے سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ جشن کے دن کھلے میدان میں باقاعدہ چیلنج کے بعد مقابلہ ہونا' اور پھر شکست کے بعد جادوگروں کا ایمان لانا' جو قصے کی اصل جان تھا' سرے سے یہاں مذکور ہی نہیں۔

(۴) قرآن کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا مطالبہ بنی اسرائیل کی رہائی اور آزادی تھی۔ بائبل کا بیان ہے کہ مطالبہ صرف یہ تھا کہ "ہم کو اجازت دے کہ ہم تین دن کی منزل بیابان میں جاکر خداوند اپنے خدا کے لئے قربانی کریں" (باب ۵ - آیت ۳)

(۵) مصر سے نکلنے اور فرعون کے غرق ہونے کا مفصل حال باب ۱۱ - ۱۴ تک بیان کیا گیا ہے۔ اس میں بہت سی مفید معلومات اور قرآن کے اجمال کی تفصیلات بھی ہمیں ملتی ہیں۔ اور ان کے ساتھ متعدد عجیب باتیں بھی۔ مثلاً باب ۱۴ کی آیات ۱۵ - ۱۶ میں حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا جاتا ہے کہ "تو اپنی لاٹھی (جی ہاں' اب لاٹھی حضرت ہارون سے لے کر حضرت موسیٰؑ کو دے دی گئی ہے) اٹھا کر اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھا اور اسے دو حصے کر اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل جائیں گے" لیکن آگے چل کر آیت ۲۱ - ۲۲ میں کہا جاتا ہے کہ "پھر موسیٰؑ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور خداوند نے رات بھر تند پوربی آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اسے خشک زمین بنادیا اور پانی دو حصے ہوگیا اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور ان کے داہنے اور بائیں ہاتھ پانی دیوار کی طرح تھا۔" یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آیا یہ معجزہ تھا یا طبعی واقعہ؟ اگر معجزہ تھا تو عصا کی ضرب سے ہی رونما ہوگیا ہوگا' جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے اور اگر طبعی واقعہ تھا تو عجیب صورت ہے کہ مشرقی آندھی نے سمندر کو بیچ میں سے پھاڑ کر پانی کو دونوں طرف دیوار کی طرح کھڑا کردیا اور بیچ میں سے خشک راستہ بنادیا کیا فطری طریقے سے

Marfat.com

ہوا کبھی ایسے کرشمے دکھاتی ہے؟

تلمود کا بیان نسبتاً" بائبل سے مختلف اور قرآن سے قریب تر ہے۔ مگر دونوں کا مقابلہ کرنے سے صاف محسوس ہوجاتا ہے کہ ایک جگہ براہ راست علم وحی کی بنا پر واقعات بیان کئے جارہے ہیں اور دوسری جگہ صدیوں کی سینہ بہ سینہ روایات میں واقعات کی صورت اچھی خاصی مسخ ہوگئی ہے۔(۳۰۲) ملاحظہ ہو:

(The Talmud Selections H - Polano, PP, 150 - 155)

بائبل کے واقعات و بیانات کے بارے میں ان بزرگوں کے رجحانات کو اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ قاری کے سامنے علماء کے علمی رویے آجائیں تاکہ وہ ان بیانات کو پڑھتے ہوئے کسی الجھن کا شکار نہ ہو۔ ذیل میں ہم کتاب خروج کے متعلقہ ابواب کو نقل کرتے ہیں تاکہ واقعہ کی تفصیلات کو براہ راست معلوم کیا جاسکے اور انہیں پورے سیاق و سباق سے دیکھا جاسکے۔

موسیٰ فرعون کے دربار میں

And Afterward Moses and Aaron went in, and told Pharaoh. Thus saith the Lord God of Israel, Let my people go, that they may hold a feast unto me in the wilderness.

And Pharaoh said, Who is the Lord, that I should obey his voice to let Israel go? I know not the Lord neither will I let Israel go.

And they said, the God of the Hebrews hath met with us: let us go, we pray thee, three days' journey into the desert, and sacrifice unto the Lord our God; lest he fall upon us with pestilence, or with the sword.

And the king of Egypt said unto them, Wherefore do ye, Moses and Aaron, let the people from their works? get

Marfat.com

you unto your burdens.

And Pharaoh said, Behold, the people of the land now are many, and ye make them rest from their burdens. And Pharaoh commanded the same day the taskmaster of the people, and their officers, saying, Ye shall no more give the people straw to make brick, as heretofore: let them go and gather straw for themselves.

And the tale of the bricks, which they did make heretofore, ye shall lay upon them: ye shall not diminish ought thereof: for they be idle; therefore they cry, saying, Let us go and sacrifice to our God. Let there more work be laid upon the men, that they may labour therein; and let them not regard vain words.

And the taskmasters of the people went out, and their officers, and they spake to the people saying, Thus saith Pharaoh, I will not give you straw.

Go ye, get you straw where ye can find it: yet not ought of your work shall be diminished. So the people were scattered abroad throughout all the land of Egypt to gather stubble instead of straw. And the taskmasters hasted them, saying, Fulfil your works, your daily tasks, as when there was straw.

And the officers of the children of Israel, which Pharaoh's taskmasters had set over them, were beaten, and demanded, wherefore have ye not full filled your task in making brick both yesterday and to day, as heretofore?

Then the officers of the children of Israel came and cried unto Pharaoh, saying, Wherefore dealest thou thus with thy servants?

Marfat.com

There is no straw given unto thy servants, and they say to us, Make brick: and, behold, thy servants are beaten; but the fault is in thine own people.

But he said Ye are idle, ye are idle: therefore ye say, Let us go and do sacrifice to the Lord.

Go therefore now, and work; for there shall not straw be given you, yet shall ye deliver the tale of bricks.

And the officers of the children of Israel did see that they were in evil case, after it was said, Ye shall not minish ought from your bricks of your daily task.

And they met Moses and Aaron, who stood in the way, as they came forth from Pharaoh:

And they said unto them, The Lord look upon you, and judge; because ye have made our savour to be abhorred in the eyes of Pharaoh, and in the eyes of his servants, to put a sword in their hand to slay us.

And Moses returned unto the Lord, and said, Lord, wherefore hast thou so evil entreated this people? why is it that thou hast sent me?

For since I came to Pharaoh to speak in the name, he hath done evil to this people. neither hast thou delivered thy people at all. (303)

اس کے بعد موسیٰ اور ہارون نے جاکر فرعون سے کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ بیابان میں میرے لئے عید کریں۔ فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی بات کو مان کر بنی اسرائیل کو جانے دوں؟ میں خداوند کو نہیں جانتا اور میں بنی اسرائیل کو جانے بھی نہیں دوں گا تب انہوں نے کہا کہ عبرانیوں کا

Marfat.com

خدا ہم سے ملا ہے سو ہم کو اجازت دے کہ ہم تین دن کی منزل بیابان میں جاکر خداوند اپنے خدا کے لئے قربانی کریں تا نہ ہو کہ وہ ہم پر وبا بھیج دے یا ہم کو تلوار سے مروادے۔ تب مصر کے بادشاہ نے ان کو کہا کہ اے موسیٰ اور اے ہارون تم کیوں ان لوگوں کو ان کے کام سے چھڑواتے ہو؟ تم جاکر اپنے بوجھ کو اٹھاؤ اور فرعون نے یہ بھی کہا کہ دیکھو یہ لوگ اس ملک میں بہت ہوگئے ہیں اور تم ان کو کام سے بٹھاتے ہو اور اسی دن فرعون نے بیگار لینے والوں اور سرداروں کو جو لوگوں پر تھے حکم کیا کہ اب آگے کو تم ان لوگوں کو اینٹیں بنانے کے لئے بھس نہ دینا جیسے اب تک دیتے رہے۔ وہ خود ہی جاکر اپنے لئے بھس بٹوریں اور ان سے اتنی ہی اینٹیں بنوانا جتنی وہ اب تک بناتے آئے ہیں تم اس میں سے کچھ نہ گھٹانا کیونکہ وہ کاہل ہوگئے ہیں اسی لئے چلا چلا کر کہتے ہیں کہ ہم کو جانے دو کہ ہم اپنے خدا کے لئے قربانی کریں۔ سو ان سے زیادہ سخت محنت لی جائے تاکہ کام میں مشغول رہیں اور جھوٹی باتوں سے دل نہ لگائیں تب بیگار لینے والوں اور سرداروں نے جو لوگوں پر تھے جاکر ان سے کہا کہ فرعون کہتا ہے میں تم کو بھس نہیں دینے کا۔ تم خود ہی جاؤ اور جہاں کہیں تم کو بھس ملے وہاں سے لاؤ کیونکہ تمہارا کام کچھ بھی گھٹایا نہیں جائے گا چنانچہ وہ لوگ تمام ملک مصر میں مارے مارے پھرنے لگے کہ بھس کے عوض کھونٹی جمع کریں اور بیگار لینے والے یہ کہہ کر جلدی کراتے تھے کہ تم اپنا روز کا کام جیسے بھس پاکر کرتے تھے اب بھی کرو اور بنی اسرائیل میں سے جو جو فرعون کے بیگار لینے والوں کی طرف سے ان لوگوں پر سردار مقرر ہوئے ان پر مار پڑی اور ان سے پوچھا گیا کہ کیا سبب ہے کہ تم نے پہلے کی طرح آج اور کل پوری پوری اینٹیں نہیں بنوائیں۔ تب ان سرداروں نے جو بنی اسرائیل میں سے مقرر ہوئے تھے فرعون کے آگے جاکر فریاد کی اور کہا کہ تو اپنے خادموں سے ایسا سلوک کیوں کرتا ہے۔ تیرے خادموں کو بھس تو دیا نہیں جاتا اور وہ ہم سے کہتے

Marfat.com

رہتے ہیں کہ اینٹیں بناؤ اور دیکھ تیرے خادم مار بھی کھاتے ہیں پر قصور تیرے لوگوں کا ہے۔ اس نے کہا تم سب کاہل ہو کاہل۔ اسی لئے تم کہتے ہو کہ ہم کو جانے دے کہ خداوند کے لئے قربانی کریں۔ سو اب تم جاؤ کام کرو کیونکہ بھس تم کو نہیں ملے گا اور اینٹوں کو تمہیں اسی حساب سے دینا پڑے گا۔ جب بنی اسرائیل کے سرداروں سے یہ کہا گیا کہ تم اپنی اینٹوں اور روزمرہ کے کام میں کچھ بھی کمی نہیں کرنے پاؤ گے تو وہ جان گئے کہ وہ کیسے وبال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جب وہ فرعون کے پاس سے نکلے آرہے تھے تو ان کو موسیٰ اور ہارون ملاقات کے لئے راستہ پر کھڑے ملے۔ تب انہوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے کیونکہ تم نے ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہ میں ایسا گھنونا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لئے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے۔ تب موسیٰ خداوند کے پاس لوٹ کر گیا اور کہا کہ اے خداوند تو نے ان لوگوں کو کیوں دکھ میں ڈالا اور مجھے کیوں بھیجا کیونکہ جب سے میں نے فرعون کے پاس تیرے نام سے باتیں کرنے گیا تو اس نے ان لوگوں سے برائی ہی برائی کی اور تو نے اپنے لوگوں کو ذرا بھی رہائی نہیں بخشی۔

خدا کے وعدوں کی تجدید

Then the Lord said unto Moses, Now shalt thous see what I will do to Pharaoh: for with a strong hand shall he let them go, and with a strong hand shall he drive them out of his land.

And God spake unto Moses, and said unto him, I am the Lord.

And I appeared unto Abraham, unto Isaac, and unto Jacob, by the name of God Almighty, but by my name JEHOVAH was I not know to them.

Marfat.com

And I have also established my covenant with them, to give them the land of Canaan, the land of their pilgrimage, wherein they were strangers.

And I have also heard the groaning of the children of Israel, whom the Egyptians keep in bondage; and I have remembered my covenant.

Wherefore say unto the children of Israel, I am the Lord, and I will bring your out from under the burdens of the Egyptians, and I will rid you out of their bondage, and I will redeem you with a stretched out arm, and with great judgments.

And I will take you to me for a people, and I will be to you a God: and ye shall know that I am the Lord your God, which bringeth you out from under the burdens of the Egyptians.

And I will bring you in unto the land, concerning the which I did swear to give it to Abraham, to Isaac, and to Jacob; And I will give it you for an heritage; I am the Lord.

And Moses spake so unto the children of Israel; but they hearkened not unto Moses for anguish of spirit, and for cruel bondage.

And the Lord spake unto Moses, saying,

Go in, speak unto Pharaoh king of Egypt, that he let the children of Israel go out of his land.

And Moses spake before the Lord saying, Behold, the children of Israel have not hearkened unto me; how then shall Pharaoh hear me, who am of uncircumcised lips?

And the Lord spake unto Moses and unto Aaron, and gave

Marfat.com

them a charge unto the children of Israel, and unto Pharaoh king of Egypt, to bring the children of Israel out of the land of Egypt. (304)

تب خداوند نے موسیٰؑ سے کہا کہ اب تو دیکھے گا کہ میں فرعون کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔ تب وہ زور آور ہاتھ کے سبب سے ان کو جانے دے گا اور زور آور ہاتھ ہی کے سبب سے وہ ان کو اپنے ملک سے نکال دے گا۔

پھر خدا نے موسیٰؑ سے کہا میں خداوند ہوں اور میں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کو خدائے قادر مطلق کے طور پر دکھائی دیا لیکن اپنے یہوواہ کے نام سے ان پر ظاہر نہ ہوا۔ اور میں نے ان کے ساتھ اپنا عہد بھی باندھا ہے کہ ملک کنعنان جو ان کی مسافرت کا ملک تھا اور جس میں وہ پردیسی تھے ان کو دوں گا۔ اور میں نے بنی اسرائیل کے کراہنے کو بھی سن کر جن کو مصریوں نے غلامی میں رکھ چھوڑا ہے اپنے اس عہد کو یاد کیا ہے سو تو بنی اسرائیل سے کہہ کہ میں خداوند ہوں اور میں تم کو مصریوں کے بوجھ کے نیچے سے نکال لوں گا اور میں تم کو ان کی غلامی سے آزاد کروں گا اور میں اپنا ہاتھ بڑھا کر اور ان کو بڑی بڑی سزائیں دے کر تم کو رہائی دوں گا۔ اور میں تم کو لے لوں گا کہ میری قوم بن جاؤ اور میں تمہارا خدا ہوں گا اور تم جان لو گے کہ میں خداوند تمہارے خدا ہوں جو تم کو مصریوں کے بوجھوں سے نیچے سے نکالتا ہوں اور جس ملک کو ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کو دینے کی قسم میں نے کھائی تھی اس میں تم کو پہنچا کر اسے تمہاری میراث کروں گا خداوند میں ہوں اور موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو یہ باتیں سنا دیں پر انہوں نے دل کی کڑھن اور غلامی کی سختی کے سبب سے موسیٰ کی بات نہ سنی۔

پھر خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ جا کر مصر کے بادشاہ فرعون سے کہہ کہ بنی اسرائیل کو اپنے ملک میں سے جانے دے۔ موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ دیکھ بنی اسرائیل نے تو میری سنی نہیں۔ پس میں جو نامختون ہونٹ رکھتا

Marfat.com

ہوں فرعون میری کیونکر سنے گا۔ تب خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو بنی اسرائیل اور مصر کے بادشاہ فرعون کے حق میں اس مضمون کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو ملک مصر سے نکال لے جائیں۔

موسیٰ و ہارون کا نسب نامہ

These be the heads of their fathers house: The sons of Reuben the firstborn of Israel; Hanoch, and Pallu, Hezron. and Cermi: these be the families of Reuben.

And the sons of Simeon: Jemuel and Jamin, and Ohad, and Jachin, and Zohar, and Shaul the sons of Canaanitish woman: these are the families of Simeon. And these are the names of the sons of Levi according to their generations: Gershon, and Kohath, and Merari: and the years of the life of Levi were an hundred thirty and seven years.

The Sons of Gershon; Libni, and Shimi, according to their families. And the sons of Kohath; Amram, and Izhar, and Hebron, and Uzziel: and the years of the life of Kohath were an hundred thirty and three years.

And the sons of Merari: Mahali and Mushi: these are the families of Levi according to their generations.

And Amram took him Jochebed his father's sister to wife: and she bare him Aaron and Moses: and the years of the life of Amram were an hundred and thirty and seven years.

And the sons of Izhar; Korah, and Nepheg, and Zichri.

And the sons of Uzziel; Mishael, and Elzaphan, and Zithri,

Marfat.com

And Aaron took him Elisheba daughter of Amminadab, sister of Naashon, to wife; and she bare him Nadab, and Abihu, Eleazar, and Ithamar.

And the sons of Korah; Assir, and Elkanah, and Ablasaph: these are the families of the Korhites.

And Eleazar Aaron's son took him one of the daughter of Putiel to wife; and she bare him Phinehas: these are the heads of the fathers of the Levites according to their families.

These are that Aaron and Moses, to whom the Lord said, Bring out the children of Israel from the land of Egypt, according to their armies.

These are they which spake to Pharaoh king of Egypt, to bring out the children of Israel from Egypt: these are that Moses and Aaron.

And it came to pass on the day when the Lord spake unto Moses in the land of Egypt,

That the Lord spake unto Moses, saying, I am the Lord: speak thou unto Pharaoh king of Egypt all that I say unto thee.

And Moses said before the Lord Behold, I am of uncircumcised lips, and how shall Pharaoh hearken unto me? (305)

ان کے آبائی خاندانوں کے سردار یہ تھے روبن جو اسرائیل کا پہلوٹھا تھا۔ اس کے بیٹے حنوک اور فلو اور حسرون اور کرمی تھے۔ یہ روبن کے گھرانے تھے۔ بنی شمعون یہ تھے۔ یموئیل اور یمین اور اہد اور یکین اور صحر اور ساؤل جو ایک کنعانی عورت سے پیدا ہوا تھا یہ شمعون کے گھرانے تھے۔ بنی لاوی جن سے ان کی نسل چلی ان کے نام یہ ہیں۔ جیرسون اور

Marfat.com

قہات اور مراری۔ اور لاوی کی عمر ایک سو سینتیس برس کی ہوئی۔ بنی جیرسون لبنی اور سمعی تھے ان ہی سے ان کے خاندان چلے۔ اور بنی قہات عمرام اور اضہار اور جبرون اور عزیل تھے اور قہات کی عمر ایک سو تینتیس برس کی ہوئی۔ اور بنی مراری محلی اور موشی تھے۔ لاویوں کے گھرانے جن سے ان کی نسل چلی یہی تھے اور عمرام نے اپنے باپ کی بہن یوکبد سے بیاہ کیا۔ اس عورت کے اس سے ہارون اور موسیٰ پیدا ہوئے اور عمران کی عمر ایک سو سینتیس برس کی ہوئی۔ بنی اضہار قورح اور نفج اور زکری تھے اور بنی عزئیل میسائل اور الصفن اور ستری تھے اور ہارون نے نحسون کی بہن عمینداب کی بیٹی الیسبع سے بیاہ کیا۔ اس سے ندب اور ابیو اور الیعزر اور اتمر پیدا ہوئے اور بنی قورح اسیر اور القنہ اور ابیاسف تھے اور یہ قورحیوں کے گھرانے تھے اور ہارون کے بیٹے الیعزر نے فوطیل کی بیٹیوں میں سے ایک کے ساتھ بیاہ کیا۔ اس سے فیخاس پیدا ہوا۔ لاویوں کے باپ دادا کے گھرانوں کے سردار جن سے ان کے خاندان چلے یہی تھے۔ یہ وہ ہارون اور موسیٰ ہیں جن کو خداوند نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو ان کے جتھوں کے مطابق ملک مصر سے نکال لے جاؤ۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے مصر کے بادشاہ فرعون سے کہا کہ ہم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لے جائیں گے۔ یہ وہی موسیٰ اور ہارون ہیں۔

جب خداوند نے ملک مصر میں موسیٰ سے باتیں کیں تو یوں ہوا کہ خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ میں خداوند ہوں جو کچھ میں تجھے کہوں تو اسے مصر کے بادشاہ فرعون سے کہنا۔ موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ دیکھ میرے تو ہونٹوں کا ختنہ نہیں ہوا۔ فرعون کیونکر میری سنے گا۔

‌[فرع]ون کے سامنے پہلا معجزہ

And the Lord said unto Moses see I have made thee a G[od] to Pharaoh: and Aaron thy brother shall be thy prophet.

Thou shalt speak all that I command thee: and Aaron thy brother shall speak unto Pharaoh, that he send the children of Israel out of his land.

And I will harden Pharaoh's heart, and multiply my signs and my wonders in the land of Egypt.

But Pharaoh shall not hearken unto you, that I may lay my hand upon Egypt, and bring forth mine armies, and my people the children of Israel, out of the land of Egypt by great judgements.

And the Egyptians shall know that I am the Lord, when I stretch forth mine hand upon Egypt, and bring out the children of Israel from among them.

And Moses was fourscore years old, and Aaron fourscore and three years old, when they spake unto Pharaoh.

And the Lord spake unto Moses and unto Aaron, saying,

When Pharaoh shall speak unto you, saying, shew a miracle for you, then thou shalt say unto Aaron, Take thy rod, and cast it before Pharaoh, and it shall become a serpent.

And Moses and Aaron went Thus saith the Lord, In this thour shalt know that I am the Lord, behold, I will smite with the rod that is in mine hand upon the water which in unto Pharaoh, and they did so as the Lord had commanded: and Aaron cast down his rod before Pharaoh, and before his servants, and it became a serpent.

Then Pharaoh also called the wise men and the sorcerers: now the magician of Egypt, they also did in like manner with their enchantments.

For they cast down every man his rod, and they became

Marfat.com

serpents: but Aaron's rod swallowed up their rods.

And he hardened Pharaoh's heart, that he hearkened Pharaoh's heart, that he hearkened not unto them; as the Lord had said. (306)

پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ دیکھ میں نے تجھے فرعون کے لئے گویا خدا ٹھہرایا اور تیرا بھائی ہارون تیرا پیغمبر ہوگا۔ جو جو حکم میں تجھے دوں سو تو کہنا اور تیرا بھائی ہارون اسے فرعون سے کہے کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنے ملک سے جانے دے اور میں فرعون کے دل کو سخت کرلوں گا اور اپنے نشان اور عجائب ملک مصر میں کثرت سے دکھاؤں گا۔ تو بھی فرعون تمہاری نہ سنے گا۔ تب میں مصر کو ہاتھ لگاؤں گا اور اسے بڑی بڑی سزائیں دے کر اپنے لوگوں بنی اسرائیل کے جتھوں کو ملک مصر سے نکال لاؤں گا اور جب میں مصر پر ہاتھ چلاؤں گا اور بنی اسرائیل کو ان میں سے نکال لاؤں گا تب مصری جانیں گے کہ میں خداوند ہوں موسیٰ اور ہارون نے جیسا خداوند نے ان کو حکم دیا ویسا ہی کیا اور موسیٰ اسی برس اور ہارون تراسی برس کا تھا جب وہ فرعون سے ہمکلام ہوئے۔ اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ جب فرعون تم کو کہے کہ اپنا معجزہ دکھاؤ تو ہارون سے کہنا کہ اپنی لاٹھی لے کر فرعون کے سامنے ڈال دے تاکہ وہ سانپ بن جائے اور موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس گئے اور انہوں نے خداوند کے حکم کے مطابق کیا اور وہ سانپ بن گئی۔ تب فرعون نے بھی داناؤں اور جادوگروں کو بلوایا اور مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ انہوں نے بھی اپنی اپنی لاٹھی سامنے ڈالی اور وہ سانپ بن گئیں لیکن ہارون کی لاٹھی ان کی لاٹھیوں کو نگل گئی اور فرعون کا دل سخت ہوگیا اور جیسا خداوند نے کہہ دیا تھا اس نے ان کی نہ سنی۔

پہلی آفت' پانی کا خون بن جانا

And the Lord said unto Moses, Pharaoh's heart is hardened, he refuseth to let the people go.

Get thee unto Pharaoh in the morning; lo, he goeth out

Marfat.com

unto the water and thou shalt stand by the river's brink against he come; and the rod which was turned to a serpent shalt thou take in thine hand and thou shalt say unto him The Lord God of the Hebrews hath sent me unto thee saying let my peopole go that they may serve me in the wilderness : and ,behold, hitherto thou wouldst not hear thus sayeth the Lord, In this thou shalt know that I am the Lord, behod I will smite with the God that is in mine hand upon the waters which are in the river, and they shall be turned to blood.

And the fish that is in the river shall die, and the river shall stink; and the Egyptians shall lothe to drink of the water of the river.

And the Lord spake unto Moses, Say unto Aaron, Take they rod, and stretch out thine hand upon the waters of Egypt, upon their streams, upon their rivers, and upon their ponds, and upon all their pools of water, that they may become blood; and that there may be blood: throughout all the land of Egypt, both in vessels of wood. and in vessels of stone.

And Moses and Aaron did so, as the Lord commanded; and he lifted up the rod, and smote the waters that were in the river. in the sight of Pharaoh, and in the sight of his servants; and all the waters that were in the river were turned to blood.

And the fish that was in the river died; and the river stank, and the Egyptians could not drink of the water of the river; and there was blood throughout all the land of Egypt.

And the magicians of Egypt did so with their

enchantments: and Pharaoh's heart was hardened, neither did he hearken unto them; as the LORD had said.

And Pharaoh turned and went into his house, neither did he set his heart to this also.

And all the Egyptians digged round about the river for water to drink; for they could not drink of the water of the river.

And seven days were fulfilled, after that the LORD had smitten the river. (KJV)

تب خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ فرعون کا دل متعصب ہے وہ ان لوگوں کو جانے نہیں دیتا۔ اب تو صبح کو فرعون کے پاس جا۔ وہ دریا پر جائے گا سو تو اس سے ملنے کو دریا کے کنارے کھڑا رہنا اور جو لاٹھی سانپ بن گئی تھی اسے ہاتھ میں لے لینا۔ اور اس سے کہنا کہ خداوند عبرانیوں کے خدا نے مجھے تیرے پاس یہ کہنے کو بھیجا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ بیاباں میں میری عبادت کریں اور اب تک تو نے کچھ سماعت نہیں کی۔ سو خداوند یوں فرماتا ہے کہ تو اسی سے جان لے گا کہ میں خداوند ہوں۔ دیکھ میں اپنے ہاتھ کی لاٹھی کو دریا کے پانی پر ماروں گا اور وہ خون ہو جائے گا اور جو مچھلیاں دریا میں ہیں مر جائیں گی اور دریا سے تعفن اٹھے گا اور مصریوں کو دریا کا پانی پینے سے کراہیت ہوگی۔ اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی لے اور مصر میں جتنا پانی ہے یعنی دریاؤں اور نہروں اور جھیلوں اور تالابوں پر اپنا ہاتھ بڑھا تاکہ وہ خون بن جائیں اور سارے ملک مصر میں پتھر اور لکڑی کے برتنوں میں بھی خون ہی خون ہوگا اور موسیٰ اور ہارون نے خداوند کے حکم کے مطابق کیا۔ اس نے لاٹھی اٹھا کر اسے فرعون اور اس کے خادموں کے سامنے دریا کے پانی پر مارا اور دریا کا پانی سب خون ہو گیا اور دریا کی مچھلیاں مر گئیں اور دریا سے تعفن اٹھنے لگا

Marfat.com

اور مصری دریا کا پانی پی نہ سکے اور تمام ملک مصر میں خون ہی خون ہوگیا۔ تب مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا پر فرعون کا دل سخت ہوگیا اور جیسا خداوند نے کہہ دیا تھا اس نے ان کی نہ سنی۔ اور فرعون لوٹ کر اپنے گھر چلا گیا اور اس کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا اور سب مصریوں نے دریا کے آس پاس پینے کے پانی کے لئے کوئیں کھود ڈالے کیونکہ وہ دریا کا پانی نہیں پی سکتے تھے اور جب سے خداوند نے دریا کو مارا اس کے بعد سات دن گذرے۔(۲۸۲)

دوسری آفت: مینڈک

And the Lord spake unto Moses unto Pharaoh, and say unto him Thus saith the Lord, Let my people go that they may serve me.

And if thou refuse to let them go, behold, I will smite all the borders with frogs:

And the river shall bring forth frogs abundantly, which shall go up and come into thine house, and into they bedchamber, and upon thy bed,. and into the house of thy servants, and upon thy people, and into thine ovens, and into they kneadingtroughs;

And the frogs shall come up both on thee. and upon thy people, and upon all thy servants.

And the Lord spake unto Moses, Say unto Aaron, Stretch forth thine hand with thy rod over the streams, over the rivers, and over the ponds, and cause frogs to come up upon the land of Egypt.

And Aaron stretched out his hand over the waters of Egypt; and the frogs came up, and covered the land of Egypt.

And the magicians did so with their enchantments, and brought up frogs upon the land of Egypt.

Then Pharaoh called for Moses and Aaron, and said, Intreat the Lord, that he may take away the frogs from me, and from my people; and I will let the people go, that they may do sacrifice unto the Lord.

And Moses said unto Pharaoh, Glory over me; when shall I intreat for thee, and for thy servants, and for thy people, to destroy the frogs from thee and thy houses, that they may remain in the river only?

And he said, Tomorrow. And he said, Be it according to thy word: that thou mayest know that there is none like unto the Lord our God.

And the frogs shall depart from thee, and from thy houses, and from thy servants, and from thy people; they shall remain in the river only.

And Moses and Aaron went out from Pharaoh: and Moses cried unto the Lord because of the frogs which he had brought against Pharaoh.

And the Lord did according to the word of Moses: and the frogs died out of the houses, out of the villages and out of the fields.

And they gathered them together upon heaps: and the land stank.

But when Pharaoh saw that there was respite, he hardened his heart, and hearkened not unto them; as the Lord had said. (308)

پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ فرعون کے پاس جا اور اس سے کہہ
خداوند یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ میری عبادت

کریں اور اگر تو ان کو جانے نہ دے گا تو دیکھ میں تیرے ملک کو مینڈکوں سے ماروں گا اور دریا بے شمار مینڈکوں سے بھر جائے گا اور وہ آکر تیرے گھر میں اور تیری آرامگاہ میں اور تیرے پلنگ پر اور تیرے ملازموں کے گھروں میں اور تیری رعیت پر اور تیرے تنوروں اور آٹا گوندھنے کے لگنوں میں گھستے پھریں گے اور تجھ پر اور تیری رعیت اور تیرے نوکروں پر چڑھ جائیں گے اور خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی لے کر اپنا ہاتھ دریاؤں اور نہروں اور جھیلوں پر بڑھا اور مینڈکوں کو مصر پر چڑھا لا۔ چنانچہ جتنا پانی مصر میں تھا اس پر ہارون نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور مینڈک چڑھ آئے اور ملک مصر کو ڈھانک لیا اور جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا اور ملک مصر پر مینڈک چڑھا لائے۔ تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو بلا کر کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے اور میں ان لوگوں کو جانے دوں گا تاکہ وہ خداوند کے لئے قربانی کریں۔ موسیٰ نے فرعون سے کہا کہ تجھے مجھ پر یہی فخر رہے! میں تیرے اور تیرے نوکروں اور تیری رعیت کے واسطے کب کے لئے شفاعت کروں کہ مینڈک تجھ سے اور تیرے گھر والوں سے دفع ہوں اور دریا ہی میں رہیں۔ اس نے کہا کل کے لئے تب اس نے کہا تیرے ہی کہنے کے مطابق ہوگا تاکہ تو جانے کہ خداوند ہمارے خدا کی مانند کوئی نہیں اور مینڈک تجھ سے اور تیرے گھروں اور تیرے نوکروں سے اور تیری رعیت سے دور ہو کر دریا ہی میں رہا کریں گے۔ پھر موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس سے نکل کر چلے گئے اور موسیٰ نے خداوند سے مینڈکوں کے بارے میں جو اس نے فرعون پر بھیجے تھے فریاد کی اور خداوند نے موسیٰ کی درخواست کے موافق کیا اور سب گھروں اور صحنوں اور کھیتوں کے مینڈک مر گئے اور لوگوں نے ان کو جمع کر کر کے ڈھیر لگا دیئے اور زمین سے بدبو آنے لگی۔ پر جب فرعون نے دیکھا کہ چھٹکارا مل گیا تو

Marfat.com

اس نے اپنا دل سخت کرلیا اور جیسا خداوند نے کہہ دیا تھا ان کی نہ سنی۔

تیسری آفت: جوئیں

And the Lord said unto Moses, Say unto Aaron, Stretch out they rod, and smite the dust of the land, that it may become lice throughout all the land of Egypt.

And they did so; for Aaron stretched out his hand with his rod, and smote the dust of the earth, and it became lice in man, and in beast; all the dust of the land became lice throughout all the land of Egypt. And the magicians did so with their enchantments to bring forth lice but they could not: so there were lice upon man, and upon beast.

Then the magicians said unto Pharaoh, this is the finger of God: and Pharaoh's heart was hardened, and he hearkened not unto them; as the Lord had said. (309)

تب خداوند نے موسیٰؑ سے کہا ہارون سے کہہ اپنی لاٹھی بڑھا کر زمین کی گرد کو مار تاکہ وہ تمام ملک مصر میں جوئیں بن جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ہارون نے اپنی لاٹھی لے کر اپنا ہاتھ بڑھایا اور زمین کی گرد کو مارا اور انسان اور حیوان پر جوئیں ہوگئیں اور تمام ملک مصر میں زمین کی ساری گرد جوئیں بن گئیں اور جادوگروں نے کوشش کی کہ اپنے جادو سے جوئیں پیدا کرسکیں پر نہ کرسکے اور انسان اور حیوان دونوں پر جوئیں چڑھی رہیں تب جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ یہ خدا کا کام ہے پر فرعون کا دل سخت ہوگیا اور جیسا خداوند نے کہہ دیا تھا اس نے ان کی نہ سنی۔

چوتھی آفت: مچھر

And the Lord said unto Moses, Rise up early in the

Marfat.com

morning, and stand before Pharaoh; lo, he cometh forth to the water; and say unto him, Thus saith the Lord, Let my people go, that they may serve me.

Else, if thou wilt not let my people go, behold, I will send swarms of flies upon thee, and upon thy servants, and upon thy people, and into thy houses; and the hoses of the Egyptians shall be full of swarms of flies, and also the ground whereon they are.

And I will sever in that day the land of Goshen, in which my people dwell, that no swarms of flies shall be there; to the end thou mayest know that I am the Lord in the midst of the earth.

And I will put a division between my people and the people: tomorrow shall this sign be.

And the Lord did so; and there came a grievous swarm of flies into the house of Pharaoh, and into his servants houses, and into all the land of Egypt; the land was corrupted by reason of the swarm of flies.

And Pharaoh called for Moses and for Aaron, and said, Go ye, sacrifice to your God in the land.

And Moses said, It is not meet so to do; for we shall sacrifice the abomination f the Egyptians to the Lord our God: lo, shall se sacrifice the abomination of the Egyptians before their eyes, and will they not stone us?

We will go three days' journey into the wilderness, and sacrifice to the Lord our God, as he shall command us.

And Pharaoh said, I will let you go that ye may sacrifice to the Lord God in the wilderness; only ye shall not go very far away: intreat for me.

Marfat.com

And Moses said, Behold, I go out from thee, and I will intreat the Lord that the swarms of flies may depart from Pharaoh, from his servants, and from his people, tomorrow: but let not Pharaoh deal deceitfully any more in not letting the people go to sacrifice to the Lord.

And Moses went out from Pharaoh, and intreated the Lord.

And the Lord did according to the word of Moses; and he removed the swarms of flies from Pharaoh, from his servants, and from his people; there remained not one.

And Pharaoh hardened his heart at this time also, neither would he let the people go. (310).

تب خداوند نے موسیٰ سے کہا صبح سویرے اٹھ کر فرعون کے آگے جا کھڑا ہونا وہ دریا پر آئے گا سو تو اس سے کہنا خداوند یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے کہ وہ میری عبادت کریں۔ ورنہ اگر تو ان کو جانے نہ دے گا تو دیکھ میں تجھ پر اور تیرے نوکروں اور تیری رعیت پر اور تیرے گھروں میں مچھروں کے غول کے غول بھیجوں گا اور مصریوں کے گھر اور تمام زمین جہاں جہاں وہ ہیں مچھروں کے غولوں سے بھر جائے گی۔ اور میں اس دن جشن کے علاقہ کو جس میں میرے لوگ رہتے ہیں جدا کروں گا اور اس میں مچھروں کے غول نہ ہوں گے تاکہ تو جان لے کہ دنیا میں خداوند میں ہی ہوں۔ اور میں اپنے لوگوں اور تیرے لوگوں میں فرق کروں گا اور کل تک یہ نشان ظہور میں آئے گا۔ چنانچہ خداوند نے ایسا ہی کیا اور فرعون کے گھر اور اس کے نوکروں کے گھروں اور سارے ملک مصر میں مچھروں کے غول کے غول بھر گئے اور ان مچھروں کے غولوں کے سبب سے ملک کا ناس ہو گیا۔ تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو بلوا کر کہا تم جاؤ اور اپنے خدا کے لئے اسی ملک میں قربانی کرو۔ موسیٰ نے کہا

Marfat.com

ایسا کرنا مناسب نہیں کیونکہ ہم خداوند اپنے خدا کے لئے اس چیز کی قربانی کریں گے جس سے مصری نفرت رکھتے ہیں سو اگر ہم مصریوں کی آنکھوں کے آگے اس چیز کو قربان کریں جس سے وہ نفرت رکھتے ہیں تو کیا وہ ہم کو سنگسار نہ کر ڈالیں گے پس ہم تین دن کی راہ بیابان میں جاکر خداوند اپنے خدا کے لئے جیسا وہ ہم کو حکم دے گا قربانی کریں گے۔

فرعون نے کہا میں تم کو جانے دوں گا تاکہ تم خداوند کے لئے بیابان میں قربانی کرو لیکن تم بہت دور مت جانا اور میرے لئے شفاعت کرنا۔ موسیٰ نے کہا دیکھ میں تیرے پاس سے جاکر خداوند سے شفاعت کروں گا کہ مچھروں کے غول فرعون اور اس کے نوکروں اور اس کی رعیت کے پاس سے کل ہی دور ہوجائیں فقط اتنا ہو کہ فرعون آگے کو دغا کرکے لوگوں کو خداوند کے لئے قربانی کرنے کو جانے دینے سے انکار نہ کردے۔ اور موسیٰ نے فرعون کے پاس سے جاکر خداوند سے شفاعت کی۔ خداوند نے موسیٰ کی درخواست کے موافق کیا اور اس نے مچھروں کے غولوں کو فرعون اور اس کے نوکروں اور اس کی رعیت کے پاس سے دور کردیا یہاں تک کہ ایک بھی باقی نہ رہا پر فرعون نے اس بار بھی اپنا دل سخت کرلیا اور ان لوگوں کو جانے نہ دیا۔

پانچویں آفت: مری

Then the Lord said unto Moses, Go in unto the Pharaoh, and tell him thus saith the Lord God of the Hebrews, let my people go, that they may serve me.

For if thou refuse to let them go, and wilt hold them still.

Behold, the hand of the Lord is upon thy cattle which is in the field upon the horses upon the asses, upon the camels, upon the oxen, and upon the sheep: there shall be a very

Marfat.com

grievous murrain,

And the Lord shall sever between the cattle of Israel and the cattle of Egypt: and there shall nothing die of all that is the children's of Israel.

And the Lord appointed a set time, saying, Tomorrow the Lord shall do this thing in the land. And the Lord did that thing on the morrow, and all the cattle of Egypt died: but of the cattle of the children of Israel died not one.

And Pharaoh sent, and, behold, there was not one of the cattle of the Israelites dead. And the heart of Pharaoh was hardened, and he did not let the people go. (311)

تب خداوند نے موسیٰ سے کہا فرعون کے پاس جاکر اس سے کہہ کہ خداوند عبرانیوں کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ میری عبادت کریں کیونکہ اگر تو انکار کرے اور ان کو جانے نہ دے اور اب بھی ان کو روکے رکھے تو دیکھ خداوند کا ہاتھ تیرے چوپایوں پر جو کھیتوں میں ہیں یعنی گھوڑوں، گدھوں، اونٹوں، گائے بیلوں اور بھیڑ بکریوں پر ایسا پڑے گا کہ ان میں بڑی بھاری مری پھیل جائے گی اور خداوند اسرائیل کے چوپایوں کو مصریوں کے چوپایوں سے جدا کرے گا اور جو بنی اسرائیل کے ہیں ان میں سے ایک بھی نہیں مرے گا۔ خداوند نے ایک وقت مقرر کردیا اور بتادیا کہ کل خداوند اس ملک میں یہی کام کرے گا اور خداوند نے دوسرے دن ایسا ہی کیا اور مصریوں کے سب چوپائے مر گئے لیکن بنی اسرائیل کے چوپایوں میں سے ایک بھی نہ مرا چنانچہ فرعون نے آدمی بھیجے تو معلوم ہوا کہ اسرائیلیوں کے چوپایوں میں سے ایک بھی نہیں مرا ہے لیکن فرعون کا دل متعصب تھا اور اس نے لوگوں کو جانے نہ دیا۔

Marfat.com

چھٹی آفت: پھوڑے

And the Lord said unto Moses and unto Aaron, Take to you handfuls of ashes of the furnace, and let Moses sprinkle it toward the heaven in the sight of Pharaoh. And it shall become small dust in all the land of Egypt, and shall be a boil breaking forth with blains upon man, and upon beast, throughout all the land of Egypt.

Ad they took ashes of the furnace, and stood before Pharaoh; and Moses sprinkled it up toward heaven; and it became a boil breaking forth with blains upon man, and upon beast.

And the magicians could not stand before Moses because of the boils; for the boil was upon the magicians, and upon all the Egyptians.

And the Lord hardened the heart of Pharaoh, and he hearkened not unto them; as the Lord had spoken unto Moses. (312)

اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ تم دونوں بھٹی کی راکھ اپنی مٹھیوں میں لے لو اور موسیٰ اسے فرعون کے سامنے آسمان کی طرف اڑادے اور وہ سارے ملک مصر میں باریک گرد ہوکر مصر کے آدمیوں اور جانوروں کے جسم پر پھوڑے اور پھپھولے بن جائے گی۔ سو وہ بھٹی کی راکھ لے کر فرعون کے آگے جاکھڑے ہوئے اور موسیٰ نے اسے آسمان کی طرف اڑا دیا اور وہ آدمیوں اور جانوروں کے جسم پر پھوڑے اور پھپھولے بن گئی اور جادوگر پھوڑوں کے سبب سے موسیٰ کے آگے کھڑے نہ رہ سکے کیونکہ جادوگروں اور سب مصریوں کے پھوڑے نکل ہوئے تھے اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کردیا اور اس نے جیسا

Marfat.com

خداوند نے موسیٰ سے کہہ دیا تھا ان کی نہ سنی۔

ساتویں آفت: اولے

And the Lord said unto Moses, Rise up early in the morning, and stand before Pharaoh, and say unto him, Thus saith the Lord God of the Hebrews, Let my people go, that they may serve, me.

For I will all this time send all my plagues upon thine heart, and upon thy servants, and upon thy people; that thou mayest know that there is none like me in all the earth.

For now I will stretch out my hand, that I may smite thee and thy people with pestilence; and thou shalt be out of from the earth.

And in very deed for this cause have I raised thee up, for to shew in thee my power; and that my name may be declared throughout all the earth.

As yet exaltest thou thyself against my people, that thou will not let them go?

Behold, tomorrow about this time I will cause it to rain a very grievous hail, such as hath not been in Egypt since the foundation thereof even until now.

Send therefore now, and gather thy cattle, and all that thou hast in the filed; for upon every man and beast which shall be found in the field, and shall not be brought home, the hail shall come down upon them, and they shall die.

He that feared the word of the Lord among the servants of Pharaoh made his servants and his cattle flee into the houses:

Marfat.com

And he that regarded not the word of the Lord left his servants and his cattle in the field.

And the Lord said unto Moses, Stretch forth thine hand toward heaven, that there may be hail in all the land of Egypt, upon man, and upon beast, and upon every herb of the field, throughout the land of Egypt. And Moses stretched forth his rod toward heaven; and the Lord sent thunder and hail, and the fire ran along upon the ground; and the Lord rained hail upon the land of Egypt.

So there was hail and fire mingled with the hail, very grievous, such as here was none like it in all the land of Egypt since it became a nation.

And the hail smote throughout all the land of Egypt all that was in the field, both man and beast; and the hail smote every herb of the field, and brake every tree of the field.

Only in the land of Goshen, where the children of Israel were, was there no hail.

And Pharaoh sent, and called for Moses and Aaron, and said unto them, I have sinned this time: the Lord is righteous, and I and my people are wicked.

In treat the Lord (for it is enough) that there be no more mighty thunderings and hail; and I will let you go, and ye shall stay no longer.

And Moses said unto him, As soon as I am gone our of the city, I will spread abroad my hands unto the Lord; and the thunder shall cease, neither shall there be any more hail; that thou mayest know how that the earth is the Lord's.

But as for thee and thy servants, I know that ye will not yet fear the Lord God.

And the flax and the barley was smitten: for the barley was in the ear, and the flax was bolled,. But the wheat and the rie were not smitten: for they were not grown up.

And Moses went out of the city from Pharaoh, and spread abroad his hands unto the Lord: and the thunders and hail ceased, and the rain was not poured upon the earth.

And when Pharaoh saw that the rain and the hail and the thunders were ceased, he sinned yet more, and hardened his heart, he and his servants.

And the heart of Pharaoh was hardened, neither would he let the children of Israel go; as the Lord had spoken by Moses. (313)

پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا صبح سویرے اٹھ کر فرعون کے آگے جا کھڑا ہو اور اسے کہہ کہ خداوند عبرانیوں کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ میری عبادت کریں کیونکہ میں اب کی بار اپنی سب بلائیں تیرے دل اور تیرے نوکروں اور تیری رعیت پر نازل کروں گا تاکہ تو جان لے کہ تمام دنیا میں میری مانند کوئی نہیں ہے اور میں نے تو ابھی ہاتھ بڑھا کر تجھے اور تیری رعیت کو وبا سے مارا ہوتا اور تو زمین پر سے ہلاک ہوجاتا۔ پر میں نے تجھے فی الحقیقت اس لئے قائم رکھا ہے کہ اپنی قوت تجھے دکھاؤں تاکہ میرا نام ساری دنیا میں مشہور ہوجائے۔ کیا تو اب بھی میرے لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرتا ہے کہ ان کو جانے نہیں دیتا؟ اور دیکھ میں کل اسی وقت ایسے بڑے بڑے اولے برساؤں گا جو مصر میں جب سے اس کی بنیاد پڑی ہے آج تک نہیں پڑے۔ پس آدمی بھیج کر اپنے چوپایوں کو اور جو کچھ تیرا مال کھیتوں میں ہے اس کو اندر کرلے

Marfat.com

کیونکہ جتنے آدمی اور جانور میدان میں ہوں گے اور گھر میں پہنچائے نہیں جائیں گے ان پر اولے پڑیں گے اور وہ ہلاک ہوجائیں گے سو فرعون کے خادموں میں جو جو خداوند کے کلام سے ڈرتا تھا وہ اپنے نوکروں اور چوپایوں کو گھر میں بھگا لے آیا۔ اور جنہوں نے خداوند کے کلام کا لحاظ نہ کیا انہوں نے اپنے نوکروں اور چوپایوں کو میدان میں رہنے دیا۔

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بڑھا تاکہ سب ملک مصر میں انسان اور حیوان اور کھیت کی سبزی پر جو ملک مصر میں ہے اولے گریں اور موسیٰ نے اپنی لاٹھی آسمان کی طرف اٹھائی اور خداوند نے رعد اور اولے بھیجے اور آگ زمین تک آنے لگی اور خداوند نے ملک مصر پر اولے برسائے۔

پس اولے گرے اور اولوں کے ساتھ آگ ملی ہوئی تھی اور وہ اولے ایسے بھاری تھے کہ جب سے مصری قوم آباد ہوئی تھی ایسے اولے ملک میں کبھی نہیں پڑے تھے اور اولوں نے سارے ملک مصر میں ان کو جو میدان میں تھے کیا انسان کیا حیوان سب کو مارا اور کھیتوں کی ساری سبزی کو بھی اولے مار گئے اور میدان کے سب درختوں کو توڑ ڈالا مگر جشن کے علاقہ میں جہاں بنی اسرائیل رہتے تھے اولے نہیں گرے تب فرعون نے موسیٰؑ اور ہارون کو بلوا کر ان سے کہا کہ میں نے اس دفعہ گناہ کیا۔ خداوند صادق ہے اور میں اور میری قوم ہم دونوں بدکار ہیں۔ خداوند سے شفاعت کرو کیونکہ یہ زور کا گرجنا اور اولوں کا برسنا بہت ہوچکا اور میں تم کو جانے دوں گا اور تم اب رکے نہیں رہو گے۔ تب موسیٰ نے اس سے کہا کہ میں شہر سے باہر نکلتے ہی خداوند کے آگے ہاتھ پھیلاؤں گا اور رعد موقوف ہوجائے گا اور اولے بھی پھر نہ پڑیں گے تاکہ تو جان لے کہ دنیا خداوند ہی کی ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ تو اور تیرے نوکر اب بھی خداوند خدا سے نہیں ڈرو گے پس سن اور جو کو تو اولے مار گئے کیونکہ جو

Marfat.com

کی بالیں نکل چکی تھیں اور سن میں پھول لگے ہوئے تھے۔ پر گیہوں اور کٹھیا گیہوں مارے نہ گئے کیونکہ وہ بڑھے نہ تھے اور موسیٰ نے فرعون کے پاس سے شہر کے باہر جاکر خداوند کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ سو رعد اور اولے موقوف ہوگئے اور زمین پر بارش تھم گئی جب فرعون نے دیکھا کہ مینہ اور اولے اور رعد موقوف ہوگئے ہیں تو اس نے اور اس کے خادموں نے اور زیادہ گناہ کیا کہ اپنا دل سخت کرلیا۔ اور فرعون کا دل سخت ہوگیا اور اس نے بنی اسرائیل کو جیسا خداوند نے موسیٰ کی معرفت کہہ دیا تھا جانے نہ دیا۔

آٹھویں آفت: ٹڈیاں

And the Lord said unto Moses, Go in unto Pharaoh: for I have hardened his heart, and the heart of his servants, that I might shew these my signs before him:

And that thou mayest tell in the ears of thy son, and of thy son's son, what things I have wrought in Egypt, and my signs which I have done among them; that ye may know how that I am the Lord.

And Moses and Aaron came in unto Pharaoh, and said unto him, Thus saith the Lord God of the Hebrews, How long wilt thou refuse to humble thyself before me? let my people go, that they may serve me.

Else, if thou refuse to let my people go, behold, tomorrow will I bring the locusts into thy coast:

And they shall cover the face of the earth, that one cannot be able to see the earth: and they shall eat the residue of that which is escaped, which remaineth unto you from the hail, and shall eat every tree which groweth for you out of

Marfat.com

the field:

And they shall fill thy houses, and the houses of all thy servants, and the houses of all the Egyptians: which neither thy fathers, nor thy fathers' fathers have seen, since the day that they were upon the earth unto this day. And he turned himself, and went out from Pharaoh.

And Pharaoh's servants said unto him, How long shall this man be a snare unto us? let the men go, that they may serve the Lord their God: knowest thou not yet that Egypt is destroyed?

And Moses and Aaron were brought again unto Pharaoh: and he said unto them, Go, serve the Lord Your God: but who are they that shall go?

And Moses said, We will go with our young and with our old, with our sons and with our daughters, with our flocks and with our herds will we go: for we must hold a feast unto the Lord.

And he said unto them, Let the Lord be so with you, as I will let you go, and your little ones: look to it; for evils is before you.

Not so: go now ye that are men and serve the Lord: for that ye did desire. And they were driven out from Pharaoh's presence.

And the Lord said unto Moses, Stretch out thine hand over the land of Egypt for the locusts, that they may come up upon the land of Egypt, and eat every herb of the land, even all that the hail hath left.

And Moses stretched forth his rod over the land of Egypt, and the Lord brought an east wind upon the land all that

Marfat.com

day, and all that night; and when it was morning, the east wind brought the locusts.

And the locusts went up over all the land of Egypt, and rested in all the coasts of Egypt, very grievous were they; before them there were no such locusts as they, neither after them shall be such.

For they covered the face of the whole earth, so that the land was darkened; and they did eat every herb of the land, and all the fruit of the trees which the hail had left: and there remained not any green thing in the trees or in the herbs of the field, through all the land of Egypt.

Then Pharaoh called for Moses and Aaron in hate; and he said, I have sinned against the Lord your God, and against you.

Now therefore forgive, I pray thee, my sin only this once, and intreat the Lord your God, that he may take away from me this death only.

And he went out from Pharaoh, and intreated the Lord.

And the Lord turned a mighty strong west wind, which took away the locusts, and cast them into the Red sea: there remained not one locust in all the coasts of Egypt.

But the Lord hardened Pharaoh's heart, so that he would not let the children of Israel go. (314)

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ فرعون کے پاس جا کیونکہ میں نے ہی اس کے دل اور اس کے نوکروں کے دل کو سخت کردیا ہے تاکہ میں اپنے یہ نشان ان کے بیچ دکھاؤں اور تو اپنے بیٹے اور اپنے پوتے کو میرے نشان اور وہ کام جو میں نے مصر میں ان کے درمیان کئے سنائے اور تم

Marfat.com

جان لو کہ خداوند میں ہی ہوں اور موسیٰ اور ہارون نے فرعون کے پاس جاکر اس سے کہا خدا عبرانیوں کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تو کب تک میرے سامنے نیچا بننے سے انکار کرے گا؟ میرے لوگوں کو جانے دے کہ وہ میری عبادت کریں۔ ورنہ اگر تو میرے لوگوں کو جانے نہ دے گا تو دیکھ کل میں تیرے ملک میں ٹڈیاں لے آؤں گا اور وہ زمین کی سطح کو ایسا ڈھانک لیں گی کہ کوئی زمین کو دیکھ بھی نہ سکے گا اور تمہارا جو کچھ اولوں سے بچ رہا ہے وہ اسے کھا جائیں گی اور تمہارے جتنے درخت میدان میں لگے ہیں ان کو بھی چٹ کرجائیں گی اور وہ تیرے اور تیرے نوکروں بلکہ سب مصریوں کے گھروں میں بھر جائیں گی اور ایسا تیرے آبا و اجداد نے جب سے وہ پیدا ہوئے اس وقت سے آج تک نہ دیکھا ہوگا اور وہ لوٹ کر فرعون کے پاس سے چلا گیا۔ تب فرعون کے نوکر فرعون سے کہنے لگے کہ یہ شخص کب تک ہمارا لئے پھندا بنا رہے گا۔ ان لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ خداوند اپنے خدا کی عبادت کریں۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ مصر برباد ہوگیا۔

تب موسیٰ اور ہارون فرعون کے پاس بلائے گئے اور اس نے ان کو کہا کہ جاؤ اور خداوند اپنے خدا کی عبادت کرو پر وہ کون کون ہیں جو جائیں گے؟ موسیٰ نے کہا کہ ہم اپنے جوانوں اور بڈھوں اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں اور اپنی بھیڑ بکریوں اور گائے بیلوں سمیت جائیں گے کیونکہ ہم کو اپنے خدا کی عید کرنی ہے۔ تب اس نے ان کو کہا کہ خداوند ہی تمہارے ساتھ رہے۔ میں تو ضرور ہی تم کو بچو سمیت جانے دوں گا۔ خبردار ہوجاؤ اس میں تمہاری خرابی ہے۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہونے پائے گا سو تم مرد ہی مرد جاکر خداوند کی عبادت کرو کیونکہ تم یہی چاہتے تھے اور وہ فرعون کے پاس سے نکال دیئے گئے۔

تب خداوند نے موسیٰ سے کہا ملک مصر پر اپنا ہاتھ بڑھا تاکہ ٹڈیاں ملک مصر پر آئیں اور ہر قسم کی سبزی کو جو اس ملک میں اولوں سے بچ

Marfat.com

رہی ہے چٹ کر جائیں۔ پس موسیٰ نے ملک مصر پر اپنی لاٹھی بڑھائی اور خداوند نے اس سارے دن اور ساری رات پروا آندھی چلائی اور صبح ہوتے ہوتے پروا آندھی ٹڈیاں لے آئی اور ٹڈیاں سارے ملک مصر پر چھاگئیں اور وہیں مصر کی حدود میں بسیرا کیا اور ان کا دل ایسا بھاری تھا کہ نہ تو ان سے پہلے ایسی ٹڈیاں کبھی آئیں نہ ان کے بعد پھر آئیں گی۔ کیونکہ انہوں نے تمام روئے زمین کو ڈھانک لیا ایسا کہ ملک میں اندھیرا ہوگیا اور انہوں نے اس ملک کی ایک ایک سبزی کو اور درختوں کے میووں کو جو اولوں سے بچ گئے تھے چٹ کرلیا اور ملک مصر میں نہ تو کسی درخت کی نہ کھیت کی کسی سبزی کی ہریالی باقی رہی۔ تب فرعون نے جلد موسیٰ اور ہارون کو بلا کر کہا کہ میں خداوند تمہارے خدا کا اور تمہارا گنہگار ہوں۔ سو فقط اس بار میرا گناہ بخشو اور خداوند اپنے خدا سے شفاعت کرو کہ وہ صرف اس موت کو مجھ سے دور کردے۔ سو اس نے فرعون کے پاس سے نکل کر خداوند سے شفاعت کی۔ اور خداوند نے پچھوا آندھی بھیجی جو ٹڈیاں اڑا کر لے گئی اور ان کو بحر قلزم میں ڈال دیا اور مصر کی حدود میں ایک ٹڈی بھی باقی نہ رہی۔ پر خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کردیا اور اس نے بنی اسرائیل کو جانے نہ دیا۔

نویں آفت: تاریکی

And the Lord said unto Moss, Stretch out thine hand toward heaven, that there may be darkness over the land of Egypt, even darkness which may be felt. And Moses stretched forth his hand toward heaven; and there was a thick darkness in all the land of Egypt three days: They saw not one another, neither rose any from his place for three days: but all the children of Israel had light in their dwellings.

And Pharaoh called unto Moses, and said, Go ye, serve, the Lord: only let your flocks and your herds be stayed: let your little ones also go with you.

And Moses said, Thou must give us also sacrifices and burnt offerings, that we may sacrifice unto the Lord our God.

Our cattle also shall go with us; there shall not an hoof be left behind; for thereof must we take to serve the Lord our God; and we know not with what we must serve the Lord, until we come thither.

But the Lord hardened Pharaoh's heart, and he would not let them go. And Pharaoh said unto him, Get thee from me, take heed to thyself. See my face no more; for in that day thou seest my face thou shalt die.

And Moses said, Thou hast spoken well, I will see thy face again no more. (315)

پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بڑھا تاکہ ملک مصر میں تاریکی چھا جائے۔ ایسی تاریکی جسے ٹٹول سکیں۔ اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بڑھایا اور تین دن تک سارے ملک مصر میں گہری تاریکی رہی۔ تین دن تک نہ تو کسی نے کسی کو دیکھا اور نہ کوئی اپنی جگہ سے ہلا پر سب بنی اسرائیل کے مکانوں میں اجالا رہا۔ تب فرعون نے موسیٰ کو بلوا کر کہا کہ تم جاؤ اور خداوند کی عبادت کرو فقط اپنی بھیڑ بکریوں اور گائے بیلوں کو یہیں چھوڑ جاؤ اور جو تمہارے بال بچے ہیں ان کو بھی ساتھ لیتے جاؤ۔ موسیٰ نے کہا تجھے ہم کو قربانیوں اور سوختنی قربانیوں کے لئے جانور دینے پڑیں گے تاکہ ہم خداوند اپنے خدا کے آگے قربانی کریں۔ سو ہمارے چوپائے بھی ہمارے ساتھ جائیں گے اور ان کا ایک کھر تک بھی پیچھے نہیں چھوڑا جائے گا کیونکہ ان ہی میں سے ہم کو خداوند اپنے

خدا کی عبادت کا سامان لینا پڑے گا اور جب تک ہم وہاں پہنچ نہ جائیں ہم نہیں جانتے کہ کیا کیا لے کر ہم کو خداوند کی عبادت کرنی ہوگی۔ لیکن خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کردیا اور اس نے ان کو جانے ہی نہ دیا۔ اور فرعون نے اسے کہا میرے ساتھ سے چلا جا اور ہوشیار رہ۔ پھر میرا منہ دیکھنے کو مت آنا کیونکہ جس دن تو نے میرا منہ دیکھا تو مارا جائے گا۔ تب موسیٰ نے کہا کہ تو نے ٹھیک کہا ہے میں پھر تیرا منہ کبھی نہ دیکھوں گا۔ (۲۸۵)

دسویں آفت کی دھمکی

And the Lord said unto Moses, Yet will I bring one plague more upon pharaoh, and upon Egypt; afterwards he will let you go hence: When he shall let you go, he shall surely thrust you out hence altogether.

Speak now in the ears of the people; and let every man borrow of his neighbor, and every woman of her neighbor, jewels of silver, and jewels of gold. And the Lord gave the people favour in the sight of the Egyptians. Moreover the man Moses was very great in the land of Egypt, in the sight of pharaoh's servants, and in the sight of the people.

And Moses said, Thus saith the Lord About midnight will I go out into the midst of Egypt:

And all the firstborn in the land of Egypt shall die, from the first born of pharaoh that sitteth upon his throne, even unto the firstborn of the maidservant that is behind the mill; and all the firstborn of beasts.

And there shall be a great cry throughout all the and of

Marfat.com

Egypt, such as there was none like it, nor shall be like it any more.

But against any of the children of Israel shall not a dog move his tongue, against man or beast: that ye my know how that the Lord doth put a difference between the Egyptians and Israel.

And all these thy servants shall come down unto me, and bow down themselves unto me, saying, Get thee out, and all the people that follow thee: and after that I will go out. And he went out from pharaoh in a great anger.

And the Lord said unto Moses, pharaoh shall not hearken unto you; that my wonders may be multiplied in the land of Egypt.

And Moses and Aaron did all these wonders before pharaoh: and the Lord hardened pharaoh's heart, so that he would not let the children of Israel go out of his land. (316)

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا میں فرعون اور مصریوں پر ایک بلا اور لاؤں گا اس کے بعد وہ تم کو یہاں سے جانے دے گا اور جب وہ تم کو جانے دے گا تو یقیناً تم سب کو یہاں سے بالکل نکال دے گا۔ سو اب تو لوگوں کے کان میں یہ بات ڈال دے کہ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے پڑوسی اور ہر عورت اپنی پڑوسن سے سونے چاندی کے زیور لے اور خداوند نے ان لوگوں پر مصریوں کو مہربان کردیا اور یہ آدمی موسیٰ بھی ملک مصر میں فرعون کے خادموں کے نزدیک اور ان لوگوں کی نگاہ میں بڑا بزرگ تھا۔

Marfat.com

پہلوٹھے تک اور سب چوپایوں کے پہلوٹھے مرجائیں گے۔ اور سارے ملک مصر میں ایسا بڑا ماتم ہوگا جیسا نہ کبھی پہلے ہوا اور نہ پھر کبھی ہوگا۔ لیکن اسرائیلیوں میں سے کسی پر خواہ انسان ہو یا خواہ حیوان ایک کتا بھی نہیں بھونکے گا تاکہ تم جان لو کہ خداوند مصریوں اور اسرائیلیوں میں کیسا فرق کرتا ہے۔ اور تیرے یہ سب نوکر میرے پاس آکر میرے آگے سرنگوں ہوں گے اور کہیں گے کہ تو بھی نکل اور تیرے سب پیرو بھی نکلیں اور اس کے بعد میں نکل جاؤں گا اور یہ کہہ کر وہ بڑے طیش میں فرعون کے پاس سے نکل کر چلا گیا۔

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ فرعون تمہاری اسی سبب سے نہیں سنے گا تاکہ عجائب ملک مصر میں بہت زیادہ ہوجائیں۔ اور موسیٰ اور ہارون نے یہ کرامات فرعون کو دکھائیں اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کردیا کہ اس نے اپنے ملک سے بنی اسرائیل کو جانے نہ دیا۔

فصح

And the Lord spake unto Moses and Aaron in the land of Egypt, saying, This month shall be unto you the beginning of months: it shall be the first month of the year to you.

Speak ye unto all the congregation of Israel, saying, In the tenth day of this month they shall take to them every man a lamb, according to the house of their fathers, a lamb for an house:

And if the household be too little for the lamb, let him and his neighbor next unto his house take it according to the number of the souls; every man according to his eating shall make your count for the lamb.

Marfat.com

Your lamb shall be without blemish, a male of the first year: Ye shall take it out from the sheep, or from the goats:

And ye shall keep it up until the fourteenth day of the same month: and the whole assembly of the congregation of Israel shall kill it in the evening.

And they shall take of the blood, and strike it on the two side posts and on the upper door post of the houses, Wherein they shall eat it.

And they shall eat the flesh in that night, roast with fire, and unleavened bread; ad with bitter herbs, they shall eat it.

Eat not of it raw, nor sodden at all with water, but roast with fire: his head with his legs, and with the purtenance thereof. And ye shall let nothing of it remain until the morning; and that which remaineth of it until the morning ye shall burn with fire.

And thus shall ye eat it; with your loins girded, your shoes on your feet, and your staff in your hand; and ye shall eat it in haste: it is the Lord's passover.

For I will pass through the land of Egypt this night, and will smite all the firstborn in the land of Egypt, both man and beast; and against all the gods of Egypt I will execute judgment: I am the Lord.

And the blood shall be to you for a token upon the houses where ye are: and when I see the blood, I will pass over you, ad the plague shall not be upon you to destroy you, when I smite the land of Egypt.

And this day shall be unto you for a memorial; and ye

Marfat.com

shall keep it a feast to the Lord throughout your generations; ye shall keep it a feast by an ordinance for ever.

Seven days shall ye eat unleavened bread; even the first day ye shall put away leaven out of your houses for whosoever eateth leavened bread from the first day until the seventh day, the soul shall be cut off from Israel.

And in the first day there shall be an holy convocation, and in the seventh day there shall be an holy convocation to you; no manner of work shall be done in them, save that which every man must eat, that only may be done of you.

And ye shall observe the feast of unleavened bread; for in this selfsame day have I brought your armies out of the land of Egypt; therefore shall ye observe this day in your generations by an ordinance for ever. In the first month, on the fourteenth day of the month at even, ye shall eat unleavened bread, until the one and twentieth day of the month at even.

Seven days shall there be no leaven found in your houses: for whosoever eateth that which is leavened even that soul shall be cut off from the congregation of Israel, Whether he be a stranger, or born in the land.

Ye shall eat nothing leavened; in all your habitations shall ye est unleavened bread.

Then Moses called for all the elders of Israel, and said unto them, draw out and take your a lamb according to your families, ad kill the passover.

And ye shall take a bunch of hyssop, and dip it in the blood that is in the bason, and strike the lintel and the two

side posts with the blood that is in the bason; and none of you shall go out at the door of his house until the morning.

For the Lord will pass through to smite the Egyptians; and when he seeth the blood upon the lintel, and on the two side posts, the Lord will pass over the door, and will not suffer the destroyer to come in unto your houses to smite you.

And ye shall observe this thing for an ordinance to thee and to thy sons for ever.

And it shall come to pass, when ye be come to the land which the Lord will give you, according as he hath promised, that ye shall keep this service.

And it shall come to pass, when your children shall say unto you, what mean ye by this service?

That ye shall say, it is the sacrifice of the Lord's passover, who passed over the houses of the children of Israel in Egypt, when he smote the Egyptians, and delivered our houses And the people bowed the head and worshiped.

And the children of Israel went away, and did as the Lord had commanded Moses and Aaron, so did they. (317)

پھر خداوند نے ملک مصر میں موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ یہ مہینہ تمہارے لئے مہینوں کا شروع اور سال کا پہلا مہینہ ہو۔ پس اسرائیلیوں کی ساری جماعت سے کہہ دو کہ اسی مہینے کے دسویں دن ہر شخص اپنے آبائی خاندان کے مطابق گھر پیچھے ایک برہ لے۔ اور اگر کسی کے گھرانے میں برہ کو کھانے کے لئے آدمی کم ہوں تو وہ اور اس کا ہمسایہ جو اس کے گھر کے برابر

Marfat.com

رہتا ہو دونوں مل کر نفری کے شمار کے موافق ایک برہ لے رکھیں تم ہر ایک آدمی کے کھانے کی مقدار کے مطابق برہ کا حساب لگانا۔ تمہارا برہ بے عیب اور یکسالہ نر ہو اور ایسا بچہ ہو یا تو بھیڑوں میں سے چن کر لینا یا بکریوں میں سے۔ اور تم اسے اس مہینے کی چودھویں تک رکھ چھوڑنا اور اسرائیلیوں کے قبیلوں کی ساری جماعت شام کو اسے ذبح کرے اور تھوڑا سا خون لے کر جن گھروں میں وہ اسے کھائیں ان کے دروازوں کے دونوں بازوؤں اور اوپر کی چوکھٹ پر لگا دیں اور وہ اس کے گوشت کو اسی رات آگ پر بھون کر بے خمیری روٹی اور کڑوے ساگ پات کے ساتھ کھالیں۔ اسے کچا یا پانی میں ابال کر ہرگز نہ کھانا بلکہ اس کو سر اور پائے اور اندرونی اعضا سمیت آگ پر بھون کر کھانا اور اس میں سے کچھ بھی صبح تک باقی نہ چھوڑنا اور اگر کچھ اس میں سے صبح تک باقی رہ جائے تو اسے آگ میں جلادینا اور تم اسے اس طرح کھانا اپنی کمر باندھے اور اپنی جوتیاں پاؤں میں پہنے اور اپنی لاٹھی ہاتھ میں لیے ہوئے تم اسے جلدی جلدی کھانا کیونکہ یہ فسح خداوند کی ہے اس لئے کہ میں اس رات ملک مصر سے ہوکر گذروں گا اور انسان اور حیوان کے سب پہلوٹھوں کو جو ملک مصر میں ہیں ماروں گا اور مصر کے سب دیوتاؤں کو بھی سزا دوں گا۔ میں خداوند ہوں اور جن گھروں میں تم ہو ان پر وہ خون تمہاری طرف سے نشان ٹھہرے گا اور میں اس خون کو دیکھ کر تم کو چھوڑتا جاؤں گا اور جب میں مصریوں کو ماروں گا تو وبا تمہارے پاس پھٹکنے کی بھی نہیں کہ تم کو ہلاک کرے۔ اور وہ دن تمہارے لئے ایک یادگار ہوگا اور تم اس کو خداوند کی عید کا دن سمجھ کر ماننا۔ تم اسے ہمیشہ کی رسم کرکے اس دن کو نسل در نسل عید کا دن ماننا۔ سات دن تک تم بے خمیری روٹی کھانا اور پہلے ہی دن سے خمیر اپنے اپنے گھر سے باہر کردینا اس لئے کہ جو کوئی پہلے دن سے ساتویں دن وہ خمیری روٹی کھائے وہ شخص اسرائیل میں سے کاٹ ڈالا جائے گا اور پہلے دن تمہارا مقدس مجمع ہو اور ساتویں دن بھی

Marfat.com

مقدس مجمع ہو۔ ان دونوں دنوں میں کوئی کام نہ کیا جائے سو اس کھانے کے جسے ہر ایک آدمی کھائے فقط یہی کیا جائے اور تم بے خمیری روٹی کی یہ عید منانا کیونکہ میں اسی دن تمہارے جتھوں کو ملک مصر سے نکال لوں گا۔ اس لئے تم اس دن کو ہمیشہ کی رسم کرکے نسل در نسل ماننا۔ پہلے مہینے کی چودھویں تاریخ کی شام سے اکیسویں تاریخ کی شام تک تم بے خمیری روٹی کھانا۔ سات دن تک تمہارے گھروں میں کچھ بھی خمیر نہ ہو کیونکہ جو کوئی کسی خمیری چیز کو کھائے وہ خواہ مسافر ہو یا خواہ اس کی پیدائش اسی ملک کی ہو اسرائیل کی جماعت سے کاٹ ڈالا جائے گا۔ تم کوئی خمیری چیز نہ کھانا بلکہ اپنی سب بستیوں میں بے خمیری روٹی کھانا۔

تب موسیٰ نے اسرائیل کے سب بزرگوں کو بلوا کر ان کو کہا کہ اپنے اپنے خاندان کے مطابق ایک ایک برہ نکال رکھو اور یہ فسح کا برہ ذبح کرنا اور تم زوفے کا ایک گچھا لے کر اس خون میں جو باسن میں ہوگا ڈبونا اور اس باسن کے خون میں سے کچھ اوپر کی چوکھٹ اور دروازہ کے دونوں بازوؤں پر لگادینا اور تم میں سے کوئی صبح تک اپنے گھر کے دروازہ سے باہر نہ جائے کیونکہ خداوند مصریوں کو مارتا ہوا گذرے گا اور جب خداوند اوپر کی چوکھٹ اور دروازہ کے دونوں بازوؤں پر خون دیکھے گا تو وہ اس دروازہ کو چھوڑ جائے گا اور ہلاک کرنے والے کو تم کو مارنے کے لئے گھر کے اندر آنے نہ دے گا اور تم اس بات کو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے ہمیشہ کی رسم کرکے ماننا اور جب تم اس ملک میں جو خداوند تم کو اپنے وعدہ کے موافق دے گا داخل ہوجاؤ تو اس عبادت کو برابر جاری رکھنا۔ اور جب تمہاری اولاد تم سے پوچھے کہ اس عبادت سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ تو تم یہ کہنا کہ یہ خداوند کی فسح کی قربانی ہے جو مصر میں مصریوں کو مارتے وقت بنی اسرائیل کے گھروں کو چھوڑ گیا اور یوں ہمارے گھروں کو بچالیا۔ تب لوگوں نے سر جھکا کر سجدہ کیا اور بنی اسرائیل نے جاکر جیسا خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو فرمایا تھا ویسا ہی کیا۔

Marfat.com

دسویں آفت: پہلوٹوں کا قتل

And it came to pass, that at midnight the Lord smote all the firstborn in the land of Egypt, from the firstborn of Pharaoh that sat on his throne unto the firstborn of the captive that was in the dungeon; and all the firstborn of cattle.

And Pharaoh rose up in the night, he, and all his servants, and all the Egyptians; and there was a great cry in Egypt; for thee was not a house where there was not one dead.

And he called for Moses and Aaron by night, and said, Rise up, and get your forth from among my people, both ye and the children of Israel; and go, serve the Lord, as ye have said.

Also take your flocks and your herds, as ye have said, and be gone, and bless me also.

And the Egyptians were urgent upon the people, that they might send them out of the land in haste; for they said, We be all dead men.

And the people took their dough before it was leavened, their kneading-troughs being bound up in their clothes upon their shoulders.

And the children of Israel did according to the word of Moses; and they borrowed of the Egyptians jewels of silver, and jewels of gold, and raiment:

And the Lord gave the people favour in the sight of the Egyptians, so that they lent unto them such things as they required. And they spoiled the Egyptians. (318)

Marfat.com

اور آدھی رات کو خدوند نے ملک مصر کے سب پہلوٹھوں کو فرعون جو اپنے تخت پر بیٹھا تھا اس کے پہلوٹھے سے لے کروہ قیدی جو قید خانہ میں تھا اس کے پہلوٹھے تک بلکہ چوپایوں کے پہلوٹھوں کو بھی ہلاک کردیا اور فرعون اوراس کے سب نوکر اور سب مصری رات ہی کو اٹھ بیٹھے اور مصر میں بڑا کہرام مچا کیونکہ ایک بھی ایسا گھر نہ تھا جس میں کوئی نہ مرا ہو تب اس نے رات ہی رات میں موسیٰ اور ہارون کو بلوا کر کہا کہ تم بنی اسرائیل کو لے کر میری قوم کے لوگوں میں سے نکل جاؤ اور جیسا کہتے ہو جاکر خداوند کی عبادت کرو اور اپنے کہنے کے مطابق اپنی بھیڑ بکریاں اور گائے بیل بھی لیتے جاؤ اور میرے لئے بھی دعا کرنا اور مصری ان لوگوں سے بجد ہونے لگے تاکہ ان کو ملک مصر سے جلد باہر چلتا کریں کیونکہ وہ سمجھے کہ ہم سب مرجائیں گے۔ سو ان لوگوں نے اپنے گندھے گندھائے آٹے کو بغیر خمیر دیئے لگنوں سمیت کپڑوں میں باندھ کر اپنے کندھوں پر دھرلیا۔ اور بنی اسرائیل نے موسیٰ کے کہنے کے موافق یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کپڑے مانگ لئے اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ جو کچھ انہوں نے مانگا انہوں نے دے دیا۔ سو انہوں نے مصریوں کو لوٹ لیا۔

بنی اسرائیل کی روانگی

And the children of Israel journeyed from Rameses to Succoth, about six hundred thousand on foot that were men, beside children.

And a mixed multitude went up also with them; and flocks, and herds, even very much cattle.

And they baked unleavened cakes of the dough which they brought forth out of Egypt, for it was not leavened; because they were thrust out of Egypt, and could not

Marfat.com

tarry, neither had they prepared for themselves any victual.

Now the sojourning of the children of Israel, who dwelt in Egypt, was four hundred and thirty years.

And it came to pass at the end of the four hundred and thirty years, even the selfsame day it came to pass, that all the hosts of the Lord went out from the land of Egypt.

It is a night to be much observed unto the Lord for bringing them out from the land of Egypt; this is that night of the Lord to be observed of all the children of Israel in their generations. And the Lord said unto Moses and Aaron, This is the ordinance of the passover: There shall no stranger eat thereof:

But every man's servant that is bought for money, when thou hast circumcised him, then shall he eat thereof.

A foreigner and an hired servant shall not eat thereof. In one house shall it be eaten; thou shalt not carry forth ought of the flesh abroad out of the house; neither shall ye break a bone thereof.

All the congregation of Israel shall keep it. And when a stranger shall sojourn with thee, and will keep the passover to the Lord, let all his males be circumcised, and then let him come near and keep it; and he shall be as one that is born in the land: for no uncircumcised person shall eat thereof.

One law shall be to him that is homeborn, and unto the stranger that sojourneth among you.

Thus did all the children of Israel; as the Lord

commanded Moses and Aaron, so did they.

And it came to pass the selfsame day, that the Lord did bring the children of Israel out of the land of Egypt by their armies. (319)

اور بنی اسرائیل نے رعمسیس سے سکات تک پیدل سفر کیا اور بال بچوں کو چھوڑ کر وہ کوئی چھ لاکھ مرد تھے اور ان کے ساتھ ایک ملی جلی گروہ بھی گئی اور بھیڑ بکریاں اور گائے بیل اور بہت چوپائے ان کے ساتھ تھے اور انہوں نے اس گندھے ہوئے آٹے کی جسے وہ مصر سے لائے تھے بے خمیری روٹیاں پکائیں کیونہ وہ اس میں خمیر دینے نہ پائے تھے اس لئے کہ وہ مصر سے ایسے جبراً نکال دیئے گئے کہ وہاں ٹھہر نہ سکے اور نہ کچھ کھانا اپنے لئے تیار کرنے پائے۔ اور بنی اسرائیل کو مصر میں بود و باش کرتے ہوئے چار سو تیس برس ہوئے تھے۔

اور ان چار سو تیس برسوں کے گذر جانے پر ٹھیک اسی روز خداوند کا سارا لشکر ملک مصر سے نکل گیا۔ یہ وہ رات ہے جسے خداوند کی خاطر ماننا بہت مناسب ہے کیونکہ اس میں وہ ان کو ملک مصر سے نکال لایا۔ خداوند کی یہ وہی رات ہے جسے لازم ہے کہ سب بنی اسرائیل نسل در نسل خوب مانیں۔

پھر خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ فسح کی رسم یہ ہے کہ کوئی بیگار اسے کھانے نہ پائے لیکن اگر کوئی شخص کسی کا زر خرید غلام ہو تو نے اس کا ختنہ کردیا ہو تو وہ اسے کھائے پر اجنبی اور مزدور اسے کھانے نہ پائے اور اسے ایک ہی گھر میں کھائیں یعنی اس کا ذرا بھی گوشت تو گھر سے باہر نہ لے جانا اور نہ تم اس کی کوئی ہڈی توڑنا۔ اسرائیل کی ساری جماعت اس پر عمل کرے اور اگر کوئی اجنبی تیرے ساتھ مقام ہو اور خداوند کی فسح ماننا چاہتا ہو تو اس کے ہاں کے سب مرد اپنا ختنہ کرائیں تب وہ پاس آکر فسح کرے۔

Marfat.com

یوں وہ ایسا سمجھا جائے گا گویا اسی ملک کی اس کی پیدائش ہے پر کوئی نامختون آدمی اسے کھانے نہ پائے۔ وطنی اور اس اجنبی کے لئے جو تمہارے بیچ مقیم ہو ایک ہی شریعت ہوگی پس سب بنی اسرائیل نے جیسا خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو فرمایا ویسا ہی کیا۔ اور ٹھیک اسی روز خداوند بنی اسرائیل کے سب جتھوں کو ملک مصر سے نکال لے لیا۔

شرح فطر

And the lord spake unto Moses, saying,

Sanctify unto me all the firstborn, whatsoever openeth the womb among the children of Israel, both of man and of beast: it is mine. And Moses said unto the people, Remember this day in which ye came out from Egypt, out of the house of bondage; for by strength of hand the Lord brought you out from this place: there shall no leavened bred be eaten. This day came ye out in the month Abib.

And it shall be when the Lord shall bring thee into the land of the Canaanites, and the Hittites, and the Amorites, and the Hivites, and the Jebusites, which he sware unto thy fathers to give thee, a land flowing with milk and honey, that thou shalt keep this service in this month. Seven days thou shalt eat unleavened bread, and in the seventh day shall be a feast to the Lord. Unleavened bread shall be eaten seven days; and there shall no leavened bread be seen with thee, neither shall there be leaven seen with thee in all thy quarters.

And thou shalt shew thy son in that day, saying This is done because of that which the lord did unto me when I came forth out of Egypt.

Marfat.com

And it shall be for a sign unto thee upon thine hand, and for a memorial between thine eyes, that the Lord's law may be in thy mouth: for with a strong hand hath the Lord brought thee out of Egypt.

Thou shalt therefore keep this ordinance in his season from year to year. (320)

اور خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ سب پہلوٹھوں کو یعنی جو بنی اسرائیل میں خواہ انسان ہو خواہ حیوان پہلوٹھی کے بچے ہوں ان کو میرے لئے مقدس ٹھہرا کیونکہ وہ میرے ہیں۔

اور موسیٰ نے لوگوں سے کہا کہ تم اس دن کو یاد رکھنا جس میں تم مصر سے جو غلامی کا گھر ہے نکلے کیونکہ خداوند اپنے زور بازو سے تم کو وہاں سے نکال لایا۔ اس میں خمیری روٹی کھائی نہ جائے۔ تم ابیب کے مہینے میں آج کے دن نکلے ہو۔ سو جب خداوند تجھ کو کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور حویوں اور یبوسیوں کے ملک میں پہنچادے جسے تجھ کو دینے کی قسم اس نے تیرے باپ دادا سے کھائی تھی اور جس میں دودھ اور شہد بہتا ہے تو تو اسی مہینے میں یہ عبادت کیا کرنا۔ سات دن تک تو تو بے خمیری روٹی کھانا اور ساتویں دن خداوند کی عید منانا۔ بے خمیری روٹی ساتویں دن کھائی جائے اور خمیری روٹی تیرے پاس دکھائی بھی نہ دے ورنہ تیرے ملک کی حدود میں کہیں کچھ خمیر نظر آئے۔ اور تو اس روز اپنے بیٹے کو یہ بتانا کہ اس دن کو میں اس کام کے سبب سے مانتا ہوں جو خداوند نے میرے لئے اس وقت کیا جب میں مصر سے نکلا اور یہی تیرے پاس گویا تیرے ہاتھ میں ایک نشان اور تیری دونوں آنکھوں کے سامنے ایک یادگار ٹھہرے تاکہ خداوند کی شریعت تیری زبان پر ہو کیونکہ خداوند نے تجھ کو اپنے زور بازو سے ملک مصر سے نکالا۔ پس تو اس رسم کو اسی وقت معین میں سال بسال مانا کرنا۔

Marfat.com

پہلوٹھوں کی شرع

And it shall be when the Lord shall bring thee into the land of the Canaanites, as he sware unto thee and to thy fathers, and shall give it thee, That thou shalt set apart unto the Lord all that openeth the matrix, and every firstling that cometh of a beast which thou hast; the males shall be the Lord's.

And every firstling of an ass thou shalt redeem with a lamb; and if thou wilt not redeem it, then thou shalt break his neck: and all the firstborn of man among thy children shalt thou redeem.

And it shall be when they son asketh thee in time to come, saying, What is this? that thou shalt say unto him, By strength of hand the Lord brought us out from Egypt, from the house of bondage:

And it came to pass, when Pharaoh would hardly let us go, that the Lord slew all the firstborn in the land of Egypt, both the firstborn of man, and the firstborn of beast: therefore I sacrifice to the Lord all that openeth the matri, being males; but all the first born of my children I redeem.

And it shall be for a token upon thine hand, and for frontlets between thine eyes: for by strength of hand the Lord brought us forth out of Egypt.

And it came to pass, when Pharaoh had let the people go, that God led them not through the way of the land of the Philistines, although that was near; for God said, Lest peradventure the people repent when they see war, and

they return to Egypt.

But God led the people about through the way of the wilderness of the Red sea: and the children of Israel went up harnessed out of the land of Egypt.

And Moses took the bones of Joseph with him: for he had straitly sworn the children of Israel, saying, God will surely visit you; and ye shall carry up my bones away hence with you.

And they took their journey from succoth, and ancamped n Etham, in the edge of the wilderness. And the Lord vent before them by day in a pillar of a cloud, to lead hem the way; and by night in a pillar of fire, to give them light; to go by day ad night; He took not away the pillar of the cloud by day, nor the pillar of fire by night, from before the people. (321)

اور جب خداوند نے اس قسم کے مطابق جو اس نے تجھ سے اور تیرے باپ دادا سے کھائی تجھ کو کنعانیوں کے ملک میں پہنچا کر وہ ملک تجھ کو دے دے۔ تو تو پہلوٹھی کے بچوں کو اور جانوروں کے پہلوٹھوں کو خداوند کے لئے الگ کر دینا۔ سب نر بچے خداوند کے ہوں گے اور گدھے کے پہلے بچے کے فدیہ میں برہ دینا ہو اور اگر تو اس کا فدیہ نہ دے تو اس کی گردن توڑ ڈالنا اور تیرے بیٹوں میں جتنے پہلوٹھے ہوں ان سب کا فدیہ تجھ کو دینا ہوگا۔ اور جب آئندہ زمانہ میں تیرا بیٹا تجھ سے سوال کرے کہ یہ کیا ہے؟ تو تو اسے یہ جواب دینا کہ خداوند ہم کو مصر سے جو غلامی کا گھر ہے بزور بازو نکال لایا اور جب فرعون نے ہم کو جانے دینا نہ چاہا تو خداوند نے ملک مصر میں انسان اور حیوان دونوں کے پہلوٹھے مار دیئے اس لئے میں جانوروں کے سب نر بچوں کو جو اپنی ماں کے رحم کو کھولتے ہیں خداوند کے آگے قربانی

کرتا ہوں لیکن اپنے بیٹوں کے سب پہلوٹھوں کا فدیہ دیتا ہوں۔ اور یہ تیرے ہاتھ پر ایک نشان اور تیری پیشانی پر ٹیکوں کی مانند ہوں کیونکہ خداوند اپنے زور بازو سے ہم کو مصر سے نکال لایا۔

اور جب فرعون نے ان لوگوں کو جانے کی اجازت دے دی تو خدا ان کو فلستیوں کے ملک کے راستہ سے نہیں لے گیا اگرچہ ادھر سے نزدیک پڑتا کیونکہ خدا نے کہا ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ لڑائی بھڑائی دیکھ کر پچھتانے لگیں اور مصر کو لوٹ جائیں۔ (۲۹۰)

بلکہ خدا ان کو چکر کھلا کر بحر قلزم کے بیابان کے راستے سے لے گیا اور بنی اسرائیل ملک مصر سے مسلح نکلے تھے اور موسیٰ یوسفؑ کی ہڈیوں کو ساتھ لیتا گیا کیونکہ اس نے بنی اسرائیل سے یہ کہہ کر کہ خدا ضرور تمہاری خبر لے گا اس بات کی سخت قسم لی تھی کہ تم یہاں سے میری ہڈیاں اپنے ساتھ لیتے جانا اور انہوں نے سکات سے کوچ کرکے بیابان کے کنارے ایتام میں ڈیرا کیا۔ اور خداوند ان کو دن کو راستہ دکھانے کے لئے بادل کے ستون میں اور رات کو روشنی دینے کے لئے آگ کے ستون میں ہوکر ان کے آگے آگے چلا کرتا تھا تاکہ وہ دن اور رات دونوں میں چل سکیں۔ وہ بادل کا ستون دن کو اور آگ کا ستون رات کو ان لوگوں کے آگے سے ہٹتا نہ تھا۔

بحر قلزم کا عبور

And the Lord spake unto Moses, saying,

Speak unto the children of Israel, that they turn and encamp before pihahiroth, between Migdol and the Sea, over against Ball-zephon: before it shall ye encamp by the sea.

For Pharaoh will say of the children of Israel, They are entangled in the land. the wilderness hath shut them in.

And I will harden Pharaoh;s heart that he shall follow after them; and I will be honored upon Pharaoh, and upon all his host; that the Egyptians may know that I am the Lord. And they did so.

And it was told the king of Egypt that the people fled: and the heart of Pharaoh and of his servants was turned against the people, and they said, Why have we done this, that we have let Israel go from serving us? And he made ready his chariot, and took his people with him:

And he took six hundred chosen chariots, and all the chariots of Egypt, and captains over every one of them.

And the Lord hardened the heart of Pharaoh king of Egypt, and he pursued after the children of Israel: and the children of Israel went out with an high hand. But the Egyptians pursued after them, all the horse and chariots of Pharaoh, and his horsemen, and his army, and overtook them encamping by the sea, beside Pi-hahiroth, before Baal-zephon.

And when Pharaoh drew nigh, the children of Israel lifted up to their eyes, and behold, the Egyptians marched after them; and they were sore afraid: and the children of Israel cried out unto the Lord.

And they said unto Moses, Because there were no graves in Egypt, hast thou taken us away to die in the wilderness? wherefore hast thou dealt thus with us, to carry us forth out of Egypt?

Is not this the word that we did tell thee in Egypt, saying, Let us alone, that we may serve the Egyptians? For it had been better for us to serve the Egyptians, than that we

should die in the wilderness.

And Moses said unto the people, Fear ye not, stand still, and see the salvation of the Lord, which he will shew to you to day: for the Egyptians whom ye have seen to day, ye shall see them again no more for ever. The Lord shall fight for you, and ye shall hold your peace.

And the Lord said unto Moses, Wherefore criest thou unto me? speak unto the children of Israel, that they go forward:

But lift thou up thy rod and stretch out thine hand over the sea, and divide it: and the children of Israel shall go on dry ground through the midst of the sea. And I behold, I will harden the hearts of the Egyptians, and they shall follow them: and I will get me honor upon Pharaoh, and upon all his host upon his chariots, and upon his horsemen.

And the Egyptians shall know that I am the Lord, when I have gotten me honor upon Pharaoh, upon his chariots, and upon his horsemen.

And the angel of God, which went before the camp of Israel, removed and went behind them; and the pillar of the cloud went from before their face, and stood behind them:

And it came between the camp of the Egyptians and the camp of Israel; and it was a cloud and darkness to them, but it gave light by night to these; so that the one came not near the other all the night.

And Moses stretched out his hand over the sea; and the Lord caused the sea to go back by a strong east wind all

Marfat.com

that night, and made the sea dry land, and the waters were divided.

And the children of Israel went into the midst of the sea upon the dry ground: and the waters were a wall unto them on their right hand, and on their left. And the Egyptians pursued and went in after them to the midst of the sea, even all Pharaoh's horses his chariots, and his horsemen.

And it came to pass, that in the morning watch the Lord looked unto the host of the Egyptians through the pillar of fire and of the cloud and troubled the host of the Egyptians.

And took off their chariot wheels, that they drave them heavily: so that the Egyptians said, Let us flee from the face of Israel; for the Lord fighteth for them against the Egyptians.

And the Lord said unto Moses, Stretch out thine hand over the sea that the waters may come again upon the Egyptians, upon their chariots, and upon their horsemen.

And Moses stretched forth his hand over the sea, and the sea returned to his strength when the morning appeared; and the Egyptians fled against it; and the Lord overthrew the Egyptians in the midst of the sea. And the waters returned. and covered the chariots, and the horsemen, and all the host of Pharaoh that came into the sea after them; their remained not so much as one of them.

But the children of Israel walked upon dry land in the midst of the sea; and the waters were a wall unto them on their right hand, and on their left. Thus the Lord saved

Marfat.com

Israel that day out of the hand of the Egyptians; and Israel saw the Egyptians dead upon the sea shore. And Israel saw that great work which the Lord did upon the Egyptians; and the people feared the Lord, and believed the Lord, and his servant Moses.

اور خداوند نے موسیٰ سے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو حکم دے کہ وہ لوٹ کر مجدال اور سمندر کے بیچ میں فی ہیخروت کے مقابل بعل صفون کے آگے ڈیرے لگائیں۔ اسی کے آگے سمندر کے کنارے کنارے ڈیرے لگانا۔ فرعون بنی اسرائیل کے حق میں کہے گا کہ وہ زمین کی الجھنوں میں آکر بیابان میں گھر گئے ہیں اور میں فرعون کے دل کو سخت کروں گا اور وہ ان کا پیچھا کرے گا اور میں فرعون اور اس کے سارے لشکر پر ممتاز ہوں گا اور مصری جان لیں گے کہ خداوند میں ہوں اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب مصر کے بادشاہ کو خبر ملی کہ وہ لوگ چل دیئے تو فرعون اور اس کے خادموں کا دل ان لوگوں کی طرف سے پھر گیا اور وہ کہنے لگے کہ ہم نے یہ کیا کیا کہ اسرائیلیوں کو اپنی خدمت سے چھٹی دے کر ان کو جانے دیا۔ تب اس نے اپنا رتھ تیار کروایا اور اپنی قوم کے لوگوں کو ساتھ لیا اور اس نے چھ سو چنے ہوئے رتھ بلکہ مصر کے سب رتھ لئے اور ان سبھوں میں سرداروں کو بٹھایا۔ اور خداوند نے مصر کے بادشاہ فرعون کے دل کو سخت کردیا اور اس نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا کیونکہ بنی اسرائیل بڑے فخر سے نکلے تھے اور مصری فوج نے فرعون کے سب گھوڑوں اور رتھوں اور سواروں سمیت ان کا پیچھا کیا اور ان کو جب وہ سمندر کے کنارے فی ہیخروت کے پاس بعل صفون کے سامنے ڈیرا لگا رہے تھے جالیا۔ اور جب فرعون نزدیک آگیا تب بنی اسرائیل نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ مصری انکا پیچھا کئے چلے آتے ہیں اور وہ نہایت خوف زدہ ہوگئے تب بنی اسرائیل نے خداوند سے فریاد کی اور موسیٰ سے کہنے لگے کہ کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو وہاں سے مرنے

Marfat.com

کے لئے بیابان میں لے آیا ہے؟ تو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لایا؟ کیا ہم تجھ سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں؟ کیونکہ ہمارے لئے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا۔ تب موسیٰ نے لوگوں سے کہا ڈرو مت۔ چپ چاپ کھڑے ہوکر خداوند کی نجات کے کام کو دیکھو جو وہ آج تمہارے لئے کرے گا کیونکہ جن مصریوں کو تم آج دیکھتے ہو ان کو پھر کبھی ابد تک نہ دیکھو گے۔ خدوند تمہاری طرف سے جنگ کرے گا اور تم خاموش رہو گے۔

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ تو کیوں مجھ سے فریاد کر رہا ہے۔ بنی اسرائیل سے کہہ کہ وہ آگے بڑھیں اور تو اپنی لاٹھی اٹھا کر اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھا اور اسے دو حصے کر اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل جائیں گے اور دیکھ میں مصریوں کے دل سخت کردوں گا اور وہ ان کا پیچھا کریں گے اور میں فرعون اور اس کی سپاہ اور اس کے ساتھ رتھوں اور سواروں پر ممتاز ہوں گا اور جب میں فرعون اور اس کے رتھوں اور سواروں پر ممتاز ہوں گا اور جب میں فرعون اور اس کے رتھوں اور سواروں پر ممتاز ہوجاؤں گا تو مصری جان لیں گے کہ میں ہی خداوند ہو۔ اور خدا کا فرشتہ جو اسرائیلی لشکر کے آگے آگے چلا کرتا تھا جاکر ان کے پیچھے ہوگیا اور بادل کا وہ ستون ان کے سامنے سے ہٹ کر ان کے پیچھے جا ٹھہرا۔ یوں وہ مصریوں کے لشکر اور اسرائیلی لشکر کے بیچ میں ہوگیا۔ سو وہاں بادل بھی تھا اور اندھیرا بھی تو بھی رات کو اس سے روشنی رہی۔

پس وہ رات بھر ایک دوسرے کے پاس نہیں آئے۔ پھر موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور خداوند نے رات بھر تند پوربی آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اسے خشک زمین بنادیا اور پانی دو حصے ہوگیا۔ اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور ان کے داہنے اور بائیں ہاتھ پانی دیوار کی طرح تھا اور مصریوں نے تعاقب کیا اور

Marfat.com

فرعون کے سب گھوڑے اور رتھ اور سوار ان کے پیچھے پیچھے سمندر کے بیچ میں چلے گئے۔ اور رات کے پچھلے پہر خداوند نے آگ اور بادل کے ستون میں سے مصریوں کے لشکر پر نظر کی اور ان کے لشکر کو گھبرا دیا اور اس نے ان کے رتھوں کے پہیوں کو نکال ڈالا۔ سو ان کا چلانا مشکل ہوگیا تب مصری کہنے لگے آؤ ہم اسرائیلیوں کے سامنے سے بھاگیں کیونکہ خداوند ان کی طرف سے مصریوں کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔

اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھا تاکہ پانی مصریوں اور ان کے رتھوں اور سواوں پر پھر بہنے لگے اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور صبح ہوتے ہوتے سمندر پھر اپنی اصلی قوت پر آگیا اور مصری الٹے بھاگنے لگے خداوند نے سمندر کے بیچ ہی میں مصریوں کو تہہ و بالا کردیا اور پانی پلٹ کر آیا اور اس نے رتھوں اور سواروں اور فرعون کے سارے لشکر کو جو اسرائیلیوں کا پیچھا کرتا ہوا سمندر میں گیا تھا غرق کردیا اور ایک بھی ان میں سے باقی نہ چھوٹا۔ پر بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور پانی ان کے داہنے اور بائیں ہاتھ دیوار کی طرح رہا سو خداوند نے اس دن اسرائیلیوں کو مصریوں کے ہاتھ سے اس طرح بچایا اور اسرائیلیوں نے مصریوں کو سمندر کے کنارے مرے ہوئے پڑے دیکھا اور اسرائیلیوں نے وہ بڑی قدرت جو خداوند نے مصریوں پر ظاہر کی دیکھی اور وہ لوگ خداوند سے ڈرے اور خداوند پر اور اس کے بندہ موسیٰ پر ایمان لائے۔

خروج کا پندرھواں باب موسیٰؑ کے نغمہ نصرت پر مشتمل ہے۔ جس میں اللہ کی تعریف اور فرعون اور اس کے سرداروں کی ہلاکت اور غرقابی کی منظر کشی بھی ہے اور اس طرح اظہار مسرت بھی۔ بائبل کے اس طویل اقتباس کو پڑھتے وقت ان تنقیدی اشارات پر ایک مرتبہ پھر نظر ڈال لیں جو سید مودودی کے حوالے سے ہم نے لکھے ہیں تاکہ قرآن پاک کے صاف

Marfat.com

ستھرے اسلوب کی حیثیت مزید واضح ہو جائے۔

موسیٰؑ کی دعوتی ذمہ داریوں کا ایک دور یہاں ختم ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ جدوجہد کا ایک عظیم دور تھا انہیں تاریخ کے سب سے بڑے مجرم کا سامنا تھا جس کی مادی قوت اور جاہ و حشمت کی کوئی مثال نہ تھی لیکن اس فقیر کشور گیر نے تائید ایزدی سے اس کے کبر و غرور کو خاک میں ملادیا اور عزم و ہمت اور صبر و استقامت کی شاندار مثال قائم کی۔ کار دعوت کا یہ دور اپنے اختصاص کے باعث ہمیشہ خصوصی مطالعے کا موضوع رہے گا۔ قلزم کو عبور کرنے کے بعد سے نیا دور شروع ہوتا ہے جو اس مطالعے کا دوسرا حصہ ہے لیکن اسے شروع کرنے سے پہلے اس حصہ کے دو ایک اہم موضوعات پر گفتگو ضروری ہے اور یہ ہیں معجزہ و سحر کا فرق اور ھامان کی شخصیت۔ علمی و دعوتی نقطہ نظر سے ان کے بارے میں مختصر گفتگو ضروری ہے۔

Marfat.com

معجزہ و سحر کا فرق

موسیٰؑ کے واقعہ میں بار بار آیا ہے کہ وہ جادوگر ہیں۔ فرعون اور اس کے درباریوں نے نہ صرف انہیں جادوگر کہا بلکہ ان کے مقابلے کے لئے جادوگروں کو اکٹھا کیا۔ گو یہ جادوگر مسلمان ہوگئے لیکن پھر فرعونی موسیٰؑ کو ساحر ہی کہتے رہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ معجزہ اور سحر کے فرق کو اختصار کے ساتھ بیان کردیا جائے۔

سحر

سحر کے لغوی معنی امر خفی کے ہیں۔ چنانچہ صبح کے اول وقت کو سحر اس لئے کہتے ہیں کہ ابھی دن کی روشنی پوری طرح نمودار نہیں ہوئی اور قدرے تاریکی ہے۔ چونکہ اس کے مفہوم میں حقیقت اور ظاہر میں فرق شامل ہے اس لئے یہ فریب اور فریفتہ کرنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے علمی طور پر اس سے مراد ایسے عجیب و غریب امور کا اظہار ہے جن کے ظاہر ہونے کے اسباب مخفی ہوں اور بادی النظر میں محسوس نہ ہوتے ہوں۔ امام رازی کے الفاظ میں:

اعلم ان لفظ السحر فی عرف الشرع مختص بکل امر یخفی سببه و یتخیل علی غیر حقیقته[1]

واضح رہے کہ لفظ "سحر" شریعت کی اصطلاح میں ایسے امر کے لئے مخصوص ہے جس کا سبب پوشیدہ ہو اور وہ اصل حقیقت کے خلاف خیال میں آنے لگے

سحر کی حقیقت

سحر کی حقیقت کے بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔ جمہور اہل سنت کی یہ

رائے ہے کہ سحر واقعی ایک حقیقت ہے اور مضرت رساں اثرات رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اس طرح مضرت رساں اثرات رکھے ہیں جس طرح زہر یا دوسری نقصان رساں اشیاء میں ہیں لیکن قدرت الٰہی سے بے نیاز ہو کر اس کے موثر بالذات ہونے کا عقیدہ کفر ہے۔ امام بوحنیفہ ' ابوبکر جصاص' ابواسحاق اسفرائینی' ابن حزم ظاہری اور معتزلہ کا نقطہ نظریہ ہے کہ سحر بے حقیقت شے ہے یہ محض فریب خیال اور شعبدہ نظر بازی ہے چنانچہ ابوبکر رازی لکھتے ہیں:

ومتی اطلق فھو اسم لکل امر مموہ باطل لا حقیقة له ولا ثبات[۲]

اور جب لفظ سحر کو کسی قید کے بغیر استعمال کیا جائے تو وہ ایک ایسے امر کا نام ہے جو محض دھوکا اور باطل ہو کہ جس کی اس سے زیادہ نہ کوئی حقیقت ہو اور نہ اس کو ثبات حاصل ہو۔

ابن کثیرؒ نے امام رازی کے حوالے سے سحر کے متعلق بعض تفصیلات ذکر کی ہیں۔ وہ اس کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد ذکر الوزیر ابوالمظفر یحیی بن محمد بن ھبیرہ فی کتابه الاشراف فی مذہب الاشراف بابا فی السحر فقال اجمعوا علی ان السحر له حقیقة الا ابا حنیفة فانه قال لا حقیقة له عنده. . . . قال ابو عبید اللہ القرطبی و عندنا ان السحر حق وله حقیقة و یخلق اللہ عنده مایشاء خلافا للمعتزلة وابی اسحاق الاسفرائینی من الشافعیة حیث قالوا انه تسویه او تخیل[۳]

وزیر ابوالمظفر یحییٰ بن محمد بن ھبیرہ نے اپنی کتاب "الاشراف فی مذہب الاشراف" میں ایک باب سحر کے متعلق بھی لکھا ہے اس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سحر کی بھی حقائق کی طرح ایک حقیقت ہے مگر امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں...... ابوعبداللہ قرطبی کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سحر حقیقت ہے اور ایک واقعی شئے ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے۔ مگر

Marfat.com

معتزلہ اور شوافع میں سے ابواسحاق اسفرائنی اس سے اختلاف کرتے ہیں۔
ان کا کہنا یہ ہے کہ سحر محض فریب نظر اور خیال بندی کا نام ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس اختلاف رائے کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

واختلف فی السحر فقیل هو تخیل فقط ولا حقیقة له وهذا اختیار ابی جعفر الاستر ابادی من الشافعیة وابی بکر الرازی من الحنفیة و ابن حزم الظاهری و طائفة۔ قال النووی والصحیح ان له حقیقة و به قطع الجمهور وعلیه عامة العلماء[۴]

اور سحر کے متعلق اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ فقط تخیل کا نام ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور یہ ابو جعفر استر ابادی شافعی' ابوبکر رازی حنفی اور ابن حزم ظاہری اور ایک چھوٹی جماعت کا خیال ہے۔ امام نووی کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ سحر حقائق میں سے ایک حقیقت ثابتہ ہے اور جمہور اسی پر یقین رکھتے ہیں اور عام علماء کا یہی مسلک ہے۔

علماء نے ایک اور پہلو سے بھی بحث کی ہے اور وہ ہے اشیاء کی ماہیت تبدیل ہونا۔ کیا سحر سے اشیاء کی ماہیت تبدیل ہوتی ہے یا نہیں؟ اگرچہ ایک مختصر سے گروہ اس تبدیلی ماہیت کا قائل ہے لیکن جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ اس میں یہ تاثیر قطعاً نہیں ہے کہ وہ ماہیت کا انقلاب برپا کردے۔ اس مرحلہ پر صرف نظر بندی اور شعبدہ بازی ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لکن محل النزاع هل یقع بالسحر انقلاب عین اولا فمن قال انه تخییل فقط منع ذلک ومن قال ان له حقیقة اختلفوا هل له تاثیر فقط بحیث یغیر المزاج فیکون نوعا من الامراض اوینتهی الی حالة بحیث یصیرا الجماد حیوانا مثلا و عکسه فالذی علیه الجمهور هو الاول و ذهبت طائفة قلیلة الی الثانی[۵]

لیکن محل نزاع یہ امر ہے کہ سحر سے ذات کا انقلاب ہوجاتا ہے یا نہیں پس جس شخص نے یہ کہا ہے کہ محض تخیل کا نام ہے وہ تو انقلاب سے

Marfat.com

منکر ہیں اور جو سحر کو حقیقت مانتے ہیں ان کے ہاں بھی اختلاف ہے کہ آیا سحر کی تاثیر اسی حد تک ہے کہ مزاج میں اس قسم کے تغیرات پیدا کردے جس طرح امراض میں ہوا کرتا ہے اور وہ بھی ایک مرض شمار ہو یا اس کی تاثیر اس سے زیادہ ہے کہ ایک شئی کی حقیقت کو بدل ڈالے مثلاً جماد کو حیوان بنادے یا اس کا عکس کردے۔ جمہور پہلی بات کے قائل ہیں جبکہ ایک چھوٹی سی جماعت دوسری بات کی۔

جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ کائنات کی مختلف اشیاء میں تاثیر اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے اس طرح اسباب کے تحت نفع و نقصان پہنچانا قوانین الٰہی کے مطابق شیاطین انس و جن اسباب کے تحت متصرف ہوتے ہیں' اشیاء کی طرح الفاظ و کلام میں بھی تاثیر ہوسکتی ہے۔ سید مودودی جادو کی تاثیر کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"جادو دراصل ایک نفسیاتی اثر ہے جو نفس سے گذر کر جسم کو بھی اسی طرح متاثر کرسکتا ہے جس طرح جسمانی اثرات جسم سے گذر کر نفس کو متاثر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر خوف ایک نفسیاتی چیز ہے مگر اس کا اثر جسم پر یہ ہوتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور بدن میں تھرتھری چھوٹ جاتی ہے۔ دراصل جادو سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی مگر انسان کا نفس اور اس کے حواس اس سے متاثر ہوکر یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ حقیقت تبدیل ہوگئی ہے۔ حضرت موسیٰ کی طرف جادوگروں نے جو لاٹھیاں اور رسیاں پھینکی تھیں وہ واقعی سانپ نہیں بن گئی تھیں' لیکن ہزاروں کے مجمع کی آنکھوں پر ایسا جادو ہوا کہ سب نے انہیں سانپ ہی محسوس کیا اور حضرت موسیٰ تک کے حواس اس جادو کی تاثیر سے محفوظ نہ رہ سکے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بلاشبہ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ بندوق کی گولی اور ہوائی جہاز سے گرنے والے بم کی طرح جادو کا موثر ہونا بھی اللہ کے اذن کے بغیر ممکن نہیں مگر جو چیز ہزارہا سال سے انسان کے تجربے اور مشاہدے میں آرہی ہے اس کے وجود کو جھٹلا دینا محض ایک ہٹ دھرمی ہے۔[٦]

قرآن مجید نے ساحران فرعون کے حوالے سے کہا کہ انہوں نے ہزاروں آدمیوں

کے اس مجمع کی نگاہوں پر جادو کردیا جو وہاں مقابلہ دیکھنے کے لئے آئے تھے۔

اعراف میں ہے:

سحروا اعین الناس واسترھبو ھم وجاء وابسحر عظیم (۷)

انہوں نے نگاہوں کو مسحور اور دلوں کو خوف زدہ کردیا اور بڑا ہی زبردست جادو بنا لائے

سورۂ طہٰ میں ہے کہ جو لاٹھیاں اور رسیاں انہوں نے پھینکی تھیں ان کے متعلق عام لوگوں ہی نے نہیں حضرت موسیٰ نے بھی یہی سمجھا کہ وہ ان کی طرف سانپوں کی طرح دوڑی چلی آرہی ہیں۔ اور اس سے حضرت موسیٰؑ خوف زدہ ہوگئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی کہ خوف نہ کرو تم ہی غالب رہو گے ذرا اپنا عصا پھینکو' آیات کے الفاظ درج ذیل ہیں:

فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیہ من سحر ھم انھا تسعی فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ قلنا لا تخف انک لانت الاعلی والق مافی یمینک تلقف ماصنعوا انما صنعوا کید ساحر (۸)

یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰؑ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور موسیٰؑ اپنے دل میں ڈر گیا۔ ہم نے کہا' مت ڈرو تو ہی غالب رہے گا پھینک جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے' ابھی ان کی ساری بناوٹی چیزوں کو نگلے جاتا ہے یہ جو کچھ بنا لائے ہیں یہ تو جادوگر کا فریب ہے۔

سحر کی شرعی حیثیت

سحر میں چونکہ مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اس لئے اس کے بارے میں شرعی فیصلہ کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ مثلاً جن اعمال سحر میں شیاطین اور غیر اللہ سے استعانت کی جائے اور ان کو متصرف مان کر منتروں کے ذریعے ان کی تسخیر اور ان سے امداد حاصل کی جائے تو یہ شرک کے مترادف ہے تو اس کا عامل کافر ہے اور جن اعمال

Marfat.com

میں ان کے علاوہ دوسرے طریقے استعمال کیے جائیں اور ان سے دوسروں کو نقصان پہنچایا جائے تو ان کا مرتکب حرام اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔(۹)

قرآن مجید میں عمل سحر کو کفر سے تعبیر کیا ہے:

وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحر(۱۰)

اور سلیمانؑ نے کبھی کفر نہیں کیا کفر کے مرتکب تو وہ شیاطین تھے جو لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیتے تھے۔

اسی طرح حضور اکرمؐ نے جن کبائر کا ذکر کیا ہے ان میں سحر بھی شامل ہے:

عن ابی هریرة ان رسول الله قال: اجتنبوا السبع الموبقات قالوا: یا رسول الله، وما هن قال: الشرک بالله والسحر و قتل النفس التی حرم الله الا بالحق واکل الربا واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات المومنات الغافلات(۱۱)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: سات مہلک چیزوں سے بچو۔ لوگوں نے کہا وہ کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، جادو کا عمل کرنا، محترم جان کو قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ میں پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور بھولی بھالی پاک دامن عورتوں پر الزام لگانا۔

حافظ ابن حجرؒ حدیث سحر پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال النووی: عمل السحر حرام وهو من الکبائر بالاجماع وقد عده النبی من السبع الموبقات ومنه ما یکون کفرا ومنه ما لا یکون کفرا بل معصیة کبیرة۔ فان کان فیه قول او فعل یقتضی الکفر فهو کفر والا فلا واما تعلیمه وتعلمه فحرام(۱۱)

امام نووی کہتے ہیں کہ عمل سحر حرام ہے اور وہ بالاجماع کبائر میں سے ہے اور نبی کریمؐ نے اس کو سات مہلک چیزوں میں سے شمار کیا ہے سحر کی

بعض صورتیں کفر ہیں اور بعض کفر تو نہیں ہیں مگر سخت معصیت ہیں پس اگر سحر کا کوئی منتر یا کوئی عمل کفر کا مقتضی ہے تو وہ کفر ہے ورنہ نہیں۔ بہرحال سحر کا سیکھنا اور سکھانا قطعاً حرام ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات

انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر جو معجزات ظاہر ہوتے تھے انہیں ان کے مخالفین سحر کہتے تھے۔ بلکہ ان کی تمام غیر معمولی صلاحیتوں اور قوتوں کو سحر سے تعبیر کرتے تھے حضور اکرمؐ کو بھی جادوگر ہونے کا الزام دیا گیا اور موسیٰؑ کو تو واضح طور پر جادوگر کہا گیا۔ موسیٰؑ کی تائید میں جب فرعونیوں پر پے در پے اللہ کے عذاب نازل ہو رہے تھے تو جب بھی تازہ عذاب آتا تو فرعونی موسیٰؑ سے کہتے اے جادوگر اس عذاب کو ہم سے ٹلوادے ہم ایمان لائیں گے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

وقالوا یا ایها السحر ادع لنا ربک بما عهد عندک اننا لمهتدون[۱۲]

ہر عذاب کے موقع پر وہ کہتے، اے ساحر اپنے رب کی طرف سے جو منصب تجھے حاصل ہے اس کی بنا پر ہمارے لئے دعا کر ہم ضرور راہ راست پر آجائیں گے۔

اس آیت میں ساحر کے خطاب سے پکارنے کو سید مودودی نے تحقیر ہی پر محمول کیا ہے کہ فرعونیوں کا غرور انہیں عذاب کی صورت میں بھی ہدایت سے دور رکھے ہوئے تھا اور حقیقت جانتے ہوئے بھی وہ اسے جادو پر محمول کرتے تھے۔[۱۳] لیکن مولانا اصلاحی اسے تحقیر پر مبنی نہیں سمجھتے وہ لکھتے ہیں: حضرت موسیٰؑ کو یا یہ السحر سے مخاطب کرنا کسی تحقیر یا سوء ادب پر مبنی نہیں ہے۔ مصر میں اس وقت ساحروں کو سوسائٹی میں وہی مقام حاصل تھا جو کسی سوسائٹی میں علماء اور صوفیوں کو حاصل ہوتا ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ اے ساحر! ہمارے لئے دعا کیجئے تعظیم کا خطاب ہے۔[۱۴]

ممکن ہے مصری سوسائٹی میں ساحروں کو بڑا مقام حاصل ہو لیکن موسیٰؑ کے ساتھ

Marfat.com

مکالمات میں فرعون نے کبھی عزت و احترام کا رویہ اختیار نہیں کیا اسی طرح سے معجزات کو جادوگری قرار دینا ان کی غیر معمولی نوعیت کم کرنے کے مترادف ہوتا تھا۔ چونکہ معجزہ اور سحر میں غیر معمولی مظاہر ہوتے ہیں اس لئے ان میں مماثلت تلاش کرنا مشکل نہیں ہے لیکن معجزہ اپنی حقیقت اور اپنے نتائج کے لحاظ سے جادوگری سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے متوازن طبیعتوں کے لئے اس فرق کا سمجھنا مشکل نہیں ہوتا۔ ہمارے متکلمین نے نبوت کی بحث میں معجزات کی حیثیت و نوعیت پر مفصل گفتگوئیں کی ہیں اور نبوت کے ساتھ اس کے تعلق کو واضح کیا ہے۔ امام ابن تیمیہ کی کتاب النبوات ان بحثوں کا اہم ماخذ ہے۔

معجزہ کی حقیقت

معجزہ ایک ایسے واقعہ کا ظہور ہے جو عام حالات میں انسانی دسترس سے باہر ہے اور اس کی توجیہ و تعلیل کے لئے عقل انسانی اپنے آپ کو عاجز پاتی ہے اس کا ظہور ایسے شخص کے ذریعہ ہوتا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے خالق کائنات سے خصوصی ارتباط حاصل ہے۔ یہ شخص نبی و رسول ہوتا ہے اور اپنے رب کی طرف سے خاص پیغام کا حامل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی شخصیت کا اخلاقی معیار اور اس کا پیغام اس کی صداقت پر واضح دلیل ہوتے ہیں تاہم اس پیغام کی حقانیت اور تعلق باللہ کی صداقت ثابت کرنے کے لئے کسی غیر معمولی واقعہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس واقعہ کا تعلق تجربہ و مشاہدہ سے ہوتا ہے اس لئے معجزہ ایک تجربی و مشاہداتی دلیل ہوتا ہے منطقی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے سامنے معجزات پیش کئے گئے انہوں نے ان کے وقوع پذیر ہونے سے انکار نہیں کیا یا اس کے واقعہ ہونے کی منطقی بحثیں نہیں کیں بلکہ اس کا انکار اس بنیاد پر کیا کہ یہ جادو ہے اور حقیقی تغیر نہیں ہے ہمارے متکلمین نے جو بحثیں کی ہیں ان کا تعلق معجزہ کے امکان و عدم امکان، معجزانہ واقعیت کا قابل اذعان ہونا اور معجزہ کی غرض و غایت وغیرہ ہے۔

مسلمان فلسفیوں میں سے فارابی، ابن سینا اور ابن رشد نے معجزہ کے مختلف

Marfat.com

پہلوؤں پر بحثیں کی ہیں جبکہ دوسرے متکلمین نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ بالخصوص غزالی اور رازی کے ہاں دقیق بحثیں موجود ہیں۔ ہمارے پیش نظر چونکہ ان بحثوں کا احاطہ کرنا نہیں ہے اس لئے ہم اپنے آپ کو یہیں تک محدود رکھیں گے۔ تفصیل کا طالب ان مصنفین کا مطالعہ کرسکتا ہے۔

معجزہ اور سحر کا فرق

قرآن کے مطابق ابراہیمؑ پر آگ سرد ہوگئی۔ موسیٰؑ کا عصا اژدھا بن گیا۔ عیسیٰؑ بے باپ پیدا ہوئے اور آنحضورؐ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک رات کے کچھ حصے میں سیر کر آئے۔ ان تمام واقعات کی توجیہ سے عقل عاجز ہے۔ ان میں ایک طرح کا غیب نظر آتا ہے اور جس شخص کے تعلق سے ان کا ظہور ہوا ہے عالم غیب کے ساتھ اس کے روابط کی نشانی اور تائید غیبی ہے اس قسم کے واقعات کو قرآن نے آیات' بینات' براہین اور اکثر اوقات آیات بینات کہا ہے چونکہ انسانی عقل اس کی توجیہ سے عاجز ہے اس لئے متکلمین اسلام کی زبان میں اسے معجزہ کہا گیا۔

لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی اپنی محنت و ریاضت اور توجہ و انہماک سے ایسی صلاحیت حاصل کرلیتا ہے کہ اس سے بعض غیر معمولی واقعات کا صدور ہوتا ہے۔ سحر' طلسم' نیرنگ' شعبدہ' مسمریزم اور ہپناٹزم سے ایسے کرشمے دکھائے جاسکتے ہیں جو بظاہر ناممکن نظر آتے ہیں لہٰذا یہ فرق کیسے کیا جائے گا کہ ایک واقعہ معجزہ ہو اور دوسرا جادو کا کرشمہ۔ اس موضوع پر بھی ہمارے متکلمین نے طویل بحثیں کی ہیں چونکہ موسیٰؑ کے قصہ میں تو فرعونیوں کا کھلا الزام موجود ہے کہ موسیٰ ایک جادوگر ہے اس لئے مفسرین نے بھی اس مسئلے پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان ساری بحثوں کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

ا۔ علامہ ابن حزم کے مطابق معجزہ میں تبدیلی حقیقی ہوتی ہے جسے قلب ماہیت کہتے ہیں جبکہ سحر وغیرہ میں حقیقت تبدیل نہیں ہوتی وہ فریب نظر ہوتا ہے۔

۲۔ حکماء اسلام کا مسلک یہ ہے کہ معجزہ اور سحر میں فرق یہ ہے کہ صاحب معجزہ اپنی قوت کو خیر میں خرچ کرتا ہے جبکہ ساحر شر میں۔

۳۔ معجزہ براہ راست خدا کا فعل ہوتا ہے جبکہ سحر وغیرہ سے وقوع پذیر ہونے والے عجائب امور اسالیب طبعی و نفسی کے نتائج ہوتے ہیں۔

۴۔ معجزہ کا مقصد دعوت الی اللہ کے دشمنوں کی ہلاکت' داعی الی اللہ' رسول کی تائید اور مومنین صادقین کی حمایت و برکت ہوتی ہے۔ جبکہ سحر کا مقصد شعبدہ بازی اور بازی گری ہوتا ہے یا ذاتی منفعت حاصل کرنا۔

۵۔ اور سب سے بڑھ کر جو معجزہ و سحر میں حد فاصل ہے وہ پیش کرنے والوں کا کردار اور ان کی شخصی زندگی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی معصوم زندگی' پاکیزہ اخلاق' مقدس اعمال' بے لوث خدمت اور دیگر پیغمبرانہ خصائص ان کی نبوت کے کھلے دلائل ہیں۔ اس کے مقابلے میں ساحر و بازی گر' شعبدہ باز و طلسم گر کرتب اور عجائبات تو دکھاتے ہیں لیکن ان کی زندگی میں طہارت و صفائی اور پاکیزگی کردار کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ان کے مقاصد میں شریعت کی تبلیغ اور قلوب کا تزکیہ و تصفیہ شامل نہیں ہوتا۔

معجزہ اور سحر کے فرق پر مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

"یہاں یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ معجزہ اور سحر و شعبدہ میں امتیاز منطقی تعریف کے ذریعے سے نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ ان کا اصل فرق دو چیزوں سے نمایاں ہوتا ہے۔ اول تو باہمی تقابل سے جس طرح مس خام اور کندن کو سامنے رکھ کر دیکھئے تو دونوں کا فرق صاف نمایاں ہوجائے گا اسی طرح جب ایک شخص معجزہ اور سحر کو ایک دوسرے کے مقابل میں دیکھتا ہے تو معجزے کی سطوت و جلالت' اسکے ظہور کا انداز' باطل پر اس کا غلبہ اور اس کی قہرمانیت پکار کر شہادت دیتی ہے کہ یہ کمہاروں کی مٹی سے بنا ہوا کھلونا نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق کہیں اور ہی سے ہے۔

جوہر جام جم از کان جہان دگر است

Marfat.com

دوسری چیز پیش کرنے والی کی شخصیت اور کردار ہوتی ہے۔ سحر و شعبدہ دکھانے والے ہمیشہ سوسائٹی کے اراذل و انفار ہوئے ہیں جن کی ذلت و نکبت جن کے اخلاق کی پستی اور طبیعت کی دنائت و رذالت ہمیشہ ضرب المثل رہی ہے برعکس اس کے معجزے ان لوگوں کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ہیں جو انسانیت کے گل سرسبز مانے گئے ہیں' جن سے دنیا نے علم و عمل اور حکمت و معرفت کے سبق سیکھے ہیں۔ جن کی زندگی کا ہر دور اور جن کا ہر قول و فعل نمونہ قرار پایا ہے جو زندگی کے سخت سے سخت آزمائشوں میں بھی ہمیشہ سو فیصدی کھرے پائے گئے ہیں۔(۱۵)

سید مودودی سورۃ اعراف کی آیت ۱۱۳ کے تحت لکھتے ہیں :

فرعونی درباریوں کے اس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں خدائی نشان اور جادو کے امتیازی فرق کا تصور بالکل واضح طور پر موجود تھا۔ وہ جانتے تھے کہ خدائی نشان سے حقیقی تغیر واقع ہوتا ہے اور جادو محض نظر اور نفس کو متاثر کرکے اشیاء میں ایک خاص طرح کا تغیر محسوس کراتا ہے۔ اس بنا پر انہوں نے حضرت موسیٰ کے دعوائے رسالت کو رد کرنے کے لئے کہا کہ یہ شخص جادوگر ہے یعنی عصا حقیقت میں سانپ نہیں بن گیا کہ اسے خدائی نشان مانا جائے بلکہ ہمیں ایسا نظر آیا کہ وہ گویا سانپ تھا جیسا کہ ہر جادوگر کرلیتا ہے۔ پھر انہوں نے مشورہ دیا کہ تمام ملک کے ماہر جادوگروں کو بلایا جائے اور ان کے ذریعہ سے لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپوں میں تبدیل کرکے لوگوں کو دکھا دیا جائے تاکہ عامتہ الناس کے دلوں میں اس پیغمبرانہ معجزے سے جو ہیبت بیٹھ گئی ہے وہ اگر بالکل دور نہ ہو تو کم از کم شک ہی میں تبدیل ہوجائے۔(۱۶) مولانا سیوہاروی معجزہ و سحر کا فرق واضح کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"اگر سحر اور معجزہ کا مقابلہ آن پڑے تو معجزہ غالب رہے گا اور اعلیٰ سے اعلیٰ سحر بھی مغلوب و عاجز' اور اس کا عکس محال و ناممکن ہے چنانچہ ساحرین اور انبیاء و رسل کے مقابلہ کی تاریخ اس کی شاہد عدل ہے۔(۱۷)

Marfat.com

ھامان کی شخصیت

ھامان کی سیاسی اہمیت

موسیٰ کے واقعہ میں قرآن نے فرعون کے ساتھ ہامان کا بھی ذکر کیا ہے مغربی مشترقین نے اس بات پر بڑی لے دے کی ہے کہ ہامان تو ایران کے بادشاہ اخسویرس یعنی خشیارث (XERXCS) دربار کا ایک امیر تھا اور اس بادشاہ کا زمانہ حضرت موسی کے سینکڑوں برس بعد ۴۸۶ اور ۴۶۵ قبل مسیح میں گذرا ہے، مگر قرآن نے اس مصر لے جا کر فرعون کا وزیر بنا دیا۔ قبل اس کے کہ ہم قرآنی نقطہ نظر اور اس پر ہونے والی تنقید کا جائزہ لیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی ان آیات کو درج کیا جائے جہاں ہامان کا ذکر آیا ہے۔

قرآن موسیٰ کے دریا میں ڈالے جانے کے واقعہ کا ذکر کرتے کہتا ہے:

فالتقطه آل فرعون ليكون لهم عدوا و حزنا ان فرعون و هامان و جنود هما كانوا خطئين[۲]

آخر کار فرعون کے گھر والوں نے اسے (دریا سے) نکال لیا تاکہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لیے سبب رنج بنے واقعی فرعون ،ہامان اور ان کے لشکر (اپنی تدبیر میں) بڑے غلط کار تھے

دوسری جگہ جہاں ہامان کا ذکر کیا گیا ہے وہ موسیٰ کے معجزات اور انکی دعوت کے مقابلے میں فرعون کے استکبار اور غرور کے اظہار کا موقعہ ہے۔ موسیٰ کی دعوت الی اللہ کے جواب میں فرعون نے ہامان کو خصوصی حکم دیا۔ قرآن اسے بیان کرتا ہے:

وقال فرعون يا ايها الملاء ما علمت لكم من اله غيرى فاوقد لى يهامن على الطين فاجعل لى صرحا لعلى اطلع الى اله موسى و انى لا ظنه من الكذبين[۳]

فرعون نے کہا اے اہل دربار! میں تو اپنے سوا تمہارے کسی خدا کو

Marfat.com

نہیں جانتا ۔ ہامان ذرا اینٹیں پکوا کر میرے لیے ایک اونچی عمارت تو بنوا
شاید کہ اس پر چڑھ کر میں موسی کے خدا کو دیکھ سکوں ' میں تو اسے جھوٹا
سمجھتا ہوں

اسی طرح کا بیان سورہ مومن میں بھی ہے:

وقال فرعون يهامان بن لی صرحالعلی ابلغ الاسباب اسباب السموت فاطلع الی اله موسی و انی لا ظنه کاذبا (۴)

فرعون نے کہا "اے ہامان میرے لئے ایک بلند عمارت بنانا تاکہ میں
راستوں تک پہنچ سکوں آسمانوں کے راستوں تک اور موسیٰ کے خدا کو
جھانک کر دیکھوں۔ مجھے تو یہ موسیٰ جھوٹا ہی معلوم ہوتا ہے۔

سورۂ عنکبوت میں موسیٰؑ کے مقابل تین مجرموں کا ذکر کیا ہے :

و قارون و فرعون و هامن ولقد جاء هم موسی بالبینت فاستکبروا فی الارض وما کانوا سابقین (۵)

اور قارون اور فرعون و ہامان کو' ہم نے ہلاک کیا۔ موسیٰ ان کے پاس
بینات لے کر آیا مگر انہوں نے زمین میں اپنی بڑائی کا زعم کیا حالانکہ وہ
سبقت لے جانے والے نہ تھے۔

سورۂ مومن میں بھی ان تینوں کا تذکرہ ہے :

ولقد ارسلنا موسی بایتنا وسلطن مبین الی فرعون و هامان و قارون فقالوا سحر کذاب (۶)

ہم نے موسیٰؑ کو فرعون' ہامان اور قارون کی طرف اپنی نشانیوں اور نمایاں
سند ماموریت کے ساتھ بھیجا مگر انہوں نے کہا: "ساحر ہے' کذاب ہے"

سید مودودی نے مستشرقین کے اعتراض کے جواب میں صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا ہے کہ "ان لوگوں کی عقل پر تعصب کا پردہ پڑا ہوا نہ ہو تو یہ خود غور کریں کہ آخر ان کے پاس یہ یقین کرنے کے لئے کیا تاریخی ثبوت موجود ہے کہ اخسویرس کے درباری ہامان سے پہلے دنیا میں کوئی شخص کبھی اس نام کا نہیں گذرا ہے۔ جس فرعون کا ذکر

Marfat.com

یہاں ہو رہا ہے اگر اس کے تمام وزراء اور امراء اور اہل دربار کی کوئی مکمل فہرست بالکل مستند ذریعے سے کسی مستشرق صاحب کو مل گئی ہے جس میں ہامان کا نام مفقود ہے تو وہ اسے چھپائے کیوں بیٹھے ہیں؟ انہیں اس کا فوٹو شائع کردینا چاہیے کیونکہ قرآن کی تکذیب کے لئے اس سے زیادہ موثر ہتھیار انہیں کوئی اور نہ ملے گا۔(۷)

مولانا اصلاحی سورۃ قصص کی آیت ۶ کے تحت لکھتے ہیں:

یہاں بالکل پہلی مرتبہ فرعون کے ساتھ ہامان کا بھی ذکر آیا ہے اور اس طرح آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت وزیر کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کو دبائے رکھنے کے مسئلہ سے خاصی دلچسپی تھی آگے بھی اس کا ذکر فرعون کے وزیراعظم ہی کی حیثیت سے آرہا ہے۔(۸) تورات میں یہ نام نہیں آیا ہے لیکن اس سے کوئی خاص فرق نہیں پیدا ہوتا۔ کتنی باتیں ہیں جن میں قرآن نے تورات کے بیانات کی تصحیح کی یا ان پر اضافہ کیا ہے۔ یہ بھی حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی سرگذشت میں ایک قیمتی اضافہ ہے بعض مستشرقین نے اس نام کو اعتراض کا ہدف بنایا ہے وہ کہتے ہیں کہ مصر میں اس نام کا کوئی شخص نہیں تھا۔ ان لال بجھکڑوں کا یہ اعتراض بالکل ہی احمقانہ ہے کیا یہ حضرات یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ ان کو فرعون اور اس کے تمام وزراء و اعیان اور اس عہد کے تمام اکابر مصر کے ناموں کی فہرست مل گئی ہے؟ وزراء و اعیان تو درکنار کیا یہ حضرات خود اس فرعون کے بارے میں متفق اللفظ ہیں جو حضرت موسیٰؑ کا ہم عصر تھا؟ قرآن کی مخالفت کے جنون میں اس قسم کی باتیں جو یہ لوگ کہتے ہیں وہ بالکل ہی ناقابل التفات ہیں۔ یہ لوگ پائی ہوئی حقیقت کو گم کرنے میں تو بڑے ماہر ہیں لیکن جب کسی چیز کا سراغ دیتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ٹڈے کی ٹانگ پر ہاتھی کا خول چڑھایا ہوا ہے۔(۹)

مولانا سیوہاروی ہامان کے متعلق لکھتے ہیں:

ہامان کے متعلق قرآن عزیز نے کوئی تصریح نہیں کی کہ یہ کس شخصیت کا نام ہے یا عہدہ اور منصب کا اور اس کا منصب و عہدہ فرعون کے دربار میں کیا تھا اور نہ اس نے اس پر روشنی ڈالی کہ ہامان نے عمارت تیار کروائی یا نہیں اور فرعون نے اس کو

Marfat.com

چڑھ کر کیا کیا؟ کیونکہ یہ اس مقصد کے لئے غیر ضروری تھا۔ تورات نے بھی اس کے متعلق کوئی اشارہ نہیں کیا بلکہ اس نے فرعون کے عمارت بنانے کا حکم کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا۔(۱۰)

اسی موضوع پر بہت اچھی تحقیق ہمارے ایک فاضل بزرگ شیر محمد سید نے کی ہے۔ انہوں نے یہ تحقیقی مقالہ انگریزی میں لکھا ہے جو یہاں کے علمی مجلات میں چھپا ہے۔ ہمارے سامنے شیخ زائد اسلامک سنٹر کا "مجلہ" الاضواء ہے جس میں یہ مضمون چھپا ہے ان کی تحقیق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چند امور نقل کئے جاتے ہیں۔(۱۱) جس کے لئے ہم مقالہ نگار کے ممنون ہیں:

ہامان کے سلسلے میں قرآن کے بیان پر سب سے پہلی تنقید Marracciocanfessor of Pope innocent کی ہے جس نے قرآن کا لاطینی ترجمہ کیا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ ہامان فرعون کا مشیر نہ تھا بلکہ فارس کے بادشاہ کا مشیر تھا اور حضور اکرمؐ نے نعوذ باللہ یہ سنی سنی کہانی فرعون کے واقعہ میں داخل کردی۔(۱۲) بعد کے آنے والے مستشرقین اسی بیان کو نقل در نقل پیش کیا ہے حتیٰ کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (۱۹۲۷ء ایڈیشن) میں بھی اس نام نہاد تضاد کا ذکر ہے۔ کتاب استیر (Book of Esther) میں ہے کہ ہامان فارس کے بادشاہ کا وزیر تھا جو یہودیوں سے دشمنی رکھتا تھا لیکن قرآن نے فرعون کے وزیر کے طور پر پیش کیا ہے۔

شیر محمد سید نے سر فلنڈر پیٹری (Sir Flinder Pettrie) کی کتاب قدیم مصر کی مذہبی زندگی (Religious life in ancient Egypt) کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ مصریوں کے معبودوں میں سے ایک معبود Amen ، Amun یا Haman تھا اور ان کے ہاں رواج تھا کہ اس بت کا انچارج پجاری ویسی ہی صورت اختیار کرتا اور وہی نام رکھتا لہٰذا معبود Aman (Haman) کا انچارج پجاری فرعون اور موسیٰ کا ہم عصر تھا۔(۱۳) کتاب استیر (book of Esther) کا ہامان تو بہت بعد کی شخصیت ہے اور اس کا قرآن کے ہامان سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہامان انچارج پجاری کا لقب تھا جس طرح فرعون بادشاہ کا لقب تھا اصل بات تو معبود کے نام کی ہے جس

Marfat.com

کے حوالے سے

ھامان کی سیاسی اہمیت

Aman / Haman بہت زیادہ اہم معبود تھا لہٰذا اس کا انچارج پجاری بھی سیاسی و سماجی اعتبار سے اہمیت کا حامل تھا۔(۱۴) اس کی حیثیت فوجوں کے کمانڈر، خزانہ کے منتظم اور معبودوں کے استھانوں کے منتظم کی تھی۔

فرعون اور ہامان کے درمیان مفادات کا اشتراک تھا۔ فرعون اگر زمین کا خدا تھا تو ہامان سب سے اہم بت کا انچارج پجاری اور سرکاری معاملات کے منتظم کی حیثیت سے فرعون کا معاون و مددگار تھا اس لئے موسیٰ کی دعوت دونوں کے لئے خطرہ کا باعث تھی اور دونوں موسیٰؑ کو شکست دینا چاہتے تھے۔(۱۵)

تاریخ و آثار کے شواہد سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کا ہامان ایک تاریخی شخصیت ہے جسے فرعون کے دربار میں خصوصی مقام حاصل تھا اور جس نے فرعون کے ساتھ مل کر موسیٰؑ کا مقابلہ کیا تھا۔ جہاں تک مستشرقین کا تعلق ہے تو وہ حسب معمول قرآن کی یہودی و مسیحی بنیادیں تلاش کرنے میں منہمک ہیں اور اس میں وہ علم و دیانت اور تحقیق و تفتیش کے تمام اصول بالائے طاق رکھ دیتے ہیں علم الاثار کے مغربی ماہرین مصر کی کھدائی کے دوران جو حقائق مرتب کئے ہیں وہی اس کا ثبوت ہیں کہ قرآن نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے۔ کتاب استیر (book of Esther) جو عہد نامہ قدیم میں سفر ایوب سے پہلے درج کی گئی ہے، کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہودی تاریخ میں کیسے کیسے واقعات تصنیف کئے گئے ہیں۔ ایک یہودی لڑکی جو کسی طرح بادشاہ کے حرم میں داخل ہوجاتی ہے اور بالاخر پوری یہودی قوم کی نجات دہندہ اور ہامان کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ اس کی یہود دشمنی بہت واضح کرکے بتائی گئی ہے۔ یہ ایک خوش کن کہانی ہے جو مقہور قوم کی نفسیاتی تسکین کا ذریعہ ہے اسے قرآن کا ماخذ قرار دینا اور اس کے اندر واقع شخصیت کو غلط طور پر پیش کرنے کا الزام لگانا مغربی تحقیق کا انوکھا نمونہ ہے۔

الحاصل قرآن کا ہامان قطعی طور پر ایک مستقل شخصیت ہے جس کے ثبوت کے لئے تنہا قرآنی وحی کافی ہے لیکن تاریخی حقائق سے واضح ہونے کے بعد قرآن کی حقانیت مزید مبرہن ہوتی ہے۔[۹] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے مصر کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مندروں کے منتظمین اور پجاریوں کے اثر و رسوخ کو نمایاں کر کے بیان کیا ہے۔ تاریخی شواہد سے معلوم ہوا ہے کہ ہامان نہ صرف مذہبی معاملات کا انچارج تھا بلکہ تعمیرات کا بھی منتظم یا افسر اعلیٰ تھا اس لئے فرعون نے اسے بلند عمارت بنانے کا حکم دیا تھا۔ قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا ذریعہ وحی الٰہی ہے اور تاریخ و آثار نے اس کی تصدیق کردی ہے۔ بائبل کے محققین پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں۔ قرآن نے فرعون اور ہامان کے ساتھ ایک تیسرے کردار کا بھی ذکر کیا ہے اور وہ ہے قارون لیکن قارون کی بغاوت اور اس کے انجام کا واقعہ چونکہ قلزم عبور کرنے کے بعد کے دور سے متعلق ہے اس لئے اسے وہاں بیان کیا جائے گا۔ اس حصے میں صرف ان واقعات اور کرداروں کو بیان کیا گیا ہے جن کا تعلق غرق فرعون تک کے دور سے ہے۔

حوالہ جات

۱۔ یوسف / ۹۹
۲۔ پیدائش (Genesis) ۴۷ / ۵۔۶
۳۔ ایضاً / ۱۔۴
۴۔ ایضاً / ۱۱۔۱۲
۵۔ ایضاً / ۲۷۔۲۸
۶۔ ایضاً ۴۹ / ۱۔۲۷
۷۔ ایضاً ۴۸۷ / ۱۳۔۲۰
۸۔ بقرہ / ۱۳۳

Marfat.com

۹۔ پیدائش (Genesis)، ۵۰/ ۲۲۔۲۶
۱۰۔ خروج (Exodus) ۱۳/ ۱۹
۱۱۔ ایضاً" / ۷۔۱۶
۱۲۔ ایضاً"، ا/ ۱۷۔۲۰
۱۳۔ ایضاً" ا/ ۲۲
۱۴۔ القصص/ ۴
۱۵۔ البقرہ/ ۴۹
۱۶۔ ابراہیم/ ۶
۱۷۔ تفہیم القرآن ۳/ ۶۱۴۔۶۱۵
۱۸۔ مختصر ابن کثیر، ۳/ ۶
۱۹۔ القصص/ ۵۔۶
۲۰۔ تدبر قرآن، ۵/ ۶۵۶
۲۱۔ ایضاً"
۲۲۔ خروج (Exodus)، ۲۰/ ا۔۱۰
۲۳۔ تفہیم القرآن، ۳/ ۶۱۶
۲۴۔ ایضاً"، اعمال ۷/ ۲۰
۲۵۔ تفہیم القرآن، ۳/ ۶۱۶
۲۶۔ القصص/ ۷۔۱۳
۲۷۔ طٰہٰ/ ۳۷۔۴۰
۲۸۔ یہاں وہ احسانات یاد دلائے جارہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ پر کیے جن سے مقصود حضرت موسیٰؑ کو یہ احساس دلانا ہے کہ تم اسی کام کے لئے پیدا کیے گئے ہو اور اسی کام کے لئے آج تک خاص طور پر سرکاری نگرانی میں پرورش پاتے رہے ہو جس پر اب تمہیں مامور کیا جارہا ہے۔ (تفہیم القرآن، ۳/ ۹۳)
۲۹۔ خروج، ۴/ ۲، عبرانیوں، ۱۱/ ۲۳، اعمال، ۷/ ۲۰

Marfat.com

۳۰۔ بائبل میں بیوی کے بجائے اس کی لڑکی کا ذکر آتا ہے۔
۳۱۔ تدبر قرآن' ۵ / ۴۴ - ۴۵
۳۲۔ تفہیم القرآن' ۳ / ۶۱۸
۳۳۔ قصص القرآن' ۱/ ۳۷۱
۳۴۔ ایضاً
۳۵۔ خروج' ۱/ ۹
۳۶۔ التحریم / ۱۱
۳۷۔ القصص / ۱۰
۳۸۔ القصص / ۱۱
۳۹۔ ایضاً / ۱۲
۴۰۔ تدبر قرآن' ۵ / ۴۶
۴۱۔ خروج' ۲ / ۷ - ۹
۴۲۔ تفہیم القرآن' ۳ / ۶۱۹
۴۳۔ تدبر قرآن' ۵ / ۴۶
۴۴۔ خروج' ۲ / ۱۰
۴۵۔ اعمال' ۷ / ۲۲
۴۶۔ تفہیم القرآن' ۳ / ۶۲۱
۴۷۔ القصص / ۱۴
۴۸۔ تفہیم القرآن' ۳ / ۶۲۱' مولانا اصلاحی کی بھی یہی رائے ہے' تدبر قرآن' ۵ / ۶۶۳
۴۹۔ ایضاً
۵۰۔ اعمال' ۷ / ۲۳
۵۱۔ خروج' ۲ / ۱۱ - ۲۲' عہد نامہ جدید کے کتاب اعمال' ۷ / ۲۳ - ۲۹ میں بھی اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

۵۲۔ طہٰ / ۴۰
۵۳۔ القصص / ۱۵۔ ۲۸
۵۴۔ تدبر قرآن، ۵ / ۶۶۳، سید مودودیؒ لکھتے ہیں کہ "شہر میں داخل ہوا" ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دارالسلطنت کے شاہی محلات عام آبادی سے باہر واقع ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰؑ چونکہ شاہی محل میں رہتے تھے اس لئے شہر میں نکلنے کی بجائے شہر میں داخل ہوئے فرمایا۔ (تفہیم القرآن، ۳ / ۶۲۲)
۵۵۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۶۲۱
۵۶۔ تدبر قرآن، ۵ / ۶۶۴
۵۷۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۶۲۳۔ ۶۲۴
۵۸۔ ایضاً
۵۹۔ تدبر قرآن، ۵ / ۶۶۶
۶۰۔ ایضاً، ۵ / ۶۶۷
۶۱۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۶۲۵۔ ۶۲۲
۶۲۔ ایضاً
۶۳۔ ایضاً
۶۴۔ تدبر قرآن، ۵ / ۶۶۸
۶۵۔ القصص / ۲۴
۶۶۔ خروج، ۲ / ۱۶۔ ۱۷
۶۷۔ خروج، ۲ / ۱۸۔ ۲۰
۶۸۔ تدبر قرآن، ۵ / ۶۶۹
۶۹۔ القصص / ۲۵
۷۰۔ تدبر قرآن، ۵ / ۶۷۰
۷۱۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۶۲۸
۷۲۔ تدبر قرآن، ۵ / ۶۷۰

Marfat.com

۷۳۔ ایضاً

۷۴۔ قصص القرآن، ۱/ ۳۸۵

۷۵۔ تفہیم القرآن، ۳/ ۶۳۰

۷۶۔ تدبر قرآن، ۵/ ۶۷۱

۷۷۔ تفہیم القرآن، ۳/ ۶۳۰

۷۸۔ قصص القرآن، ۱/ ۳۸۷

۷۹۔ ابن کثیر

۸۰۔ تفہیم القرآن، ۳/ ۶۲۷۔ ۶۲۸

۸۱۔ بخاری کتاب الشہادات، باب من امر بانجاز الوعد، ۳/ ۱۶۲، مختصر ابن کثیر، ۳/ ۱۱

۸۲۔ خروج، ۲/ ۲۱۔ ۲۲

۸۳۔ ایضاً، ۲/ ۲۳۔ ۲۵

۸۴۔ ایضاً، ۴/ ۱۸

۸۵۔ القصص/ ۲۹

۸۶۔ حاشیہ خازن، ۵/ ۱۴۳ بحوالہ قصص القرآن، ۱/ ۳۹۰

۸۷۔ خروج، ۳/ ۱۔ ۱۰

۸۸۔ القصص/ ۳۳

۸۹۔ الشعراء/ ۱۴

۹۰۔ قصص القرآن ۷/ ۳۹۰۔ ۳۹۱

۹۱۔ تدبر قرآن، ۵/ ۶۷۱

۹۲۔ مولانا سیوہاروی لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت موسیٰؑ اپنے اہل و عیال کے سمیت بکریاں چراتے چراتے مدین سے بہت دور نکل گئے گلہ بان قبائل کے لئے یہ بات کوئی قابل تعجب نہ تھی.... یہ سینا کا مشرقی گوشہ تھا اور مدین سے ایک روز کے فاصلہ پر بحر قلزم کے دو شاخے کے درمیان مصر کو جاتے ہوئے

Marfat.com

واقع تھا۔ (قصص القرآن' ۱ / ۳۹۲)' مولانا مرحوم کو اپنی تاویل اور اپنے استدلال کا احساس تھا اس لئے مصر کے راستے پر سینا تک جانے کو گلہ بانوں کا معمول قرار دے رہے ہیں جبکہ موسیٰ مع اہل و عیال ہیں۔

۹۳۔ تفہیم القرآن ۳ / ۶۳۲

۹۴۔ خروج' ۳ / ۱۔ ۲۲

۹۵۔ ایضاً' ۴ / ۱۔ ۳۱

۹۶۔ جوتے اتارنا طہارت اور تواضع کے لئے ہے۔ ہمارے ہاں مسجد کے احترام کے لئے اس کو ضروری قرار دیا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر جوتے صاف ہوں تو ان کے ساتھ مسجد میں جانے میں کوئی حرج نہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ تواضع کے خلاف ہے اور مسجد کی حاضری کے لئے جس طرح طہارت شرط ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ تواضع شرط ہے۔ (تدبر قرآن' ۵ / ۳۱)

۹۷۔ اس میں تشریف و تکریم کی طرف بھی اشارہ ہے جو منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے سبب سے حضرت موسیٰؑ کو حاصل ہوئی اور عظیم ذمہ داری کی طرف بھی جو حضرت موسیٰؑ پر اس منصب کی بدولت عائد ہوئی۔ (ایضاً")

۹۸۔ طہٰ / ۹۔ ۱۶

۹۹۔ غالباً" اسی واقعہ کی وجہ سے یہودیوں میں میں یہ شرعی مسئلہ بن گیا کہ جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ نبیؐ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے فرمایا خالفوا الیھود فانھم لا یصلون فی نعالھم ولا خفافھم (یہودیوں کے خلاف عمل کرو کیونکہ وہ جوتے اور چمڑے کے موزے پہن کر نماز نہیں پڑھتے : ابوداؤد) اس کا مطلب یہ نہیں کہ ضرور ہی جوتے پہن کر نماز پڑھنی چاہیے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اس لئے دونوں پر عمل کرو ابوداؤد میں عمرو بن عاصؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے نبیؐ کو دونوں طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ مسند احمد اور ابوداؤد میں ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ

Marfat.com

حضورؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو جوتے کو پلٹ کر دیکھ لے اگر کوئی گندگی لگی ہوئی ہو تو زمین سے رگڑ کر صاف کرلے اور انہی جوتوں کو پہنے ہوئے نماز پڑھ لے......ان کثیر التعداد روایات کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ ' امام ابو یوسفؒ' امام اوزاعیؒ اور اسحاق بن راھویہؒ وغیرہ فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ جوتا ہر حال میں مٹی سے پاک ہوجاتا ہے ایک قول امام احمد اور امام شافعی کا بھی اس کی تائید میں ہے مگر امام شافعی کا مشہور قول اس کے خلاف ہے۔ غالباً وہ جوتا پہن کر نماز پڑھنے کو ادب کے خلاف سمجھ کر منع کرتے ہیں اگرچہ سمجھا یہی گیا ہے کہ ان کے نزدیک جوتا مٹی پر رگڑنے سے پاک نہیں ہوتا اسی سلسلے میں قابل ذکر یہ امر ہے کہ مسجد نبوی میں چٹائی تک کا فرش نہ تھا بلکہ کنکریاں بچھی ہوئی تھیں لہٰذا احادیث سے استدلال کرکے اگر کوئی شخص آج کی مسجدوں کے فرش پر جوتے لے کر جانا چاہے تو یہ صحیح نہ ہوگا البتہ گھاس پر یا کھلے میدان میں جوتے پہنے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو میدان میں نماز جنازہ پڑھتے وقت بھی جوتے اتارنے پر اصرار کرتے ہیں وہ دراصل احکام سے ناواقف ہیں۔ (تفہیم القرآن' ۳ / ۸۹)

۱۰۰۔ النمل / ۷ ۔ ۹

۱۰۱۔ القصص / ۲۹ ۔ ۳۰

۱۰۲۔ سورہ طٰہٰ کی آیت ۴۰ کے الفاظ وفتنک فتونا (اور ہم نے تم کو خوب خوب پرکھا)۔ انہیں آزمائشوں کی طرف اشارہ ہے جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد انہیں پیش آئیں۔

۱۰۳۔ طٰہٰ / ۱۲ ۔ ۱۳

۱۰۴۔ ایضاً / ۱۴

۱۰۵۔ النمل / ۹

۱۰۶۔ القصص / ۳۰

۱۰۷۔ تدبر قرآن ' ۵ / ۳۱

Marfat.com

۱۰۸۔ ایضاً
۱۰۹۔ طٰہٰ / ۱۴
۱۱۰۔ تدبر قرآن، ۵ / ۳۲
۱۱۱۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۸۹
۱۱۲۔ طٰہٰ / ۱۵ ۔ ۱۶
۱۱۳۔ تدبر قرآن، ۵ / ۳۲
۱۱۴۔ ایضاً، ۵ / ۳۴
۱۱۵۔ ایضاً، ۵ / ۳۶
۱۱۶۔ طٰہٰ / ۱۷ ۔ ۲۳
۱۱۷۔ النمل / ۱۰ ۔ ۱۲
۱۱۸۔ القصص / ۳۱ ۔ ۳۲
۱۱۹۔ تدبر قرآن، ۵ / ۶۷۳
۱۲۰۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۴۸۸
۱۲۱۔ ایضاً
۱۲۲۔ ایضاً، ۳ / ۹۱
۱۲۳۔ الاعراف / ۱۳۳ (فارسلنا علیھم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم آیات مفصلات فاستکبروا وکانوا قوما مجرمین)
۱۲۴۔ طٰہٰ / ۲۴
۱۲۵۔ الشعراء / ۱۰ ۔ ۱۱
۱۲۶۔ النمل / ۱۲
۱۲۷۔ القصص / ۳۲
۱۲۸۔ طٰہٰ / ۴۷
۱۲۹۔ الاعراف / ۱۰۵

Marfat.com

۱۳۰۔ الشعراء / ۱۷
۱۳۱۔ النازعات / ۱۷
۱۳۲۔ تفہیم القرآن، ۶ / ۲۴۲
۱۳۳۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۶۴
۱۳۴۔ ایضاً
۱۳۵۔ قصص القرآن، / ۳۶۱
۱۳۶۔ یونس / ۹۲
۱۳۷۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۳۱۰
۱۳۸۔ مختصر ابن کثیر، ۲ / ۴۸۴
۱۳۹۔ قصص القرآن، ۱ / ۴۰۰
۱۴۰۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۹۲
۱۴۱۔ تدبر قرآن، ۵ / ۳۹
۱۴۲۔ الزخرف / ۵۲
۱۴۳۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۹۲
۱۴۴۔ طہٰ / ۲۵ ۔ ۳۵
۱۴۵۔ الشعراء / ۱۲ ۔ ۱۳
۱۴۶۔ القصص / ۳۴
۱۴۷۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۹۲
۱۴۸۔ طہٰ / ۳۶
۱۴۹۔ القصص / ۳۵
۱۵۰۔ الشعراء / ۱۴
۱۵۱۔ القصص / ۳۳
۱۵۲۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۶۳۴
۱۵۳۔ الشعراء / ۱۵

Marfat.com

۱۵۴۔ طہٰ / ۴۵ ۔ ۴۶
۱۵۵۔ سید مودودی کے بقول معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت موسیٰؑ مصر پہنچ گئے اور حضرت ہارون عملاً ان کے شریک کار ہوگئے اس وقت فرعون کے پاس جانے سے پہلے دونوں نے اللہ کے حضور یہ گذارش کی ہوگی۔ (تفہیم القرآن، ۳ / ۹۵)
۱۵۶۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۹۵
۱۵۷۔ طہٰ / ۴۲ ۔ ۴۴
۱۵۸۔ تدبر قرآن، ۵ / ۵۲
۱۵۹۔ ایضاً"، / ۵ / ۵۳
۱۶۰۔ ایضاً"
۱۶۱۔ النازعات / ۱۸ ۔ ۱۹
۱۶۲۔ الاعراف / ۱۰۴ ۔ ۱۰۵
۱۶۳۔ الشعراء / ۱۶ ۔ ۱۷
۱۶۴۔ طہٰ / ۴۷ ۔ سورۂ شعراء میں دونوں کے لئے رسول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جبکہ یہاں تثنیہ کا صیغہ ہے غالباً" اس سے واضح کرنا مقصود ہے کہ ہارونؑ مددگار اور شریک رسالت تھے لیکن بعد ازاں تثنیہ کا صیغہ استعمال کرکے ان کی رسالت بھی بیان کردی۔
۱۶۵۔ الدخان / ۱۷ ۔ ۱۹
۱۶۶۔ الشعراء، / ۱۸ ۔ ۱۹
۱۶۷۔ الشعراء / ۲۰ ۔ ۲۲
۱۶۸۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۴۸۵
۱۶۹۔ تدبر قرآن، ۵ / ۵۱۰
۱۷۰۔ قصص القرآن، ۱ / ۴۱۰
۱۷۱۔ الشعراء / ۲۳

Marfat.com

۱۷۲۔ ایضاً" / ۲۴
۱۷۳۔ ایضاً" / ۲۵ ۔ ۲۹
۱۷۴۔ طہٰ / ۴۹ ۔ ۵۵ ۔ اس کی تفسیر میں مولانا اصلاحیؒ اور سرسید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے شاندار نوٹ لکھے ہیں قرآن کے طالب علم کے لئے ان کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔
۱۷۵۔ القصص / ۳۸
۱۷۶۔ غافر / ۳۵ ۔ ۳۶
۱۷۷۔ النازعات / ۲۱ ۔ ۲۴
۱۷۸۔ تدبر قرآن، ۳ / ۳۵۰
۱۷۹۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۹۶ ۔ ۹۷
۱۸۰۔ ایضاً"، ۳ / ۴۸۶ ، ۴۸۷
۱۸۱۔ القصص / ۳۸
۱۸۲۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۶۳۷ ۔ ۶۳۸
۱۸۳۔ الاعراف / ۱۰۵ ۔ ۱۰۶
۱۸۴۔ الشعراء / ۳۰ ۔ ۳۱
۱۸۵۔ الاعراف / ۱۰۷ ۔ ۱۱۰
۱۸۶۔ الشعراء / ۳۲ ۔ ۳۵
۱۸۷۔ القصص / ۳۶
۱۸۸۔ یونس / ۷۵ ۔ ۷۸
۱۸۹۔ طہٰ / ۵۶ ۔ ۵۷
۱۹۰۔ النازعات / ۲۰
۱۹۱۔ تدبر قرآن، ۵ / ۵۱۲
۱۹۲۔ خروج، ۱ / ۷ ۔ ۲۲
۱۹۳۔ تدبر قرآن، ۳ / ۳۴۴ ۔ ۳۴۵

Marfat.com

۱۹۴۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۴۸۹
۱۹۵۔ ایضاً" ، ۲ / ۶۶ ۔ ۶۷
۱۹۶۔ النازعات / ۲۱ ۔ ۲۴
۱۹۷۔ القصص / ۳۹
۱۹۸۔ الاعراف / ۱۱۱ ۔ ۱۱۲
۱۹۹۔ یونس / ۷۹
۲۰۰۔ طٰہٰ / ۵۸ ۔ ۶۰
۲۰۱۔ الشعراء / ۳۶ ۔ ۴۰
۲۰۲۔ الاعراف / ۱۱۳ ۔ ۱۱۴
۲۰۳۔ الشعراء، / ۴۱ ۔ ۴۲
۲۰۴۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۴۹۱
۲۰۵۔ طٰہٰ / ۶۱ ۔ ۶۴
۲۰۶۔ قصص القرآن، ۱ / ۴۳۳
۲۰۷۔ الاعراف / ۱۱۵ ۔ ۱۱۹
۲۰۸۔ طٰہٰ / ۶۵ ۔ ۶۹
۲۰۹۔ الشعراء / ۴۳ ۔ ۴۵
۲۱۰۔ یونس / ۸۰ ۔ ۸۲
۲۱۱۔ قصص القران، ۱ / ۴۳۳
۲۱۲۔ الاعراف / ۱۲۰ ۔ ۱۲۲
۲۱۳۔ طٰہٰ / ۶۹ ۔ ۷۰
۲۱۴۔ الشعراء / ۴۶ ۔ ۴۸
۲۱۵۔ قصص القرآن، ۱ / ۴۳۴
۲۱۶۔ الاعراف / ۱۲۳ ۔ ۱۲۴
۲۱۷۔ طٰہٰ / ۷۱

Marfat.com

۲۱۸۔ الشعراء / ۴۹

۲۱۹۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۱۰۵

۲۲۰۔ تدبر قرآن، ۵ / ۶۸

۲۲۱۔ طہٰ / ۴۲ ۔ ۴۳

۲۲۲۔ الشعراء / ۵۰ ۔ ۵۱

۲۲۳۔ الاعراف / ۱۲۵ ۔ ۱۲۶

۲۲۴۔ تدبر قرآن، ۳ / ۳۴۸ ۔ ۳۴۹

۲۲۵۔ قصص القرآن، ۱ / ۴۳۴

۲۲۶۔ یونس / ۸۳

۲۲۷۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۳۰۴

۲۲۸۔ مکہ کی آبادی میں سے بھی جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کے لئے آگے بڑھے تھے وہ قوم کے بڑے بوڑھے اور سن رسیدہ لوگ نہ تھے بلکہ چند باہمت نوجوان ہی تھے۔ وہ ابتدائی مسلمان جو ان آیات کے نزول کے وقت ساری قوم کی شدید مخالفت کے مقابلے میں صداقت اسلامی کی حمایت کر رہے تھے اور ظلم و ستم کے اس طوفان میں جن کے سینے اسلام کے لئے سپر بنے ہوئے تھے ان میں مصلحت کوش بوڑھا کوئی نہ تھا سب کے سب جوان لوگ ہی تھے علی ابن ابی طالبؓ، جعفر طیارؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، مصعب بن عمیرؓ، عبداللہ بن مسعود جیسے لوگ قبول اسلام کے وقت ۲۰ سال سے کم عمر تھے اور عمر فاروق ۳۰ اور ۳۵ سال کے درمیان عمر کے تھے۔ ان سے زیادہ سن رسیدہ ابوبکر صدیقؓ تھے اور ان کی عمر بھی ایمان لانے کے وقت ۳۸ سال سے زیادہ نہ تھی۔ ابتدائی مسلمانوں میں صرف ایک صحابی کا نام ہمیں ملتا ہے جن کی عمر نبیؐ سے زیادہ تھی یعنی عبیدہ بن حارث مطلبی اور غالباً پورے گروہ میں ایک ہی صحابی حضورؐ کے ہم عمر تھے یعنی عمار بن یاسر۔ (تفہیم القرآن، ۲ / ۳۰۴ ۔ ۳۰۵)

Marfat.com

۲۲۹۔ تدبر قرآن، ۴ / ۷۹

۲۳۰۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۳۰۵ ۔ ۳۰۶

۲۳۱۔ تدبر قرآن، ۴ / ۷۹

۲۳۲۔ یونس / ۸۴ ۔ ۸۶

۲۳۳۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۳۰۶، ۳۰۷

۲۳۴۔ الاعراف / ۱۲۷

۲۳۵۔ المومن / ۲۳ ۔ ۲۵

۲۳۶۔ تدبر قرآن، ۳ / ۳۵۰

۲۳۷۔ قصص القرآن، ۱/ ۴۳۸

۲۳۸۔ الاعراف / ۱۲۸ ۔ ۱۲۹

۲۳۹۔ تدبر قرآن، ۳ / ۳۵۲

۲۴۰۔ یونس / ۸۷

۲۴۱۔ تدبر قرآن، ۴ / ۸۱

۲۴۲۔ الاعراف / ۱۳۰ ۔ ۱۳۵

۲۴۳۔ الزخرف / ۴۵ ۔ ۵۰

۲۴۴۔ بنی اسرائیل / ۱۰۱ ۔ ۱۰۲

۲۴۵۔ طٰہٰ / ۵۶

۲۴۶۔ النمل / ۱۲ ۔ ۱۴

۲۴۷۔ ابن عباسؓ سے جو قول مروی ہے اس کے مطابق نقص ثمرات بھی ایک معجزہ ہے (ابن کثیر، ۶ / ۱۱۱) جادوگروں کی بر سر عام شکست تو لاٹھی کے اژدھا بننے کا نتیجہ ہے لہٰذا یہ شاید مستقل بالذات نشانی نہیں ہے۔

۲۴۸۔ تفہیم القرآن، ۴ / ۵۴۲

۲۴۹۔ القصص / ۳۶ ۔ ۳۷

۲۵۰۔ القمر / ۴۱ ۔ ۴۲

Marfat.com

۲۵۱۔ قصص القرآن، ۱ / ۴۵۳
۲۵۲۔ تفہیم القرآن، ۴ / ۵۴۴
۲۵۳۔ الزخرف / ۵۱ ۔ ۵۴
۲۵۴۔ بعض مفسرین نے اسے لکنت پر اعتراض قرار دیا ہے حالانکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ شخص الجھی الجھی باتیں کرتا ہے جو فرعون کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔
۲۵۵۔ قصص القرآن، ۱ / ۴۴۰
۲۵۶۔ المومن / ۲۶ ۔ ۲۷
۲۵۷۔ تفہیم القرآن، ۴ / ۴۰۵ ۔ ۴۰۶
۲۵۸۔ تفہیم القرآن، ۴ / ۴۰۴
۲۵۹۔ نوح / ۲۱ ۔ ۲۷
۲۶۰۔ تدبر قرآن، ۴ / ۸۲
۲۶۱۔ قصص القرآن، ۱ / ۴۳۹
۲۶۲۔ یونس / ۸۸
۲۶۳۔ الدخان / ۲۲
۲۶۴۔ ھود / ۳۷
۲۶۵۔ یونس / ۸۹
۲۶۶۔ الشعراء / ۵۲ ۔ سورہ طہ میں ہے ولقد اوحینا الی موسی ان اسربعبادی (آیت ۷۷) یعنی ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات نکال لے جا۔ سورۂ دخان میں ہے فاسر بعبادی لیلا انکم متبعون (۲۳) اچھا تو راتوں رات میرے بندوں کو لے چل پڑ تم لوگوں کا پیچھا کیا جائے گا۔
۲۶۷۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۴۹۵
۲۶۸۔ الشعراء / ۵۳ ۔ ۵۶

۲۶۹۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۴۹۵، ۴۹۶

۲۷۰۔ الشعراء / ۵۷ ۔ ۵۹

۲۷۱۔ الدخان / ۲۵ ۔ ۲۹

۲۷۲۔ خروج، ۴ / ۱۱ = ۱۲

۲۷۳۔ یونس / ۹۱

۲۷۴۔ قصص القرآن، ۱ / ۲۵۷ ۔ ۲۵۸

۲۷۵۔ ایضاً، ۱ / ۴۵۹

۲۷۶۔ الشعراء / ۶۵ ۔ ۶۶

۲۷۷۔ طٰہٰ / ۷۷ ۔ ۷۹

۲۷۸۔ الاعراف / ۱۳۶

۲۷۹۔ یونس / ۹۰ ۔ ۹۱

۲۸۰۔ القصص / ۳۹ ۔ ۴۰

۲۸۱۔ بنی اسرائیل / ۱۰۳

۲۸۲۔ الذاریات / ۴۰

۲۸۳۔ الشعراء / ۶۵ ۔ ۶۸

۲۸۴۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۴۹۹

۲۸۵۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۴۹۸

۲۸۶۔ قصص القرآن، ۱ / ۴۷۲

۲۸۷۔ تدبر قرآن، ۵ / ۷۱

۲۸۸۔ ایضاً، ۵ / ۵۱۸ ۔ بائبل میں اس معجزے کے وقوع کی نوعیت بیان کی گئی ہے جسے مولانا اصلاحی نے قبول کیا ہے لیکن وہ بہرکیف واقعہ کی معجزانہ حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں۔

۲۸۹۔ یونس / ۹۲

۲۹۰۔ النازعات / ۲۰ ۔ ۲۶

Marfat.com

۲۹۱۔ تدبر قرآن، ۴ / ۸۴ ۔ ۸۵
۲۹۲۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۳۱۰
۲۹۳۔ قصص القران، ۱ / ۴۷۴
۲۹۴۔ ھود / ۹۶ ۔ ۹۹
۲۹۵۔ القصص / ۴۱ ۔ ۴۲
۲۹۶۔ المومن / ۴۵ ۔ ۴۶
۲۹۷۔ تفہیم القرآن، ۴ / ۴۱۳
۲۹۸۔ الدخان / ۳۰ ۔ ۳۲
۲۹۹۔ الاعراف / ۱۳۷
۳۰۰۔ قصص القرآن، ۱ / ۴۷۴
۳۰۱۔ تدبر قرآن، ۱ / ۳۳
۳۰۲۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۱۰۹ ۔ ۱۱۱
۳۰۳۔ خروج، ۵ / ۱ ۔ ۲۳
۳۰۴۔ ایضاً، ۶ / ۱ ۔ ۱۳
۳۰۵۔ ایضاً، ۶ / ۱۴ ۔ ۳۰
۳۰۶۔ ایضاً، ۷ / ۱ ۔ ۱۳
۳۰۷۔ ایضاً، ۷ / ۱۴ ۔ ۳۵
۳۰۸۔ ایضاً، ۸ / ۱ ۔ ۱۵
۳۰۹۔ ایضاً، ۸ / ۱۶ ۔ ۱۹
۳۱۰۔ ایضاً، ۸ / ۲۰ ۔ ۳۲
۳۱۱۔ ایضاً، ۹ / ۱ ۔ ۷
۳۱۲۔ ایضاً، ۹ / ۸ ۔ ۱۲
۳۱۳۔ ایضاً، ۹ / ۱۳ ۔ ۳۵
۳۱۴۔ ایضاً، ۱۰ / ۱ ۔ ۲۰

Marfat.com

۳۱۵۔ ایضاً'' ۱۰ / ۲۱ ۔ ۲۹

۳۱۶۔ ایضاً'' ۱۱ / ۱ ۔ ۱۰

۳۱۷۔ ایضاً'' ۱۲ / ۱ ۔ ۲۸

۳۱۸۔ ایضاً'' ۱۲ / ۲۹ ۔ ۳۶

۳۱۹۔ ایضاً'' ۱۲ / ۳۷ ۔ ۵۱

۳۲۰۔ ایضاً'' ۱۳ / ۱ ۔ ۱۰

۳۲۱۔ ایضاً'' ۱۳ / ۱۱ ۔ ۲۲

۳۲۲۔ ایضاً'' ۱۴ / ۱ ۔ ۳۱

حواشی (معجزہ و سحر کا فرق)

۱۔ تفسیر کبیر' ۱ / ۴۲۰

۲۔ احکام القرآن' ۱ / ۴۸

۳۔ ابن کثیر' ۱ / ۱۴۷

۴۔ فتح الباری' ۱۰ / ۱۸۲

۵۔ ایضاً'' ' ۱۰ / ۸۴ ' احکام القرآن ' ۱ / ۵۰

۶۔ تفہیم القرآن' ۲ / ۵۵۶ ۔ ۵۵۷

۷۔ الاعراف / ۱۱۶

۸۔ طہٰ / ۶۶ ۔ ۶۹

۹۔ فتح الباری' ۱۰ / ۱۸۳

۱۰۔ بقرہ' / ۱۰۲

۱۱۔ بخاری' کتاب الوصایا' باب فی بطو نھم نارا' ۳ / ۱۹۵

۱۲۔ فتح الباری' ۱۰ / ۱۸۳

۱۳۔ الزخرف / ۴۹

۱۴۔ تفہیم القرآن' ۴ / ۵۴۳

Marfat.com

۱۵۔ تدبر قرآن، ۷ / ۲۳۶

۱۶۔ ایضاً" ، ۳ / ۳۴۳ ۔ ۳۴۴ ، سورہ طٰہٰ میں بھی اس موضوع پر لکھا ہے۔

ایضاً" ۵ / ۶۵

۱۷۔ تفہیم القرآن، ۲ / ۶۸

حواشی (ھامان کی شخصیت)

۱۔ تفہیم القرآن، ۳/ ۶۱۵ ۔ ۶۱۶

۲۔ القصص / ۸

۳۔ ایضاً" / ۳۸

۴۔ المومن / ۳۶ ۔ ۳۷

۵۔ العنکبوت / ۳۹

۶۔ المومن / ۲۳ ۔ ۲۴

۷۔ تفہیم القرآن، ۳ / ۶۱۶

۸۔ قرآن کی کسی آیت میں اس کے وزیر ہونے کا ذکر نہیں ہے شاید عمارت بنانے کی ذمہ داری کی وجہ سے اسے یہ منصب دیا گیا۔

۹۔ تدبر قرآن، ۵ / ۶۵۷ ۔ ۶۵۸

۱۰۔ قصص القرآن، ۱ / ۴۱۸

۱۱۔ الاضواء، نومبر ۱۹۹۳

۱۲۔ ایضاً" ، ۲

۱۳۔ ایضاً" / ۵

۱۴۔ ایضاً" / ۶

۱۵۔ ایضاً" / ۹

۱۶۔ ہمارے نزدیک تحقیق کے کسی طالب علم کے لئے سید صاحب کا مضمون قابل قدر علمی دستاویز ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

مسیح علیہ السلام

مسیحؑ کی شخصیت انبیاء بنی اسرائیل کی آخری کڑی ہے۔ ان کی شخصیت تاریخ کی بے حد اہم شخصیت ہے۔ ان کے اثرات بنی اسرائیل سے نکل کر عام انسانیت پر مرتب ہوئے ہیں اور پھر ان کے ساتھ ایسے فکری و عملی' اعتقادی و کرشماتی امور وابستہ ہوگئے ہیں جن کے باعث ان کا مطالعہ بہت اہم ہوگیا ہے۔ پیغمبرانہ تاریخ دعوت اسی مطالعہ کے بغیر نامکمل رہے گی۔ ایک اور پہلو سے بھی یہ مطالعہ اہمیت کا حامل ہے اور وہ ہے ان کے پرستاروں کا غلو جس نے انہیں پیغمبری سے بلند کر کے الوہیت کے مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ دینی و روحانی لحاظ سے اس حادثے کا تجزیہ بہت ضروری ہے۔ دور حاضر کی غالب تہذیب جو اپنی روح کے اعتبار سے مادی' غیراخلاقی اور بے خدا ہے جس ماحول میں پروان چڑھی ہے وہ مسیحی ماحول تھا اور دعوت اسلامی کو جو چیلنج درپیش ہے وہ اسی تہذیب کا پیدا کردہ ہے۔ لہٰذا ان اسباب و علل کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ جو مسیحی معاشرے کو مذہبی و روحانی ماحول سے نکال کر خالص مادی اور استحصالی ماحول میں بدلنے کا باعث بنے۔ مسیحؑ کی شخصیت آج بھی موثر ہے اور ان سے روحانی فیوض حاصل کرنے والوں کی کمی نہیں۔ مسیحؑ پر ایمان لانے والے مسیحی اور مسلمان انہیں اپنے اپنے زاویوں سے دیکھتے ہیں۔ ہم چونکہ قرآنی نقطہ نظر سے دعوت اسلامی کا جائزہ لے رہے ہیں اس لئے مطالعہ کی اساس قرآنی بیانات ہوں گے تاہم مسیحی ماخذ سے استفادہ بھی ہوگا تاکہ مکمل تصویر سامنے آئے۔

تاریخی پس منظر

قرآن مسیحؑ کے ذکر سے پہلے ام مسیح کا ذکر کرتا ہے جو اس معجزاتی شخصیت کو دنیا

میں متعارف کرانے کا ذریعہ بنی۔ قرآن ام عیسیٰ کی پیدائش اور ہیکل میں پرورش پانے سے متعلق بیان کرتا ہے:

ان اللہ اصطفی آدم و نوحا و آل ابراھیم و آل عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض واللہ سمیع علیم ۔ اذ قالت امراۃ عمران رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا فتقبل منی انک انت السمیع العلیم فلما وضعتھا قالت رب انی وضعتھا انثی واللہ اعلم بما وضعت ولیس الذکر کالانثی و انی سمیتھا مریم وانی اعیذھا بک و ذریتھا من الشیطن الرجیم۔ فتقبلھا ربھا بقبول حسن و انبتھا نباتا حسنا و کفلھا زکریا[1]

اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران[2] کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر (اپنی رسالت کے لئے) منتخب کیا تھا۔ یہ ایک سلسلے کے لوگ تھے جو ایک دوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ (وہ اس وقت سن رہا تھا) جب عمران کی عورت کہہ رہی تھی کہ میرے پروردگار! میں اس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے تیری نذر کرتی ہوں وہ تیرے ہی کام کے لئے وقف ہوگا۔ میری پیش کش کو قبول فرما تو سننے اور جاننے والا ہے۔ پھر جب وہ بچی پیدا ہوگئی تو اس نے کہا: مالک! میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہوگئی ہے۔ حالانکہ جو کچھ اس نے جنا تھا اللہ کو اس کی خبر تھی اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا' خیر میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا اور میں اسے اور اس کی آئندہ نسل کو شیطان مردود کے فتنے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ آخر کار اس کے رب نے اس لڑکی کو بخوشی قبول فرما لیا۔ اسے بڑی اچھی لڑکی بنا کر اٹھایا اور زکریاؑ کو اس کا سرپرست بنا دیا۔

آیت میں "امرءۃ عمران" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اگر عمران کی عورت سے مراد عمران کی بیوی لی جائے تو اس کی معنی یہ ہوں گے کہ وہ عمران نہیں ہیں جو آل

Marfat.com

عمران میں مذکور ہے بلکہ یہ حضرت مریم کے والد تھے جن کا نام شاید عمران ہوگا۔ اور اگر عمران کی عورت سے مراد آل عمران کی عورت لی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت مریم کی والدہ اس قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ معلومات نہیں ہے جس سے ہم قطعی طور پر ان دونوں معنوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دے سکیں کیونکہ تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت مریم کے والد کون تھے اور ان کی والدہ کس قبیلے سے تھیں۔ البتہ اگر یہ روایت صحیح مانی جائے کہ حضرت یحییٰ کی والدہ اور حضرت مریم کی والدہ آپس میں رشتہ کی بہنیں تھیں تو پھر عمران کی عورت کے معنی قبیلہ عمران کی عورت ہی درست ہوں گے کیونکہ انجیل لوقا میں ہم کو یہ تصریح ملتی ہے کہ حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت ہارون کی اولاد سے تھیں

(لوقا ۱: ۵)[۳] ابن کثیر نے آل عمران میں عمران سے مراد مریمؑ کے والد لیے ہیں۔ اور مریمؑ کی والدہ کا نام حنہ بنت فاقوز لکھا ہے[۴] لیکن اس کا ماخذ کیا ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

و زکریا و هو ابن ادن و مریم بنت عمران بن ناشی' و هما من ذریة سلیمان بن داؤد و اسم ام مریم حنه بنت فاقود' واسم اختها والدة یحیٰی ایشاع' قال ابن اسحق فی المبتد کانت حنا عند عمران و اختها عند زکریا و اکانت حنه امسک عنها الولد تم حملت بمریم فمات عمران و هی حامل[۵].

اور زکریا ابن ادن اور مریم بنت عمران بن ناشی اور یہ دونوں سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے تھے اور مریم کی والدہ کا نام حنہ بنت فاقود تھا اور ان کی بہن اور یحییٰ کی والدہ کا نام ایشاع تھا۔ ابن اسحق نے المبتدا میں کہا ہے کہ حنہ عمران کی بیوی تھیں اور ان کی بہن زکریاؑ کی بیوی تھیں۔ حنہ کے اولاد نہیں تھی اور پھر وہ مریم سے حاملہ تھیں کہ عمران کا انتقال ہوگیا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ عمران اپنے وقت میں بنی اسرائیل کے امام صلوٰۃ تھے[۶]

حنہ نے بچی کا نام مریم رکھا کیونکہ سریانی زبان میں مریم کے معنی خادمہ کے ہیں چونکہ انہیں ہیکل کی نذر کیا تھا لہذا ان کی حیثیت ایک خدمت گزار کی ہونی تھی۔

مریم کی کفالت

ام مریم نے اپنی نذر کے مطابق بچی کو ہیکل کی نذر کردیا۔ ہیکل کے مجاوروں میں کفالت اور پرورش کے بارے میں اختلاف ہوا تو قرعہ اندازی پر فیصلہ ہوا۔ قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام نکلا تو وہی مریم کے کفیل ٹھہرے۔ قرآن مجید نے اس جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

ذلک من انباء الغیب نوحیہ الیک و ما کنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم و ما کنت لدیھم اذ یختصمون (۷)

اے محمدؐ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تو کو وحی کے ذریعہ سے بتا رہے ہیں' ورنہ تم اس وقت وہاں موجود نہ تھے جب ہیکل کے خادم یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ مریم کا سرپرست کون ہو اپنے اپنے قلم پھینک رہے تھے اور نہ تم اس وقت حاضر تھے جب ان کے درمیان جھگڑا برپا تھا۔

علامہ ابن کثیر ابن اسحق اور ابن جریر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ مریم چونکہ یتیمہ تھیں اور زکریاؑ اس کے خالو تھے لہذا علمی و اخلاقی تربیت کے نقطہ نظر سے انہیں کی کفالت میں آئیں۔ (۸) ابن جریر نے تفصیلاً لکھا ہے کہ ام مریم بیٹی کو لے کر بیت المقدس کے متولیوں کے پاس آئیں اور کہا کہ میں نے اسے ہیکل کی نذر کیا ہے اور حائضہ ہونے کی وجہ سے یہ عبادت گاہ میں داخل نہیں ہوسکتی اور میں اسے گھر بھی نہیں لے جاسکتی زکریاؑ نے خالو ہونے کی وجہ سے کفالت کی ذمہ داری لینے کا عندیہ دیا جبکہ دوسرے مجاوروں نے کہا کہ ہمارے امام کی بیٹی ہے ہم رکھیں گے اور بالآخر تورات لکھنے والے قلموں سے قرعہ اندازی کی گئی اور زکریاؑ کے نام قرعہ نکلا۔ (۹) ابن کثیر اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و کان مع ذلک کبیرھم و سیدھم و عالمھم و امامھم و نبیھم

صلوت و سلامہ علیہ و علی سائر النبیین (۱۰)

اور زکریا بہرکیف ان کے بزرگ، سردار، عالم، امام اور نبی تھے اللہ کی صلوۃ و سلام ان پر اور تمام انبیا پر ہو۔

زکریاؑ کے زیر کفالت آنے کے بعد مریمؑ نے اپنی مذہبی زندگی کا آغاز کردیا۔ زکریاؑ نے ہیکل کے قریب ایک کمرہ ان کے لئے مخصوص کردیا تاکہ دن کے وقت وہ اطمینان سے عبادت الٰہی میں مصروف رہیں۔ جب رات آتی تو ان کو اپنے مکان پر ان کی خالہ ایشاع کے پاس لے جاتے اور وہ وہیں شب بسر کرتیں۔ (۱۱)

مریمؑ کا خصوصی مرتبہ

مریمؑ شب و روز عبادت میں مشغول رہتیں اور ہیکل کی خدمت کے سلسلے میں اپنے ذمہ کی خدمات بھی انجام دیتیں۔ ان کا زہد و تقویٰ اور رب تعالیٰ کے ساتھ وابستگی بطور مثال ذکر کیا جانے لگا۔ زکریاؑ ضروری نگہداشت کے سلسلے میں کبھی کبھی ان کے کمرے میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب کبھی وہ ان کے خلوت کدہ میں داخل ہوتے تو ان کے پاس کھانے کا سامان ہوتا۔ زکریاؑ کو اندازہ تھا کہ یہ رزق انسانی داد و دہش کا نتیجہ نہیں تاہم اس عجیب صورت حال کے بارے میں انہوں نے مریمؑ سے سوال کر ہی لیا۔ جواب یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ قرآن مجید نے اسے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

کلما دخل علیھا زکریا المحراب وجد عنھا رزقا قال یمریم انی لک ھذا قالت ھو من عنداللہ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب (۱۲)

زکریاؑ جب کبھی اس کے پاس محراب میں جاتے تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان پاتے۔ پوچھتے مریمؑ! یہ تیرے ہاں کہاں سے آیا؟ وہ جواب دیتی اللہ کے پاس سے آیا ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔

زکریا اس وقت تک بے اولاد تھے۔ اس نوجوان صالحہ لڑکی کو دیکھ کر فطرۃ ان کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش اللہ انہیں بھی ایسی ہی نیک اولاد عطا کرے اور یہ دیکھ کر کہ اللہ کس طرح اپنی قدرت سے اس گوشہ نشین لڑکی کو رزق پہنچا رہا ہے۔ انہیں یہ امید ہوئی کہ اللہ چاہے تو اس بڑھاپے میں بھی ان کو اولاد دے سکتا ہے۔"(۱۳) تو انہوں نے رب تعالیٰ سے دعا کی جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا۔ قرآن کا بیان ہے:

هنا لك دعا زكريا ربه قال رب هب لي من لدنك ذرية طيبة انك سميع الدعاء فنا دته الملا ئكة و هو قائم يصلي في المحراب ان الله يبشرك بيحيى مصدقا بكلمة و سيدا و حصورا و نبيا من الصالحين (۱۴)

یہ حال دیکھ کر زکریا نے اپنے رب کو پکارا۔ پروردگار! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر تو ہی دعا سننے والا ہے۔ جواب میں فرشتوں نے آواز دی جب کہ وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ایک فرمان کی تصدیق کرنے والا بن کر آئے گا۔ اس میں سرداری اور بزرگی کی شان ہوگی۔ کمال درجہ کا ضابط ہوگا، نبوت سے سرفراز ہوگا اور صالحین میں شمار کیا جائے گا۔

یحییٰ کی بشارت میں یہ بھی کہا گیا کہ وہ عیسیٰ کی تصدیق کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے بنی اسرائیل میں اصلاح کی تحریک شروع کر رکھی تھی جب مسیح اپنے مشن کا آغاز کر رہے تھے۔ عہدنامہ جدید میں انہیں **John the Baptist** کے نام سے پکارا گیا ہے۔ ان کے حالات کے لئے متی ۳ : ۱۱ - ۱۴، مرقس ۱، ۶، لوقا ۱، ۳ کو دیکھا جاسکتا ہے۔ قرآن یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ مریم کی شخصیت بھی معجزانہ قدرت کا مظہر ہے۔ ان کی پیدائش دعا کے نتیجہ میں اور ان کی پرورش میں ربانی حکمت پوری طرح کارفرما ہے۔ حتیٰ کی یحییٰؑ کی پیدائش میں ان کی معجزانہ شخصیت کا اثر ہے۔ قرآن مجید نے انہیں برگزیدہ شخصیت قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

Marfat.com

و اذ قالت الملائکۃ یمریم ان اللہ اصطفاک و طھرک و اصطفاک علی نساء العالمین یمریم اقنتی لربک و اسجدی وارکعی مع الراکعین(۱۵)

پھر وہ وقت آیا جب مریم سے فرشتوں نے آ کر کہا "اے مریم! اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور پاکیزگی عطا کی اور تمام دنیا کی عورتوں پر تجھ کو ترجیح دے کر اپنی خدمت کے لئے چن لیا۔ اے مریم اپنے رب کی تابع فرمان بن کر رہ، اس کے آگے سربسجود ہو اور جو بندے اس کے حضور جھکنے والے ہیں ان کے ساتھ تو بھی جھک"

ان آیات سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مریم کو ایک بڑے واقعہ کے لئے تیار کیا گیا۔ انہیں باور کرایا گیا کہ انؑ کی پیدائش اور پھر ان کے باعث یحییٰؑ کی پیدائش دراصل تمہید ہے مسیحؑ کی معجزانہ پیدائش کی۔

مسیحؑ کی پیدائش

مسیحؑ کی پیدائش ایک معجزہ اور ربانی قدرت کا اظہار ہے۔ ام عیسیٰ اپنے خلوت کدہ میں مصروف عبادت رہتی تھیں۔ ایک دن بیٹھی تھیں کہ جبریل امین انسانی شکل میں ظاہر ہوئے۔ مریمؑ نے گھبراہٹ کا اظہار کیا تو انہوں نے تسلی دی کہ وہ اللہ کے فرستادہ ہیں اور تمہیں بیٹے کی بشارت دینے آئے ہیں۔ مریم نے تعجب کا اظہار کیا کہ وہ کسی انسان سے رابطہ نہیں رکھتیں اس لئے بچہ کیسے ہوگا؟ جبریل امین نے بتایا کہ تمہارے پروردگار کا حکم اسی طرح ہے۔ اس حکم کے مطابق یہ بچہ اس کی قدرت کے اظہار کا نشان ہوگا اور اس کا نام مسیحؑ / عیسیٰ ہوگا۔ وہ بنی اسرائیل کا رسول ہوگا اور وہ دنیا و آخرت مں صاحب وجاہت ہوگا اور اللہ کا مقرب بندہ ہوگا۔ جبریل امین نے مریم کو یہ بشارات سنا کر ان کے گریبان میں پھونک دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا کلمہ ان تک پہنچ گیا۔ مریمؑ نے کچھ عرصہ بعد خود کو حاملہ محسوس کیا جوں جوں ولادت کا وقت قریب آتا گیا ان کے اضطراب میں اضافہ ہوتا گیا۔ لوگوں کی بہتان طرازیوں سے بچنے

Marfat.com

کے لئے وہ بیت المقدس سے کوہ سراۃ (ساعیر) کے ایک ٹیلے پر چلی گئیں جو اب بیت اللحم کے نام سے مشہور ہے۔ چند روز بعد درد زہ کیفیات میں وہ سخت مایوسی اور پریشانی کا شکار ہوئیں تو حکم خداوندی کے تحت فرشتہ دوبارہ نمودار ہوا اور مریم کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا اور تم تازہ کھجوریں کھاؤ اور پانی پیو اور کسی کا غم نہ کرو۔ فرشتے کی تسلی سے ایک گونہ سکون ہوا اور بچے کی پیدائش سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی۔ قرآن نے اپنے معجزانہ اسلوب میں ان مراحل و کیفیات کو بیان کیا ہے۔ ذیل میں ہم اسے نقل کرتے ہیں:

اذ قالت الملئكة يمريم ان الله يبشرك بكلمة منه اسمه المسيح عيسٰى ابن مريم وجيها فى الدنيا والآخرة ومن المقربين ويكلم الناس فى المهد وكهلا ومن الصالحين قالت رب انى يكون لى ولد ولم يمسسنى بشر قال كذلك الله يخلق ما يشاء اذا قضٰى امرا فانما يقول له كن فيكون ويعلمه الكتاب والحكمة والتوراة والانجيل ورسولا الى بنى اسرائيل[۴]

اور جب فرشتوں نے کہا "اے مریم! اللہ تجھے اپنے ایک فرمان کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا اور دنیا و آخرت میں معزز ہوگا، اللہ کے مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا، لوگوں سے گہوارے میں کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی اور وہ ایک صالح مرد ہوگا۔ یہ سن کر مریم بولی "پروردگار! میرے ہاں بچہ کہاں سے ہوگا مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ جواب ملا، ایسا ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہوجاتا ہے۔ (فرشتوں نے پھر اپنے سلسلہ کلام میں کہا) اور اللہ اسے کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا۔ تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کرے گا۔

سورۃ مریم میں اسے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی

ہے:

و اذکر فی الکتاب مریم اذا انتبذت من اھلھا مکانا شرقیا۔ فاتخذت من دونھم حجابا فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا۔ قالت انی اعوذ بالرحمٰن منک ان کنت تقیا قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما ذکیا۔ قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر و لم اک بغیا۔ قال کذلک قال ربک ھو علی ھین و لیجعلہ آیۃ للناس و رحمۃ منا و کان امرا مقضیا۔ فحملتہ فانتبذت بہ مکانا قصیا۔ فاجاء ھا المخاض الی جذع النخلۃ قالت یلیتنی مت قبل ھذا و کنت نسیا منسیا۔ فنادھا من تحتھا الا تحزنی قد جعل ربک تحتک سریا۔ و ھزی الیک بجذع النخلۃ تسقط علیک رطبا جنیا فکلی و اشربی و قری عینا۔ فاما ترین من البشر احدا فقولی انی نذرت للرحمن صوما فلن اکلم الیوم انسیا (۱۷)

اور اے محمدؐ اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر شرقی جانب گوشہ نشین ہوگئی تھیں ل اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھیں تھیں۔ اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو (فرشتہ کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہوگیا۔ مریم یکایک بول اٹھی کہ "اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس نے کہا "میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ مریم نے کہا "میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں" فرشتے نے کہا "ایسا ہی ہوگا تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لئے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لئے کریں گے کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں اور اپنی طرف

Marfat.com

سے ایک رحمت اور یہ کام ہو کر رہنا ہے۔" مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کو لئے ہوئے ایک دور کے مقام پر چلی گئی۔ پھر زچگی کی تکلیف نے اسے ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگی کاش میں اس سے پہلے ہی مرجاتی اور میرا نام و نشان نہ رہتا۔" فرشتے نے پائنتی سے اس کو پکار کر کہا "غم نہ کر۔ تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے اور تو ذرا اس درخت کے تنے کو ہلا تیرے اوپر تازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی۔ پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر پھر اگر کوئی آدمی تجھے نظر آئے تو اس سے کہہ دیں کہ میں نے رحمان کے لئے روزے کی نذر مانی ہے اس لئے آج میں کسی سے نہ بولوں گی۔

اس تنہائی میں اللہ کی حفاظت اور جبریل امین کی رہنمائی میں مریم نے عیسیٰ کو جنم دیا۔ یہ مرحلہ تو بخوبی انجام پذیر ہوا۔ اب انہیں اگلے مرحلے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ وہ اس بچے کو لے کر ہمیشہ کے لئے تو یہاں نہیں رہ سکتی تھیں۔ آخر کار اپنے لوگوں کے ہاں جانا تھا اور انہیں کیا بتائیں گی کہ بن باپ کے یہ بچہ کیسے آگیا۔ وہ اس اضطراب و پریشانی میں تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر رہنمائی کا انتظام ہوا۔ فرشتے نے آکر یہ پیغام دیا کہ اس بچے کو لے کر اپنی قوم کے پاس جاؤ اور اگر وہ سوال کریں تو کوئی جواب دینے کی بجائے اس بچے کی طرف اشارہ کر دینا اور انہیں سمجھانا کہ تم روزہ سے ہو۔ اس لئے کسی سے کلام نہیں کرنا۔ مریم ہدایت ربانی کے مطابق بچے کو اٹھائے بیت المقدس پہنچ گئیں۔ مریم کو بچے سمیت دیکھ کر ہر طرف شور اٹھا۔ طعن و تشنیع' تہمت او بہتان سے قوم کی زبان درازیاں بڑھیں تو مریم نے حسب حکم بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگ حیرت زدگہ تھے کہ بچہ کیا جواب دے گا۔ اسی اثناء میں مسیحؑ نے بولنا شروع کیا۔ اس کلام میں نہ صرف اپنا تعارف کرایا بلکہ اپنے پیغام رسالت کو بھی ان تک پہنچایا۔ قرآن اس معجزانہ کلام کے اثرات کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا لیکن سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی زبانیں بند ہوگئیں ہوں گی اور الزامات و اتہامات کی جو بوچھاڑ ہو رہی ہوگی وہ رک گئی ہوگی۔ مریم کی زندگی تو معجزانہ تھی ہی بچے کا کلام

Marfat.com

ایک نئی معجزانہ سمت کی طرف اشارہ تھا۔قرآن مجید نے اسے اپنی معجزانہ تاثیر سے بیان کیا ہے:

فاتت به قومها تحمله قالوا يمريم لقد جئت شيئا فريا ياخت هارون ماكان ابوك امرء سوء و ماكنت امك بغيا۔ فاشارت اليه قالوا كيف نكلم من كان في المهد صبيا۔ قال انى عبدالله آتنى الكتاب و جعلنى نبيا و جعلنى مباركا اينما كنت و اوصانى بالصلواة والزكواة مادمت حيا۔ و برا بوالد تى و لم يجعلنى جبارا شقيا۔ والسلم على يوم ولدت ويوم اموت و يوم ابعث حيا(۱۸)

پھر وہ اس بچے کو لئے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے' اے مریم! یہ تو تو نے بڑا پاپ کر ڈالا۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا نہ ہی تیری ماں کوئی بدکار عورت تھی۔ مریم نے بچے کی طرف اشارہ کردیا! لوگوں نے کہا: "ہم اس سے کیا بات کریں گے جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟" بچہ بول اٹھا۔ "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں' اور نماز اور زکواۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا۔ سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا اور جبکہ میں مروں اور جبکہ میں زندہ کرکے اٹھایا جاؤں۔"

سید مودودی اس معجزانہ کلام کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ ہے وہ نشانی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں بنی اسرائیل کے سامنے پیش کی گئی۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کی مسلسل بدکرداریوں پر عبرت ناک سزا دینے سے پہلے ان پر حجت تمام کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے اس نے یہ تدبیر فرمائی کہ بنی ہارون کی ایک ایسی زاہدہ و عابدہ لڑکی کو جو بیت المقدس میں معتکف اور حضرت زکریا کے زیر تربیت تھی دوشیزگی کی حالت میں حاملہ کردیا تاکہ جب وہ بچہ لیے ہوئے آئے تو

Marfat.com

ساری قوم میں ہیجان برپا ہوجائے اور لوگوں کی توجہات یکلخت اس پر مرکوز ہوجائیں۔ پھراس تدبیر کے نتیجے میں جب ایک ہجوم حضرت مریم پر ٹوٹ پڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس نوزائیدہ بچے سے کلام کرایا تاکہ جب یہی بچہ بڑا ہو کر نبوت کے منصب پر سرفراز ہو تو قوم میں ہزاروں آدمی اس امر کی شہادت دینے والے موجود رہیں کہ اس کی شخصیت میں وہ اللہ تعالیٰ کا ایک حیرت انگیز معجزہ دیکھ چکے ہیں۔ اس پر بھی جب یہ قوم اس کی نبوت کا انکار کرے اور اس کی پیروی قبول کرنے کی بجائے اسے مجرم بنا کر صلیب پر چڑھانے کی کوشش کرے تو پھر اس کو ایسی عبرتناک سزا دی جائے جو دنیا میں کسی قوم کو نہیں دی گئی۔[19]

قرآن پاک میں واقعات کا بیان چونکہ دعوت الی اللہ اور عبرت و موعظت کے حوالے سے ہوتا ہے اس لئے اس میں تاریخی تسلسل اور واقعاتی تفصیلات نہیں ہوتیں۔ موقع کی مناسبت سے مطلوبہ حصے کو بیان کر دیا جاتا ہے لیکن مسیحؑ کی پیدائش کے واقعہ کو غیر معمولی طور پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ اس کے ساتھ تاریخی تحریفات اور کلامی خرافات وابستہ ہوگئے تھے۔ قرآن نے افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ بیان کی ہے۔ قران کے مطابق دونوں ماں بیٹا اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ قرآن مجید نے مسیحؑ کی ولادت الگ واقعہ کے طور پر بیان کرنے کی بجائے مریمؑ کی شخصیت کے ساتھ اس طرح منسلک کیا کہ دونوں معجزاتی شخصیتیں معلوم ہوں۔ ارشاد باری ہے:

و التی احصنت فرجھا فنفخنا فیھا من روحنا و جعلنھا و ابنھا آیۃ للعالمین[20]

اور وہ خاتون جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی۔ ہم نے اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا اور اسے اور اس کے بیٹے کو دنیا بھر کے لئے ایک نشانی بنا دیا۔

و جعلنا ابن مریم و امہ آیۃ و اوینھما الی ربوۃ ذات قرار و معین[21]

Marfat.com

اور ابن مریم اور اس کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا اور ان کو ایک سطح مرتفع پر رکھا جو اطمینان کی جگہ تھی اور چشمے اس میں جاری تھے۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں "ربوہ" اور "ذات قرار و معین" کے سلسلہ میں مختلف اقوال نقل کرتے ہیں جن میں مصر، دمشق، رملہ وغیرہ کا ذکر ہے لیکن اپنی ترجیح کا ذکر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

و اقرب الاقوال فی ذلک ما رواہ العوفی عن ابن عباس فی قولہ و آوینا ھما الی ربوۃ ذات قرار و معین قال المعین الماء الجاری و ھو النھر الذی قال اللہ تعالٰی "قد جعل ربک تحتک سریا" و کذا قال الضحاک و قتادہ الی ربوۃ ذات قرار و معین ھو بیت المقدس فھذا واللہ اعلم ھو الاظھر لانہ المذکور فی الایۃ الاخری و القران یفسر بعضہ بعضا و ھذا اولی ما یفسربہ ثم الاحادیث الصحیحۃ ثم الاثار[۲۲]

ان میں سب سے زیادہ اقرب وہ قول ہے جس کو عوفی نے ابن عباس سے آیت "و آوینا ھما الی ربوۃ ذات قرار و معین" کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ "معین" سے نہر جاری مراد ہے اور یہ اسی نہر کا ذکر ہے جس کو آیت قد جعل ربک تحتک سریا میں بیان کیا گیا ہے اور ضحاک و قتادہ کا یہی قول ہے کہ "الی ربوۃ ذات قرار و معین" سے بیت المقدس کی سرزمین مراد ہے۔ یہی قول زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ دوسری آیت میں بیت المقدس (کی نہر) کا ہی ذکر ہے اور قرآن کا بعض حصہ دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے اور تفسیر آیات میں پہلی حیثیت اسی تفسیر کو حاصل ہے۔ اس کے بعد صحیح احادیث کے ذریعہ تفسیر کا اور اور اس کے بعد آثار کے ذریعہ تفسیر کا درجہ ہے۔

مسیحی روایت

قرآن مجید نے تو مسیح کے ذکر سے پہلے مریم کی پیدائش اور یحیٰی کی پیدائش کا

Marfat.com

تذکرہ کیا اور یوں ایک معجزانہ تسلسل ہے جو ان تینوں شخصیتوں کے حوالے سے قائم ہے۔ لیکن مسیحیؑ روایت میں مریم کی پیدائش کا ذکر نہیں ہے۔ مرقس اور یوحنا کی اناجیل میں تو مسیحؑ کی پیدائش کا واقعاتی تذکرہ بھی نہیں ہے البتہ متی اور لوقا میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔ لوقا میں واقعاتی ترتیب کا انداز قرآن سے ملتا جلتا ہے کیونکہ اس میں آغاز زکریا اور ان کی بیوی کی راستبازی اور ان کے بے اولاد ہونے سے ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم متی اور لوقا کے متعلقہ حصے نقل کرتے ہیں تاکہ قاری کے سامنے تقابلی تصویر آجائے۔

متی میں پہلے مسیحؑ کا نسب نامہ بیان کیا گیا ہے جس میں مسیحؑ سے ابراہیمؑ تک چوالیس پشتیں بیان کی گئی ہیں۔ پھر مسیحؑ کی پیدائش کا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے۔

اب یسوع مسیحؑ کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف ابن داؤد اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔ اس کے بیٹا ہوگا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو خدوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ:

"دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے۔"

جس کا ترجمہ ہے خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پس یوسف نے نیند سے جاگ کر ویسا ہی کیا جیسا خداوند کے فرشتہ نے اسے حکم دیا تھا اور اپنی بیوی کو اپنے ہاں لے آیا۔ اور اس کو نہ جانا جب تک اس کے بیٹے نہ ہوا

Marfat.com

اور اس کا نام یسوع رکھا۔(۲۳)

لوقا میں مسیحؑ کی پیدائش کے واقعہ کو یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش سے منسلک کر کے بیان کیا گیا ہے۔ اس کا بیان قرآن حکیم کے بیان سے ملتا جلتا ہے۔ ذیل میں اسے نقل کیا جاتا ہے:

یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیاہ کے فریق میں سے زکریا نام ایک کاہن تھا اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی اور اس کا نام الیشبع تھا۔ اور وہ دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سب احکام و قوانین پر بے عیب چلنے والے تھے۔ اور ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے۔جب وہ خدا کے حضور اپنے فریق کی باری پر کہانت کا کام انجام دیتا تھا تو ایسا ہوا کہ کہانت کے دستور کے موافق اس کے نام کا قرعہ نکلا کہ خداوند کے مقدس میں جا کر خوشبو جلائے۔ اور لوگوں کی ساری جماعت خوشبو جلاتے وقت باہر دعا کر رہی تھی۔ کہ خداوند کا فرشتہ خوشبو کے مذبح کی دہنی طرف کھڑا ہوا اس کو دکھائی دیا۔ اور زکریاہ دیکھ کر گھبرایا اور اس پر دہشت چھا گئی۔ مگر فرشتہ نے اس سے کہا اے زکریاہ! خوف نہ کر کیونکہ تیری دعا سن لی گئی اور تیرے لئے تیری بیوی الیشبع کے بیٹا ہوگا۔ تو اس کا نام یوحنا رکھنا۔ اور تجھے خوشی و خرمی ہوگی اور بہت سے لوگ اس کی پیدائش کے سبب سے خوش ہوں گے۔ کیونکہ وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہر گز نہ مے اور نہ کوئی اور شراب پئے گا اور اپنی ماں کے بطن ہی سے روح القدس سے بھر جائے گا۔ اور بہت سے بنی اسرائیل کو خداوند کی طرف جو ان کا خدا ہے پھیرے گا۔ اور وہ ایلیاہ کی روح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا کہ والدوں کے دل اولاد کی طرف اور نافرمانوں کو راستبازوں کی دانائی پر چلنے کی طرف پھیرے اور خداوند کے لئے ایک مستعد قوم تیار کرے۔ زکریاہ نے فرشتہ سے کہا میں اس بات کو کس طرح

Marfat.com

جانوں کیونکہ بوڑھا ہوں اور میری بیوی عمر رسیدہ ہے۔ فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا میں جبرائیل ہوں جو خدا کے حضور کھڑا رہتا ہوں اور اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تجھ سے کلام کروں اور تجھے ان باتوں کی خوشخبری دوں۔ اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا۔ اس لئے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر پوری ہوں گی یقین نہ کیا۔[۲۴] اور لوگ زکریاہ کی راہ دیکھتے اور تعجب کرتے تھے کہ اسے مقدس میں کیوں دیر لگی۔ جب وہ باہر آیا تو ان سے بول نہ سکا۔ پس انہوں نے معلوم کیا کہ اس نے مقدس رویا دیکھی ہے اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا اور گونگا ہی رہا۔ پھر ایسا ہوا کہ جب اس کی خدمت کے دن پورے ہوگئے تو وہ اپنے گھر گیا۔

ان دنوں کے بعد اس کی بیوی الیشبع حاملہ ہوئی اور اس نے پانچ مہینے تک اپنے تیئں یہ کہہ کر چھپائے رکھا کہ جب خداوند نے میری رسوائی لوگوں میں سے دور کرنے کے لئے مجھ پر نظر کی ان دنوں میں اس نے میرے لئے ایسا کیا۔

چھٹے مہینے جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرۃ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا۔ جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نام سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا۔ اور فرشتہ نے اس کے پاس اندر آکر کہا سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے اور خداوند تیرے ساتھ ہے۔ وہ اس کلام سے بہت گھبرا گئی اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا سلام ہے۔ فرشتہ نے اس سے کہا اے مریم خوف نہ کر کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے۔ اور دیکھ تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام یسوع رکھنا۔ وہ بزرگ ہوگا اور خدا تعالیٰ کا بیٹا کہلائے گا اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا۔ اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا اور اس کی بادشاہی کا

Marfat.com

آخر نہ ہوگا۔ مریم نے فرشتہ سے کہا یہ کیونکر ہوگا جبکہ میں مرد کو نہیں جانتی؟۔ اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی اور اس سبب سے وہ مولود مقدس خدا کا بیٹا کہلائے گا۔ اور دیکھ تیری رشتہ دار الیشبع کے بھی بڑھاپے میں بیٹا ہونے والے ہے اور اس کو جو بانجھ کہلاتی تھیں چھٹا مہینہ ہے۔ کیونکہ جو قول خدا کی طرف سے ہے وہ ہرگز بے تاثیر نہ ہوگا۔ مریم نے کہا دیکھ میں خداوند کی بندی ہوں۔ میرے لئے تیرے قول کے موافق ہو۔ تب فرشتہ اس کے پاس سے چلا گیا۔

ان ہی دنوں مریم اٹھی اور جلدی سے پہاڑی ملک میں یہوداہ کے ایک شہر کو گئی۔ اور زکریاہ کے گھر میں داخل ہو کر الیشبع کو سلام کیا۔ اور جونہی الیشبع نے مریم کا سلام سنا تو ایسا ہوا کہ بچہ اس کے رحم میں اچھل پڑا اور الیشبع روح القدس سے بھر گئی۔ اور بلند آواز سے پکار کر کہنے لگی کہ تو عورتوں میں مبارک اور تیرے رحم کا پھل مبارک ہے۔ اور مجھ پر یہ فضل کہاں سے ہوا کہ میرے خداوند کی ماں میرے پاس آئی۔ کیونکہ دیکھ جونہی تیرے سلام کی آواز میرے کان میں پہنچی بچہ مارے خوشی کے میرے رحم میں اچھل پڑا۔ اور مبارک ہے وہ جو ایمان لائی کیونکہ جو باتیں خداوند کی طرف سے اس سے کہی گئی تھیں وہ پوری ہوں گی۔ پھر مریم نے کہا کہ:

میری جان خداوند کی بڑائی کرتی ہے۔
اور میری روح میرے منجی خدا سے خوش ہوئی۔
کیونکہ اس نے اپنی بندی کی پست حالی پر نظر کی
اور دیکھ اب سے لے کر ہر زمانہ کے لوگ مجھ کو مبارک کہیں گے۔
کیونکہ اس قادر نے میرے لئے بے بڑے کام کئے ہیں
اور اس کا نام پاک ہے۔

Marfat.com

اور اس کا رحم ان پر جو اس سے ڈرتے ہیں پشت در پشت رہتا ہے۔

اس نے اپنے بازو سے زور دکھایا اور جو اپنے تئیں بڑا سمجھتے تھے ان کو پراگندہ کیا۔ اس نے اختیار والوں کو تخت سے گرا دیا اور پست حالوں کو بلند کیا اس نے بھوکوں کو اچھی چیزوں سے سیر کر دیا۔

اور دولت مندوں کو خالی ہاتھ لوٹا دیا۔

اس نے اپنے خادم اسرائیل کو سنبھال لیا

تاکہ اپنی اس رحمت کو یاد فرمائے۔

جو ابرہام اور اس کی نسل پر ابد تک رہے گی۔

جیسا اس نے ہمارے باپ دادا سے کہا تھا۔

اور مریم تین مہینے کے قریب اس کے ساتھ رہ کر اپنے گھر کو لوٹ گئی۔(۲۵)

اسی کے بعد یحیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے اور پھر مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اوگوسس کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں۔ یہ پہلی اسم نویسی سوریہ کے حاکم کورنیس کے عہد میں ہوئی۔ اور سب لوگ نام لکھوانے کے لئے اپنے اپنے شہر کو گئے۔ پس یوسف بھی گلیل کے شہر ناصرۃ سے داؤد کے شہر بیت لحم کو گیا جو یہودیہ میں ہے۔ اس لئے کہ وہ داؤد کے گھرانے اور اولاد سے تھا۔ تاکہ اپنی منگیتر مریم کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھوائے۔ جب وہ وہاں تھے تو ایسا ہوا کہ اس کے وضع حمل کا وقت آ پہنچا۔ اور اس کا پہلوٹا بیٹا پیدا ہوا اور اس نے اس کو کپڑے میں لپیٹ کر چرنی میں رکھا کیونکہ ان کے واسطے سرای میں جگہ نہ تھی۔(۲۶)

مسیح کی پیدائش کے بارے میں یہ تفصیلات ہیں جو اولین مسیحی مصادر میں موجود

Marfat.com

ہیں۔ قرآن مجید نے پیدائش کے بعد ان کی زندگی کے احوال کی تفصیلات نہیں مہیا کی ہیں۔ ان کا بچپن اور جوانی کیسے گزرا؟ دعوتی سرگرمیوں کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟ قرآن اس بارے میں خاموش ہے۔ ہمارے مفسرین نے اسرائیلی روایات کے ذریعے اپنی کتابوں میں کچھ تفاصیل دی ہیں لیکن ان کے ماخذ کی حتمی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ مسیحؑ کے احوال حیات پر مسیحی مصنفین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ہمارے پیش نظر چونکہ ان کی سوانح حیات لکھنا نہیں ہے اس لئے ان تفاصیل سے اعتنا ممکن ہیں البتہ اناجیل اربعہ میں جو واقعات درج ہیں انہیں بیان کیا جاتا ہے تاکہ ان کی زندگی کے وہ گوشے بھی سامنے آجائیں جنہیں قرآن نے بیان نہیں کیا۔ ہم ان واقعات کی صحت و صداقت کی بحث میں نہیں پڑتے تاہم مسیحی لٹریچر میں اناجیل اربعہ کی اولیں حیثیت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ مسلم لٹریچر میں اسرائیلی روایات کو جو مواد منقول ہے وہ زیادہ تر وھب بن منبہ سے ہے لہٰذا ہر روایت کا اختتام وہیں پر ہوتا ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ صرف ان واقعات کو درج کیا جائے جو اناجیل اربعہ میں مذکور ہیں تاکہ صحت و عدم صحت کی بات ایک معلوم ماخذ کے حوالے سے ہو سکے۔ لیکن اس ماخذ کے بارے میں الفرڈ ایڈرشیم (Alferf Edersheim) کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں :

That silence, in contrast to the almost plasphamous absurdities of the Apocryphalgospels, teaches us once more and most impressively, that the Gospels furnish a history of the Saviour, not a biography of jesus of Nazareth(۲۷)

مسیح علیہ السلام کی ابتدائی زندگی

متی نے مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے موقع سے متعلق ایک عجیب واقعہ لکھا جس کی حیثیت بشارت کی بھی ہوسکتی ہے اور شخصیت کی حفاظت کی بھی۔ متی لکھتے ہیں :

Marfat.com

جب یسوع ہیرودیس بادشاہ کے زمانہ میں یہودیہ کے بیت لحم میں پیدا ہوا تو دیکھو کئی مجوسی پورب سے یروشلیم میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ۔ یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا ہے وہ کہاں ہے؟ کیونکہ پورب میں اس کا ستارہ دیکھ کر ہم اسے سجدہ کرنے آئے ہیں۔ یہ سن کر ہیرودیس بادشاہ اور اس کے ساتھ یروشلیم کے سب لوگ گھبرا گئے۔ اور اس نے قوم کے سب سردار کاہنوں اور فقیہوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا کہ مسیحؑ کی پیدائش کہاں ہونی چاہیے؟ انہوں نے اس سے کہا کہ یہودیہ کے بیت لحم میں کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا گیا ہے کہ:

اے بیت لحم یہوداہ کے علاقے
تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں۔
کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا
جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا۔

اس پر ہیرودیس نے مجوسیوں کو چپکے سے بلا کر ان سے تحقیق کی کہ ستارہ کس وقت دکھائی دیا تھا۔ اور یہ کہہ کر انہیں بیت لحم کو بھیجا کہ جا کر اس بچے کی بابت ٹھیک دریافت کرو اور جب وہ ملے تو مجھے خبر دو تاکہ میں بھی آ کر اسے سجدہ کروں۔ وہ بادشاہ کی بات سن کر روانہ ہوئے اور دیکھو جو ستارہ انہوں نے پورب میں دیکھا تھا وہ ان کے آگے آگے چلا۔ یہاں تک کہ اس جگہ کے اوپر جا کر ٹھہر گیا جہاں وہ بچہ تھا۔ وہ ستارے کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔ اور اس گھر میں پہنچ کر بچے کو اس کی ماں مریم کے پاس دیکھا اور اس کے آگے گر کر سجدہ کیا اور اپنے ڈبے کھول کر سونا اور لبان اور مرا اس کو نذر کیا۔ اور ہیرودیس کے پاس پھر نہ جانے کی ہدایت خواب میں پا کر دوسری راہ سے اپنے ملک کو روانہ ہوئے۔

جب وہ روانہ ہو گئے تو دیکھو خداوند کے فرشتہ نے یوسف کو خواب

Marfat.com

میں دکھائی دے کر کہا اٹھ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا اور جب تک میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا کیونکہ ہیرودیس اس بچے کو تلاش کرنے کو ہے تاکہ اسے ہلاک کرے۔ پس وہ اٹھا اور رات کے وقت بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو روانہ ہوگیا۔ اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا تاکہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ مصر میں سے میں نے انے بیٹے کو بلایا۔ جب ہیرودیس نے دیکھا کہ مجوسیوں نے میرے ساتھ ہنسی کی تو نہایت غصے ہوا اور آدمی بھیج کر بیت لحم اور اس کی سب سرحدوں کے اندر کے ان سب لڑکوں کو قتل کروا دیا جو دو دو برس کے یا اس سے چھوٹے تھے۔ اس وقت کے حساب سے جو اس نے مجوسیوں سے تحقیق کی تھی۔ اس وقت وہ بات پوری ہوئی جو یرمیاہ نبی کی معرفت کی گئی تھی کہ رامہ میں آواز سنائی دی۔

رونا اور بڑا ماتم:
راخل اپنے بچوں کو رو رہی ہے
اور تسلی قبول نہی کرتی اس لئے کہ وہ نہیں ہیں۔

جب ہیرودیس مرگیا تو دیکھو خداوند کے فرشتہ نے مصر میں یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ۔ اٹھ اس بچے اور اس کی ماں کو لے کر اسرائیل کے ملک میں چلا جا کیونکہ جو بچے کی جان کے خواہاں تھے وہ مر گئے۔ پس وہ اٹھا اور بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر اسرائیل کے ملک میں آگیا۔ مگر جب سنا کہ ارخلاؤس اپنے باپ ہیرودیس کی جگہ یہودیہ میں بادشاہی کرتا ہے تو وہاں جانے سے ڈرا اور خواب میں ہدایت پا کر گلیل کے علاقہ کو روانہ ہوگیا۔ اور ناصرۃ نام ایک شہر میں جا بسا تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔(۲۸)

لوقا نے بھی پیدائش کے واقعہ کو بشارت کے انداز میں بیان کیا ہے اور ان کی ابتدائی زندگی کے بارے میں درج ذیل مختصر معلومات مہیا کی ہیں:

اسی علاقے میں چرواہے سے جو رات کو میدان میں رہ کر اپنے گلہ کی نگہبانی کر رہے تھے۔ اور خداوند کا فرشتہ ان کے پاس آ کھڑا ہوا اور خداوند کا جلال ان کے چو گرد چمکا اور وہ نہایت ڈر گئے۔ مگر فرشتہ نے ان سے کہا ڈرو مت کیونکہ دیکھو میں تمہیں بڑی خوشی کی بشارت دیتا ہوں جو ساری امت کے واسطے ہوگی۔ کہ آج داؤد کے شہر میں تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہوا ہے یعنی مسیحؑ خداوند۔ اور اس کے تمہارے لئے یہ نشان ہے کہ تم ایک بچہ کو کپڑے میں لپٹا اور چرنی میں پڑا ہوا پاؤ گے۔ اور یکایک اس فرشتہ کے ساتھ آسمانی لشکر کی ایک گروہ خدا کی حمد کرتی اور یہ کہتی ظاہر ہوئی کہ۔

عالم بالا پر خدا کی تمجید ہو اور زمین پر ان آدمیوں میں جن سے وہ راضی ہے صلح۔

جب فرشتے ان کے پاس سے آسمان پر چلے گئے تو ایسا ہوا کہ چرواہوں نے آپس میں کہا کہ آؤ بیت لحم تک چلیں اور یہ بات جو ہوئی ہے اور جس کی خداوند نے ہم کو خبر دی ہے دیکھیں۔ پس انہوں نے جلدی سے جا کر مریم اور یوسف کو دیکھا اور اس بچہ کو چرنی میں پڑا پایا۔ اور انہیں دیکھ کر وہ بات جو اس لڑکے کے حق میں ان سے کہی گئی تھی مشہور کی۔ اور سب سننے والوں نے ان باتوں پر جو چرواہوں نے ان سے کہیں تعجب کیا۔ مگر مریم ان سب باتوں کو اپنے دل میں رکھ کر غور کرتی رہی۔ اور چرواہے جیسا ان سے کہا گیا تھا ویسا ہی سب کچھ سن کر اور دیکھ کر خدا کی تمجید اور حمد کرتے ہوئے لوٹ گئے۔

جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اس کے ختنہ کا وقت آیا تو اس کا نام یسوع رکھا گیا جو فرشتہ نے اس کے رحم میں پڑنے سے پہلے رکھا تھا۔

پھر جب موسیٰ کی شریعت کے موافق ان کے پاک ہونے کے دن پورے ہوگئے تو وہ اس کو یروشلیم میں لائے تاکہ خداوند کے آگے حاضر

کریں۔ (جیسا کہ خداوند کی شرعت میں لکھا ہے کہ ہر ایک پہلوٹا خداوند کے لئے مقدس ٹھہرے گا)۔ اور خداوند کی شریعت کے اس قول کے موافق قربانی کریں کہ قمریوں کا ایک جوڑا یا کبوتر کے دو بچے لاؤ۔ اور دیکھو یرو شیلم میں شمعون نامی ایک آدمی تھا اور وہ آدمی راستباز اور خدا ترس اور اسرائیل کی تسلی کا منتظر تھا اور روح القدس اس پر تھا۔ اور اس کو روح القدس سے آگاہی ہوئی تھی کہ جب تک تو خداوند کے مسیحؑ کو دیکھ نہ لے موت کو نہ دیکھے گا۔ وہ روح کی ہدایت سے ہیکل میں آیا اور جس وقت ماں باپ اس لڑکے یسوع کو اندر لائے تاکہ اس کے لئے شریعت کے دستور پر عمل کریں۔ تو اس نے اسے اپنے گود میں لیا اور خدا کی حمد کرکے کہا کہ۔

اے مالک اب تو اپنے خادم کو اپنے قول کے موافق سلامتی سے رخصت کرتا ہے۔

کیونکہ میری آنکھوں نے تیری نجات دیکھ لی ہے۔ جو تونے سب امتوں کے رو برو تیار کی ہے۔ تاکہ غیر قوموں کو روشنی دیے والا نور اور تیری امت اسرائیل کا جلال بنے۔

اور اس کا باپ اور اس کی ماں ان باتوں پر جو اس کے حق میں کہی جاتی تھیں تعجب کرتے تھے۔ اور شمعون نے ان کے لئے دعائے خیر کی اور اس کی ماں مریم سے کہا دیکھ یہ اسرائیل میں بہتوں کے گرنے اور اٹھنے کے لئے اور ایسا نشان ہونے کے لئے مقرر ہوا ہے جس کی مخالفت کی جائے گی۔ بلکہ خود تیری جان بھی تلوار سے چھد جائے گی تاکہ بہت لوگوں کے دلوں کے خیال کھل جائیں۔ اور آشر کے قبیلہ میں سے حناہ نام فنوایل کی بیٹی ایک نبیہ تھی۔ وہ بہت عمر رسیدہ تھی اور اس نے اپنے کنوار پن کے بعد سات برس ایک شوہر کے ساتھ گزارے تھے۔ وہ چوراسی برس سے بیوہ تھی اور ہیکل سے جدا نہ ہوتی تھی بلکہ رات دن

Marfat.com

روزوں اور دعاؤں کے ساتھ عبادت کیا کرتی تھی۔ اور وہ اسی گھڑی وہاں آ کر خدا کا شکر کرنے لگی اور ان سب سے جو یروشلیم کے چھٹکارے کے منتظر تھے اس کی بابت باتیں کرنے لگی۔ اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کر چکے تو گلیل میں اپنے شاہر ناصرة کو پھر گئے۔

اور وہ لڑکا بڑھتا اور قوت پاتا گیا اور حکمت سے معمور ہوتا گیا اور خدا کا فضل اس پر تھا۔

اس کے ماں باپ ہر برس عید فسح پر یروشلیم کو جایا کرتے تھے۔ اور جب وہ بارہ برس کا ہوا تو وہ عید کے دستور کے موافق یروشلیم کو گئے۔ جب وہ ان دنوں کو پورا کر کے لوٹے تو وہ لڑکا یسوع یروشلیم میں رہ گیا اور اس کے ماں باپ کو خبر نہ ہوئی۔ مگر یہ سمجھ کر کہ وہ قافلہ میں ہے ایک منزل نکل گئے اور اسے اپنے رشتہ داروں اور جان پہچانوں میں ڈھونڈنے لگے۔ جب نہ ملا تو اسے ڈھونڈتے ہوئے یروشلیم تک واپس گئے۔ اور تین روز کے بعد ایسا ہوا کہ انہوں نے اسے ہیکل کے استادوں کے بیچ میں بیٹھے ان کی سنتے اور ان سے سوال کرتے ہوئے پایا۔ اور جتنے اس کی سن رہے تھے اس کی سمجھ اور اس کے جوابوں سے دنگ تھے۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئے اور اس کی ماں نے اسے کہا کہ بیٹا تو نے کیوں ہم سے ایسا کیا؟ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے۔ اس نے ان سے کہا تم مجھے کیوں ڈھونڈتے تھے؟ کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ مجھے اپنے باپ کے ہاں ہونا ضرور ہے؟ مگر جو بات اس نے ان سے کہی اسے وہ نہ سمجھے۔ اور وہ ان کے ساتھ روانہ ہو کر ناصرة میں آیا اور ان کے تابع رہا اور اس کی ماں نے یہ سب باتیں اپنے دل میں رکھیں۔

اور یسوع حکمت اور قد و قامت میں اور خدا کی اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا۔[۲۹]

یحییٰ علیہ السلام سے ملاقات

مسیح علیہ السلام کی یحییٰؑ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے یحییٰؑ سے بپتسمہ لیا۔ اس واقعہ کو اناجیل میں بیان کیا گیا ہے مثلاً متی لکھتے ہیں:

ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ۔ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔ یہ وہی ہے جس کا ذکر یسعیاہ نبی کی معرفت یوں ہوا کہ

بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو۔ اس کے راستے سیدھے بناؤ۔

یہ یوحنا اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنے اور چمڑے کا پٹکا اپنی کمر سے باندھے رہتا تھا اور اس کی خوراک ٹڈیاں اور جنگلی شہد تھا۔ اس وقت یروشلیم اور سارے یہودیہ اور یردن کے گرد و نواح کے سب لوگ نکل کر اس کے پاس گئے۔ اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے دریائے یردن میں اس سے بپتسمہ لیا۔ مگر جب اس نے بہت سے فریسیوں اور صدوقیوں کو بپتسمہ کے لئے اپنے پاس آتے دیکھا تو ان سے کہا کہ اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے جتا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو؟۔ پس توبہ کے موافق پھل لاؤ۔ اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابرہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابرہام کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ اور اب درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے۔ پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ میں تو تم کو توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے۔ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ اس کا چھاج اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیہان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو توکھتے میں جمع کرے گا مگر بھوسی کو اس آگ میں جلائے گا

Marfat.com

جو بجھنے کی نہیں۔

اس وقت یسوع گلیل سے یردن کے کنارے یوحنا کے پاس اس سے بپتسمہ لینے آیا۔ مگر یوحنا یہ کہہ کر اسے منع کرنے لگا کہ میں آپ تجھ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں اور تو میرے پاس آیا ہے؟۔ یسوع نے جواب میں اس سے کہا اب تو ہونے ہی دے کیونکہ ہمیں اسی طرح ساری راستبازی پوری کرنا مناسب ہے۔ اس پر اس نے ہونے دیا۔ اور یسوع بپتسمہ لے کر فی الفور پانی کے پاس سے اوپر گیا اور دیکھو اس کے لئے آسمان کھل گیا اور اس نے خدا کے روح کو کبوتر کی مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا۔ اور دیکھو آسمان سے یہ آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔[۳۰]

یوحنا کا بیان ہے:

اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلیم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔ یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟۔ یوحنا نے جواب دیا میں نے ان سے کہا کہ میں پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں تمہارے درمیان ایک شخص کھڑا ہے جسے تم نہیں جانتے۔ یعنی میرے بعد کا آنے والا جس کی جوتی کا تسمہ میں کھولنے کے لائق نہیں۔ یہ باتیں یردن کے پار بیت

Marfat.com

عنیاہ میں واقع ہوئیں جہاں یوحنا بپتسمہ دیتا تھا۔

دوسرے دن اس نے یسوع کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا دیکھو یہ خدا کا برہ ہے۔ جو دنیا کا گناہ اٹھا لے جاتا ہے۔ یہ وہی ہے جس کی بابت میں نے کہا تھا کہ ایک شخص میرے بعد آتا ہے جو مجھ سے مقدم ٹھہرا ہے کیونکہ وہ مجھ سے پہلے تھا۔ اور میں تو اسے پہچانتا نہ تھا مگر اس لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوا آیا کہ وہ اسرائیل پر ظاہر ہو جائے۔ اور یوحنا نے یہ گواہی دی کہ میں نے روح کو کبوتر کی طرح آسمان سے اترتے دیکھا ہے اور وہ اس پر ٹھہر گیا۔ اور میں تو اسے پہچانتا نہ تھا مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے کو بھیجا اسی نے مجھ سے کہا کہ جس پر تو روح کو اترتے اور ٹھہرتے دیکھے وہی روح القدس سے بپتسمہ دینے والا ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا اور گواہی دی ہے کہ یہ خدا کا بیٹا ہے۔ [۳۱]

مرقس لکھتے ہیں:

یسوع مسیحؑ ابن خدا کی خوشخبری کا شروع
جیسا یسعیاہ نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ
دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں
جو تیری راہ تیار کرے گا
بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ
خداوند کی راہ تیار کرو۔
اسکے راستے سیدھے بناؤ۔

یوحنا آیا اور بیابان میں بپتسمہ دیتا اور گناہوں کی معافی کے لئے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا تھا۔ اور یہودیہ کے ملک کے سب لوگ اور یروشلیم کے سب رہنے والے نکل کر اس کے پاس گئے اور انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے دریای یردن میں اس سے بپتسمہ لیا۔ اور یوحنا اونٹ کے بالوں کا لباس پہنے اور چمڑے کا پٹکا اپنی کمر سے باندھے

Marfat.com

رہتا اور ٹڈیاں اور جنگلی شہد کھاتا تھا۔ اور یہ منادی کرتا تھا کہ میرے بعد وہ شخص آنے والا ہے جو مجھ سے زور آور ہے۔ میں اس لائق نہیں کہ جھک کر اس کی جوتیوں کا تسمہ کھولوں۔ میں نے تو تم کو پانی سے بپتسمہ دیا مگر وہ تم کو روح القدس سے بپتسمہ دے گا۔

اور ان دنوں ایسا ہوا کہ یسوع نے گلیل کے ناصرۃ سے آکر یردن سے یوحنا سے بپتسمہ لیا۔ اور جب وہ پانی سے نکل کر اوپر آیا تو فی الفور اس نے آسمان کو پھٹتے اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اترتے دیکھا۔ اور آسمان سے آواز آئی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے۔ تجھ سے میں خوش ہوں۔[۳۲]

لوقا بیان کرتے ہیں:

تبریس قیصر کی حکومت کے پندرھویں برس جب پنطیس پیلاطس یہودیہ کا حاکم تھا اور ہیرودیس گلیل کا اور اس کا بھائی فلپس اتوریہ اور ترخونی تس کا اور لسانیاس ابلینے کا حاکم تھا۔ اور حناہ اور کائفا سردار کاہن تھے اس وقت خدا کا کلام بیابان میں زکریاہ کے بیٹے یوحنا پر نازل ہوا۔ اور وہ یردن کے سارے گرد و نواح میں جا کر گناہوں کی معافی کے لئے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرنے لگا۔ جیسا یسعیاہ نبی کے کلام کی کتاب میں لکھا ہے کہ:

بیابان میں پکانے والی کی آواز آتی ہے کہ
خداوند کی راہ تیار کرو۔
اس کے راستے سیدھے بناؤ۔
ہر ایک گھاٹی بھر دی جائے گی
اور ہر ایک پہاڑ اور ٹیلہ نیچا کیا جائے گا
اور جو ٹیڑھا ہے سیدھا
اور جو اونچا نیچا ہے ہموار راستہ بنے گا۔

Marfat.com

اور ہر بشر خدا کی نجات دیکھے گا۔

پس جو لوگ اس سے بپتسمہ لینے کو نکل کر آتے تھے وہ ان سے کہتا تھا اے سانپ کے بچو! تمہیں کس نے جتایا کہ آنے والے غضب سے بھاگو؟ پس توبہ کے موافق پھل لاؤ اور اپنے دلوں میں یہ کہنا شروع نہ کرو کہ ابرہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابرہام کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ اور اب تو درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہے۔ پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا پھر ہم کیا کریں؟ اس نے جواب میں ان سے کہا جس کے پاس دو کرتے ہوں وہ اس کو جسے پاس نہ ہو بانٹ دے اور جس کے پاس کھانا ہو وہ بھی ایسا ہی کرے۔ اور محصول لینے والے بھی بپتسمہ لینے کو آئے اور اس سے پوچھا کہ اے استاد ہم کیا کریں؟ اس نے ان سے کہا جو تمہارے لیے مقرر ہے اس سے زیادہ نہ لینا۔ اور سپاہیوں نے بھی اس سے پوچھا کہ ہم کیا کریں؟ اس نے ان سے کہا نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ کسی سے ناحق کچھ لو اور تنخواہ پر کفایت کرو۔

جب لوگ منتظر تھے اور سب اپنے اپنے دل میں یوحنا کی بابت سوچتے تھے کہ آیا وہ مسیح ہے یا نہیں۔ تو یوحنا نے ان سب سے جواب میں کہا میں تو تمہیں پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں مگر جو مجھ سے زور آور ہے وہ آنے والا ہے۔ میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں۔ وہ تمہیں روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ اس کا چھاج اس کے ہاتھ میں ہے تاکہ وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے اور گیہوں کو اپنے کھتے میں جمع کرے مگر بھوسی کو اس آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں۔

پس وہ اور بہت سی نصیحت کر کے لوگوں کو خوشخبری سناتا رہا۔ لیکن چوتھائی ملک کے حاکم ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب

Marfat.com

سے اور ان سب برائیوں کے باعث جو ہیرودلیس نے کی تھیں یوحنا سے ملامت اٹھا کر۔ ان سب سے بڑھ کر یہ کیا کہ اس کو قید میں ڈالا۔

جب سب لوگوں نے بپتسمہ لیا اور یسوع بھی بپتسمہ پا کر دعا کر رہا تھا تو ایسا ہوا کہ آسمان کھل گیا۔ اور روح القدس جسمانی صورت میں کبوتر کی مانند اس پر نازل ہوا اور آسمان سے آواز آئی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے۔ تجھ سے میں خوش ہوں۔(۳۴)

مسیح علیہ السلام کی آزمائش

اناجیل اربعہ میں مسیح علیہ السلام کی آزمائش کا واقعہ بھی بیان ہوا ہے۔ جس کے مطابق ابلیس نے مسیحؑ کے ایمان کو مختلف طریقوں سے جانچنے کی کوشش کی اور مسیحؑ ہر بار اس کے داؤ سے محفوظ رہے۔ متیؒ اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اس وقت روح یسوع کو جنگل میں لے گیا تاکہ ابلیس سے آزمایا جائے۔ اور چالیس دن اور چالیس رات فاقہ کر کے آخر کو اسے بھوک لگی۔ اور آزمانے والے نے پاس آکر اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو فرما کہ یہ پتھر روٹیاں بن جائیں۔ اس نے جواب میں کہا لکھا ہے کہ آدمی صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے گا بلکہ ہر بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے۔ تب ابلیس اسے مقدس شہر میں لے گیا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اس سے کہا کہ۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرا دے کیونکہ لکھا ہے کہ

وہ تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا
اور وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھا لیں گے
ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر سے ٹھیس لگے۔

یسوع نے اسے کہا یہ بھی لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر۔ پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب

Marfat.com

سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی۔ اور اس سے کہا اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا، اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ تب ابلیس اس کے پاس سے چلا گیا اور دیکھو فرشتے آکر اس کی خدمت کرنے لگے۔(۳۴)

مرقس اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اور فی الفور روح نے اسے بیابان میں بھیج دیا۔ اور وہ بیابان میں چالیس دن تک شیطان سے آزمایا گیا اور جنگلی جانوروں کے ساتھ رہا کیا اور فرشتے اس کی خدمت کرتے رہے۔(۳۵)

لوقا کا بیان ہے:

پھر یسوع روح القدس سے بھرا ہوا یردن سے لوٹا اور چالیس دن تک روح کی ہدایت سے بیابان میں پھرتا رہا۔ اور ابلیس اسے آزماتا رہا۔ ان دنوں میں اس نے کچھ نہ کھایا اور جب وہ دن پورے ہوگئے تو اسے بھوک لگی۔ اور ابلیس نے اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اس پتھر سے کہہ کہ روٹی بن جائے۔ یسوع نے اس کو جواب دیا لکھا ہے کہ آدمی صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے گا۔ اور ابلیس نے اسے اونچے پر لے جا کر دنیا کی سب سلطنتیں پل بھر میں دکھائیں۔ اور اس سے کہا کہ یہ سارا اختیار اور ان کی شان و شوکت میں تجھے دے دوں گا کیونکہ یہ میرے سپرد ہے اور جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ پس اگر تو میرے آگے سجدہ کرے تو یہ سب تیرا ہوگا۔ یسوع نے جواب میں اس سے کہا لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ اور وہ اسے یروشلیم میں لے گیا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اس سے کہا اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں یہاں سے نیچا گرا دے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ

وہ تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا کہ تیری حفاظت کریں۔

اور یہ بھی کہ

وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھالیں گے۔

مبادا تیرے پاؤں کو پتھر سے ٹھیس لگے۔

یسوع نے جواب میں اس سے کہا فرمایا گیا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر۔ (۳۶)

مسیحؑ کی شخصیت

مسیحؑ کی شخصی تصویر کا کوئی خاکہ سامنے نہیں آتا۔ بہرکیف ایک اسرائیلی شخصیت جو بچپن سے جوانی تک اسرائیلی ماحول میں پروان چڑھی۔ ان کا سراپا معلوم کرنا بظاہر مشکل ہے لیکن اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آنحضورؐ کے بعض ارشادات سے ایک تصویر بنتی ہے۔ ہم بخاری سے وہ بیان نقل کرتے ہیں جو راوی کے بقول حضور اکرمؐ نے مسیحؑ کی شخصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

ربعة احمر كانما خرج من ديماس يعني الحمام (۳۷)

میانہ قد سرخ رنگ گویا ابھی دیماس یعنی حمام سے نکلے ہیں

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

و ارانی اللیة عند الکعبة فی المنام فاذا رجل آدم کا حسن ما یری من ادم الرجال تضرب لمته بین منکبیه رجل الشعر یقطر اسه ماء (۳۸)

مجھے رات کے وقت خواب میں کعبہ کے پاس دکھایا گیا کہ ایک شخص جو گندمی رنگ کا تھا ایسا جو آدمیوں میں بہت اچھا گندمی رنگ لگے۔ کاکل کندھوں تک لٹکے ہوئے تھے اور بال کچھ گھنگریالے تھے اور سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

مسیحؑ کی شخصیت غیر معمولی کشش رکھتی تھی۔ معجزاتی شخصیت ہونے کے باعث بے پناہ تاثیر رکھتے تھے۔ اللہ نے ظاہری و باطنی خوبیوں سے نوازا تھا۔

امام مسلم نے نواس بن سمعان سے طویل حدیث نقل کی جس کے ایک حصہ میں مسیحؑ کے نزول کا ذکر ہے۔ آنحضورؐ سے منقول اس حدیث میں مسیحؑ کی شخصیت کا ایک نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ذیل میں ہم وہ حصہ نقل کرتے ہیں:

اذ بعث اللہ المسیحؑ بن مریم علیہ السلام فینزل عند المنارۃ البیضاء شرقی دمشق بین مھر و دتین و اضعا کفیہ علی اجنحۃ ملکین اذا طاء طاء راسہ قطر و اذا رفعہ تحدر منہ جمان کالولو..."(۳۹)

اللہ جب مسیحؑ بن مریم کو بھیجے گا تو وہ مسجد دمشق کے مشرقی جانب کے سفید مینارہ پر اتریں گے اور ان کے بدن پر (سرخی مائل) گہری زرد رنگ کی دو چادریں ہوں گی اور دو فرشتوں کے بازوؤں پر سہارا لئے ہوں گے۔ جب سر جھکائیں گے تو سر سے پانی ٹپک پڑنے لگے گا۔ اور جب سر اٹھائیں گے پانی کے قطرے موتیوں کی طرح ٹپکیں گے۔ (گویا نہا کر آ رہے ہوں گے)۔

آنحضورؐ کی ایک روایت کے مطابق آپ عروہ بن مسعود کے مشابہ تھے۔(۴۰) مسیحؑ کی شخصیت انبیاء کی خصوصیات کی حامل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بگڑی ہوئی جرائم پیشہ قوم کی اصلاح کے لئے بھیجا تھا اس لئے انہیں خصوصی تاثیر اور تائید سے نوازا۔ ان کے لئے "وایدناہ بروح القدس" کے الفاظ استعمال کئے اور مجرمین سے محفوظ رکھنے کے لئے خصوصی انتظام کیا۔

بعثت و رسالت

مسیح نے گہوارے میں اپنی نبوت و رسالت اور کتاب الٰہی ملنے کا اعلان کیا تھا۔ اس لئے سن شعور کو پہنچتے ہی کار دعوت میں مشغول ہوگئے۔ قرآن نے عمر کا تعین نہیں کیا البتہ لوقا میں ہے کہ جب یسوع خود تعلیم دینے لگا قریبا تیس برس کا تھا۔(۴۱) اور دینی امور میں دلچسپی تو پہلے سے ہی تھی۔ لوقا کے مطابق بارہ برس کی عمر میں انہوں

نے اسے ہیکل میں استادوں کے بیچ میں بیٹھے ان کی سنتے اور ان سے سوال کرتے ہوئے پایا۔[۴۲] مسیحؑ کی بعثت بنیادی طور پر یہودیوں کے لئے تھی۔[۴۳] اس لئے بنی اسرائیل کی دینی و اخلاقی حالت کا جاننا ضروری ہے۔

مسیحؑ کی بعثت کے وقت بنی اسرائیل اپنے اخلاقی زوال کی گرفت میں تھے۔ اور ایک عرصے سے وہ ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ انفرادی اور اجتماعی عیوب و نقائص کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جو ان سے بچ رہا ہو وہ اعتقاد و عمل دونوں ہی قسم کی گمراہیوں کا مرکز و محور بن گئے تھے۔ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کی بے راہ روی کو مفصل بیان کیا ہے۔ قرآن کے مطابق وہ جن جرائم کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہوئے ان میں ایک قتل انبیاء بھی ہے۔ ارشاد باری ہے:

ضربت علیھم الذلۃ و المسکنۃ و باء و بغضب من اللہ ذلک بانھم کانو یکفرن بایات اللہ ویقتلون النبین بغیر الحق ذالک بما عصوا و کانو یعتدون[۴۴]

> آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ ذلت و خواری اور پستی و بدحالی ان پر مسلط ہوگئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ نتیجہ تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرنے لگے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے لگے۔ یہ نتیجہ تھا ان کی نافرمانیوں کا اور اس بات کا کہ وہ حدود شرع سے نکل نکل جاتے تھے۔

جہاں تک انبیاء کی توہین اور ان کے قتل کا تعلق ہے تو بنی اسرائیل نے اپنی تاریخ میں خود اسے بیان کیا ہے۔ یہاں چند ایک واقعات نقل کئے جاتے ہیں جن سے ان کی سنگ دلی واضح ہوتی ہے۔

(۱) حضرت سلیمانؑ کے بعد جب بنی اسرائیل کی سلطنت تقسیم ہو کر دو ریاستوں یروشلم کی دولت یہودیہ اور سامریہ کی دولت اسرائیل میں بٹ گئی تھی تو ان میں باہم لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور نوبت یہاں تک آئی کہ یہودیہ کی ریاست نے اپنے ہی بھائیوں کے خلاف دمشق کی آرامی سلطنت سے مدد مانگی۔ اس پر

خدا کے حکم سے حنانی نبی نے یہودیہ کے فرمانروا آسا کو سخت تنبیہہ کی مگر آسا نے اس تنبیہہ کو قبول کرنے کی بجائے خدا کے پیغمبر کو جیل بھیج دیا(۴۵)

(۲) الیاس (Alisa) علیہ السلام جب بعل کی پرستش پر یہودیوں کو ملامت کی تو سامریہ کا اسرائیلی بادشاہ اخی اب اپنی مشرک بیوی کی خاطر ان کی جان کے پیچھے پڑ گیا۔ بائبل کے مطابق اخی رب نے صیدنیوں کے بادشاہ بتعل کی بیٹی ایزبل سے بیاہ کیا اور جا کر بعل کی پرستش کرنے اور اسے سجدہ کرنے لگا(۴۶) الیاس نے اس پر ٹوکا تو انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ جان بچانے کے لئے جزیرہ نمائے سینا کے پہاڑوں میں پناہ لینا پڑی۔(۴۷) بائبل میں ان کی التجا ان الفاظ میں منقول ہے: خداوند لشکروں کے خدا کے لئے مجھے بڑی غیرت آئی کیونکہ بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا اور تیرے مذبحوں کو ڈھا دیا اور تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں سو وہ میری جان لینے کے درپے ہیں(۴۸)

(۳) اسی بادشاہ نے ایک اور نبی میکایا کو قید کا حکم دیتے ہوئے کہا:
اس شخص کو قید خانہ میں ڈال دو اور اسے مصیبت کی روٹی کھلانا اور مصیبت کا پانی پلانا جب تک میں سلامت نہ آؤں۔(۴۹)

(۴) جب یہو یدع کاہن کے بیٹے زکریاہ نے بنی اسرائیل کو بلند جگہ سے پکارا اور کہا: "خدا یوں فرماتا ہے کہ تم خداوند کے حکموں سے باہر جاتے ہو کہ یوں خوش حال نہیں رہ سکتے؟ چونکہ تم نے خداوند کو چھوڑا ہے اس نے بھی تم کو چھوڑ دیا۔(۵۰)

اس نصیحت کا اثر تو یہ ہونا چاہئے کہ سب لوگ یکسو ہو کر خداوند کی طرف رجوع کرتے لیکن انہوں نے الٹا کام کیا۔ بائبل کے مطابق: تب انہوں نے اس کے خلاف سازش کی اور بادشاہ کے حکم سے خداوند کے گھر کے صحن میں اسے سنگسار کر دیا(۵۱)

(۵) جب ساریہ کی اسرائیلی ریاست اشوریوں کے ہاتھوں ختم ہو چکی تھی اور یروشلم کی یہودی ریاست پر تباہی کا طوفان تلا کھڑا تھا تو یرمیاہ نبی اپنی قوم کے زوال پر

انہیں متنبہ کر رہے تھے تو قوم انہیں نہ صرف نظرانداز کر رہی تھی بلکہ امراء نے انہیں قید کیا۔ ان پر غداری کا الزام لگایا۔ یرمیاہ کا پورا صحیفہ ان کے حالات' پیغام اور مصائب پر گواہ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ امراء یرمیاہ پر غضب ناک ہوئے اور اسے مارا اور یونیتن منشی کے گھر میں اسے قید کردیا کیونکہ انہوں نے اس گھر کو قید خانہ بنا رکھا تھا۔(۵۲)

یرمیاہ نبی نے ریاست پر آنے والی ہلاکتوں کے بارے میں اپنا بیان جاری کیا جس پر مشتعل ہو کر امراء نے ان کے قتل کا مشورہ دیا۔ بادشاہ نے انہیں اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کو کہا تو انہوں نے یرمیاہ نبی کو پکڑ کر ملکیاہ شہزادے کے حوض میں جو قید خانہ کے صحن میں تھا ڈال دیا اور انہوں نے یرمیاہ کو رسے سے باندھ کر لٹکایا اور حوض میں کچھ پانی نہ تھا بلکہ کیچ تھی اور یرمیاہ کیچ میں دھنس گیا(۵۳) اور بالآخر شاہی خواجہ سرا عبد ملک کی سفارش پر بادشاہ کے حکم سے انہیں حوض سے نکالا گیا۔

(۶) بنی اسرائیل کے ایک اور نبی عاموس نے سامریہ کی اسرائیلی ریاست کو اس کی گمراہیوں اور بدکاریوں پر ٹوکا اور ان حرکات کے برے انجام سے خبردار کیا تو انہیں ملک سے نکل جانے کا کہا گیا۔ عاموس کے صحیفہ میں ہے: تب بیت ایل کے کاھن امصیاہ نے شاہ اسرائیل یربعام کو کہلا بھیجا کہ عاموس نے تیرے خلاف بنی اسرائیل میں فتنہ برپا کیا ہے اور ملک میں اس کی باتوں کی برداشت نہیں۔ کیونکہ عاموس یوں کہتا ہے کہ یربعام تلوار سے مارا جائے گا اور اسرائیل یقیناً اپنے وطن اسیر ہو کر جائے گا۔ اور رمصیاہ عاموس سے کہا اے غیب گو تو یہوداہ کے ملک کو بھاگ جا وہیں کھا پی اور نبوت کر پر بیت ایل میں پھر کبھی نبوت نہ کرنا کیونکہ یہ بادشاہ کا مقدس اور شاہی محل(۵۴) ہے۔

(۷) یحییٰؑ کا واقعہ تو مسیحؑ کی زندگی کا واقعہ ہے۔ یحییٰؑ قوم کو ان کی بداعمالیوں پر ٹوکتے اور مذہبی قیادت کی بے عملیوں پر انہیں ملامت کرتے۔ متی لکھتے ہیں کہ: مگر جب اس نے بہت سے فریسیوں اور صدوقیوں کو بپتسمہ کے لئے اپنے پاس آتے دیکھا تو ان سے کہا اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے جتا دیا کہ آنے

Marfat.com

والے غضب سے بھاگو؟ پس تو یہ کے موافق پھل لاؤ اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابرہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابرہام کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔(۵۵)

مرقس نے یحییٰ کی تفصیل لکھی ہے:

"کیونکہ ہیرودیس نے ایک آدمی بھیج کر یوحنا کو پکڑوایا اور اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے اسے قیدخانہ میں باندھ رکھا تھا کیونکہ ہیرودیس نے اس سے بیاہ کر لیا تھا۔ اور یوحنا نے اس سے کہا تھا کہ اپنے بھائی کی بیوی کو رکھنا تجھے روا نہیں۔ پس ہیرودیاس اس سے دشمنی رکھتی تھی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرائے مگر نہ ہوسکا۔ کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو راستباز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہوجاتا تھا مگر خوشی سے سنتا تھا اور موقع کے دن جب ہیرودیس اپنی سالگرہ میں اپنے امیروں اور اپنے فوجی سرداروں اور گلیل کے رئیسوں کی ضیافت کی۔ اور اسی ہیرودیاس کی بیٹی اندر آئی اور ناچ کر ہیرودیس اور اس کے مہمانوں کو خوش کیا تو بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا۔ اور اس سے قسم کھائی کہ جو تو مجھ سے مانگے گی اپنی آدھی سلطنت تک تجھے دوں گا۔ اور اس نے باہر جا کر اپنی ماں سے کہا کہ میں کیا مانگوں؟ اس نے کہا یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر وہ فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی میں چاہتی ہوں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں ابھی مجھے منگوا دے۔ بادشاہ بہت غمگین ہوا مگر اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب اس سے انکار نہ کرنا چاہا۔ پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے۔ اس نے قید خانے میں جا کر اس کا سر کاٹا اور ایک تھال میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا۔ پھر اس کے

Marfat.com

شاگرد سن کر آئے اور اس کی لاش اٹھا کر قبر میں رکھی (۵۶)

ابو حاتم نے عبیدہ بن الجراح سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

یا ابا عبیدہ قتلت بنو اسرائیل ثلاثة و اربعین نبیا من اول النهار فی ساعة واحدة فقام مائة و سبعون رجلا من بنی اسرائیل فامروا من قتلهم بالمعروف و نهوا عن المنکر فقتلوهم جمیعا من آخر النهار من ذلک الیوم (۵۷)

اے ابو عبیدہ بنی اسرائیل نے ایک دن کے پہلے حصے کی ایک ہی ساعت میں چونتیس نبیوں کو قتل کیا تو ان میں سے ایک سو ستر لوگ کھڑے ہوئے اور قاتلوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا تو بنی اسرائیل نے اس دن آخری ساعتوں میں ان سب کو بھی قتل کردیا۔

ابو حاتم اور طیالسی نے عبداللہ بن مسعود کی روایت نقل کی ہے کہ:

قتلت بنو اسرائیل ثلاثمائة نبی من اول النهار واقاموا سوق بقلهم من آخره (۵۸)

بنی اسرائیل نے ایک ہی دن کے پہلے حصے میں تین سو نبیوں کو قتل کیا اور اسی دن کے آخری حصے میں سبزیوں کا بازار لگایا۔

قتل انبیاء کے علاوہ عقیدہ و عمل کا ہر فساد ان میں سرایت کر چکا تھا اور انبیاء انہیں بار بار متنبہ کرتے اور اصلاح احوال کی کوشش کرتے لیکن بنی اسرائیل کا فساد زدہ ذہن ہر بار انکار و تکذیب کا اظہار کرتا اور تباہی کا شکار ہوتا۔ قرآن مجید نے ان کے فسادی رویہ کو بالصراحت بیان کیا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

و قضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین و لتعلن علوا کبیرا فاذا جاء وعد اولهما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلل الدیار و کان وعدا مفعولا (۵۹)

اور ہم نے اپنی کتاب (۶۰) میں بنی اسرائیل کو اس بات پر بھی متنبہ کردیا

تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔ آخرکار جب ان میں پہلی سرکشی کا موقعہ پیش آیا' تو اے بنی اسرائیل' ہم نے تمہارے مقابلے پر اپنے ایسے بندے اٹھائے جو نہایت زور آور تھے وہ تمہارے ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے۔ یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہو کر ہی رہنا تھا۔

بنی اسرائیل کے فساد کو سمجھنے کے لئے ان کی تاریخ کا مختصر جائزہ مفید ہو گا۔

بنی اسرائیل جب موسیٰؑ کی قیادت میں فلسطین کے علاقے میں آئے تو انہیں ہدایات تھیں کہ یہ سرزمین ان لوگوں سے چھین لینا اور ان سے میل و جول رکھنے کی بجائے انہیں ختم کر دینا' تورات میں ہے:

جب خداوند تیرا خدا تجھ کو اس ملک میں جس پر قبضہ کرنے کے لئے تو جا رہا ہے پہنچا دے اور تیرے آگے ان بہت سے قوموں کو یعنی حتیوں اور جرجاسیوں اور اموریوں اور کنعانیوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کو جو ساتوں قومیں تجھ سے بڑی اور زور آور ہیں نکال دے۔ اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے شکست دلائے اور تو ان کو مار لے تو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا۔ تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا اور نہ ان پر رحم کرنا تو ان سے شادی بیاہ بھی نہ کرنا' نہ ان کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں دینا اور نہ اپنے بیٹوں کے لئے ان کی بیٹیاں لینا۔ کیونکہ وہ تیرے بیٹوں کو میری پیروی سے برگشتہ کر دیں گے تاکہ وہ اور معبودوں کی عبادت کریں۔ یوں خدا کا غضب تم پر بھڑکے گا اور وہ تجھ کو جلد ہلاک کر دے گا۔ بلکہ تم ان سے یہ سلوک کرنا کہ ان کے مذبحوں کو ڈھا دینا' ان کے ستونوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور ان کی یسیرتوں کو کاٹ ڈالنا اور ان کی تراشی ہوئی مورتیں آگ میں جلا دینا۔(۶۱)

لیکن بنی اسرائیل جب فلسطین میں داخل ہوئے تو وہ ان ہدایات کو بھول گئے۔ انہوں نے اپنی کوئی متحدہ سلطنت قائم نہ کی۔ قبائلی عصبیت کی وجہ سے ہر قبیلہ نے مفتوحہ

Marfat.com

علاقہ کا ایک حصہ لیا اور اپنا انتظام کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مشرک قوموں کو ختم نہ کر سکے اور ان کے ساتھ رہنے پر مجبور ہوئے اور ان کے ساتھ چھوٹی چھوٹی مشرک شہری ریاستیں موجود رہیں۔ اسی بات کی طرف زبور میں اشارہ کیا گیا ہے:

> انہوں نے ان قوموں کو ہلاک نہ کیا جیسا کہ خداوند نے انہیں حکم دیا تھا بلکہ ان قوموں کے ساتھ مل گئے اور ان کے سے کام سیکھ گئے اور ان کے بتوں کی پرستش کرنے لگے جو ان کے لئے پھندا بن گئے بلکہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو شیاطین کے لئے قربان کیا اور معصوموں کا یعنی اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا خون بہایا جن کو انہوں نے کنعان کے بتوں کے لئے قربان کردیا اور ملک خون سے ناپاک ہوگیا۔ یوں وہ اپنے ہی کاموں سے آلودہ ہوگئے اور اپنے فعلوں سے بے وفا بنے۔ اس لئے خدا کا قہر اپنے لوگوں پر بھڑکا اور اسے اپنی میراث سے نفرت ہوگئی اور اس نے ان کو ان قوموں کے قبضے میں کردیا اور ان سے عداوت رکھنے والے ان پر حکمران ہوگئے۔(۶۲)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں شرک اور دوسری اخلاقی گندگیاں راہ پاگئیں اور فکری و عملی فساد شروع ہوا جو آگے چل کر ان کا قومی خاصہ بن گیا۔ اس کا اولین اشارہ ہمیں قضاۃ میں ملتا ہے:

> اور بنی اسرائیل نے خداوند کے آگے بدی کی اور بعلیم کی پرستش کرنے لگے اور انہوں نے خداوند اپنے باپ دادا کے خدا کو جو ان کو ملک مصر سے نکال لایا تھا چھوڑ دیا اور دوسرے معبودوں کی جو ان کے چوگرد کی قوموں کے دیوتاؤں میں سے تھے پیروی کرنے اور ان کو سجدہ کرنے لگے اور خداوند کو غصہ دلایا اور وہ خداوند کو چھوڑ کر بعل اور عستارات کی پرستش کرنے لگے اور خداوند کا قہر اسرائیل پر بھڑکا اور اس نے ان کو غارت گروں کے ہاتھوں میں کردیا جو ان کو لوٹنے لگے اور اس نے ان کو ان کے دشمنوں کے ہاتھ جو آس پاس تھے بیچا سو وہ پھر اپنے دشمنوں کے

Marfat.com

سامنے کھڑے نہ ہوسکے۔ (۶۳)

اسی فساد کی وجہ سے اردگرد کی قومیں ان پر غالب آگئیں اور خداوند کے عہد کا صندوق (تابوت سکینہ) تک ان سے چھین لیا گیا۔ بالاخر ۱۰۲۰ ق م میں سموئیل نبی نے طالوت کو ان کا بادشاہ بنایا اور ایک متحدہ سلطنت کی بنیاد پڑی جسے طالوت (۱۰۲۰ - ۱۰۰۴ ق م) داؤد علیہ السلام (۱۰۰۴ - ۹۹۵ ق م) اور سلیمان علیہ السلام (۹۶۰ - ۹۲۶ ق م) نے مستحکم کیا اور یوں موسیٰ کا چھوڑا ہوا کام مکمل ہوا۔ لیکن سلیمانؑ کے بعد بنی اسرائیل پر دنیا پرستی کا پھر شدید غلبہ ہوا اور انہوں نے لڑ کر اپنی دو الگ سلطنتیں قائم کرلیں۔ شمالی فلسطین اور شرق اردن میں سلطنت اسرائیل جس کا پایہ تخت سامریہ قرار پایا اور جنوبی فلسطین اور ادوم کے علاقے میں سلطنت یہودیہ جس کا پایہ تخت یروشلم رہا۔ ان دونوں سلطنتوں میں سخت رقابت اور کشمکش اول روز سے شروع ہو گئی اور آخر تک رہی۔ ان میں سے اسرائیلی ریاست کے باشندے اخلاقی فساد کا سب سے پہلے شکار ہوئے اور اس کے بعد یہودیہ کے۔ ان دونوں سلطنتوں کے حکمرانوں اور باشندوں کو انبیاء بنی اسرائیل کے ذریعہ مسلسل تنبیہات ہوتی رہیں لیکن ان کے فساد زدہ مزاجوں نے ان تنبیہات کو قبول نہ کیا۔

بنی اسرائیل کی بداعمالیاں حد سے بڑھیں تو یرمیاہ نبی کو انجام سامنے نظر آنے لگا۔ انہوں نے ان کی بدکاریوں کے خلاف آواز بلند کی اور انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ یرمیاہ کا صحیفہ ان تنبیہات سے بھرا پڑا ہے جو اسی مفسد قوم کو راہ راست پر لانے کے لئے کی گئیں۔ بائبل کے مجموعہ کتب مقدسہ میں بنی اسرائیل کے فساد اور اس کے برے نتائج کے حوالے ملتے ہیں۔ انہیں یسعیاہ' یرمیاہ اور حزقی ایل کے ذریعہ مسلسل تنبیہات کی گئیں اور ان کی بدکاریوں پر انہیں سرزنش کی گئی۔ ذیل میں ہم چند حوالے درج کرتے ہیں جن سے ان کی حالت پر روشنی پڑتی ہے:

بنی اسرائیل کے بگاڑ کا نقشہ یسعاہ نبی کے صحیفہ میں مندرجہ بالا الفاظ میں ملتا ہے:

> آہ خطا کار گروہ' بدکاری سے لدی ہوئی قوم' بدکرداروں کی نسل' مکار اولاد جنہوں نے خداوند کو ترک کیا' اسرائیل کے قدوس کو حقیر جانا اور گمراہ و

Marfat.com

برگشتہ ہوگئے۔ تم کیوں زیادہ بغاوت کرکے مار کھاؤ گے۔" (۶۴)

وفادار بستی کیسی بدکار ہوگئی' وہ تو انصاف سے معمور تھی اور راستبازی اس میں بستی تھی لیکن اب خونی رہتے ہیں۔ تیری چاندی میل ہوگئی' تیری مئے میں پانی مل گیا' تیرے سردار گردن کش اور چوروں کے ساتھی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک رشوت دوست اور انعام کا طالب ہے وہ یتیموں کا انصاف نہیں کرتے اور بیواؤں کی فریاد ان تک نہیں پہنچتی۔ اس لئے رب الافواج اسرائیل کا قادر یوں فرماتا ہے کہ آہ میں ضرور اپنے مخالفوں سے آرام پاؤں گا اور اپنے دشمنوں سے انتقام لوں گا۔ (۶۵)

"اور خدا فرماتا ہے' چونکہ صیہنوں کی بیٹیاں متکبر ہیں اگر گردن کشی اور شوخ چشمی سے خراماں ہوتی ہیں اور اپنے پاؤں سے ناز رفتاری کرتی ہیں اور گھنگھرو بجاتی جاتی ہیں اس لئے خداوند صیہون کی بیٹیوں کے سر گنجے اور یہوداہ ان کے بدن بے پردہ کردے گا۔ اس دن خداوند ان کے خلخال کی زیبائش اور جالیاں اور چاند لے گا اور آویزے اور پہنچیاں اور نقاب اور تاج اور پازیب اور پٹکے اور عطردان اور تعویذ اور انگوٹھیاں اور نتھ۔ اور نفیس پوشاکیں اور اوڑھنیاں اور دوپٹے اور کیسے اور آرسیاں اور باریک کتانی لباس اور دستاریں اور برقعے اور یوں ہوگا کہ خوشبو کے عوض سرسراہٹ ہوگی اور پٹکے کے بدلے رسی اور گندھے ہوئے بالوں کی جگہ چندلا پن اور نفیس لباس کی جگہ ٹاٹ اور حسن کے بدلے داغ' تیرے بہادر تہ تیغ ہوں گے اور تیرے پہلوان جنگ میں قتل ہوں گے۔ اس کے پھاٹک ماتم اور نوحہ کناں ہوں گے اور وہ اجاڑ ہو کر خاک پر بیٹھے گی (۶۶)

پھر جب معاملات حد سے زیادہ خراب ہوئے تو یرمیاہ نبی نے اپنے پیغمبرانہ منصب کے تقاضے پر صدا بلند کی۔ انہوں نے کہا:

اے اہل یعقوب اور اہل اسرائیل کے سب خاندانو! خداوند کا کلام سنو۔

Marfat.com

خداوند یوں فرماتا ہے کہ تمہارے باپ دادا نے مجھے میں کون سی بے انصافی پائی جس کے سبب سے وہ مجھ سے دور ہوگئے اور بطلان کی پیروی کرکے باطل ہوئے؟ اور انہوں نے یہ نہ کہا کہ خداوند کہاں ہے جو ہم کو ملک مصر سے نکال لایا اور بیابان اور بنجر اور گڑھوں کی زمین میں سے خشکی اور موت کے سایہ کی سرزمین میں سے جہاں سے نہ کوئی گزرتا ہے اور نہ کوئی بود و باش کرتا تھا ہم کو لے آیا؟ اور میں تم کو باغوں والی زمین میں لایا کہ تم اس کے میوے اور اس کے اچھے پھل کھاؤ لیکن جب تم داخل ہوئے تو تم نے میری زمین کو ناپاک کردیا اور میری میراث کو مکروہ بنایا۔ کاہنوں نے نہ کہا کہ خداوند کہاں ہے؟ اور اہل شریعت نے مجھے نہ جانا اور چرواہوں نے مجھ سے سرکشی کی اور نبیوں نے بعل کے نام سے نبوت کی اور ان چیزوں کی پیروی کی جن سے کچھ فائدہ نہیں۔ اس لئے خداوند فرماتا ہے میں پھر تم سے جھگڑوں گا اور تمہارے بیٹوں کے بیٹوں سے جھگڑا کروں گا۔ کیونکہ پار گزر کر کتیم کے جزیروں میں دیکھو اور قیدار میں قاصد بھیج کر دریافت کرو اور دیکھو کہ ایسی بات کہیں ہوئی ہے؟ کیا کسی قوم نے اپنے معبودوں کو حالانکہ وہ خدا نہیں بدل ڈالا؟ پر میری قوم نے اپنے جلال کو بے فائدہ چیز سے بدلا۔ خداوند فرماتا ہے اے آسمانوں اس سے حیران ہو۔ شدت سے تھرتھراؤ اور بالکل ویران ہوجاؤ۔ کیونکہ میرے لوگوں نے دو برائیاں کیں۔ انہوں نے مجھ آب حیات کے چشمہ کو ترک کردیا اور اپنے لئے حوض کھودے ہیں۔ شکستہ حوض جن میں پانی نہیں ٹھر سکتا۔ کیا اسرائیل غلام ہے؟ کیا وہ خانہ زاد ہے؟ وہ کس لئے لوٹا گیا؟ جوان شیر ببر اس پر غرائے اور گرجے اور انہوں نے اس کا ملک اجاڑ دیا۔ اس کے شہر جل گئے۔ وہاں کوئی بسنے والا نہ رہا۔ بنی نوف اور بنی تحفنیس نے بھی تیری کھوپڑی پھوڑی۔ کیا تو خود ہی یہ اپنے اوپر نہیں لائی کہ تو نے خداوند اپنے خدا کو ترک کیا۔ جبکہ وہ تیری راہبری کرتا تھا۔

Marfat.com

اور اب سیحور کا پانی پینے کو مصر کی راہ میں تجھے کیا کام؟ اور دریای فرات کا پانی پینے کو اسور کی راہ میں تیرا کیا مطلب؟ تیری ہی شرارت تیری تادیب کرے گی اور تیری برگشتگی تجھ کو سزا دے گی۔ خداوند رب الافواج فرماتا ہے دیکھ اور جان لے کہ یہ برا اور نہایت بیجا کام ہے کہ تو نے خداوند اپنے خدا کو ترک کیا اور تجھ کو میرا خوف نہیں۔ کیونکہ مدت ہوئی کہ تو نے اپنے جوئے کو توڑ ڈلا اور اپنے بندھنوں کے ٹکرے کر ڈالے اور کہا کہ میں تابع نہ رہوں گی۔ ہاں ہر ایک اونچے پہاڑ اور ہر ایک ہرے درخت کے نیچے تو بدکاری کے لئے لیٹ گئی۔ میں نے تو تجھے کامل تاک لگایا اور اور عمدہ بیج بویا تھا پھر تو کیونکر میرے لئے بے حقیت جنگلی انگور کا درخت ہوگئی؟۔ ہرچند تو اپنے کو سجی سے دھوئے اور بہت سا صابون استعمال کرے تو بھی خداوند خدا فرماتا ہے تیری شرارت کا داغ میرے حضور عیاں ہے۔ تو کیونکر کہتی ہے میں ناپاک نہیں ہوں۔ میں نے بعلیم کی پیروی نہیں کی؟ وادی میں اپنی روش دیکھ اور جو کچھ تو نے کیا ہے معلوم کر۔ تو تیزرو اونٹنی کی مانند ہے جو ادھر ادھر دوڑتی ہے مادہ گورخر کی مانند جو بیابان کی عادی ہے۔ جو شہوت کے جوش میں ہوا کو سونگھتی ہے۔ اس کی مستی کی حالت میں کون اسے روک سکتا ہے؟ اس کے طالب ماندہ نہ ہوں گے۔ اس کی مستی کے ایام میں وہ اسے پالیں گے۔ تو اپنے پاؤں کو برہنگی سے اور اپنے حلق کو پیاس سے بچا لیکن تو نے کہا کہ کچھ امید نہیں۔ ہرگز نہیں کیونکہ میں بیگانوں پر عاشق ہوں اور ان ہی کے پیچھے جاؤں گی۔ جس طرح چور پکڑا جانے پر رسوا ہوتا ہے اسی طرح اسرائیل کا گھرانا رسوا ہوا۔ وہ اور اس کے بادشاہ اور امرا اور کاہن اور نبی۔ جو لکڑی سے کہتے ہیں کہ تو میرا باپ ہے اور پتھر سے کہ تو نے مجھے جنم دیا کیونکہ انہوں نے میری طرف منہ نہ کیا بلکہ پیٹھ کی پر اپنی مصیبت کے وقت وہ کہیں گے کہ اٹھ کر ہم کو بچا۔ لیکن تیرے بت کہاں ہیں جن کو تو نے

Marfat.com

Marfat.com

گھات میں بیٹھا رہے گا۔ جو کوئی ان میں سے نکلے پھاڑا جائے گا کیونکہ انکی سرکشی بہت ہوئی اور ان کی برگشتگی بڑھ گئی۔ میں تجھے کیونکر معاف کروں؟ تیرے فرزندوں نے مجھ کو چھوڑا اور ان کی قسم کھائی جو خدا نہیں ہیں۔ جب میں نے ان کو سیر کیا تو انہوں نے بدکاری کی اور پرے باندھ کر قحبہ خانوں میں اکٹھے ہوئے۔ وہ پیٹ بھرے گھوڑوں کی مانند ہوگئے۔ ہر ایک صبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا۔ خداوند فرماتا ہے کیا میں ان باتوں کے لئے سزا نہ دوں گا اور کیا میری روح ایسی قوم سے انتقام نہ لے گی؟

اس کی دیواروں پر چڑھ جاؤ اور توڑ ڈالو لیکن بالکل برباد نہ کرو۔ اس کی شاخیں کاٹ دو کیونکہ وہ خداوند کی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ خداوند فرماتا ہے اسرائیل کے گھرانے اور یہوداکے گھرانے نے مجھ سے نہایت بیوفائی کی۔ انہوں نے خداوند کا انکار کیا اور کہا کہ وہ نہیں ہے۔ ہم پر ہرگز آفت نہ آئے گی اور تلوار اور کال کو ہم نہ دیکھیں گے۔ اور نبی محض ہوا ہوجائیں گے اور کلام ان میں نہیں ہے۔ ان کے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔ پس اس لئے کہ تم یوں کہتے ہو خداوند رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں اپنے کلام کو تیرے منہ میں آگ اور ان لوگوں کو لکڑی بناؤں گا اور وہ ان کو بھسم کردے گی۔ اے اسرائیل کے گھرانے دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھا لاؤں گا۔ خداوند فرماتا ہے۔ وہ زبردست قوم ہے۔ وہ قدیم قوم ہے۔ وہ ایسی قوم ہے جس کی زبان تو نہیں جانتا اور اور ان کی بات کو تو نہیں سمجھتا۔ ان کے ترکش کھلی قبریں ہیں۔ وہ سب بہادر مرد ہیں اور وہ تیری فصل کا اناج اور تیری روٹی جو تیرے بیٹوں اور بیٹیوں کے کھانے کی تھی کھا جائیں گے۔ تیرے گائے بیل اور تیری بھیڑ بکریوں کو چٹ کرجائیں گے۔ تیرے انگور اور انجیر نگل جائیں گے۔ تیرے حصین شہروں کو جن پر تیرا بھروسا ہے تلوار سے ویران کردیں گے۔ لیکن

خداوند فرماتا ہے ان ایام میں بھی میں تم کو بالکل برباد نہ کروں گا۔ اور یوں ہوگا کہ جب وہ کہیں گے کہ خداوند ہمارے خدا نے یہ سب کچھ ہم سے کیوں کیا؟ تو تو ان سے کہے گا کہ جس طرح تم نے مجھے چھوڑ دیا اور اپنے ملک میں غیر معبودوں کی عبادت کی اسی طرح تم اس ملک میں جو تمہارے نہیں ہے اجنبیوں کی خدمت کرو گے۔ (۶۹)

"اس قوم کی لاشیں ہوائی پرندوں اور زمین کے درندوں کی خوراک ہوں گی اور ان کو کوئی نہ ہنکائے گا۔ میں یہوداہ کے شہروں میں اور یروشلم کے بازاروں میں خوشی اور شادمانی کی آواز' دولہا اور دلہن کی آواز موقوف کروں گا کیونکہ یہ ملک ویران ہو جائے گا۔ (۷۰)

"ان کو میرے سامنے سے نکال دے کہ چلے جائیں۔ اور جب وہ پوچھیں کہ ہم کدھر جائیں تو ان سے کہنا کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ جو موت کے لئے ہیں وہ موت کی طرف اور جو تلوار کے لئے ہیں وہ تلوار کی طرف اور جو کال کے لئے وہ کال کو اور جو اسیری کے لئے ہیں وہ اسیری کو (۷۱)

پھر حزقی ایل نبی اٹھے اور انہوں نے اپنے ارشادات سے اس قوم کو جھنجوڑنے کی کوشش کی پورا صحیفہ تنبیہات اور سرزنشوں سے بھرا ہوا ہے۔ ذیل میں اس خطاب کو نقل کرتے ہیں جو انہوں نے یروشلم کو کہا:

خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ اے شہر تو اپنے اندر خونریزی کرتا ہے تاکہ تیرا وقت آجائے اور تو اپنے واسطے بتوں کو اپنے ناپاک کرنے کے لئے بناتا ہے تو اس خون کے سبب سے جو تو نے بہایا مجرم ٹھہرا اور تو بتوں کے باعث جن کو تو نے بنایا ہے ناپاک ہوا تو اپنے وقت کو نزدیک لاتا ہے اور اپنے ایام کے خاتمے تک پہنچا ہے۔ اس لئے میں نے تجھے اقوام کی ملامت کا نشانہ اور ممالک کا ٹھٹھا بنایا ہے۔ تجھ سے دور و نزدیک کے سب لوگ تیری ہنسی اڑائیں گے کیونکہ تو فسادی اور بدنام مشہور ہے۔ دیکھ اسرائیل

اور اب سیحور کا پانی پینے کو مصر کی راہ میں تجھے کیا کام؟ اور دریای فرات کا پانی پینے کو اسور کی راہ میں تیرا کیا مطلب؟ تیری ہی شرارت تیری تادیب کرے گی اور تیری برگشتگی تجھ کو سزا دے گی۔ خداوند رب الافواج فرماتا ہے دیکھ اور جان لے کہ یہ برا اور نہایت بیجا کام ہے کہ تو نے خداوند اپنے خدا کو ترک کیا اور تجھ کو میرا خوف نہیں۔ کیونکہ مدت ہوئی کہ تو نے اپنے جوئے کو توڑ ڈالا اور اپنے بندھنوں کے ٹکڑے کر ڈالے اور کہا کہ میں تابع نہ رہوں گی۔ ہاں ہر ایک اونچے پہاڑ اور ہر ایک ہرے درخت کے نیچے تو بدکاری کے لئے لیٹ گئی۔ میں نے تو تجھے کامل تاک لگایا اور اور عمدہ بیج بویا تھا پھر تو کیونکر میرے لئے بے حقیت جنگلی انگور کا درخت ہو گئی؟۔ ہرچند تو اپنے کو سجی سے دھوئے اور بہت سا صابون استعمال کرے تو بھی خداوند خدا فرماتا ہے تیری شرارت کا داغ میرے حضور عیاں ہے۔ تو کیونکر کہتی ہے میں ناپاک نہیں ہوں۔ میں نے بعلیم کی پیروی نہیں کی؟ وادی میں اپنی روش دیکھ اور جو کچھ تو نے کیا ہے معلوم کر۔ تو تیزرو اونٹنی کی مانند ہے جو ادھر ادھر دوڑتی ہے مادہ گورخر کی مانند جو بیابان کی عادی ہے۔ جو شہوت کے جوش میں ہوا کو سونگھتی ہے۔ اس کی مستی کی حالت میں کون انسے روک سکتا ہے؟ اس کے طالب ماندہ نہ ہوں گے۔ اس کی مستی کے ایام میں وہ اسے پالیں گے۔ تو اپنے پاؤں کو برہنگی سے اور اپنے حلق کو پیاس سے بچا لیکن تو نے کہا کہ کچھ امید نہیں۔ ہرگز نہیں کیونکہ میں بیگانوں پر عاشق ہوں اور ان ہی کے پیچھے جاؤں گی۔ جس طرح چور پکڑا جانے پر رسوا ہوتا ہے اسی طرح اسرائیل کا گھرانا رسوا ہوا۔ وہ اور اس کے بادشاہ اور امرا اور کاہن اور نبی۔ جو لکڑی سے کہتے ہیں کہ تو میرا باپ ہے اور پتھر سے کہ تو نے مجھے جنم دیا کیونکہ انہوں نے میری طرف منہ نہ کیا بلکہ پیٹھ کی پر اپنی مصیبت کے وقت وہ کہیں گے کہ اٹھ کر ہم کو بچا۔ لیکن تیرے بت کہاں ہیں جن کو تو نے

Marfat.com

اپنے لئے بنایا؟ اگر وہ تیری مصیبت کے وقت تجھے بچا سکتے ہیں تو اٹھیں کیونکہ اے یہوداہ جتنے تیرے شہر ہیں اتنے ہی تیرے معبود ہیں۔ (۶۷)

"خداوند نے مجھ سے فرمایا' کیا تونے دیکھا کہ برگشتہ اسرائیل (یعنی سامریہ کی اسرائیلی ریاست) نے کیا کیا؟ وہ ہر ایک اونچے پہاڑ اور ہر ایک درخت کے نیچے گئی اور وہاں بدکاری کی اور جب وہ یہ سب کچھ کرچکی تو میں نے کہا وہ میری طرف واپس آئے گی پر وہ نہ آئی اور اس کی بے وفا بہن یہوداہ (یعنی یروشلم کی یہودی ریاست) نے یہ حال دیکھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ جب برگشتہ اسرائیل کی زناکاری کے سبب سے میں نے اس کو طلاق دے دی اور اسے طلاق نامہ لکھ دیا تو بھی اس کی بے وفا بہن یہوداہ نہ ڈری بلکہ اس نے اپنی بدکاری کی برائی سے زمین کو ناپاک کیا اور پتھر اور لکڑی کے ساتھ زناکاری کی (۶۸) (یعنی بت پرستی)

"اب یروشلیم کے کوچوں میں ادھر ادھر گشت کرو اور دیکھو اور دریافت کرو اور اس کے چوکوں میں ڈھونڈو اگر کوئی آدمی وہاں ملے جو انصاف کرنے والا اور سچائی کا طالب ہو تو میں اسے معاف کردوں گا۔ اور اگرچہ وہ کہتے ہیں زندہ خداوند کی قسم تو بھی یقیناً وہ جھوٹی قسم کھاتے ہیں۔ اے خداوند! کیا تیری آنکھیں سچائی پر نہیں ہیں؟ تونے ان کو مارا ہے پر انہوں نے افسوس نہیں کیا۔ تونے ان کو غارت کیا پر وہ تربیت پذیر نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے چہروں کو چٹان سے بھی زیادہ سخت بنایا۔ انہوں نے واپس آنے سے انکار کیا ہے۔ تب میں نے کہا کہ یقیناً یہ بے چارے جاہل ہیں کیونکہ یہ خداوند کی راہ اور اپنے خدا کے احکام کو نہیں جانتے۔ میں بزرگوں کے پاس جاؤں گا اور ان سے کلام کروں گا کیونکہ وہ خداوند کی راہ اور اپنے خدا کے احکام کو جانتے ہیں لیکن انہوں نے جوا بالکل توڑ ڈالا اور بندھنوں کے ٹکڑے کر ڈالے۔ اس لئے جنگل کا شیر ببر انکو پھاڑے گا۔ بیابان کا بھیڑیا ان کو ہلاک کرے گا۔ چیتا ان کے شہروں کی

Marfat.com

کے امراء سب کے سب جو تجھ میں ہیں مقدور بھر خونریزی پر مستعد تھے۔ تیرے اندر انہوں نے ماں باپ کو حقیر جانا ہے۔ تیرے اندر انہوں نے پردیسیوں پر ظلم کیا ہے۔ تیرے اندر انہوں نے یتیموں اور بیواؤں پر ستم کیا ہے۔ تونے میری پاک چیزوں کو ناچیز جانا اور میرے یتیموں اور بیواؤں پر ستم کیا ہے۔ تو نے میری پاک چیزوں کو ناچیز جانا اور میرے سبتوں کو ناپاک کیا۔ تیرے اندر وہ لوگ ہیں جو چغل خوری کر کے خون کرواتے ہیں اور تیرے اندر وہ ہیں جو بتوں کی قربانی سے کھاتے ہیں۔ تیرے اندر وہ ہیں جو فسق و فجور کرتے ہیں۔ تیرے اندر وہ بھی ہیں جنہوں نے اپنے باپ کی حرم شکنی کی۔ تجھ میں انہوں نے اس عورت سے جو ناپاکی کی حالت میں تھی مباشرت کی۔ کسی نے دوسرے کی بیوی سے بدکاری کی۔ کسی نے اپنی بہو سے بدذاتی کی اور کسی نے اپنی بہن اور اپنے باپ کی بیٹی کو تیرے اندر رسوا کیا۔ تیرے اندر انہوں نے خونریزی کے لئے رشوت خواری کی۔ تونے بیاج اور سود لیا اور ظلم کر کے اپنے پڑوسی کو لوٹا اور مجھے فراموش کیا۔ خداوند خدا فرماتا ہے۔ دیکھ تیرے ناروا نفع کے سبب سے جو تونے لیا اور تیری خونریزی کے باعث جو تیرے اندر ہوئی میں نے تالی بجائی کیا تیرا دل برداشت کرے گا اور تیرے ہاتھوں میں زور ہوگا جب میں تیرا معاملہ فیصل کروں گا؟ میں' خداوند نے فرمایا' اور میں ہی کر دکھاؤں گا۔ ہاں میں تجھ کو قوموں میں سے پراگندہ اور ملکوں میں تتر بتر کروں گا اور تیری گندگی تجھ میں نابود کروں گا اور تو قوموں کے سامنے اپنے آپ میں ناپاک ٹھہرے گا اور معلوم کرے گا کہ میں خداوند ہوں۔ (۷۲)

آخر کار اللہ کا غضب اشوریوں کی شکل میں دولت اسرائیل کی طرف متوجہ اور انبیاء کی فہمائشوں کو نظرانداز کر دینے اور خدا کی بغاوت پر آمادہ رہنے کا باعث ۷۲۱ قبل مسیح میں اشور کے سخت گیر حکمران سارگون نے سامریہ کو فتح کر کے د

اسرائیل کا خاتمہ کردیا۔ ہزارہا اسرائیلی تیغ کئے گئے۔ ۲۷ ہزار سے زیادہ بااثر اسرائیلیوں کو ملک سے نکال کر اشوری سلطنت کے مشرقی اضلاع میں تتر بتر کردیا گیا اور دوسرے علاقوں سے لاکر غیر قوموں کو اسرائیل کے علاقے میں بسایا گیا۔

بنی اسرائیل کی دوسری سلطنت یہودیہ بھی اسی فساد کا شکار تھی اور انبیاء کے نصائح و انذار کے باوجود وہ فساد میں سرگرم عمل رہے۔ ۵۹۸ قبل مسیحؑ میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یروشلم سمیت پوری دولت یہودیہ کو مسخر کرلیا اور پھر یہودیوں کی شرارتوں اور بغاوت کے باعث ۵۸۷ قبل مسیحؑ میں ایک سخت حملہ کر کے یہودیہ کے تمام چھوٹے بڑے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو اس طرح پیوند خاک کیا کہ اس کی ایک دیوار بھی اپنی جگہ کھڑی نہ رہی۔ یہودیوں کی بڑی تعداد ان کے علاقے سے نکال کر ملک ملک تتر بتر کردیا۔ جو یہودی علاقے میں رہ گئے وہ بھی ہمسایہ قوموں کے ہاتھوں بری طرح ذلیل اور پامال ہو کر رہے۔

اللہ پاک نے ایک مرتبہ ان پر مہربانی کی اور ان کے نیک لوگوں کی اصلاحی کوششوں اور توبہ اور انابت کی ترغیب کے باعث ان میں رجوع الی اللہ پیدا ہوا۔ بابل کے زوال پر ۵۳۹ ق م میں ایرانی فاتح سائرس (خسرو) نے بابل کو فتح کیا اور اس کے دوسرے ہی سال ایک فرمان کے ذریعہ بنی اسرائیل کو واپس وطن جانے اور وہاں پر آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ اور یوں ایک بار پھر بیت المقدس آباد ہوا اور یہودی تہذیب و مذہب کا مرکز بن گیا۔

ایرانی سلطنت کے زوال اور سکندر اعظم کی فتوحات اور یونانیوں کے عروج سے یہودیوں کو پھر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ سکندر کی وفات کے بعد شام کا علاقہ جس کے زیر انتظام آیا وہ انٹیوکس ثالث تھا اس کا پایہ تخت انطاکیہ تھا۔ اس نے ۱۹۸ ق م میں فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ یونانی فاتح مذہبا مشرک اور اخلاقا اباحیت پسند تھے۔ انہوں نے پوری قوت سے یونانی تہذیب کے فروغ کے لئے کام کیا۔ اور یہودی مذہب کی تہذیب کی بیخ کنی شروع کی۔ ۱۷۵ ق م میں انٹیوکس چہارم تخت نشین ہوا تو اس نے پوری قوت کے ساتھ یہودی مذہب اور اس کے شعائر کو ختم کرنے کا پروگرام بنایا۔ لیکن

Marfat.com

یہودی ردعمل مکابی تحریک کی صورت میں نمودار ہوا اور بالآخر یہودی یونانیوں کو نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔ اور اپنی آزاد دینی ریاست قائم کرلی جو ۶۷ ق م تک رہی۔ حسب سابق ان کے آپس کے اختلافات اور اخلاقی کمزوریوں نے اپنا رنگ دکھایا اور خود انہوں نے رومی فاتح پومپی کو فلسطین آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ پومپی نے ۶۳ ق م میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے یہودیوں کی آزادی کو ختم کردیا۔ رومی بالواسطہ حکمرانی کو پسند کرتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے فلسطین میں ایسی ریاست قائم کی جس کا حکمران مقامی آدمی تھا لیکن وہ روم کے نام پر حکومت کرتا تھا۔ یہی حکومت ۴۰ ق م میں ہیرود نامی چالاک یہودی کے قبضے میں آئی۔ اس کی فرمانروائی پورے فلسطین اور شرق اردن پر ۴۰ ق م سے ۴ ق م تک رہی۔ وہ مذہبی پیشواؤں کو خوش رکھتا اور دوسری طرف رومی تہذیب کے فروغ دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑتا۔ اسی زمانہ میں یہودیوں کی دینی و اخلاقی حالت پستی کی انتہائی حدوں کو چھو رہی تھی۔ اس کے تین بیٹے تھے جو اس کے بعد مختلف حصوں کے حکمران ہوئے۔

اس کا ایک بیٹا ارخلاؤس سامریہ' یہودیہ اور ادومیہ کا فرمانروا ہوا مگر ۶ء میں قیصر آگسٹس نے اسے معزول کر کے پوری ریاست کا انتظام اپنے گورنر کے ہاتھ میں دے دیا اور ۴۱ء تک یہی انتظام رہا۔ یہی زمانہ تھا جب مسیحؑ بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے اٹھے اور یہودیوں کے تمام مذہبی پیشواؤں نے مل کر ان کی مخالفت کی۔

اس کا دوسرا بیٹا ہیرود اینٹی پاس شمالی فلسطین کے علاقہ گلیل اور شرق اردن کا حکمران ہوا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے ایک رقاصہ کی فرمائش پر یحیٰ علیہ السلام کا سر قلم کر کے اس کی نذر کیا۔

اس وقت عام یہودیوں کے اخلاقی انحطاط اور ان کے مذہبی طبقے کی بدعملی' ریاکاری اور پستی کے لئے مسیحؑ کی تنقیدیں صحیح تصویر کشی کرتی ہیں۔ جب یحیٰؑ علیہ السلام کا سر قلم کیا گیا تو ایک آواز بھی اس کے خلاف نہ اٹھی اور جب مسیحؑ کو پھانسی دلوانے کی کوششیں ہو رہی تھیں تو کوئی آواز ان کے حق میں نہ اٹھی۔ ان کی بے حسی اور اخلاقی پستی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب پونس پیلاطس نے ان

Marfat.com

بدبختوں سے پوچھا کہ آج تمہاری عید کا دن ہے اور قاعدے کے مطابق سزائے موت کے مستحق مجرموں میں سے ایک کو چھوڑنے کا اختیار رکھتا ہوں۔ تم بتاؤ کہ یسوع کو چھوڑوں یا برابا ڈاکو کو؟ تو سب لوگوں نے بیک آواز کہا کہ برابا کو چھوڑ دو۔ مسیحؑ نے اپنی قوم کے شدید اخلاقی زوال پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا:

> اے یروشلم! اے یروشلم! تو جو نبیوں کو قتل کرتا اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتا ہے۔ کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کرلوں مگر تو نے نہ چاہا۔ دیکھو تمہارا گھر تمہارے لئے ویران چھوڑا جاتا ہے۔ (۷۳)

یہ تھا وہ تاریخی پس منظر اور ایسی تھی وہ قوم جس کی طرف مسیحؑ کو بھیجا گیا تھا۔ قرآن مجید نے مسیحؑ کی بعثت کے ذکر میں اس پس منظر کو اپنے معجزانہ ایجاز کے ساتھ بیان کیا ہے:

ولقد آتینا موسی الکتاب و قفینا من بعده بالرسل و آتینا عیسی ابن مریم البینات و ایدنه بروح القدس افکلما جاء کم رسول بمالا تهوی انفسکم اسکتبرتم ففریقا کذبتم وفریقا تقتلون و قالوا قلوبنا غلف بل لعنهم الله بکفر هم فقلیلا ما یومنون(۷۴)

> ہم نے موسیٰ کو کتاب دی' اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے' آخر کار عیسیٰ بن مریم کو روشن نشانیاں دے کر بھیجا اور روح پاک سے اس کی مدد کی۔ پھر یہ تمہارا کیا ڈھنگ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا' تو تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی ہی کی' کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا۔ وہ کہتے ہیں۔ ہمارے دل محفوظ ہیں' نہیں اصل بات یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار پڑی ہے' اس لئے وہ کم ایمان لاتے ہیں۔

Marfat.com

اسی طرح قرآن نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ قرآن نے ورسولا الی بنی اسرائیل (۷۵) (یعنی وہ رسول ہے بنی اسرائیل کی طرف) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ایک اور مقام پر مسیحؑ کے خطاب میں یہ دعویٰ نقل کیا ہے۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

و اذ قال عیسیٰ ابن مریم یبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم (۷۶)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! بلا شبہ میں تمہاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔

مسیحؑ جو بنی اسرائیل کے آخری رسول تھے اپنی قوم کی اصلاح کی دعوت لے کر اٹھے۔ ان کی دعوت کوئی انوکھی دعوت نہ تھی اور قوم کا رد عمل بھی سابقہ ہلاک شدہ قوموں سے مختلف نہ تھا۔ البتہ مسیحؑ کا واسطہ کافروں کی بجائے منافقوں سے تھا۔ اس لئے آپ کے خطابات کا اسلوب منفرد ہے۔

مسیحؑ کی دعوت

بنی اسرائیل بگڑے ہوئے مسلمان تھے۔ ان کے ہاں وحی و الہام کا تصور موجود تھا وہ انبیاء کی طریق دعوت اور طرز عمل سے آگاہ تھے۔ ان کے ہاں مذہبی قیادت موجود تھی جو شریعت موسوی کا علم رکھتی اور ان قوانین کی تشریح و تعبیر کرتی تھی۔ اس لئے مسیحؑ کی دعوت میں جہاں دعویٰ رسالت ہے وہاں یہ بھی ہے کہ وہ سابقہ شریعت کی تصدیق کرتے ہیں پھر ان کی دعوت دیگر انبیاء و رسل جیسی ہے اس کی بنیادی باتیں وہی ہیں جو اس سے پہلے ہر نبی و رسول دہراتا رہا ہے۔ قرآن مجید نے اختصار کے ساتھ ان کی دعوت کے نکات بیان کیے ہیں:

ومصدقا لما بین یدی من التوراة ولا حل لکم بعض الذی حرم علیکم وجئتکم بایة من ربکم فاتقوا اللہ واطیعون ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم (۷۷)

Marfat.com

میں اس تعلیم کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو تورات میں سے اس وقت میرے زمانے میں موجود ہے اور اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے لیے بعض ان چیزوں کو حلال کردوں جو تم پر حرام کردی گئی ہیں۔ دیکھو میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں لہٰذا اللہ سے ڈرواور میری اطاعت کرو۔ اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی لہٰذا تم اسی کی بندگی اختیار کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں سید مودودیؒ لکھتے ہیں :

اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت عیسیٰ کی دعوت کے بھی بنیادی نکات یہی تین تھے :

ایک یہ کہ اقتدار اعلیٰ جس کے مقابلے میں بندگی کا رویہ اختیار کیا جائے اور جس کی اطاعت پر اخلاق و تمدن کا پورا نظام قائم ہوتا ہے صرف اللہ کے لئے مختص تسلیم کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ اس مقتدر اعلیٰ کے نمائندے کی حیثیت سے نبی کے کلمہ کی اطاعت کی جائے۔

تیسرے یہ کہ انسانی زندگی کو حلت و حرمت اور جواز و عدم جواز کی پابندیوں سے جکڑنے والا قانون و ضابطہ صرف اللہ کا ہو۔ دوسروں کے عائد کردہ قوانین منسوخ کردیئے جائیں۔

پس درحقیقت حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ اور دوسرے انبیاء کے مشن میں یک سرمو فرق نہیں ہے جن لوگوں نے مختلف پیغمبروں کے مختلف مشن قرار دیئے ہیں اور ان کے درمیان مقصد و نوعیت کے اعتبار سے فرق کیا ہے انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ مالک الملک کی طرف سے اس کی رعیت کی طرف جو شخص بھی مامور ہوکر آئے گا اس کے آنے کا مقصد اس کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہی نہیں کہ وہ رعایا کو نافرمانی اور خودمختاری سے روکے اور شرک (یعنی اس بات سے کہ وہ اقتدار اعلیٰ میں کسی حیثیت سے دوسروں کو مالک الملک کے ساتھ شریک ٹھہرائیں اور

Marfat.com

اپنی وفاداریوں اور عبادت گذاریوں میں منقسم کریں) سے منع کرے اور اصل مالک کی خالص بندگی و اطاعت اور پرستاری و وفاداری کی طرف دعوت دے۔(۷۸)

مسیح کی دعوت میں بندگی رب' اطاعت رسول' حلت و حرمت کا الٰہی قانون تورات کی تصدیق اور محمدؐ کی آمد کی بشارت نمایاں نکات ہیں۔

بندگی رب

بندگی رب پیغمبرانہ دعوت کا اصل الاصول ہے۔ نوح سے لے کر مسیحؑ تک کسی نبی کی دعوت سے یہ اصول غائب نہیں ہوا بلکہ ہر نبی نے آغاز اسی سے کیا ہے۔ انسانوں کی انفرادی گمراہی اور اجتماعی فساد کا سبب بندگی رب سے انحراف اور دوسروں کی بندگی اختیار کرنا ہے۔ بنی اسرائیل بھی شرک میں مبتلا تھے۔ گذشتہ صفحات میں انبیاء بنی اسرائیل کی تنبیہات میں یہ نکتہ بہت نمایاں رہا ہے۔ مسیحؑ نے اسے پوری قوت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ قرآن مجید کے دیگر مقامات پر بھی اسے بیان کیا گیا ہے۔

مسیحؑ کی زبانی اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

ان اللہ ھو ربی و ربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم (۷۹)

(اور عیسیٰؑ نے کہا تھا) اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی پس تم اسی کی بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

ان اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم (۸۰)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی' اسی کی عبادت کرو' یہی سیدھا راستہ ہے۔

موجودہ اناجیل کا زور اگرچہ دوسرے امور پر ہے تاہم بندگی رب کی طرف کچھ اشارات ملتے ہیں۔ مثلاً شیطان کے ساتھ مکالمے میں مسیحؑ کہتے ہیں:

خداوند اپنے خدا کو سجدہ اور صرف اسی کی عبادت کر۔(۸۱)

وہ خدا کے تکوینی امر کی طرح تشریعی امر کی اطاعت کی بات کرتے نظر آتے ہیں۔ جو دعا انہوں نے سکھلائی اس کے الفاظ ہیں:

Marfat.com

"تیری بادشاہی آئے تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔"(۸۲)

اطاعت رسول

مسیحؑ نے دیگر انبیاء کی طرح اپنی اطاعت کی دعوت دی ہے۔ قرآن نے اسے خصوصیت کے ساتھ نقل کیا ہے:

فاتقوا الله واطيعون (۸۳)

لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو

قرآن نے ان کی نبوت کے تذکرے میں انجیل کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ رسول کی کتاب دراصل اطاعت کا ایک پروگرام ہوتا ہے۔ اس کتاب کی تعلیمات حکمت ربانی کا اظہار ہوتی ہیں۔ لہٰذا نبی رب کائنات کے نمائندہ کی حیثیت سے اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے۔ قرآن نے کہا:

واذ علمتک الكتاب والحكمة والتوراة والا نجيل (۸۴)

میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی

ثم قفينا على آثارهم برسلنا وقفينا بعيسى ابن مريم وآتينه الا نجيل (۸۵)

ان کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے اور ان سب کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو مبعوث کیا اور اس کو انجیل عطا کی

و قفينا علىٰ آثارهم بعيسى بن مريم مصدقا لما بين يديه من التورة وآتينه الا نجيل فيه هدى ونور مصدقا لما بين يديه من التوراة وهدى وموعظة للمتقين (۸۶)

پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا۔ تورات میں سے جو کچھ اس کے سامنے موجود تھا وہ اس کی تصدیق کرنے والا تھا۔ اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی۔ جس میں رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی تورات میں سے جو کچھ اس وقت موجود تھا اس کی تصدیق کرنے والی تھی

Marfat.com

اور خدا ترس لوگوں کے لئے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔

مسیحؑ اطاعت کا جو مطالبہ کرتے وہ خدا تعالیٰ کے نمائندے ہونے کی حیثیت سے کرتے اور انجیل اس نمائندگی کی تصدیق تھی۔ سید مودودیؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"پھر یہ بات کہ مسیح علیہ السلام اپنے آپ کو نبی اور آسمانی بادشاہت کے نمائندے کی حیثیت سے پیش کرتے تھے اور اسی حیثیت سے لوگوں کو اپنی اطاعت کی طرف دعوت دیتے تھے' ان کے متعدد اقوال سے معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے جب اپنے وطن ناصرہ سے دینی دعوت کا آغاز کیا تو ان کے اپنے ہی بھائی بند اور اہل شہر ان کی مخالفت کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اس پر متی' مرقس اور لوقا تینوں کی متفقہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا : "نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا" اور جب یروشلیم میں ان کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں اور لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ آپ کہیں اور چلے جائیں تو انہوں نے جواب دیا : ممکن نہیں کہ نبی یروشلیم سے باہر ہلاک ہو"(۸۷) آخری مرتبہ جب وہ یروشلیم میں داخل ہو رہے تھے تو ان کے شاگردوں نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا "مبارک ہے وہ بادشاہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے" اس پر یہودی علماء ناراض ہوئے اور انہوں نے حضرت مسیح سے کہا کہ آپ اپنے شاگردوں کو چپ کرائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا "اگر یہ چپ رہیں گے تو پتھر پکار اٹھیں گے"(۸۸) ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا :

"اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو' سب میرے پاس آؤ' میں تم کو آرام دوں گا۔ میرا جوا اپنے اوپر اٹھالو ..... میرا جوا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا"
(متی' ۱۱ / ۲۸۔ ۳۰)(۸۹)

حلت و حرمت کا الٰہی قانون

انبیاءؑ کی دعوت کا ایک اساسی اصول قوانین الٰہی کی پابندی ہے۔ حیات انسانی کی تنظیم اور افراد کی تنظیف و تزکیہ اور تعلیم و تربیت کا دارومدار ان قوانین پر ہے جو

Marfat.com

بذریعہ وحی بتائے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے حلت و حرمت اور جواز و عدم جواز کے وہی پیمانے درست ہیں جو رب کائنات کے عطا کردہ ہیں۔ انسانوں کی بغاوت کا ایک اظہار قانون سازی بھی ہے۔ انسان نے ہر دور میں شریعت الہیہ کے دیئے ہوئے اصولوں کے بجائے اپنے قواعد و ضوابط مرتب کئے ہیں اور انہی کے مطابق زندگی کی تنظیم کی ہے۔ انبیاءؑ نے ہر دور میں انسانوں کو اللہ کے ضابطوں کا پابند بنانے کی جدوجہد کی ہے۔ بنی اسرائیل نے بھی من مانے قوانین بنا رکھے تھے اور اس کے مذہبی گروہ نے خود ساختہ شریعت مسلط کر رکھی تھی لہٰذا مسیحؑ نے ان کی خود ساختہ شریعت کی جگہ حلت و حرمت کا الٰہی دستور متعارف کرایا۔ قرآن نے مسیحؑ کی زبان سے بیان کیا:

ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم (۹۰)

اور اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے لئے بعض ان چیزوں کو حلال کردوں جو تم پر حرام کردی گئی ہیں۔

یعنی تمہارے جہلاء کے توہمات، تمہارے فقیہوں کی قانونی موشگافیوں، تمہارے رہبانیت پسند لوگوں کے تشددات اور غیر مسلم قوموں کے غلبہ و تسلط کی بدولت تمہارے ہاں اصل شریعت الٰہی پر جن قیود کا اضافہ ہوگیا ہے، میں ان کو منسوخ کروں گا اور تمہارے لئے وہی چیزیں حلال اور وہی حرام قرار دوں گا جنہیں اللہ نے حلال و حرام کیا ہے۔ (۹۱)

پھر یہ بات کہ مسیح علیہ السلام انسانی ساخت کے قوانین کی بجائے خدائی قانون کی اطاعت کرانا چاہتے تھے متی اور مرقس کی اس روایت سے صاف طور پر مترشح ہوتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودی علماء نے اعتراض کیا کہ آپ کے شاگرد بزرگوں کی روایات کے خلاف ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کیوں کھالیتے ہیں۔ اس پر حضرت مسیحؑ نے فرمایا تم ریاکاروں کی حالت وہی ہے جس پر یسعیاہ نبی کی زبان سے یہ طعنہ دیا گیا: "یہ امت زبان سے تو میری تعظیم کرتی ہے مگر دل مجھ سے دور ہیں کیونکہ یہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں۔ تم لوگ خدا کے حکم کو تو باطل کرتے ہو اور اپنے گھڑے ہوئے قوانین کو برقرار رکھتے ہو۔ خدا نے تورات میں حکم دیا تھا کہ ماں باپ کی عزت کرو اور

Marfat.com

جو کوئی ماں باپ کو برا کہے وہ جان سے مارا جائے، مگر تم کہتے ہو کہ جو شخص اپنے ماں باپ سے یہ کہہ دے کہ میری جو خدمات تمہارے کام آسکتی تھیں انہیں میں خدا کی نذر کرچکا ہوں اس کے لئے بالکل جائز ہے کہ وہ پھر ماں یا باپ کی کوئی خدمت نہ کرے۔"(۹۲)

تورات کی تصدیق

مسیحؑ کی دعوت کا ایک اور بنیادی اصول دین موسوی کی تصدیق تھا۔ مسیحؑ کے دور تک شریعت موسوی تعبیر و تشریح اور تحریف و تغییر کے کئی مراحل طے کرچکی تھی۔ بنی اسرائیل کی بداعمالیاں اور ان کے مذہبی گروہ کی ریاکاریاں ان کے سامنے تھیں۔ اسی کی اصلاح کے لئے وہ مبعوث ہوئے تھے لیکن وہ دین موسیٰ کو بدلنے نہیں بلکہ اس کی اصلی روح کے مطابق نافذ کرنے کے لئے آئے تھے قرآن نے اس پہلو کا خصوصی ذکر کیا ہے:

ومصدقا لما بين يدى من التوراة (۹۳)

اور میں اس تعلیم و ہدایت کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو توراۃ میں سے اس وقت میرے زمانے میں موجود ہے۔

یہی الفاظ سورۂ صف میں بھی موجود ہیں(۹۴) اور سورۂ مائدہ میں بھی(۹۵)

سورہ مائدہ میں انجیل کے لئے بھی مصدق کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وآتينه الانجيل فيه هدى و نور مصدقا لما بين يديه من التوراة وهدى و موعظة للمتقين (۹۶)

اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی تورات میں سے جو کچھ اس وقت موجود تھا اس کی تصدیق کرنے والی تھی اور خدا ترس لوگوں کے لئے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔

گویا مسیحؑ اس صحیح تعلیم کی تصدیق کر رہے ہیں جو ان سے پہلے موسیٰؑ کو عطا ہوئی

Marfat.com

تھی قرآن کے اس بیان کی تائید موجودہ اناجیل سے بھی ہوتی ہے۔ مسیحؑ کے مشہور پہاڑی کے وعظ میں اسی جانب اشارے موجود ہیں۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں' منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔"(۹۷)

ایک یہودی عالم نے جب پوچھا کہ احکام دین میں اولیں حکم کونسا ہے؟ تو مسیحؑ نے جواب دیا: خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے اور دوسرا اس کے مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ انہی دو حکموں پر تورات اور انبیاء کے صحیفوں کا دارومدار ہے۔(۹۸)

مذہبی قیادت پر مسیحؑ کی تنقید کوئی مخفی بات نہیں لیکن شریعت کے احکام کے بارے میں ان کی بات کا احترام ضروری قرار دیتے ہیں۔ اپنے شاگردوں کو فرماتے ہیں:

"فقیہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھتے ہیں جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو مگر ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں"(۹۹)

قرآن و انجیل دونوں گواہ ہیں کہ مسیحؑ موسیٰؑ کی شریعت کی تکمیل کرنے آئے تھے اور اس کی تصدیق کرتے تھے۔ شریعت کو منسوخ کرنا مسیحؑ کا مشن نہیں تھا۔ یہ سینٹ پال کا کرشمہ ہے کہ شریعت کو نظر انداز کردیا گیا۔

حضور اکرم ﷺ کی بشارت

مسیحؑ کی دعوت کا ایک اصول جسے قرآن مجید نے نقل کیا ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف کی بشارت ہے۔ سورۂ الصف میں جہاں تورات کی تصدیق کا بیان ہے وہیں اس کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (۱۰۰)

اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔

Marfat.com

اس آیت کی تفسیر میں سید مودودیؒ نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے جو اس موضوع پر ایک جامع و مانع بیان ہے۔ اسی سے استفادہ کرتے ہوئے ہم ذیل میں مختصر توضیح لکھیں گے۔ اس بشارت کے سلسلے میں پہلی غور طلب بات تو یہ ہے کہ مسیحؑ نے واقعی کوئی ایسا بیان دیا ہے؟ قرآن کی شہادت تو حتمی ہے اور ایک مسلمان کے لئے یہ کافی ہے لیکن عام قاری کے لئے بڑی اطمینان کی بات ہوگی اگر کسی اور مصدر سے بھی اسی طرح کا بیان آجائے۔ مسیحؑ کے حوالے سے بنیادی ماخذ تو اناجیل ہی ہیں۔ ان میں سے یوحنا کی انجیل میں مختلف مقامات پر مسیحؑ سے منسوب پیش گوئیاں موجود ہیں جنہیں ہم ترتیب وار نقل کرتے ہیں۔

۱۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کرسکتی کیونکہ اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے۔ تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہے۔[۱۰۱]

۲۔ میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کیں۔ لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔[۱۰۲]

۳۔ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔[۱۰۳]

۴۔ لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔"[۱۰۴]

۵۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔[۱۰۵]

۶۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں

Marfat.com

کر سکتے' لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھا دے گا' اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبر دے گا۔ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبر دے گا۔(۱۰۶)

ان تمام بیانات میں مسیحؑ اپنے بعد میں آنے والے کی خبر دے رہے ہیں جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ وہ "دنیا کا سردار" (سرور عالم) ہوگا "ابد تک رہے گا" "سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا" اور خود ان کی (یعنی عیسیٰؑ کی گواہی دے گا)

لیکن ان تمام جملوں کے ساتھ "روح القدس" اور "سچائی کی روح" کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ جو عیسائیوں کے مطابق اس پیش گوئی کا مصداق ہے۔ ان کی تعبیر کے مطابق مسیح' روح القدس کی ابدی موجودگی کی بات کر رہے تھے۔ یہی روح القدس ان کے عقیدے کے اہم بنیاد اور تثلیث کا اہم جزء۔ یوحنا' ۱۶/۱۴ میں اردو کا لفظ مددگار استعمال کیا گیا ہے۔ انگریزی ترجموں میں "Advocate ' Assistant ' Comforter" اور "Consoler" وغیرہ الفاظ اختیار کئے ہیں۔ یہ تراجم عیسائی علماء کے مطابق دراصل یونانی لفظ Paracletus کے ہیں۔ عیسائیوں کا اصرار ہے کہ یوحنا کے یونانی مخطوط میں یہی لفظ تھا اور اسی کے مختلف معانی متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ اس سے کوئی انسانی شخصیت مراد نہ لی جاسکے۔ لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ یونانی زبان ہی کا ایک دوسرا لفظ Periclytos ہے جس کے معنی ہیں "تعریف کیا ہوا" یہ لفظ بالکل محمد کا ہم معنی ہے اور تلفظ میں اس کے اور Paracletus کے درمیان بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ مسیحی حضرات نے اس پیش گوئی کو اپنے عقیدے کے خلاف پڑتا دیکھ کر اس کے املاء میں ذرا سا تغیر کردیا ہو۔ چونکہ اس انجیل کے مصنف کا اصلی یونانی نسخہ کہیں موجود نہیں اس لئے اس کی جانچ پڑتال بھی ممکن نہیں۔ عیسائی مذہبی رہنماؤں کے ہاں کتابوں میں رد و بدل کرنے کا سلسلہ رہا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیا ہوگا۔

Marfat.com

(یہاں ایک اور حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ مسیحؑ اور ان کے ہم عصر اہل فلسطین کی عام زبان آرامی زبان کی وہ بولی تھی جسے سریانی (Syriac) کہا جاتا ہے۔ مسیح کی پیدائش سے دو ڈھائی سو برس پہلے ہی سلوقی (Seleucide) اقتدار کے زمانے میں اس علاقے سے عبرانی رخصت ہو چکی تھی اور سریانی نے اس کی جگہ لے لی تھی اگرچہ سلوقی اور پھر رومی سلطنتوں کے اثر سے یونانی زبان بھی اس علاقے میں پہنچ گئی تھی مگر وہ صرف اس طبقے تک محدود رہی جو سرکار دربار میں رسائی پا کر یا رسائی حاصل کرنے کے لئے یونانیت زدہ ہو گیا تھا۔ فلسطین کے عام لوگ سریانی کی خاص بولی (Dialect) استعمال کرتے تھے جس کے لہجے اور تلفظات اور محاورات دمشق کے علاقے میں بولی جانے والی بولی سے مختلف تھے۔[۱۰۷]

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ بائبل کی چاروں انجیلیں ان یونانی بولنے والے عیسائیوں کی لکھی ہوئی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد اس مذہب میں داخل ہوئے تھے۔ ان تک حضرت عیسیٰؑ کے اقوال و اعمال کی تفصیلات سریانی بولنے والے عیسائیوں کے ذریعہ سے کسی تحریر کی صورت میں نہیں بلکہ زبانی روایات کی شکل میں پہنچی تھیں اور ان سریانی روایات کو انہوں نے اپنی زبان میں ترجمہ کرکے درج کیا تھا۔ ان میں سے کوئی انجیل بھی ۷۰ء سے پہلے کی لکھی ہوئی نہیں ہے اور انجیل یوحنا تو حضرت عیسیٰؑ کے ایک صدی بعد غالباً ایشیائے کوچک کے شہر افسس میں لکھی گئی ہے۔ مزید یہ کہ ان انجیلوں کا کوئی بھی اصل نسخہ اس یونانی زبان میں محفوظ نہیں ہے جس میں ابتداء یہ لکھی گئی تھیں۔ مطبع کی ایجاد سے پہلے جتنے یونانی مسودات جگہ جگہ سے تلاش کرکے جمع کئے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی چوتھی صدی سے پہلے کا نہیں ہے اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ تین صدیوں کے دوران ان کے اندر کیا کچھ رد و بدل ہوئے ہوں گے۔ اس معاملہ کو جو چیز خاص طور پر مشتبہ بنا دیتی ہے وہ یہ ہے کہ عیسائی اپنی انجیلوں میں اپنی پسند کے مطابق دانستہ تغیر و تبدل کرنے کو بالکل جائز سمجھتے رہے ہیں۔[۱۰۸]

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"اناجیل میں ایسے نمایاں تغیرات دانستہ کئے گئے ہیں جیسے مثلاً پوری پوری عبارتوں کو کسی دوسرے ماخذ سے لے کر کتاب میں شامل کر دینا ــــــ یہ تغیرات صریحاً" کچھ لوگوں نے بالقصد کئے ہیں جنہیں اصل کتاب کے اندر شامل کرنے کے لئے کہیں سے کوئی مواد مل گیا اور وہ اپنے آپ کو اس کا مجاز سمجھتے رہے کہ کتاب کو بہتر یا زیادہ مفید بنانے کے لئے اس کے اندر اپنی طرف سے اس مواد کا اضافہ کر دیں ــــــ بہت سے اضافے دوسری صدی میں ہو گئے تھے اور کچھ معلوم نہیں کہ ان کا ماخذ کیا تھا۔"[۱۰۹]

مسلمانوں نے جب فلسطین فتح کیا تو عیسائی باشندوں کی زبان سریانی تھی اور نویں صدی تک یہی زبان استعمال ہوتی رہی کیونکہ عربی زبان نویں صدی میں نافذ کی گئی لہٰذا مسلماء علماء کو ان تین صدیوں میں اہل فلسطین کے ذریعہ عیسائی روایات کے متعلق جو معلومات حاصل ہوئیں وہ ان لوگوں کی معلومات کی بہ نسبت زیادی معتبر ہونی چاہئیں جنہیں سریانی سے یونانی اور پھر یونانی سے لاطینی زبانوں میں ترجمہ در ترجمہ ہو کر یہ معلومات پہنچیں کیونکہ مسیح کے زبان سے نکلے ہوئے اصل سریانی الفاظ ان کے ہاں محفوظ رہنے کے زیادہ امکانات تھے۔

اس لئے اس پیش گوئی کے صحیح الفاظ اور ان کی تشریح کے لئے ابن اسحاق (م ۷۶۸ء) اور ابن ہشام (م ۸۲۸ء) کا بیان زیادہ وقیع ہے۔ ذیل میں ہم ابن ہشام کی وہ عبارت نقل کرتے ہیں جو انہوں نے ابن اسحاق کے حوالے سے لکھی ہے:

قال ابن اسحاق: وقد کان فیما بلغنی عما کان وضع عیسی بن مریم فیما جاء ہ من اللہ فی الانجیل لاھل الانجیل من صفة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مما اثبت یحنس الحواری لھم حین نسخ لھم الانجیل عن عھد عیسی بن مریم علیه السلام فی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الیھم انه قال: من ابغضنی فقد ابغض الرب ولولا انی صنعت بحضرتھم صنائع لم یصنعھا احد قبلی ماکانت لھم خطیئة ولکن من الان بطروا وظنوا انھم یعزوننی

Marfat.com

وایضا للرب ولکن لا بد من ان تتم الکلمة التی فی الناموس: انهم ابغضونی مجانا ای باطلا فلو قد جاء المنحمنا هذا الذی یرسله الله الیکم' من عند الرب و روح القدس' هذا الذی من عند الرب خرج فهو شهید علی وانتم ایضا لانکم قدیما کنتم معی فی هذا قلت لکم لکیما لا تشکوا والمنحمنا بالسریانیه: محمد' وهو بالرومیة البر قلیطس صلی اللہ علیہ وسلم[110]

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان تک جو اخبار پہنچی ہیں ان میں رسول اللہؐ کی صفت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وہ قول بھی پہنچا ہے جو مسیحؑ نے اہل انجیل کے لئے انجیل میں بیان کیا ہے۔ اور جسے یوحنا حواری نے بھی انجیل لکھتے ہوئے مسیحؑ کے حالات میں باقی رکھا ہے۔ مسیحؑ نے کہا:

جو مجھ سے بغض رکھتا ہے وہ رب سے بغض رکھتا ہے۔ اگر میں ان میں وہ کام نہ کرتا جو کسی دوسرے نے مجھ سے پہلے نہیں کئے تو وہ گنہ گار نہ ٹھہرتے مگر اب تو انہوں نے اترا کر مجھے ناپسند کیا اور انہوں نے سمجھا کہ مجھ پر اور رب پر غالب آگئے ہیں۔ لیکن یہ لازم ہے کہ وہ قول پورا ہو جو شریعت میں لکھا ہے کہ انہوں نے مجھ سے ناجائز طور پر عداوت رکھی ہے لیکن جب وہ منحمنا آئے گا جسے اللہ اپنے ہاں سے' تمہاری طرف بھیجے گا اور روح القدس جو رب کی طرف سے صادر ہوتی ہے تو وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو۔ میں نے اس بارے میں تم سے بات کی ہے تاکہ تمہیں شک و شبہ نہ رہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ سریانی میں منحمنا کا معنی محمد ہے اور رومی زبان میں بر قلیطس ہے۔

عیسائیوں کے ہاں مسیحؑ کی بشارت کا تصور موجود تھا اور مشرقی عیسائی اسے مانتے تھے۔ اس کی اولین شہادت نجاشی کے بیان میں ملتی ہے۔ کتب سیرت و حدیث میں مہاجرین حبشہ کے بارے میں جو معلومات ملتی ہیں وہ اس بشارت کی تائید کرتی ہیں۔

Marfat.com

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نجاشی نے جب مہاجرین حبشہ کو اپنے دربار میں بلایا اور جعفر طیارؓ نے اس کے سامنے اسلامی تعلیمات کی تفصیلات بیان کیں تو اس نے کہا:

مرحبا بکم و بمن جئتم من عنده' اشهد انه رسول الله و انه الذی نجد فی الانجیل وانه الذی بشر به عیسی ابن مریم [111]

مرحبا تم کو اور اس ہستی کو جس کے ہاں سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں اور وہ ہیں جن کی بشارت عیسیٰ ابن مریم نے دی تھی۔

یہ قصہ جعفر طیارؓ اور ام سلمہؓ سے بھی مروی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت نجاشی کو اس پیش گوئی کا علم تھا بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس پیش گوئی کا اشارہ انجیل میں تھا جس کی وجہ سے نجاشی کو رائے قائم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوا کہ محمدؐ ہی اس پیش گوئی کے مصداق ہیں۔

پھر قرآن مجید کے اسلوب کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تورات کی تصدیق اور نبی کریمؐ کی بشارت کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ بہت اہم ہے کیونکہ تورات میں نبی کریمؐ کی آمد کی بشارت موجود ہے لہٰذا مسیحؑ کا نبی کریمؐ کے بارے میں بیان دینا دراصل تورات کی تصدیق کا ایک پہلو ہے۔ موسیٰؑ نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے اس بشارت کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا:

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے' یعنی تیرے بھائیوں ہی میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں نے ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا

Marfat.com

اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب ان سے لوں گا۔"(۱۱۲)

ظاہر ہے کہ یہاں بھائیوں سے مراد اسی قوم کا کوئی قبیلہ یا خاندان ہو سکتا ہے بلکہ کوئی دوسری ایسی ہی قوم ہو سکتی ہے جس کے ساتھ اس کا قریبی نسلی رشتہ ہو لہٰذا بنی اسرائیل کے ساتھ بنی اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس پیش گوئی کے حوالے سے تورات اور انجیل دونوں کا نام لیا ہے۔ سورۂ اعراف میں موسیٰؑ کے قصے میں بیان کیا گیا ہے کہ ستر افراد اللہ پاک سے ملانے لے گئے تو وہ اپنی نادانی کے باعث زلزلے کی زد میں آگئے۔ موسیٰؑ ان کے لئے معافی کی درخواست کرتے ہیں اور ان کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی لکھ دینے کی درخواست کرتے ہیں اس کا جواب تو ان الفاظ میں دیا گیا:

عذابی اصیب بہ من اشاء و رحمتی وسعت کل شئی (۱۱۳)

سزا تو میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں مگر میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔

اس کے بعد بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہونے کے لئے اتباع محمدی شرط ہے اور اس کے لئے وہی تقویٰ و زکوۃ ادا کرنے کی صفات ہیں جو موسیٰؑ کے زمانہ میں تھیں اور محمدؐ وہی ہیں جن کا ذکر تورات و انجیل میں موجود ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

فساکتبھا للذین یتقون ویوتون الزکوۃ والذین ھم بایاتنا یومنون الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف و ینھاھم عن المنکر و یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم فالذین آمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون (۱۱۴)

اور اسے میں ان لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کریں

Marfat.com

گے' زکوۃ دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے۔ (پس آج رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر' نبی امی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے' بدی سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت و نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے' وہی فلاح پانے والے ہیں۔

یوحنا کی انجیل میں یحییٰؑ کے سلسلے میں جو کچھ بیان کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنی اسرائیلؑ اس بشارت کے باعث ایک نبی کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ وہ مسیح اور ایلیا (الیاسؑ) کا بھی انتظار کر رہے تھے۔ یوحنا کے الفاظ ہیں:

اور یوحنا (یحییٰؑ) کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلیم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے' تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر تو کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو کون ہے؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے۔ بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔ یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیا نہ وہ نبی تو پھر تو بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟ یوحنا نے جواب میں کہا میں پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں۔[۱۱۵]

گویا مسیحؑ یہ کہنا چاہتے تھے کہ تورات کی بشارت کے مطابق میں اپنی تصدیق بھی

Marfat.com

کرتا ہوں اور آنے والے نبی کی بھی۔ بنی اسرائیل انتظار کے کلچر میں تھے لیکن عجیب بات ہے کہ جن کا وہ انتظار کر رہے تھے انہی کی تکذیب کو اپنا کلچر بنالیا۔ مسیح کا انکار اوران کے قتل کا منصوبہ نبی کریمؐ کی تکذیب اور ان کے قتل کا منصوبہ۔ قرآن نے مسیحؑ کی صداقت اور نبی کریمؐ کی نبوت پر مفصل براہین مہیا کرکے یہودیوں کے تعصب اور بغض کو واضح کردیا۔

قرآن نے مسیحؑ کی بشارت کو بیان کرتے آپؐ کا اسم گرامی احمد کہا ہے۔ اسلام دشمن مصنفین نے اسی نام کی وجہ سے زہر افشانی کی ہے۔ اسی کی وضاحت میں ہم سید مودودی کا بیان نقل کرتے ہیں جس سے قاری کی تشفی ہوجائے گی سید مرحوم لکھتے ہیں:

"اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی احمد بتایا گیا ہے۔ احمد کے دو معنی ہیں، ایک وہ شخص جو اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو۔ دوسرے وہ شخص جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو، یا جو بندوں میں سب سے زیادہ قابل تعریف ہو۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ بھی حضور کا ایک نام تھا۔ مسلم[116] اور ابوداؤد اور طیالسی میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا انا محمد و انا احمد والحاشر .... میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں حاشر ہوں..... اسی مضمون کی روایات حضرت جبیر بن مطعم سے امام مالک[117]، بخاری[118]، مسلم[119]، دارمی[120]، ترمذی[121] اور نسائی نے نقل کی ہیں۔ حضورؐ کا یہ اسم گرامی صحابہ میں معروف تھا۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت کا شعر ہے:

صلی الالہ ومن یحف بعرشہ　　والطیبون علی المبارک احمد

اللہ نے اور اس کے عرش کے گرد جمگھٹا لگائے ہوئے فرشتوں اور سب پاکیزہ ہستیوں نے احمد پر دورد بھیجا ہے۔

تاریخ سے بھی یہ ثابت ہے کہ حضور کا نام مبارک صرف محمد ہی نہ تھا بلکہ احمد بھی تھا۔ عرب کا پورا لٹریچر اس بات سے خالی ہے کہ حضور سے پہلے کسی کا نام احمد رکھا گیا ہو اور حضور کے بعد احمد اور غلام احمد اتنے لوگوں کے نام رکھے گئے ہیں جن کا

Marfat.com

شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے بڑھ کر اس بات کا کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ زمانہ نبوت سے لے کر آج تک تمام امت میں آپ کا یہ اسم گرامی معلوم و معروف رہا ہے۔ اگر حضور کا یہ اسم گرامی نہ ہوتا تو اپنے بچوں کے نام غلام احمد رکھنے والوں نے آخر کس احمد کا غلام ان کو قرار دیا تھا؟(۱۲۲)

چونکہ محمد اور احمد میں مشترک مفہوم تعریف کیا جانا ہے اس لئے دونوں نام بشارت کا مصداق بنتے ہیں۔ اگر ضد اور تعصب نہ ہو تو حضور کی شخصیت کو تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

اعمال صالحہ کا انتظام

عبادت رب اور اطاعت رسول کے ساتھ تقویٰ کا ذکر مذکورہ آیات میں دیا جاچکا ہے۔(۱۲۳) انبیاء کی دعوت میں عقیدہ و فکر کی اصلاح کے ساتھ عملی زندگی کی درستی بھی اہم ہوتی ہے اور اس کے لئے تقویٰ کی جامع اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ نوحؑ سے لے کر مسیحؑ تک ہر نبی نے تقویٰ کی بات کی ہے۔ انبیاءؑ نے صرف تقویٰ اختیار کرنے ہی کی دعوت نہیں دی بلکہ اسے حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتایا۔ اور اس پیغمبرانہ طریقہ میں دو امور بہت بنیادی اہمیت رکھتے ہیں ایک عبادت اور دوسرے حسن اخلاق۔ اسی کے مجموعہ کا نام اعمال صالحہ ہے جسے قرآن نے دعوت اسلامی میں ایمان اور عمل صالح کے جامع الفاظ میں بیان کیا ہے۔ مسیحؑ نے اپنے گہوارے کے کلام میں عبادت اور حسن خلق کی بات ان الفاظ میں کی تھی۔

قال انی عبداللہ آتنی الکتاب وجعلنی نبیا وجعلنی مبارکا این ماکنت واوصانی بالصلوۃ والزکوۃ ما دمت حیا و برا بوالدتی ولم یجعلنی جبارا شقیا (۱۲۴)

> اس نے کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جبار

Marfat.com

اور شقی نہیں بنایا۔

جس طرح عبادات میں نماز اور زکوٰۃ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اسی طرح حسن اخلاق میں والدین سے اچھا رویہ اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ بائبل نے اگرچہ انہیں درشت خو دکھایا ہے لیکن قرآن نے انہیں پیغمبرانہ حسن اخلاق کا نمونہ بتایا ہے۔

مسیحؑ کی تعلیمات عہد نامہ جدید کی روشنی میں

عہد نامہ جدید کی موجودہ کتب اربعہ میں مسیحؑ کی دعوت اور ان کی تعلیمات کے بارے میں جو کچھ موجود ہے اسے پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ بہت کچھ رد و بدل کے باوجود ایسی عبارات موجود ہیں جو پیغمبرانہ دعوت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ توحید، اقتدار اعلیٰ، حق و باطل کی کشمکش، فکر آخرت، دنیا کی بے ثباتی، صبر و استقامت اور مذہبی گروہ کی ریاکاری اور دنیا پرستی پر تنقید جیسے موضوعات پر آپ کے ارشادات موجود ہیں۔ ان کو پڑھتے ہوئے پیغمبرانہ حکمت کی روشنی صاف دکھائی دیتی ہے۔

توحید

توحید انبیاء کی دعوت کا اساسی پتھر ہے اور یہودیوں کے تمام زوال کے باوجود اور مشرک قوموں کے بد اثرات کے ہوتے ہوئے بھی خدائے واحد کا تصور مستحکم تھا۔ مسیح اس اساسی نظریہ کو کس طرح نظر انداز کر سکتے تھے۔ قرآن نے تو اسے واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اناجیل میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے:

"اور فقیہوں میں سے ایک نے ان کو بحث کرتے سن کر جان لیا کہ اس نے ان کو خوب جواب دیا ہے۔ وہ پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ سب حکموں میں سے اول حکم کونسا ہے۔ یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے کہ "اے اسرائیل سن خداوند ہمارے خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں۔ فقیہ نے کہا: اے استاد کیا خوب تو نے سچ کہا کہ وہ ایک ہی ہے اور اس

Marfat.com

کے سوا کوئی نہیں۔"(۱۲۵)

"لوقا نے مسیحؑ کا شیطان سے جو مکالمہ نقل کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ شیطان نے مسیحؑ کو اپنے سامنے سجدہ کرنے کا لالچ دیا تو اس کے جواب میں انہوں نے تورات کا حکم دہراتے ہوئے کہا:

"لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔"(۱۲۶)

اقتدار اعلیٰ

توحید کا ایک اہم پہلو رب کائنات، کو مقتدر اعلیٰ ماننا ہے۔ خالق کائنات تکوینی طور پر تو اس کا منتظم ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے البتہ تشریعی طور پر اس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرنا انسانی تاریخ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ شیطان نے انسان کو یہ سبق دیا ہے کہ وہ اس دنیا میں مختار مطلق ہے لہٰذا اسے اپنے اختیار کو استعمال کر کے اپنی مرضی کے مطابق قوانین بنانے اور اپنی خواہش کے مطابق زندگی گزارنے کا عمل جاری رکھنا چاہیے۔ یہی رویہ فساد کی جڑ ہے اور اسی کی اصلاح کے لئے انبیاء نے کوششیں کیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے اختیار سے دنیوی زندگی میں مقتدر اعلیٰ ماننا ایمان کا اہم تقاضا ہے۔ بنی اسرائیل میں جو فساد رونما ہوا تھا اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ خدا کی ذات دنیوی زندگی کے معاملات میں متعلق نہیں رہی تھی لہٰذا مسیحؑ اس غلط فہمی کو دور کرتے ہیں۔ متی کے مطابق آپ نے فرمایا:

"پس تم اس طرح دعا مانگو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے' تیری بادشاہی آئے' تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔"(۱۲۷)

خدا کی مرضی کا زمین پر پورا ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا قانون زمین میں نافذ ہو۔ اس سے روحانی بادشاہت مراد لینا دوراز کار تاویل ہے۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ مسیحؑ کا مقصد یہ تھا کہ زمین پر خدا کا قانون اور اس کا حکم شرعی اسی طرح جاری ہو

Marfat.com

جس طرح تمام کائنات میں اس کا قانون طبعی نافذ ہے۔ اسی انقلاب کے لئے وہ لوگوں کو تیار کر رہے تھے۔

انقلابی جدوجہد

مسیحؑ کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی محدود مذہبی و روحانی زندگی کے لئے کوشاں نہیں تھے بلکہ ان کے سامنے پورے نظام تمدن و سیاست کو بدل دینے کا نقشہ تھا انہیں رومی سلطنت' یہودی ریاست' فقیہوں اور فریسیوں کے اقتدار اور تمام بندگان نفس ہوائے نفس سے مقابلہ درپیش تھا۔ وہ حق و باطل کی اس کشمکش کو واضح طور پر دیکھ رہے تھے اس لئے انقلابی جدوجہد کے لئے تیاری کرتے ہوئے وہ ان خطرات اور مشکلات کا کھلا ذکر کرتے ہیں۔ اسی انقلابی جدوجہد میں مشکلات و مصائب ہیں' کھلی کشمکش ہے' آزمائش و ابتلا ہے اور صبر و استقامت ہے۔ موجودہ اناجیل میں ان سب پہلوؤں پر راہنمائی ملتی ہے۔

حق و باطل کی کشمکش کا تصور

حق و باطل کی کشمکش کارگہ حیات کا مستقل منظر ہے۔ پیغمبر کے سامنے اس کشمکش کا پورا منظر ہوتا ہے۔ اور وہ اس میں کسی مفاہمت کے لئے تیار نہیں ہوتے اس کے نزدیک دوستی و دشمنی کا معیار حق کے ساتھ وابستگی ہوتی ہے۔ مسیحؑ اپنے پیروؤں کو اس کشمکش کی شدت کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں:

> "یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں' صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔ میں اس لئے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور اس کی بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کردوں اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے۔ جو کوئی باپ ماں کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں۔"[۲۸]

Marfat.com

قربانی کے لئے تیاری

اس جدوجہد کا دوسرا پہلو مصائب و مشکلات برداشت کرنے اور جان مال کی قربانی کے لئے تیار ہونا ہے۔ مسیحؑ اپنے ماننے والوں کو آزمائش کے لئے تیار کرتے اور قربانی کے لئے آمادہ کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ ایمان لانے والوں کو بتاتے ہیں کہ انہیں شدید تکالیف حتیٰ کہ موت کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے ان سے منقول ہے "اور جو کوئی اپنی صلیب نہ اٹھائے اور میرے پیچھے نہ چلے وہ میرے لائق نہیں اور جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے اسے کھوئے گا اور جو کوئی میرے سبب اپنی جان کھوتا ہے اسے بچائے گا۔"[۱۲۹] "جو کوئی میرے پیچھے آنا چاہے وہ اپنی خودی[۱۳۰] سے انکار کرے اور اپنی صلیب اٹھائے اور میرے پیچھے ہو لے۔"[۱۳۱] "بھائی کو بھائی قتل کے لئے حوالے کرے گا اور بیٹے کو باپ اور بیٹے اپنے ماں باپ کے خلاف کھڑے ہو کر انہیں مروا ڈالیں گے اور میرے نام کے باعث سب لوگ تم سے عداوت کریں گے مگر جو آخر تک برداشت کرے گا وہی نجات پائے گا۔"[۱۳۲]

"دیکھو میں تم کو بھیجتا ہوں گویا بھیڑوں کو بھیڑیوں کے بیچ میں۔ پس سانپوں کی مانند ہوشیار اور کبوتروں کی مانند بے آزار بنو۔ مگر آدمیوں سے خبردار رہو کیونکہ وہ تمہیں عدالتوں کے حوالے کریں گے اور اپنے عبادت خانوں میں تمہارے کوڑے ماریں گے اور تم میرے سبب حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے۔"[۱۳۳] "اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں، بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی[۱۳۴] نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔ جو کوئی اپنی صلیب[۱۳۵] نہ اٹھائے اور میرے پیچھے نہ آئے وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا کیونکہ تم میں ایسا کون ہے کہ جب وہ برج بنانا چاہے تو پہلے بیٹھ کر لاگت کا حساب نہ کرے کہ آیا میرے پاس اس کے تیار کرنے کا سامان ہے یا نہیں ایسا نہ ہو کہ جب نیو ڈال کر تیار نہ کر سکے تو سب دیکھنے والے یہ کہہ کر ہنسنا شروع کر دیں کہ اس شخص نے عمارت تو شروع کی مگر تیار نہ کر سکا۔ یا کون ایسا بادشاہ ہے جو دوسرے بادشاہ

Marfat.com

سے لڑنے جاتا ہو اور پہلے بیٹھ کر مشورہ نہ کرے کہ آیا میں دس ہزار سے اس کا مقابلہ کر سکتا ہوں یا نہیں جو بیس ہزار لے کر مجھ پر چڑھا آتا ہے۔ نہیں تو جب وہ ہنوز دور ہی ہے ایلچی بھیج کر شرائط صلح کی درخواست کرے گا۔ پس اس طرح تم میں سے جو کوئی اپنا سب کچھ ترک نہ کرے وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔"(۱۳۶)

صبر کی تلقین

انقلابی جدوجہد صبر آزما مساعی کا سلسلہ ہے۔ اس کے مختلف مراحل کا ادراک اور اس کے مطابق درست طرز عمل اس جدوجہد کی کامیابی کو یقینی بناتے ہیں۔ جس طرح شدید کشمکش اور مسلح مزاحمت ایک ضروری مرحلہ ہے اسی طرح دکھ سہنے، مصائب برداشت کرنے اور خاموشی سے دعوت کے کام کو جاری رکھنا بھی اہم مرحلہ ہے دعوتی زندگی میں اسی مرحلے سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس مرحلہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اپنے غلبے کی وجہ سے دعوت کو روکتا ہے اور دعوت کے کارکنوں پر ظلم کرتا ہے حالات میں دعوت کے کارکنوں کا سب سے بڑا ہتھیار صبر و استقامت اور قبل از تصادم سے بچاؤ ہے۔ مسیح نے ایسی ہی صورت حال کی طرف اشارہ کیا ہے:

"شر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لینے دے اور جو کوئی تجھ کو ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔"(۱۳۷)

"جو بدن کو قتل کرتے ہیں اور روح کو قتل نہیں کرتے ان سے نہ ڈرو بلکہ اسی سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کر سکتا ہے۔"(۱۳۸)

ان ارشادات کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ داعی منفعل بن کر ظلم سہنے اور ... کو کھل کھیلنے کا موقعہ دینے کی پالیسی اختیار کرے اور ظلم و جبر کے اقتدار کو ... کرے۔ یہ تعبیر نہ صرف انبیاء کی مجموعی دعوتی حکمت عملی کے خلاف ہے ... کے دیگر ارشادات اور ان کے طرز عمل کے بھی خلاف ہے۔ یہ صرف ایک ...

Marfat.com

مرحلے کی پالیسی ہے جب دعوت کے کارکن کمزور ہیں اور کھلے تصادم سے بڑے نقصان کا اندیشہ ہے۔ مسیح کی جدوجہد پر نظر رکھنے والا شخص جانتا ہے کہ انہیں کس طرح کے حالات کا سامنا تھا۔ ایک بے خدا نظام تمدن و سیاست کا غلبہ تھا۔ تمام وسائل حیات ریاست کے کنٹرول میں تھے۔ منتظم' ظالم' بدراہ اور فاسق و فاجر تھے۔ ان کے مقابلے میں اصلاح کی تحریک اٹھانا مشکلات و مصائب کو دعوت دینا تھا اس لئے مسیحؑ کی تعلیمات میں جہاں تحمل شدائد کی بات ہے وہاں صبر و استقامت اور جان و مال کی قربانی کا ذکر بھی ہے۔ کارکنوں کو مصائب کی شدت برداشت کرنے کے لئے تیار کرنا بے حد ضروری تھا۔ دعوت کے اس مرحلے میں جانوں کا نذرانہ دینا مالی خسارہ برداشت کرنا اور ظلم و ستم سہنا ایک معمول کی بات قرار پاتی ہے۔ دعوتی زندگی میں ان حالات کا پیش آنا ناگزیر ہے اور اسی کے لئے تیار رہنا داعی کی حکمت عملی کا حصہ ہے۔

فکر آخرت کی دعوت اور حب دنیا کی نفی

توحید و رسالت کی طرح آخرت کا عقیدہ انبیاء کی دعوت کا اساسی عنصر ہے۔ دنیا میں فساد اور ظلم و استحصال اور لالچ و حرص کا سبب آخرت سے غفلت ہے۔ حب دنیا ہر برائی کی جڑ ہے۔ ایک مرتبہ انسان حرص و لالچ کی راہ پر چل پڑے تو پھر وہ کسی بلند نصب العین کے لئے بیکار ہوجاتا ہے۔ اس لئے انبیاء نے آخرت کے سلسلے میں دو طریقوں پر کام کیا ہے۔ ایک تو اللہ کے سامنے پیش ہونے اور اس کے قادر مطلق رزاق ہونے کا شعور پختہ کیا دوسرے دنیا کی بے ثباتی اور انسان کی محدودیتوں کو واضح کیا۔ مسیح کے ارشادات میں بھی فکر آخرت کی دعوت اور حب دنیا کی نفی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ چونکہ دنیا میں دولت پرستی کے مقاصد اللہ سے تعلق سے متصادم ہوتے ہیں اس لئے ایک کو حاصل کرنے کے لئے دوسرے کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ اس لئے مسیحؑ اپنے مخاطبین کو خدا سے مستحکم تعلق قائم کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ یہی وسیلہ نجات ہے۔ فرماتے ہیں: ''مانگو تو تمہیں دیا جائے گا' ڈھونڈو تو پاؤ گے' دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا کیونکہ جو کوئی مانگتا ہے اسے ملتا ہے اور جو ڈھونڈتا ہے

Marfat.com

وہ پاتا ہے اور جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے واسطے کھولا جائے گا۔"(۱۳۹)

مزید فرماتے ہیں:

"کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کرسکتے۔"(۱۴۰)

توکل علی اللہ کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے اور کیا پیئں گے؟ اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں۔ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ انہیں کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے۔ تم میں سے ایسا کون ہے جو فکر کرکے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے۔ اور پوشاک کے لئے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں وہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں۔ تو بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان و شوکت کے ان میں سے کسی کے مانند ملبس نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو تم کو کیوں نہ پہنائے گا اس لئے فکر مند ہوکر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پیئں گے یا کیا پہنیں گے کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج بلکہ تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راستبازی تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی پس کل کے لئے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنے لئے آپ فکر کرے گا آج کے لئے

Marfat.com

آج ہی کا دکھ کافی ہے۔"(۱۴۱)

حب مال کے سلسلے میں آپ کا مندرجہ ذیل ارشاد حقیقت پر مبنی ہے: "تو اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کر، جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو۔"(۱۴۲)

مذہبی قیادت پر تنقید

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ مسیح کی دعوتؑ دراصل بنی اسرائیل کی اصلاح کا ایک پروگرام تھا اور بنی اسرائیل کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک ان کی مذہبی قیادت کے حالات درست نہ ہوں۔ مذہبی قیادت کو جو اثر و رسوخ حاصل تھا اس کا تقاضا تھا کہ انہیں اس دعوت کی حقیقت سمجھائی جائے لیکن یہ گروہ دنیا پرستی میں ڈوبا ہوا اور ریاکاری کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے مسیحؑ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے ان کی حیثیت کا احساس دلایا تاکہ وہ کسی طرح درست ہوجائیں لیکن یہ تنقید اتنی واضح تھی کہ اس میں انہیں اپنی اصلی شکل دکھائی دینے لگی۔ انہوں نے دعوت تو کیا قبول کرنا تھا الٹا صریح دشمنی پر اتر آئے۔ مسیحؑ کے الفاظ میں تلخی ہے لیکن صورت حال کی سچی عکاسی ہے۔ آپ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

> "اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم آسمان کی بادشاہی لوگوں پر بند کرتے ہو کیونکہ نہ تو آپ داخل ہوتے ہو اور نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ ایک مرید کرنے کے لئے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہوچکتا ہے تو اسے اپنے سے دوگنا جہنم کا فرزند بنادیتے ہو۔"(۱۴۳)

> "اے اندھے راہ بتانے والے تم پر افسوس! جو کہتے ہو کہ اگر کوئی مقدس کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن اگر مقدس کے سونے کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا۔"(۱۴۴)

> "اے اندھے راہ بتانے والو جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے

Marfat.com

ہو۔"(۱۴۵)

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریا کاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہو۔"(۱۴۶)

متی کا ۲۳ واں باب یہودی علماء و مشائخ پر تنقید پر مشتمل ہے۔ اس باب کے آغاز میں شاگردوں سے مسیحؑ کا خطاب ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

"فقیہ اور فریسی موسیٰؑ کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ پس جو وہ تمہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو لیکن ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں۔ وہ ایسے بھاری بوجھ جن کا اٹھانا مشکل ہے باندھ کر لوگوں کے کندھوں پر رکھتے ہیں مگر آپ انہیں اپنی انگلی سے ہلانا بھی نہیں چاہتے۔ وہ اپنے سب کام لوگوں کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔ اپنے تعویذ بڑے بناتے اور اپنی پوشاک کے کنارے چوڑے رکھتے اور ضیافتوں میں صدر نشینی اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجہ کی کرسیاں اور بازاروں میں سلام اور آدمیوں سے ربی کہلانا پسند کرتے ہیں مگر تم ربی نہ کہلاؤ کیونکہ تمہارا استاد ایک ہی ہے اور تم سب بھائی ہو۔"(۱۴۷)

دعوت کی نوعیت کا جامع بیان

مسیحؑ نے مختلف اوقات میں دعوت الی اللہ کے مختلف پہلوؤں کی وضاحتیں کی ہیں۔ متی نے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے لوگوں کو آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دی۔ متی لکھتے ہیں:

"اس وقت یسوع نے کہا: اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے یہ باتیں داناؤں اور عقلمندوں سے چھپائیں اور

Marfat.com

بچوں پر ظاہر کیں۔"(۱۴۸)

اس کے بعد کہا:

"اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ میں تم کو آرام دوں گا۔ میرا جوا اپنے اوپر اٹھالو اور مجھ سے سیکھو کیونکہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن۔ تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی کیونکہ میرا جوا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا۔"(۱۴۹)

سید مودودیؒ نے اسے حکومت الٰہیہ کا مینی فیسٹو قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

شاید حکومت الٰہیہ کا مینی فیسٹو اس سے زیادہ مختصر اور پر اثر الفاظ میں مرتب نہیں کیا جاسکتا۔ انسان پر انسانی حکومت کا جوا بڑا ہی سخت اور بڑا ہی بوجھل ہے۔ اسی بوجھ تلے دبے ہوئے لوگوں کو الٰہی حکومت کا نقیب جو پیغام دے سکتا ہے وہ یہی ہے کہ جس حکومت کا جوا میں تمہارے اوپر رکھنا چاہتا ہوں وہ نرم بھی ہے خفیف بھی۔"(۱۵۰)

مسیحؑ کی تعلیمات میں حکومت کی نوعیت پر بھی ارشادات ملتے ہیں۔ مثلاً آپ حکومت کو خدمت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"غیر قوموں کے بادشاہ ان پر حکومت چلاتے ہیں اور جو ان پر اختیارات رکھتے ہیں وہ خداوند نعمت کہلاتے ہیں مگر تم ایسے نہ ہونا بلکہ جو تم میں سے بڑا ہے وہ چھوٹے کے مانند اور جو سردار ہے وہ خدمت کرنے والے کے مانند۔"(۱۵۱)

مسیحؑ کی تعلیمات کا جامع بیان وہ وعظ ہے جسے پہاڑی کا وعظ کہتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پورا متن دے دیں کیونکہ اس سے مقاصد دعوت پر بہترین روشنی پڑتی ہے۔ ذیل میں اسی کا متن متی سے نقل کرتے ہیں جو تین ابواب (۵۔۷) پر مشتمل ہے:

وہ اس بھیڑ کو دیکھ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور جب بیٹھ گیا تو اس کے شاگرد اس کے پاس آئے اور وہ اپنی زبان کھول کر ان کو یوں تعلیم دینے لگا:

"مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی ان ہی کی

ہے۔

مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے۔

مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ زمین کے وارث ہوں گے۔

مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے۔

مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔

مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔

مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔

مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب سے ستائے گئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی ان ہی کی ہے۔ جب میرے سبب سے لوگ تم کو لعن و طعن کریں گے اور ستائیں گے اور ہر طرح کی بری باتیں تمہاری نسبت ناحق کہیں گے تو تم مبارک ہو گے۔ خوشی کرنا اور نہایت شادمان ہونا کیونکہ آسمان پر تمہارا اجر بڑا ہے اس لئے کہ لوگوں نے ان نبیوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے اسی طرح ستایا تھا۔

تم زمین کے نمک ہو لیکن اگر نمک کا مزہ جاتا رہے تو وہ کس چیز سے نمکین کیا جائے گا؟ پھر وہ کسی کام کا نہیں سوائے اس کے کہ باہر پھینکا جائے اور آدمیوں کے پاؤں کے نیچے روندا جائے۔ تم دنیا کے نور ہو جو شہر پہاڑ پر بسا ہے وہ چھپ نہیں سکتا اور چراغ جلا کر پیمانہ کے نیچے نہیں بلکہ چراغدان پر رکھتے ہیں تو اس سے گھر کے سب لوگوں کو روشنی پہنچتی ہے۔ اسی طرح تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وہ تمہارے نیک کاموں کو دیکھ کر تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے تمجید کریں۔

یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ

کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہوجائے۔ پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادی نہ ہوگی تو تم آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہوگے۔

تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہوگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کی سزا کے لائق ہوگا اور جو اس کو احمق کہے گا وہ آتش جہنم کا سزا وار ہوگا۔ پس اگر تو قربان گاہ پر اپنی نذر گزرانتا ہو اور وہاں تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے کچھ شکایت ہے تو وہیں قربان گاہ کے آگے اپنی نذر چھوڑ دے اور جاکر پہلے اپنے بھائی سے ملاپ کر تب آکر اپنی نذر گذران۔ جب تک تو اپنے مدعی کے ساتھ راہ میں ہے اس سے جلد صلح کرلے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مدعی تجھے منصف کے حوالے کردے اور منصف تجھے سپاہی کے حوالے کردے اور تو قید خانہ میں ڈالا جائے۔ میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک تو کوڑی کوڑی ادا نہ کرے گا وہاں سے ہرگز نہ چھوٹے گا۔

تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا' لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کرچکا۔ پس اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ

Marfat.com

تیرے اعضا میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے۔ اور اگر تیرا داہنا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اس کو کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضا میں سے ایک جاتا رہا اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ جائے۔ یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کراتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔

پھر تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ جھوٹی قسم نہ کھانا بلکہ اپنی قسمیں خداوند کے لئے پوری کرنا لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ بالکل قسم نہ کھانا نہ تو آسمان کی کیونکہ وہ خدا کا تخت ہے۔ نہ زمین کی کیونکہ وہ اس کے پاؤں کی چوکی ہے۔ نہ یروشلیم کی کیونکہ وہ بزرگ بادشاہ کا شہر ہے۔ نہ اپنے سر کی قسم کھانا کیونکہ تو ایک بال کو بھی سفید یا کالا نہیں کرسکتا۔ بلکہ تمہارا کلام ہاں ہاں یا نہیں نہیں ہو کیونکہ جو اس سے زیادہ ہے وہ بدی سے ہے۔

تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اور کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔ جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے اور جو تجھ سے قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑ۔

تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت

Marfat.com

رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا کرو' تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے۔ کیونکہ اگر تم اپنے محبت رکھنے ولاوں ہی سے محبت رکھو تو تمہارے لئے کیا اجر ہے؟ کیا محصول لینے والے بھی ایسا نہیں کرتے؟ اور اگر تم فقط اپنے بھائیوں کو ہی سلام کرو تو کیا زیادہ کرتے ہو؟ کیا غیر قوموں کے لوگ بھی ایسا نہیں کرتے؟ پس چاہئے کہ تم کامل ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ کامل ہے۔

خبردار اپنے راستبازی کے کام آدمیوں کے سامنے دکھانے کے لئے نہ کرو نہیں تو تمہارے باپ کے پاس جو آسمان پر ہے تمہارے لئے کچھ اجر نہیں ہے۔

پس جب تو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسنگا نہ بجوا جیسا ریاکار عبادت خانوں اور کوچوں میں کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی بڑائی کریں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پاچکے۔ بلکہ جب تو خیرات کرے تو جو تیرا داہنا ہاتھ کرتا ہے اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے تاکہ تیری خیرات پوشیدہ رہے اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔

اور جب تم دعا کرو تو ریاکاروں کی مانند نہ بنو کیونکہ وہ عبادت خانوں اور بازاروں کے موڑوں پر کھڑے ہوکر دعا کرنا پسند کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو دیکھیں میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پاچکے۔ بلکہ جب تو دعا کرے تو اپنی کوٹھری مین جا اور دروازہ بند کرکے اپنے باپ سے جو پوشیدگی میں ہے دعا کر۔ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔ اور دعا کرتے وقت غیر قوموں کے لوگوں کی طرح بک بک نہ کرو کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بہت بولنے کے سبب سے

Marfat.com

ہماری سنی جائے گی۔ پس ان کی مانند نہ بنو کیونکہ تمہارے باپ تمہارے مانگنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ تم کن کن چیزوں کے محتاج ہو۔ پس تم اس طرح دعا کیا کرو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔ ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے اور جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے تو بھی ہمارے قرض ہمیں معاف کر۔ اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ برائی سے بچا (کیونکہ بادشاہی اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں۔ آمین) اس لیے کہ اگر تم آدمیوں کے قصور معاف کرو گے تو تمہارا آسمانی باپ بھی تم کو معاف کرے گا۔ اور اگر تم آدمیوں کے قصور معاف نہ کرو گے تو تمہارا باپ بھی تمہارے قصور معاف نہ کرے گا۔

اور جب تم روزہ رکھو تو ریا کاروں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ ان کو روزہ دار جانیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پاچکے بلکہ جب تو روزہ رکھے تو اپنے سر میں تیل ڈال اور منہ دھو تاکہ آدمی نہیں بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔

اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔ بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں کیونکہ جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا۔ بدن کا چراغ آنکھ ہے پس اگر تیری آنکھ درست ہے تو تیرا سارا بدن بھی روشن ہوگا۔ اور اگر تیری آنکھ خراب ہے تو تیرا سارا بدن بھی تاریک ہوگا۔ پس اگر وہ روشنی جو تجھ میں ہے تاریکی ہو تو تاریکی کیسی بڑی ہوگی۔

Marfat.com

کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کرسکتا کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کرسکتے اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں۔ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے۔ نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے۔ تم میں سے ایسا کون ہے جو فکر کرکے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھاسکے۔ اور پوشاک کے لئے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں وہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں۔ تو بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان و شوکت کے ان میں سے کسی کی مانند ملبس نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی۔ ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو تم کو کیوں نہ پہنائے گا؟ اس لئے فکرمند ہوکر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے۔ کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو بلکہ تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راستبازی کو تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی۔ پس کل کے لئے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنے لئے آپ فکر کرے گا آج کے لئے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔

عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری عیب جوئی نہ کی جائے۔ کیونکہ جس طرح تم عیب جوئی کرتے ہو اسی طرح تمہاری بھی عیب جوئی کی جائے گی اور جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے واسطے ناپا جائے گا۔ تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر

غور نہیں کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ میں سے تنکا نکال دوں۔ اے ریا کار پہلے اپنی آنکھ میں سے تو شہتیر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔

پاک چیز کتوں کو نہ دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ان کو پاؤں تلے روندیں اور پلٹ کر تم کو پھاڑیں۔

مانگو تو تم کو دیا جائے گا۔ ڈھونڈو تو پاؤ گے۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا۔ کیونکہ جو کوئی مانگتا ہے اسے ملتا ہے اور جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے اور جو کھٹکھٹاتا ہے اُس کے واسطے کھولا جائے گا۔ تم میں سے ایسا کونسا آدمی ہے کہ اگر اس کا بیٹا اس سے روٹی مانگے تو وہ اسے پتھر دے۔ یا اگر مچھلی مانگے تو اسے سانپ دے پس جبکہ تم برے ہوکر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو تمہارے باپ جو آسمان پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دے گا پس جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی ان کے ساتھ کرو کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے۔

تنگ دروازہ سے داخل ہو کیونکہ وہ دروازہ چوڑا ہے اور وہ راستہ کشادہ ہے جو ہلاکت کو پہنچاتا ہے اور اس سے داخل ہونے والے بہت ہیں۔ کیونکہ وہ دروازہ تنگ ہے اور راستہ سکڑا ہے جو زندگی کو پہنچاتا ہے اور اس کے پانے والے تھوڑے ہیں۔

جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیئے ہوتے ہیں۔ ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لوگے کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں۔ اسی طرح ہر ایک اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے اور برا درخت برا پھل لاتا ہے۔ اچھا درخت برا پھل نہیں لاسکتا نہ برا درخت

Marfat.com

اچھا پھل لاتا ہے اور برا درخت برا پھل لاتا ہے۔ اچھا درخت برا پھل نہیں لاسکتا نہ برا درخت اچھا پھل لاسکتا ہے۔ جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ پس ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لو گے۔ جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند! کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا مگر وہی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے۔ اس دن بہتیرے مجھ سے کہیں گے کہ اے خداوند اے خداوند! کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے بدروحوں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سے معجزے نہیں دکھائے۔ اس وقت میں ان سے صاف کہہ دوں گا کہ میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی۔ اے بدکارو میرے پاس سے چلے جاؤ۔ پس جو کوئی میری یہ باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے وہ اس عقل مند آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر پر ٹکریں لگیں لیکن وہ نہ گرا کیونکہ اس کی بنیاد چٹان پر ڈالی گئی تھی اور جو کوئی میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا وہ اس بے وقوف آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے اپنا گھر ریت پر بنایا۔ اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر کو صدمہ پہنچایا اور وہ گر گیا اور بالکل برباد ہوگیا۔

جب یسوع نے یہ باتیں ختم کیں تو ایسا ہوا کہ بھیڑ اس کی تعلیم سے حیران ہوئی کیونکہ وہ ان کے فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ صاحب اختیار کی طرح ان کو تعلیم دیتا تھا۔ (۱۵۲)

مسیح کا اسلوب دعوت

ہم مختلف انبیاء علیہم السلام کے طریق دعوت کو دیکھ چکے ہیں۔ ان کے ہاں اعلان نبوت کے ساتھ دعوت کے بنیادی موضوعات پر اظہار خیال ہوتا ہے۔ دلائل و براہین دیئے جاتے ہیں مخالفین کے اعتراضات کے جوابات ہوتے ہیں اور بالآخر ان کے مطالبہ پر

Marfat.com

معجزات دکھائے جاتے ہیں۔ دعوت کے عمومی موضوعات کے ساتھ کبھی خصوصی موضوع بھی ہوتا ہے جس کا تعلق مخاطب قوم کے معاشی یا اخلاقی جرم سے ہوتا ہے۔ جیسے لوط اور شعیب علیہما السلام کی قوموں کے جرائم انبیاءِ سابقین کے برعکس مسیحؑ کی دعوت کا آغاز ہی معجزہ سے ہوتا ہے۔ صرف موسیٰؑ کی مثال دی جاسکتی ہے اور اس میں بھی صرف اتنی مماثلت ہے کہ دعوت کے آغاز میں معجزہ دکھایا گیا ورنہ وہ معجزہ دکھانے سے پہلے اپنی دعوت پیش کرچکے تھے اور فرعون کو اپنی دعوت کی تائید میں معجزہ دکھایا۔ انبیاء اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہوتے ہیں اور مشیت نے انہیں پیغمبرانہ صفات سے نوازا ہوتا ہے۔ یہ صلاحیتیں ان کی شخصیت کا حصہ ہوتی ہیں لیکن ان کے اظہار کے لئے قدرت کی طرف سے ایک وقت متعین ہوتا ہے۔ جس وقت اعلان نبوت کرتے ہیں تو ان کے شخصی حسن اور باطنی لطافت کے چھپے گوشے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ مسیحؑ کی حیثیت منفرد ہے کہ انہیں گہوارے میں ہی اعلان نبوت کرنا پڑا لیکن جس وقت انہوں نے کار نبوت کی دشوار گذار گھاٹیوں میں قدم رکھا تو انہوں نے ابلاغ مطالب اور احقاق حق کے لئے کئی اسالیب اختیار کئے تاہم ان اسالیب کو دو بڑے عنوانات کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے۔ ایک معجزانہ اور دوسرا معلمانہ۔ انہی دو عنوانات کے تحت مختصر معلومات پیش کریں گے۔

معجزانہ اسلوب

مسیحؑ کی پیدائش بھی معجزانہ تھی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے کئی معجزانہ کام کرائے تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ ان کا پیغام اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے اور انہیں اپنے رب سے خصوصی رابطہ حاصل ہے۔ قرآن نے ایک جگہ مریمؑ کا ذکر کرتے ہوئے دونوں ماں بیٹا کو اللہ کی نشانی قرار دیا۔ ارشاد باری ہے:

والتی احصنت فرجھا فنفخنا فیھا من روحنا وجعلنھا وابنھا آیۃ للعالمین (۱۵۳)

اور وہ عورت (مریمؑ) جس نے اپنی پاکدامنی کو قائم رکھا پھر ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونکا اور اسے اور اس کے بیٹے کو دنیا بھر کے لئے

Marfat.com

ایک نشانی بنا دیا۔

قرآن مجید نے معجزہ کے لئے آیۃ اور بینۃ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ عام قانون قدرت سے جدا اور اسباب و وسائل اور تحصیل علم و فن کے بغیر نبی کے ذریعہ ایسے امور عجیبہ کا مظاہرہ جس سے عوام و خواص اس کے مقابلے سے عاجز و درماندہ ہوجائیں قرآن مجید نے کئی انبیاء کے معجزات کے لئے آیۃ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مثلاً صالحؑ کی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا:

ھذہ ناقۃ اللہ لکم آیۃ فذروھا تاکل فی الارض ولا تمسوھا بسوء فیاخذکم عذاب الیم (۱۵۴)

یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی کے طور پر ہے لہٰذا اسے چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں چرتی پھرے اور اس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آ لے گا۔

موسیٰؑ کے واقعات میں ارشاد خداوندی ہے:

ولقد آتینا موسیٰ تسع آیات بینات (۱۵۵)

اور ہم نے موسیٰؑ کو نو نشانیاں (معجزات) عطا کیں جو صریح طور پر دکھائی دے رہی تھیں۔

اسی طرح مسیح کے بارے میں فرمایا:

و اتینا عیسی ابن مریم البینت و ایدناہ بروح القدس (۱۵۶)

اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو نشانیاں عطا کیں اور روح پاک سے اس کی مدد کی۔

واذ جئتھم بالبینت فقال الذین کفروا منھم ان ھذا الا سحر مبین (۱۵۷)

پھر جب تو بنی اسرائیل کے پاس صریح نشانیاں لے کر پہنچا اور جو لوگ ان میں منکر حق تھے انہوں نے کہا یہ نشانیاں جادوگری کے سوا کچھ نہیں۔

بینہ کی اصطلاح موسیٰؑ کے معجزات کے لئے بھی استعمال ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں

Marfat.com

ہے:

ولقد جاءکم موسیٰ بالبینت (۱۵۸)

اور تمہارے پاس موسیٰ کیسی کیسی روشن نشانیوں کے ساتھ آئے۔

مسیحؑ کے جن معجزات کا قرآن مجید نے بالصراحت ذکر کیا ہے وہ چار ہیں۔

۱۔ وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے مردہ کو زندہ کر دیتے تھے۔

۲۔ پیدائشی نابینا کو بینا اور جذامی کو چنگا کر دیا کرتے تھے۔

۳۔ وہ مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک دیتے تھے تو اللہ کے حکم سے اس میں زندگی آجاتی تھی۔

۴۔ وہ یہ بھی بتادیتے تھے کہ کس نے کیا کھایا اور خرچ کیا اور کیا گھر میں ذخیرہ محفوظ کر رکھا ہے؟

قرآن مجید نے ان معجزات کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

ورسولا الی بنی اسرائیل انی قد جئتکم بایة من ربکم انی اخلق لکم من الطین کهیئة الطیر فانفخ فیه فیکون طیرا باذن الله و ابری الا کمه والا برص واحی الموتی باذن الله وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم ان فی ذلک لا یة لکم ان کنتم مومنین (۱۵۹)

اور جب وہ بحیثیت رسول بنی اسرائیل کے پاس آئے تو انہوں نے کہا میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت کا ایک مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور مردے کو زندہ کرتا ہوں اور تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر رکھتے ہو۔ اسی میں تمہارے لئے کافی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔

Marfat.com

واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیرا باذنی و تبری الا کمہ والابرص باذنی واذ تخرج الموتی باذنی (۲۴۰)

جب تو میرے حکم سے مٹی کا پتلا پرندے کی شکل کا بناتا اور اس میں پھونکتا تھا اور میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا' تو مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا تو مردوں کو میرے حکم سے نکالتا تھا۔

اناجیل اربعہ میں بھی مسیحؑ کی معجزہ کاری کا تذکرہ ہے۔ بلکہ اس سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ معجزات ہی ان کے تعارف کا ذریعہ بنے۔ بیماروں کو ٹھیک کرنا' بدروحوں کو نکالنا اور کھانے میں برکت ہونا وہ معجزات ہیں جو چاروں انجیلوں میں موجود ہیں۔ ذیل میں چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:

اور یسوع تمام گلیل میں پھرتا رہا اور ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کرتا اور لوگوں کی ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کرتا رہا۔ اور اس کی شہرت تمام سوریہ میں پھیل گئی اور لوگ سب بیماروں کو جو طرح طرح کی بیماریوں اور تکلیفوں میں گرفتار تھے اور ان کو جن میں بدروحیں تھیں اور مرگی والوں اور مفلوجوں کو اس کے پاس لائے اور اس نے ان کو اچھا کیا اور گلیل اور دکپلس اور یروشلیم اور یہودیہ اور یردن کے پار سے بڑی بھیڑ اس کے پیچھے ہولی۔ (۲۴۱)

جب وہ اس پہاڑ سے اترا تو بہت سی بھیڑ اس کے پیچھے ہولی اور دیکھو ایک کوڑھی نے پاس آکر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند! اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کرسکتا ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہوجا۔ وہ فوراً کوڑھ سے پاک صاف ہوگیا۔ یسوع نے اس سے کہا خبردار! کسی سے نہ کہنا بلکہ جاکر اپنے تئیں

Marfat.com

کاہن کو دکھا اور جو نذر موسیٰؑ نے مقرر کی ہے اسے گذران تاکہ ان کے لئے گواہی ہو۔

اور جب وہ کفر نحوم میں داخل ہوا تو ایک صوبہ دار اس کے پاس آیا اور اس کی منت کرکے کہا۔ اے خداوند! میرا خادم فالج کا مارا گھر میں پڑا ہے اور نہایت تکلیف میں ہے۔ اس نے اس سے کہا میں آکر اس کو شفا دوں گا۔ صوبہ دار نے جواب میں کہا اے خداوند! میں اس لائق نہیں کہ تو میری چھت کے نیچے آئے بلکہ صرف زبان سے کہہ دے تو میرا خادم شفا پاجائے گا۔ کیونکہ میں بھی دوسرے کے اختیار میں ہوں اور سپاہی میرے ماتحت ہیں اور جب ایک سے کہتا ہوں کہ جا تو وہ جاتا ہے اور دوسرے سے کہ آ تو وہ آتا ہے اور اپنے نوکر سے کہ یہ کر تو وہ کرتا ہے۔ یسوع نے یہ سن کر تعجب کیا اور پیچھے آنے والوں سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں نے اسرائیل میں بھی ایسا ایمان نہیں پایا۔ اور میں تم سے کہتا ہوں کہ بہتیرے پورب اور پچھم سے آکر ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہی کی ضیافت میں شریک ہوں گے۔ مگر بادشاہی کے بیٹے باہر اندھیرے میں ڈالے جائیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا اور یسوع نے صوبہ دار سے کہا جا جیسا تو نے اعتقاد کیا تیرے لئے ویسا ہی ہوا اور اسی گھڑی خادم نے شفا پائی۔

اور یسوع نے پطرس کے گھر میں آکر اس کی ساس کو تپ میں پڑی دیکھا۔ اس نے اس کا ہاتھ چھوا اور تپ اس پر سے اتر گئی اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور خدمت کرنے لگی۔ جب شام ہوئی تو اس کے پاس بہت سے لوگوں کو لائے جن میں بدروحیں تھیں اس نے روحوں کو زبان سے ہی کہہ کر نکال دیا اور سب بیماروں کو اچھا کردیا۔ تاکہ جو یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ اس نے آپ ہی ہماری کمزوریاں لے لیں اور بیماریاں اٹھالیں۔

Marfat.com

جب یسوع نے اپنے گرد بہت سی بھیڑ دیکھی تو پار چلنے کا حکم دیا ایک فقیہ نے پاس آکر اس سے کہا اے استاد جہاں کہیں تو جائے گا میں تیرے پیچھے چلوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی جگہ نہیں۔ ایک شاگرد نے اس سے کہا اے خداوند مجھے اجازت دے کہ پہلے جاکر اپنے باپ کو دفن کروں۔ یسوع نے اس سے کہا تو میرے پیچھے چل اور مردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دے۔

جب وہ کشتی میں چڑھا تو اس کے شاگرد اس کے ساتھ ہولئے۔ اور دیکھو جھیل میں ایسا بڑا طوفان آیا کہ کشتی لہروں میں چھپ گئی مگر وہ سوتا تھا۔ انہوں نے پاس آکر اسے جگایا اور کہا اے خداوند ہمیں بچا! ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا اے کم اعتقادو! ڈرتے کیوں ہو؟ تب اس نے اٹھ کر ہوا اور پانی کو ڈانٹا اور بڑا امن ہوگیا۔ اور لوگ تعجب کرکے دیکھنے لگے یہ کس طرح کا آدمی ہے کہ ہوا اور پانی بھی اس کا حکم مانتے ہیں۔

جب وہ اس پار گدرینیوں کے ملک میں پہنچا تو دو آدمی جن میں بد روحیں تھیں قبروں سے نکل کر ان سے ملے۔ وہ ایسے تند مزاج تھے کہ کوئی اس راستہ سے گذر نہیں سکتا تھا۔ اور دیکھو انہوں نے چلا کر کہا اے خدا کے بیٹے ہمیں تجھ سے کیا کام؟ کیا تو اس لئے یہاں آیا ہے کہ وقت سے پہلے ہمیں عذاب میں ڈالے؟ ان سے کچھ دور بہت سے سوروں کا غول چر رہا تھا۔ پس بدروحوں نے اس کی منت کرکے کہا کہ اگر تو ہم کو نکالتا ہے تو ہمیں سوروں کے غول میں بھیج دے۔ اس نے ان سے کہا جاؤ۔ وہ نکل کر سوروں کے اندر چلی گئیں اور دیکھو سارا غول کڑاڑے پر سے جھپٹ کر جھیل میں جاپڑا اور پانی میں ڈوب مرا۔ اور چرانے والے بھاگے اور شہر میں جاکر سب ماجرا اور ان کا احوال جن میں

Marfat.com

بدروحیں تھیں بیان کیا۔ اور دیکھو سارا شہر یسوع سے ملنے کو نکلا اور اسے دیکھ کر منت کی کہ ہماری سرحدوں سے باہر چلا جا۔

پھر وہ کشتی چڑھ کر پار گیا اور اپنے شہر میں آیا۔ اور دیکھو لوگ ایک مفلوج کو چارپائی پر پڑا ہوا اس کے پاس لائے۔ یسوع نے ان کا ایمان دیکھ کر مفلوج سے کہا بیٹا خاطر جمع رکھ تیرے گناہ معاف ہوئے۔ اور دیکھو بعض فقیہوں نے اپنے دل میں کہا یہ کفر بکتا ہے۔ یسوع نے ان کے خیال معلوم کر کے کہا تم کیوں اپنے دلوں میں برے خیال لاتے ہو۔ آسان کیا ہے۔ یہ کہنا کہ تیرے گناہ معاف ہوئے یا یہ کہنا کہ اٹھ اور چل پھر؟ لیکن اس لئے کہ تم جان لو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے (اس نے مفلوج سے کہا) اٹھ اپنی چارپائی اٹھا اور اپنے گھر چلا جا۔ وہ اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا۔ لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے اور خدا کی تمجید کرنے لگے جس نے آدمیوں کو ایسا اختیار بخشا۔[۴۲]

"اور وہ ان سے یہ باتیں کہہ ہی رہا تھا کہ دیکھو ایک سردار نے آکر اسے سجدہ کیا اور کہا: میری بیٹی ابھی مری ہے لیکن تو چل کر اپنا ہاتھ اس پر رکھ تو وہ زندہ ہو جائے گی۔ یسوع اٹھ کر اپنے شاگردوں سمیت اس کے پیچھے ہو لیا اور دیکھو ایک عورت نے جس کے بارہ برس سے خون جاری تھا اس کے پیچھے آکر اس کی پوشاک کا کنارہ چھوا۔ کیونکہ وہ اپنے جی میں کہتی تھی کہ اگر صرف اس کی پوشاک ہی چھو لوں گی تو اچھی ہو جاؤں گی۔ یسوع نے پھر کر اسے دیکھا اور کہا بیٹی! خاطر جمع رکھ تیرے ایمان نے تجھے اچھا کر دیا۔ پس وہ عورت اسی گھڑی اچھی ہو گئی۔ جب یسوع سردار کے گھر میں آیا اور بانسلی بجانے والوں کو اور بھیڑ کو غل مچاتے دیکھا تو کہا ہٹ جاؤ کیونکہ لڑکی مری نہیں بلکہ سوتی ہے وہ اس پر ہنسنے لگے۔ مگر جب بھیڑ نکال دی گئی تو اس نے اندر جا کر اس کا ہاتھ پکڑا اور لڑکی جی اٹھی اس بات کی شہرت تمام علاقہ میں پھیل گئی۔ جب یسوع وہاں سے آگے

Marfat.com

بڑھا تو دو اندھے اس کے پیچھے یہ پکارتے ہوئے چلے کہ اے ابن داؤد ہم پر رحم کر۔ جب وہ گھر میں پہنچا تو وہ اندھے اس کے پاس آئے اور یسوع نے ان سے کہا کیا تم کو اعتقاد ہے کہ میں یہ کر سکتا ہوں؟ انہوں نے اس سے کہا ہاں خداوند! تب اس نے ان کی آنکھوں کو چھو کر کہا تمہارے اعتقاد کے مطابق تمہار لئے ہو اور ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور یسوع نے ان کو تاکید کر کے کہا خبردار کوئی اس بات کو نہ جانے مگر انہوں نے نکل کر اس تمام علاقہ میں اس کی شہرت پھیلادی۔ جب وہ باہر جارہے تھے تو دیکھو لوگ ایک گونگے کو جس میں بدروح تھی اس کے پاس لائے جب وہ بدروح نکال دی گئی تو گونگا بولنے لگا اور لوگوں نے تعجب کر کے کہا کہ اسرائیل میں ایسا کبھی نہیں دیکھا گیا۔ (۶۱۳)

مرقس مسیحؑ کے معجزات کے بارے میں نقل کرتا ہے:

پھر وہ کفرنحوم میں داخل ہوا اور فی الفور سبت کے دن عبادت خانہ میں جاکر تعلیم دینے لگا اور لوگ اس کی تعلیم سے حیران ہوئے کیونکہ وہ فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ صاحب اختیار کی طرح تعلیم دیتا تھا۔ اور فی الفور ان کے عبادت خانہ میں ایک شخص ملا جس میں ناپاک روح تھی۔ وہ یوں کہہ کر چلایا۔ کہ اے یسوع ناصری! ہمیں تجھ سے کیا کام؟ کیا تو ہم کو ہلاک کرنے آیا ہے؟ میں تجھے جانتا ہوں کہ تو کون ہے۔ خدا کا قدوس ہے۔ یسوع نے اسے جھڑک کر کہا چپ رہ اور اس میں سے نکل جا۔ پس وہ ناپاک روح اسے مروڑ کر اور بڑی آواز سے چلا کر اس میں سے نکل گئی۔ اور سب لوگ حیران ہوئے اور آپس میں یہ کہہ کر بحث کرنے لگے کہ یہ کیا ہے؟ یہ تو نئی تعلیم ہے! وہ ناپاک روحوں کو بھی اختیار کے ساتھ حکم دیتا ہے اور وہ اس کا حکم مانتی ہیں اور فی الفور اس کی شہرت گلیل کی اس تمام نواحی میں ہر جگہ پھیل گئی۔

اور وہ فی الفور عبادت خانہ سے نکل کر یعقوب اور یوحنا کے ساتھ

Marfat.com

شمعون اور اندریاس کے گھر آئے۔ شمعون کی ساس تپ میں پڑی تھی اور انہوں نے فی الفور اس کی خبر اسے دی۔ اس نے پاس جاکر اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا اور تپ اس پر سے اتر گئی اور وہ خدمت کرنے لگی۔

شام کو جب سورج ڈوب گیا تو لوگ سب بیماروں کو اور ان کو جن میں بدروحیں تھیں اس کے پاس لائے۔ اور سارا شہر دروازہ پر جمع ہو گیا۔ اور اس نے بہتوں کو جو طرح طرح کی بیماریوں میں گرفتار تھے اچھا کیا اور بہت سی بدروحوں کو نکالا اور بدروحوں کو بولنے نہ دیا کیونکہ وہ اسے پہچانتی تھیں۔

اور صبح ہی دن نکلنے سے بہت پہلے وہ اٹھ کر نکلا اور ایک ویران جگہ میں گیا اور وہاں دعا کی۔ اور شمعون اور اس کے ساتھی اس کے پیچھے گئے۔ اور جب وہ ملا تو اس سے کہا کہ سب لوگ تجھے ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس نے ان سے کہا آؤ ہم اور کہیں آس پاس کے شہروں میں چلیں تاکہ میں وہاں بھی منادی کروں کیونکہ میں اسی لئے نکلا ہوں۔ اور وہ تمام گلیل میں ان کے عبادت خانوں میں جاجا کر منادی کرتا اور بدروحوں کو نکالتا رہا۔

اور ایک کوڑھی نے اس کے پاس آکر اس کی منت کی اور اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اس سے کہا اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے۔ اس نے اس پر ترس کھا کر ہاتھ بڑھایا اور اسے چھو کر اس سے کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو جا۔ اور فی الفور اس کا کوڑھ جاتا رہا اور وہ پاک صاف ہو گیا۔ اور اس نے اسے تاکید کر کے فی الفور رخصت کیا۔ اور اس سے کہا خبردار کسی سے کچھ نہ کہنا مگر جاکر اپنے تئیں کاہن کو دکھا اور اپنے پاک صاف ہو جانے کی بابت ان چیزوں کو جو موسیٰ نے مقرر کیں نذر گذران تاکہ ان کے لئے گواہی ہو۔ لیکن وہ باہر جاکر بہت چرچا کرنے لگا اور اس بات کو ایسا مشہور کیا کہ یسوع شہر میں پھر ظاہرا داخل نہ ہو سکا بلکہ

Marfat.com

باہر ویران مقاموں میں رہا اور لوگ چاروں طرف سے اس کے پاس آتے تھے۔(۱۴۴)

لوقا بھی مسیحؑ کے معجزات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور وہ ناصرہ میں آیا جہاں اس نے پرورش پائی تھی اور وہ اپنے دستور کے موافق سبت کے دن عبادت گاہ میں گیا اور پڑھنے کو کھڑا ہوا۔ اور یسعیاہ نبی کی کتاب اس کو دی گئی اور کتاب کھول کر اس نے وہ مقام نکالا جہاں یہ لکھا تھا کہ:

خداوند کا روح مجھ پر ہے۔
اس لئے کہ اس نے مجھے غریبوں کو خوشخبری دینے کے لئے مسح کیا۔
اس نے مجھے بھیجا کہ قیدیوں کو رہائی
اور اندھوں کو بینائی پانے کی خبر سناؤں۔
کچلے ہوؤں کو آزاد کروں۔
اور خداوند کے سال مقبول کی منادی کروں۔

پھر وہ کتاب بند کرکے اور خادم کو واپس دے کر بیٹھ گیا اور جتنے عبادت خانہ میں تھے سب کی آنکھیں اس پر لگی تھیں۔ وہ ان سے کہنے لگا کہ آج یہ نوشتہ تمہارے سامنے پورا ہوا اور سب نے اس پر گواہی دی اور ان پرفضل باتوں پر جو اس کے منہ سے نکلتی تھیں تعجب کرکے کہنے لگے کیا یہ یوسف کا بیٹا نہیں؟ اس نے ان سے کہا تم البتہ یہ مثل مجھ پر کہو گے کہ اے حکیم اپنے آپ کو تو اچھا کر۔ جو کچھ ہم نے سنا ہے کہ کفرنحوم میں کیا گیا یہاں اپنے وطن میں بھی کر۔ اور اس نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ کوئی نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایلیاہ کے دنوں میں جب ساڑھے تین برس آسمان بند رہا یہاں تک کہ سارے ملک میں سخت کال پڑا بہت سی بیوائیں اسرائیل میں تھیں لیکن ایلیاہ ان میں سے کسی کے پاس نہ بھیجا گیا مگر ملک صیدا

کے شہر صارپت میں ایک بیوہ کے پاس۔ اور الیشع نبی کے وقت میں اسرائیل کے درمیان بہت سے کوڑھی تھے لیکن ان میں سے کوئی پاک و صاف نہ کیا گیا مگر نعمان سوریانی۔ جتنے عبادت خانہ میں تھے ان باتوں کو سنتے ہی قہر سے بھر گئے۔ اور اٹھ کر اس کو شہر سے باہر نکالا اور اس پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے جس پر ان کا شہر آباد تھا تاکہ اسے سر کے بل گرادیں۔ مگر وہ ان کے بیچ میں سے نکل کر چلا گیا۔

پھر وہ گلیل کے شہر کفر نحوم کو گیا اور سبت کے دن انہیں تعلیم دے رہا تھا اور لوگ اسؑ کی تعلیم سے حیران تھے کیونکہ اس کا کلام اختیار کے ساتھ تھا۔ اور عبادت خانہ میں ایک آدمی تھا جس میں ناپاک دیو کی روح تھی اور وہ بڑی آواز سے چلا اٹھا کہ اے یسوع ناصری ہمیں تجھ سے کیا کام کیا تو ہمیں ہلاک کرنے آیا ہے؟ میں تجھے جانتا ہوں کہ تو کون ہے خدا کا قدوس ہے۔ یسوع نے اسے جھڑک کر کہا کہ چپ رہ اور اس میں سے نکل جا۔ اس پر بدروح اسے بیچ میں پٹک کر بغیر ضرر پہنچائے اس میں سے نکل گئی۔ اور سب حیران ہوکر آپس میں کہنے لگے کہ یہ کیسا کلام ہے؟ کیونکہ وہ اختیار اور قدرت سے ناپاک روحوں کو حکم دیتا ہے اور وہ نکل جاتی ہیں۔ اور گرد و نواح میں ہر جگہ اس کی دھوم مچ گئی۔

پھر وہ عبادت خانہ سے اٹھ کر شمعون کے گھر میں داخل ہوا اور شمعون کی ساس کو بڑی تپ چڑھی ہوئی تھی اور انہوں نے اس کے لئے اس سے عرض کیا وہ کھڑا ہوکر اسؑ کی طرف جھکا اور تپ کو جھڑکا تو اتر گئی اور وہ اسی دم اٹھ کر ان کی خدمت کرنے لگی۔

اور سورج کے ڈوبتے وقت وہ سب لوگ جن کے ہاں طرح طرح کی بیماریوں کے مریض تھے انہیں اس کے پاس لائے اور اس نے ان میں سے ہر ایک پر ہاتھ رکھ کر انہیں اچھا کیا۔ اور بدروحیں بھی چلا کر اور یہ کہہ کر کہ تو خدا کا بیٹا ہے بہتوں میں سے نکل گئیں اور وہ انہیں جھڑکتا۔

Marfat.com

معلمانہ اسلوب

ہر پیغمبر بنیادی طور پر ایک معلم ہوتا ہے جس کا کام خیر کی تعلیم دینا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں خاص علم و حکمت سے نوازتا ہے اور اسی کی بنیاد پر تعلیم دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے انبیاء کے خصوصی علم و حکمت کی بات کی ہے۔ ابراہیم نے اپنے باپ سے مخاطب ہوئے کہا تھا:

یا ابت انی قدجاء نی من العلم مالم یاتک فاتبعنی اھدک صراطا سویا۔ (۴۶)

ابا جان مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا آپ میرا ساتھ دیں میں آپ کو سیدھی راہ پر چلادوں گا۔

لوطؑ اور سلیمانؑ کے بارے میں بھی خصوصی علم کی بات ان الفاظ میں کی ہے:

ولوطا آتینہ حکما و علما (۴۷)

اور لوطؑ کہ ہم نے ان کو حکم اور علم عطا کیا۔

وکلا آتینا حکما و علما (۴۸)

اور ہم نے دونوں (داؤد و سلیمان) کو حکم اور علم بخشا تھا۔

ولما بلغ رشدہ آتیناہ حکما و علما وکذلک نجزی المحسنین (۴۹)

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو حکم اور علم بخشا اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

مسیحؑ کے بارے میں بھی اسی طرح کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اس سے نہ صرف کار نبوت کی یکسانی کا پتہ چلتا ہے بلکہ وحدت مصدر کا بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ تمام انبیاء کے علم اور حکمت کا مصدر ذات الٰہی ہوتا ہے اور تمام انبیاء کا مقصد دعوت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے متعین ہوتا ہے۔ قران مجید نے مسیحؑ کی نبوت کو بیان

Marfat.com

کرتے ہوئے فرمایا:

ویعلمه الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل (۱۷۰)

اور وہ اسے کتاب و حکمت اور توراۃ و انجیل سکھائے گا۔

ولما جاء عیسٰی بالبینٰت قال قد جئتکم بالحکمة ولا بین لکم بعض الذی تختلفون فیه (۱۷۱)

اور جب عیسیٰؑ نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے۔ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں نیز اس لئے کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو سمجھاؤں۔

مسیحؑ بھی جملہ انبیاء کی طرح علم الٰہی اور حکمت ربانی کے تحت دعوت الی اللہ اور اصلاح معاشرہ کا کام کرتے تھے۔ ان کے اسلوب دعوت کی ایک خصوصیت تمثیلی انداز ہے۔ وہ خیر و شر اور نیکی و بدی کے تصورات و معاملات کو خوبصورت تمثیلوں کے ذریعہ بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ اناجیل اربعہ میں اسی تمثیلی انداز کے نمونے ملتے ہیں۔ ایک معلم جب اپنی بات سمجھاتا ہے تو اسے آسان مثالوں اور عمدہ تمثیلوں کے ذریعہ واضح کرتا ہے۔ معلم کے پیش نظر اپنے علم کا اظہار اور شخصیت کا رعب نہیں ہوتا اس کے پیش نظر معانی و مفاہیم کا ابلاغ ہوتا ہے اس کے لئے مسیحؑ نے جو اسلوب اپنایا وہ تمثیلی ہے۔ ذیل میں ہم ان تمثیلوں کے بعض نمونے پیش کرتے ہیں۔

متی لکھتا ہے:

شاگردوں نے پاس آکر اس سے کہا تو ان سے تمثیلوں میں کیوں باتیں کرتا ہے؟۔ اس نے جواب میں ان سے کہا اس لئے کہ تم کو آسمان کی بادشاہی کے بھیدوں کی سمجھ دی گئی ہے مگر ان کو نہیں دی گئی۔ کیونکہ جس کے پاس ہے اسے دیا جائے گا اور اس کے پاس زیادہ ہوجائے گا اور جس کے پاس نہیں ہے اس سے وہ بھی لے لیا جائے گا۔ جو اس کے پاس ہے۔ میں ان سے تمثیلوں میں اس لئے باتیں کرتا ہوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے اور نہیں سمجھتے۔ اور ان کے حق

Marfat.com

میں یسعیاہ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوتی ہے کہ تم کانوں سے سنو گے پر ہر گز نہ سمجھو گے۔

اور آنکھوں سے دیکھو گے پر ہرگز معلوم نہ کرو گے۔
کیونکہ اس امت کے دل پر چربی چھا گئی ہے۔
اور وہ کانوں سے اونچا سنتے ہیں
اور انہوں نے اپنی آنکھیں بند کرلی ہیں
تا ایسا نہ ہو کہ آنکھوں سے معلوم کریں
اور کانوں سے سنیں
اور رجوع لائیں
اور میں ان کو شفا بخشوں۔

لیکن مبارک ہیں تمہاری آنکھیں اس لئے کہ وہ دیکھتی ہیں اور تمہارے کان اس لئے کہ وہ سنتے ہیں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بہت سے نبیوں اور راستبازوں کو آرزو تھی کہ جو کچھ تم دیکھتے ہو دیکھیں مگر نہ دیکھا اور جو باتیں تم سنتے ہو سنیں مگر نہ سنیں۔ پس بونے والے کی تمثیل سنو۔ جب کوئی بادشاہی کا کلام سنتا ہے اور سمجھتا نہیں تو جو اس کے دل میں بویا گیا تھا اسے وہ شریر آکر چھین لے جاتا ہے۔ یہ وہ ہے جو راہ کے کنارے بویا گیا تھا۔ اور جو پتھریلی زمین میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا ہے اور اسے فی الفور خوشی سے قبول کرلیتا ہے۔ لیکن اپنے اندر جڑ نہیں رکھتا بلکہ چند روزہ ہے اور جب کلام کے سبب سے مصیبت یا ظلم برپا ہوتا ہے تو فی الفور ٹھوکر کھاتا ہے۔ اور جو جھاڑیوں میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا ہے اور دنیا کی فکر اور دولت کا فریب اس کلام کو دبا دیتا ہے اور وہ بے پھل رہ جاتا ہے۔ اور جو اچھی زمین میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا اور سمجھتا ہے اور پھل بھی لاتا ہے۔ کوئی سو گنا پھلتا ہے کوئی ساٹھ گنا کوئی تیس گنا۔

Marfat.com

اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس آدمی کی مانند ہے جس نے اپنے کھیت میں اچھا بیج بویا۔ مگر لوگوں کے سوتے میں اس کا دشمن آیا اور گیہوں میں کڑوے دانے بھی بو گیا۔ پس جب پتیاں نکلیں اور بالیں آئیں تو وہ کڑوے دانے بھی دکھائی دیئے۔ نوکروں نے آکر گھر کے مالک سے کہا اے خداوند کیا تو نے اپنے کھیت میں اچھا بیج نہ بویا تھا؟ اس میں کڑوے دانے کہاں سے آگئے؟۔ اس نے ان سے کہا یہ کسی دشمن کا کام ہے۔ نوکروں نے اس سے کہا تو کیا تو چاہتا ہے کہ ہم جا کر ان کو جمع کریں۔ اس نے کہا نہیں ایسا نہ ہو کہ کڑوے دانے جمع کرنے میں تم ان کے ساتھ گیہوں بھی اکھاڑ لو۔ کٹائی تک دونوں کو اکٹھا بڑھنے دو اور کٹائی کے وقت میں کاٹنے والوں سے کہہ دوں گا کہ پہلے کڑوے دانے جمع کرلو اور جلانے کے لئے ان کے گٹھے باندھ لو اور گیہوں میرے کھتے میں جمع کردو۔

اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔

اس نے ایک اور تمثیل ان کو سنائی کہ آسمان کی بادشاہی اس خمیر کی مانند ہے جسے کسی عورت نے لے کر تین پیمانہ آٹے میں ملا دیا اور وہ ہوتے ہوتے سب خمیر ہو گیا۔

یہ سب باتیں یسوع نے بھیڑ سے تمثیلوں میں کہیں اور بغیر تمثیل کے وہ ان سے کچھ نہ کہتا تھا۔ تاکہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ

میں تمثیلوں میں اپنا منہ کھولوں گا۔

Marfat.com

میں ان باتوں کو ظاہر کروں گا جو بنای عالم سے پوشیدہ رہی ہیں۔

اس وہ وہ بھیڑ کو چھوڑ کر گھر میں گیا اور اس کے شاگردوں نے اس کے پاس آکر کہا کہ کھیت کے کڑوے دانوں کی تمثیل ہمیں سمجھا دیں۔ اس نے جواب میں کہا کہ اچھے بیج کا بونے والا ابن آدم ہے۔ اور کھیت دنیا ہے اور اچھا بیج بادشاہی کے فرزند اور کڑوے دانے اس شریر کے فرزند ہیں۔ جس دشمن نے ان کو بویا وہ ابلیس ہے اور کٹائی دنیا کا آخر ہے اور کاٹنے والے فرشتے ہیں۔ پس جیسے کڑوے دانے جمع کیے جاتے اور آگ میں جلائے جاتے ہیں ویسے ہی دنیا کے آخر میں ہوگا۔ ابن آدم اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ سب ٹھوکر کھلانے والی چیزوں اور بدکاروں کو اس کی بادشاہی میں سے جمع کریں گے۔ اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ اس وقت راستباز اپنے باپ کی بادشاہی میں آفتاب کی مانند چمکیں گے۔ جس کے کان ہوں وہ سن لے۔

آسمان کی بادشاہی کھیت میں چھپے خزانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے پا کر چھپا دیا اور خوشی کے مارے جا کر جو کچھ اس کا تھا بیچ ڈالا اور اس کھیت کو مول لے لیا۔

پھر آسمان کی بادشاہی اس سوداگر کی مانند ہے جو عمدہ موتیوں کی تلاش میں تھا۔ جب اسے ایک بیش قیمت موتی ملا تو اس نے جا کر جو کچھ اس کا تھا سب بیچ ڈالا اور اسے مول لے لیا۔

پھر آسمان کی بادشاہی اس بڑے جال کی مانند ہے جو دریا میں ڈالا گیا اور اس نے ہر قسم کی مچھلیاں سمیٹ لیں۔ اور جب بھر گیا تو اسے کنارے پر کھینچ لائے اور بیٹھ کر اچھی اچھی تو برتنوں میں جمع کر لیں اور جو خراب تھیں پھینک دیں۔ دنیا کے آخر میں ایسا ہی ہوگا۔ فرشتے نکلیں گے اور شریروں کو راستبازوں سے جدا کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے۔ وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔

Marfat.com

کیا تم یہ سب باتیں سمجھ گئے؟ انہوں نے اس سے کہا ہاں۔ اس نے ان سے کہا اسلئے ہر فقیہہ جو آسمان کی بادشاہی کا شاگرد بنا ہے اس گھر کے مالک کی مانند ہے جو اپنے خزانہ میں سے نئی اور پرانی چیزیں نکالتا ہے۔ (۱۷۲)

مرقس لکھتے ہیں:

وہ گھر میں آیا۔ اور اتنے لوگ پھر جمع ہوگئے کہ وہ کھانا بھی نہ کھا سکے۔ جب اس کے عزیزوں نے یہ سنا تو اسے پکڑنے کو نکلے کیونکہ کہتے تھے کہ وہ بے خود ہے۔ اور فقیہہ جو یروشلیم سے آئے تھے یہ کہتے تھے کہ اس کے ساتھ بعلزبول ہے اور یہ بھی کہ وہ بدروحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے۔ وہ ان کو پاس بلا کر ان سے تمثیلوں میں کہنے لگا کہ شیطان کو شیطان کس طرح نکال سکتا ہے؟۔ اور اگر کسی سلطنت میں پھوٹ پڑ جائے تو وہ سلطنت قائم نہیں رہ سکتی۔ اور اگر کسی گھر میں پھوٹ پڑ جائے تو وہ گھر قائم نہ رہ سکے گا۔ اور اگر شیطان اپنا ہی مخالف ہو کر اپنے میں پھوٹ ڈالے تو وہ قائم نہیں رہ سکتا بلکہ اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن کوئی آدمی کسی زور آور کے گھر میں گھس کر اس کے اسباب کو لوٹ نہیں سکتا جب تک وہ پہلے اس زور آور کو نہ باندھ لے۔ تب اس کا گھر لوٹ لے گا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بنی آدم کے سب گناہ اور جتنا کفر وہ بکتے ہیں معاف کیا جائے گا۔ لیکن جو کوئی روح القدس کے حق میں کفر بکے وہ ابد تک معافی نہ پائے گا بلکہ ابدی گناہ کا قصور وار ہے۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ اس میں ناپاک روح ہے۔

پھر اس کی ماں اور اس کے بھائی آئے اور باہر کھڑے ہو کر اسے بلوا بھیجا۔ اور بھیڑ اس کے آس پاس بیٹھی تھی اور انہوں نے اس سے کہا دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر تجھے پوچھتے ہیں۔ اس نے ان کو یہ جواب دیا میری ماں اور میرے بھائی کون ہیں؟۔ اور ان پر جو اس کے گرد بیٹھے تھے نظر کر کے کہا دیکھو میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں!۔ کیونکہ جو

کوئی خدا کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اور میری بہن اور ماں ہے۔

وہ پھر جھیل کے کنارے تعلیم دینے لگا اور اس کے پاس ایسی بڑی بھیڑ جمع ہو گئی کہ وہ جھیل میں ایک کشتی میں جا بیٹھا اور ساری بھیڑ خشکی پر جھیل کے کنارے رہی۔ اور وہ ان کو تمثیلوں میں بہت سی باتیں سکھانے لگا اور اپنی تعلیم میں ان سے کہا۔ سنو! دیکھو ایک بونے والا بیج بونے نکلا۔ اور بوتے وقت یوں ہوا کہ کچھ راہ کے کنارے گرا اور پرندوں نے آکر اسے چگ لیا۔ اور کچھ پتھریلی زمین پر گرا جہاں اسے بہت مٹی نہ ملی اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب سے جلد اگ آیا۔ اور جب سورج نکلا تو جل گیا اور جڑ نہ ہونے کے سبب سوکھ گیا۔ اور کچھ جھاڑیوں میں گرا اور جھاڑیوں نے بڑھ کر اسے دبا لیا اور وہ پھل نہ لایا۔ اور کچھ اچھی زمین پر گرا اور وہ اگا اور بڑھ کر پھلا اور کوئی تیس گنا کوئی ساٹھ گنا کوئی سو گنا پھل لایا۔ پھر اس نے کہا جس کے سننے کے کان ہوں وہ سن لے۔

جب وہ اکیلا رہ گیا تو اس کے ساتھیوں نے ان بارہ سمیت اس سے ان تمثیلوں کی بابت پوچھا۔ اس نے ان سے کہا کہ تم کو خدا کی بادشاہی کا بھید دیا گیا ہے مگر ان کے لئے جو باہر ہیں سب باتیں تمثیلوں میں ہوتی ہیں۔ تاکہ وہ دیکھتے ہوئے دیکھیں اور معلوم نہ کریں اور سنتے ہوئے سنیں اور نہ سمجھیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ رجوع لائیں اور معافی پائیں۔ پھر اس نے ان سے کہا کیا تم یہ تمثیل نہیں سمجھے؟ پھر سب تمثیلوں کو کیونکر سمجھو گے؟۔ بونے والا کلام بوتا ہے۔ جو راہ کے کنارے ہیں جہاں کلام بویا جاتا ہے یہ وہ ہیں کہ جب انہوں نے سنا تو شیطان فی الفور آکر اس کلام کو جو ان میں بویا گیا تھا اٹھا لے جاتا ہے۔ اور اسی طرح جو پتھریلی زمین میں بوئے گئے یہ وہ ہیں جو کلام کو سن کر فی الفور خوشی سے قبول کر لیتے ہیں۔ اور اپنے اندر جڑ نہیں رکھتے بلکہ چند روزہ ہیں۔ پھر جب کلام کے سبب سے مصیبت یا ظلم برپا ہوتا ہے تو فی الفور ٹھوکر کھاتے ہیں۔ اور جو

Marfat.com

جھاڑیوں میں بوئے گئے وہ اور ہیں۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے کلام سنا اور دنیا کی فکر اور دولت کا فریب اور چیزوں کا لالچ داخل ہو کر کلام کو دبا دیتے ہیں اور وہ بے پھل رہ جاتا ہے۔ اور جو اچھی زمین میں بوئے گئے یہ وہ ہیں جو کلام کو سنتے اور قبول کرتے اور پھل لاتے ہیں۔ کوئی تیس گنا کوئی ساٹھ گنا اور کوئی سو گنا۔

اور اس نے ان سے کہا کیا چراغ اس لئے لاتے ہیں کہ پیمانہ یا پلنگ کے نیچے رکھا جائے؟ کیا اس لئے نہیں کہ چراغدان پر رکھا جائے۔ کیونکہ کوئی چیز چھپی نہیں مگر اس لئے کہ ظاہر ہوئے اور پوشیدہ نہیں ہوئی مگر اس لئے کہ ظہور میں آئے۔ اگر کسی کے سننے کے کان ہوں تو سن لے۔
پھر اس نے ان سے کہا خبردار رہو کہ کیا سنتے ہو جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اسی سے تمہارے لئے ناپا جائے گا اور تم کو زیادہ دیا جائے گا۔ کیونکہ جس کے پاس ہے اسے دیا جائے گا اور جس کے پاس نہیں ہے اس سے وہ بھی جو اس کے پاس ہے لے لیا جائے گا۔

اور اس نے کہا خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے۔ اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح اگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے' پہلے پتی' پھر بالیں' پھر بالوں میں تیار دانے۔ پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا۔

پھر اس نے کہا کہ ہم خدا کی بادشاہی کو کس سے تشبیہ دیں اور کس تمثیل میں اسے بیان کریں؟۔ وہ رائی کے دانے کی مانند ہے کہ جب زمین میں بویا جاتا ہے تو زمین کے سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر جب بو دیا گیا تو اگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سایہ میں بسیرا کر سکتے ہیں۔

اور وہ ان کو اس قسم کی بہت سی تمثیلیں دے دے کر ان کی سمجھ

Marfat.com

کے مطابق کلام سناتا تھا۔ اور بے تمثیل ان سے کچھ نہ کہتا تھا لیکن خلوت میں اپنے خاص شاگردوں سے سب باتوں کے معنی بیان کرتا تھا۔ (۱۷۳)

لوقا بیان کرتے ہیں:

اور اس نے ان سے ایک تمثیل یہ بھی کہی کہ کیا اندھے کو اندھا راہ دکھا سکتا ہے؟ کیا دونوں گڑھے میں نہ گریں گے؟۔ شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں بلکہ ہر ایک جب کامل ہوا تو اپنے استاد جیسا ہوگا۔ تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا؟۔ اور جب تو اپنی آنکھ کے شہتیر نہیں دیکھتا تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ بھائی لا اس تنکے کو جو تیری آنکھ میں ہے نکال دوں؟۔ پھر اس تنکے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہے اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔ کیونکہ کوئی اچھا درخت نہیں جو برا پھل لائے اور نہ کوئی برا درخت ہے جو اچھا پھل لائے۔ ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے کیونکہ جھاڑیوں سے انجیر نہیں توڑتے اور نہ جھڑبیری سے انگور۔ اچھا آدمی اپنے دل کے اچھے خزانہ سے اچھی چیزیں نکالتا ہے اور برا آدمی برے خزانہ سے بری چیزیں نکالتا ہے کیونکہ جو دل میں بھرا ہے وہی اس کے منہ پر آتا ہے۔

جب تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرتے تو کیوں مجھے خداوند خداوند کہتے ہو؟۔ جو کوئی میرے پاس آتا اور میری باتیں سن کر ان پر عمل کرتا ہے میں تمہیں جتاتا ہوں کہ وہ کس کی مانند ہے۔ وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر بناتے وقت زمین گہری کھود کر چٹان پر بنیاد ڈالی۔ جب طوفان آیا اور سیلاب اس گھر سے ٹکرایا تو سے ہلا نہ سکا کیونکہ وہ مضبوط بنا ہوا تھا۔ لیکن جو سن کر عمل میں نہیں لاتا وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے زمین پر گھر کو بے بنیاد بنایا۔ جب سیلاب اس پر زور سے آیا تو وہ فی الفور گر پڑا اور وہ گھر بالکل برباد ہوا۔ (۱۷۴)

Marfat.com

مسیحؑ ایک سچے معلم کی طرح علم عطا کرتے' مشکلات حل کرتے اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ طلب رکھنے والے لوگ انہیں استاد ہی کے لقب سے پکارتے ہیں۔ متی لکھتے ہیں :

اور دیکھو ایک شخص نے پاس آکر اس سے کہا اے استاد میں کون سی نیکی کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟۔ اس نے اس سے کہا کہ تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے؟ نیک تو ایک ہی ہے لیکن اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر۔ اس نے اس سے کہا کون سے حکموں پر؟ یسوع نے کہا یہ کہ خون نہ کر' زنا نہ کر' چوری نہ کر' جھوٹی گواہی نہ دے۔ اپنے باپ کی اور ماں کی عزت کر اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔ اس جوان نے اس سے کہا کہ میں نے ان سب پر عمل کیا ہے۔ اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے۔ یسوع نے اس سے کہا اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال و اسباب بیچ کر غریبوں کو دے۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا اور آکر میرے پیچھے ہو لے۔ مگر وہ جوان یہ بات سن کر غمگین ہو کر چلا گیا کیونکہ بڑا مالدار تھا۔

اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔[۱۷۵]

مسیحؑ کے معلمانہ اسلوب میں تعلیم' انداز' تبشیر اور توضیح کے تمام پہلو موجود ہیں جہاں سخت لہجے کی ضرورت تھی وہاں سخت لہجہ ہے اور جہاں رحمت و شفقت کی ضرورت تھی وہاں رحمت و شفقت کے شاندار مظاہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کار دعوت کے لئے جتنی مہلت دی تھی اس میں انہوں نے معجزات و آیات کے ذریعہ بھی اور دلائل و براہین کے اسلوب سے بھی حکمت الٰہی کو واضح کیا۔

Marfat.com

دعوت کا ردعمل

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ بنی اسرائیل بگڑے ہوئے مسلمان تھے اور ان کے ہاں خدا کا تصور موجود تھا' انبیاء کے دعوت سے بھی آشنا تھے۔ خیرو شراور نیکی و بدی کے امتیاز کا ادراک بھی انہیں حاصل تھا لیکن بحیثیت مجموعی وہ ایک فساد زدہ قوم تھے۔ اس کے مذہبی رہنما ریارکار و بدعمل تھے' ان کے دولت مند بخیل اور حریص تھے اور ان کے صاحب اختیار ظالم اور بدخو تھے۔ جہاں تک عوام کا تعلق تھا تو وہ بھی ذہنی اعتبار سے مسخ شدہ تھے۔ مسیحؑ کا ہدف ایک مکمل اصلاح تھی اس لئے وہ فقیہوں اور فریسیوں کی ریاکاری و بدعملی پر بھی تنقید کرتے ہیں اور دولتمندوں کے بخل و حرص کو بھی نشانہ بناتے تھے۔ آسمانی بادشاہت کی بات کرکے وہ وقت کے اقتدار کو بھی چیلنج کرتے ہیں۔ اس ہمہ گیر دعوت کا ردعمل بھی ہمہ گیر تھا۔ مفاد پرست طبقات نے ان کے خلاف متحدہ محاذ بنایا اور مذہبی گروہوں نے مسیحؑ کے خلاف تیار ہونے والی سازش میں قائدانہ رول ادا کیا۔ بنی اسرائیل نے مجموعی طور پر ان کی دعوت کو رد کردیا۔ انبیاء کی سنت راشدہ کے مطابق مترفین و مفسدین نے تو بغض و عناد کا اظہار کیا جبکہ مستضعفین میں سے کچھ لوگوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا۔ قرآن مجید نے اسے مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے' مثلاً سورہ الصف میں ہے:

یا ایھا الذین آمنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسی ابن مریم للحواریین من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ فامنت طائفۃ و کفرت طائفۃ فایدنا الذین آمنوا علی عدوھم فاصبحوا ظاھرین (۱۷۶)

اے ایمان والو' تم اللہ کے (دین کے) مددگار ہوجاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے جب حواریوں سے کہا: اللہ کے راستے میں میرا کون مددگار ہے تو حواریوں نے جواب دیا ہم ہیں اللہ (کی راہ) کے مددگار۔ پس بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لائی اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا۔ سو ہم نے مومنوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں تائید کی پس وہ غالب رہے۔

قرآن پاک دعوت کی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان کرتا ہے:

فلما احس عیسیٰ منهم الكفر قال من انصاری الی الله قال الحواريون نحن انصار الله آمنا بالله واشهد بانا مسلمون ربنا آمنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين (۱۷۷)

اور پھر عیسیٰ نے ان (بنی اسرائیل) سے کفر محسوس کیا تو کہا: اللہ کی جانب میرا کون مددگار ہے؟ حواریوں نے جواب دیا: ہم ہیں اللہ کے (دین کے مددگار) ہم اللہ پر ایمان لائے اور تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔ اے ہمارے پروردگار جو تو نے اتارا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم نے رسول کی پیروی اختیار کرلی پس تو ہم کو (دین حق کی) گواہی دینے والوں میں سے لکھ لے۔

قرآن مجید نے جہاں قیامت کے روز مسیحؑ سے الٰہی مکالمہ کی منظر کشی کی ہے وہاں حواریوں کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ بیان کئے ہیں:

و اذ اوحيت الى الحواريين ان آمنوابي و برسولي قالوا آمنا واشهد باننا مسلمون (۱۷۸)

اور جب میں نے حواریوں کی طرف حکم بھیجا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔ وہ کہنے لگے کہ (پروردگار) ہم ایمان لائے تو شاہد رہیو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

قرآن مجید نے اس مختصر جماعت کی جو تصویر کشی کی ہے اس کے مطابق یہ مخلص مسلمان اور جانثار متبعین تھے اور آخر دم تک مسیحؑ کے ساتھ رہے۔

قرآن نے ان کی تعداد کے بارے میں کوئی بات نہیں کی البتہ ان کے غلبے کا ذکر کیا ہے۔ اناجیل اربعہ میں مسیحؑ کے شاگردوں کا تذکرہ ہے اور ان کی تعداد بھی بتائی گئی ہے۔ یہ بارہ شاگرد مسیحؑ کے ساتھ رہنے والے اور ہردم علم و حکمت سیکھنے والے تھے۔ ان کے علاوہ مومنین کی کتنی تعداد تھی؟ اس بارے میں اناجیل بھی خاموش ہے۔ ان شاگردوں کی جو تصویر اناجیل سے ابھرتی ہے وہ کوئی قابل رشک تصویر نہیں۔ متی ان

Marfat.com

شاگردوں کے ذکر میں لکھتے ہیں:

اور پھر اس نے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کر ان کو ناپاک روحوں پر اختیار بخشا کہ ان کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری دور کریں۔ اور بارہ رسولوں کے نام یہ ہیں۔ پہلا شمعون جو پطرس کہلاتا ہے اور اس کا بھائی اندریاس' زبدی کا بیٹا یعقوب اور اس کا بھائی یوحنا۔ فلپس اور برتلمائی۔ توما اور متی محصول لینے والا۔ حلفئی کا بیٹا یعقوب اور تدی۔ شمعون قنانی اور یہوداہ اسکریوتی جس نے اسے پکڑوا بھی دیا۔ ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا۔ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی قریب آگئی ہے۔ بیماروں کو اچھا کرنا' مردوں کو جلانا' کوڑھیوں کو پاک صاف کرنا' بدروحوں کو نکالنا۔ تم نے مفت پایا' مفت دینا۔[۱۷۹]

بارہ کی تعداد اور نام دوسری اناجیل میں بھی آئے ہیں۔[۱۸۰]

اناجیل میں اصحاب مسیحؑ کے لئے اولیں طور پر شاگرد کے الفاظ استعمال ہوئے' بعد میں رسول (Apostle) کی اصطلاح رائج ہوگئی۔ کیونکہ مسیحؑ نے انہیں مبلغ بنا کر بھیجا تھا۔ قرآن مجید نے حواری کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ مولانا اصلاحی کے بقول: لفظ حواری عربی میں اہل کتاب سے آیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے معنی سرگرم و پرجوش حامی و حمایتی کے ہیں۔ قرآن مجید اور انجیل دونوں سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب یہود کے علماء و فقہاء کے رویہ سے مایوس ہوگئے تو انہوں نے غرباء و عوام اور دریا کے کنارے کے ماہی گیروں کو دعوت دی کہ اسے مچھلیوں کو پکڑنے والا بناؤں۔ بالآخر انہی کے اندر سے ایک مختصر جماعت تین سو سوا تین آدمیوں کو پورے جوش دلی کے ساتھ' دعوت کے کام کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔"[۱۸۱]

قرآن نے انہیں "انصار اللہ" کے لقب سے نوازا ہے اور ان کے غلبے کی بات کی

Marfat.com

ہے جو ان کے اخلاص اور اطاعت کا ثبوت ہے۔ اناجیل اربعہ میں ان کے بارے میں اچھے کلمات بھی ہیں لیکن ان میں سے بعض کے متعلق سخت الفاظ بھی ہیں مثلاً انجیل یوحنا میں یہوداہ کے متعلق ہے:

> یہ باتیں کہہ کر یسوع اپنے دل میں گھبرایا اور یہ گواہی دی کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑوائے گا۔ شاگرد شبہ کر کے وہ کس کی نسبت کہتا ہے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت رکھتا تھا یسوع کے سینہ کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا۔ پس شمعون پطرس نے اس سے اشارہ کر کے کہا کہ بتاؤ تو وہ کس کی نسبت کہتا ہے۔ اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا اے خداوند! وہ کون ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ جسے میں نوالہ ڈبو کر دے دوں گا وہی ہے۔ پھر اس نے نوالہ ڈبویا اور لے کر شمعون اسکریوتی کے بیٹے یہوداہ کو دے دیا اور اسی نوالہ کے بعد شیطان اس میں سما گیا۔ پس یسوع نے اس سے کہا کہ جو کچھ تو کرتا ہے جلد کر لے۔[۱۸۲]

اسی طرح شمعون پطرس جس کے بارے میں ابھی بیان ہوا ہے کہ مسیحؑ اس سے محبت رکھتے تھے اس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ:

> شمعون پطرس نے اس سے کہا کہ اے خداوند تو کہاں جاتا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ جہاں میں جاتا ہوں اب تو تو میرے پیچھے نہیں آسکتا مگر بعد میں پیچھے آئے گا۔ پطرس نے اس سے کہا کہ اے خداوند! میں تیرے پیچھے اب کیوں نہیں آسکتا؟ میں تو تیرے لئے اپنی جان دوں گا۔ یسوع نے جواب دیا تو میرے لئے اپنی جان دے گا؟ میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ مرغ بانگ نہ دے گا جب تک تو تین بار میرا انکار نہ کر لے گا۔[۱۸۳]

متی ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ جب مسیحؑ کو پکڑنے کے لئے آئے تو "اس پر اس کے شاگرد بھاگ گئے"[۱۸۴] متی ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ مسیحؑ کی پیشگوئی کے مطابق

پطرس نے ان کا انکار کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

اور پطرس باہر صحن میں تھا کہ ایک لونڈی نے اس کے پاس آکر کہا تو بھی یسوع گلیلی کے ساتھ تھا۔ اس نے سب کے سامنے یہ کہہ کر انکار کیا کہ میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہتی ہے۔ اور جب وہ ڈیوڑھی میں چلا گیا تو دوسری نے اسے دیکھا اور جو وہاں تھے ان سے کہا یہ بھی یسوع ناصری کے ساتھ تھا۔ اس نے قسم کھا کر پھر انکار کیا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو وہاں کھڑے تھے انہوں نے پطرس کے پاس آکر کہا بے شک تو بھی ان میں سے ہے کیونکہ تیری بولی سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس پر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا اور فی الفور مرغ نے بانگ دی۔ پطرس کو یسوع کی وہ بات یاد آئی جو اس نے کہی تھی کہ مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کرے گا اور وہ باہر جا کر زار زار رو دیا۔[۱۸۵]

مندرجہ بالا بیانات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مسیحؑ کے حواریوں کے بارے میں قرآن اور بائبل کے اسلوب میں کتنا فرق ہے۔ اور دونوں ان شخصیات کو کس رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

مخالفت

مسیح کے بارے میں جو معلومات ملتی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ شادی کی اور نہ گھر بنایا۔ وہ شہر شہر اور قریہ قریہ گھومتے پھرتے اور دعوت و تبلیغ اور اصلاح و خدمت کا کام کرتے۔ ان کی معجزانہ شخصیت کی تاثیر سے لوگ شفا پاتے اور ان کی توجہ سے لوگوں کی مشکلات حل ہوتیں اس لئے وہ جدھر جاتے لوگ گروہ در گروہ ان کے پاس آتے اور ان کے گرد ان کا ہجوم ہوتا۔ خلق خدا نہ صرف ان سے فیض حاصل کرتی بلکہ ان سے والہانہ محبت کا اظہار کرتی اور جانثاری کے لئے تیار ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جن معجزات سے نوازا تھا اور ان کی شخصیت میں جو تاثیر

Marfat.com

رکھی تھی اس کی وجہ سے انہیں قبول عام حاصل ہوا تھا۔ اس پر مستزاد ان کی فقیرانہ زندگی تھی۔ ایک شخص جس کا مزاج' دنیوی آلائشوں سے پاک اور مادی اغراض و خواہشات سے بے نیاز تھا اور جو خدمت خلق کے لئے ہر وقت تیار تھا اور جس کے خطبات ظاہر پرستی' ریاکاری اور مذہبی اجارہ داری کو بے نقاب کر رہے تھے وہ بدکردار مذہبی قیادت اور فساد زدہ معاشرتی تنظیم اور بدعنوان سیاسی انتظامیہ کو کیسے گوارا ہوتا۔ یہودیوں کے جس معاشرے میں وہ اصلاح کا کام کر رہے تھے وہ ان کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔

"یہود کو اس دعوت حق کے ساتھ جو بغض و عناد تھا اس نے اس بڑھتی ہوئی مقبولیت کو انتہائی حسد اور سخت خطرہ کی نگاہ سے دیکھا اور جب ان کے مسخ شدہ قلوب کسی طرح اس کو برداشت نہ کر سکے تو ان کے سرداروں' فقیہوں' فریسیوں اور صدوقیوں نے ذات اقدس کے خلاف سازش شروع کی اور طے یہ پایا کہ اس ہستی کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کی بجز اس کے کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ بادشاہ وقت کو مشتعل کر کے اس کو دار پر چڑھا دیا جائے۔"(۱۸۶) یہودی قیادت نے طے کیا کہ رومی گورنر کو یہ باور کرایا جائے کہ مسیح بنی اسرائیل کے بادشاہ بننا چاہتے ہیں لہذا وقت کے اقتدار کے لئے خطرہ ہیں۔ یہودی کاہنوں نے بالاخر مسیح کو گرفتار کرنے کے احکام حاصل کر لئے۔

اناجیل اربعہ میں اس سازش اور بالاخر ان کی گرفتاری کے واقعہ کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔ یہودیوں نے اس امر کا اہتمام کیا کہ آپ کو کھلے بندوں گرفتار نہ کیا جائے کیونکہ اس سے ہنگامے کا خطرہ ہے۔ یوحنا اس منصوبہ بندی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> پس سردار کاہنوں اور فریسیوں نے صدر عدالت کے لوگوں کو جمع کر کے کہا ہم کرتے کیا ہیں؟ یہ آدمی تو بہت معجزے دکھاتا ہے۔ اگر ہم اسے یوں ہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان لے آئیں گے اور رومی آکر ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کر لیں گے۔ اور ان میں سے کائفہ نامی ایک

شخص نے جو اس سال سردار کاہن تھا ان سے کہا تم کچھ نہیں جانتے۔ اور نہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی امت کے واسطے مرے نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو۔ مگر اس نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی کہ یسوع اس قوم کے واسطے مرے گا۔ اور نہ صرف اس قوم کے واسطے بلکہ اس واسطے بھی کہ خدا کے پراگندہ فرزندوں کو جمع کر کے ایک کردے۔ پس وہ اسی روز اسے قتل کرنے کا مشورہ کرنے لگے۔ (۱۸۷)

اس منصوبہ بندی کا اہم عنصر یہ ہے کہ اس کی سرگرمیوں کی وجہ سے پوری یہودی قوم زیر عتاب نہ آجائے لہٰذا اسے قیصر روم کے گورنر کے سپرد کردیا جائے۔ یہود کی مذہبی قیادت کی بے چینی کا اندازہ مرقس کے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے:

دو دن بعد فصح اور عید الفطر ہونے والی تھی اور سردار کاہن اور فقیہ موقع ڈھونڈ رہے تھے کہ اسے کیونکہ فریب سے پکڑ کر قتل کریں کیونکہ کہتے تھے کہ عید کو کہیں ایسا نہ ہو کہ بلوہ ہوجائے۔ (۱۸۸)

گرفتاری و مصلوبیت

اناجیل اربعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی قیادت کو یہ معلوم ہوا کہ مسیحؑ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایک مکان میں موجود ہیں۔ مسیحؑ کا ایک حواری ان سے مل گیا تھا لہٰذا اسکے ساتھ یہ لوگ وہاں پہنچ گئے ان کو گرفتار کرکے پیلاطس کے دربار میں لے گئے تاکہ وہ اسے مصلوب کرے اگرچہ پیلاطس مسیحؑ کو بے قصور سمجھتا تھا لیکن یہودیوں کی ہنگامہ آرائی کی وجہ سے انہیں سپاہیوں کے حوالہ کردیا۔ سپاہیوں نے ان کو کانٹوں کا تاج پہنایا' منہ پر تھوکا' کوڑے لگائے اور ہر طرح کی توہین و تذلیل کرکے انہیں سولی پر لٹکایا دونوں ہاتھوں میں میخیں ٹھونکیں اور سینے کے ایک طرف برچھی کی انی سے چھید کیا۔ اس طرح انہوں نے "ایلی ایلی لما شبقتنی" کہتے ہوئے انتہائی بے بسی کی حالت میں جان دے دی۔ تمام اناجیل میں یہ واقعہ موجود ہے ہم یہاں متی سے اس کی پوری

Marfat.com

تفصیل نقل کرتے ہیں:

جب صبح ہوئی تو سب سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے یسوع کے خلاف مشورہ کیا کہ اسے مار ڈالیں اور اسے باندھ کر لے گئے اور پیلاطس کے حاکم کے حوالہ کیا۔

جب اس کے پکڑوانے والے یہوداہ نے یہ دیکھا کہ وہ مجرم ٹھہرایا گیا تو پچھتایا اور وہ تیس روپے سردار کاہنوں اور بزرگوں کے پاس واپس لاکر کہا۔ میں نے گناہ کیا کہ بے قصور کو قتل کے لئے پکڑوایا۔ انہوں نے کہا ہمیں کیا؟ تو جان۔ اور وہ روپیوں کو مقدس میں پھینک کر چلا گیا اور جاکر اپنے آپ کو پھانسی دی۔ سردار کاہنوں نے روپے لے کر کہا۔ ان کو ہیکل کے خزانہ میں ڈالنا روا نہیں کیونکہ یہ خون کی قیمت ہے۔ پس انہوں نے مشورہ کرکے ان روپیوں سے کمہار کا کھیت پردیسیوں کے دفن کرنے کے لئے خریدا۔ اس سبب سے وہ کھیت آج تک خون کا کھیت کہلاتا ہے۔ اس وقت وہ پورا ہوا جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ جس کی قیمت ٹھہرائی گئی تھی انہوں نے اس کی قیمت کے وہ تیس روپے لے لئے (اس کی قیمت بعض بنی اسرائیل نے ٹھہرائی تھی) اور ان کو کمہار کے کھیت کے لئے دیا جیسا خداوند نے مجھے حکم دیا۔

یسوع حاکم کے سامنے کھڑا تھا اور حاکم نے اس سے یہ پوچھا کہ کیا تو یہودیوں کا ہے؟ یسوع نے اس سے کہا تو خود کہتا ہے۔ اور جب سردار کاہن اور بزرگ اس پر الزام لگا رہے تھے اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر پیلاطس نے اس سے کہا کیا تو نہیں سنتا یہ تیرے خلاف کتنی گواہیاں دیتے ہیں؟ اس نے ایک بات کا بھی اس کو جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ حاکم نے بہت تعجب کیا اور حاکم کا دستور تھا کہ عید پر لوگوں کی خاطر ایک قیدی جسے وہ چاہتے تھے چھوڑ دیتا تھا۔ اس وقت برابا نام ان کا ایک مشہور قیدی تھا۔ پس جب وہ اکٹھے ہوئے تو پیلاطس نے ان سے کہا تم کے

Marfat.com

چاہتے ہو کہ میں تمہاری خاطر چھوڑ دوں؟ برابا کو یا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے؟ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ انہوں نے اس کو حسد سے پکڑوایا ہے اور جب وہ تخت عدالت پر بیٹھا تھا تو اس کی بیوی نے اسے کہلا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ کیونکہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب سے بہت دکھ اٹھایا ہے۔ لیکن سردار کاہنوں اور بزرگوں نے لوگوں کو ابھارا کہ برابا کو مانگ لیں اور یسوع کو ہلاک کرائیں۔ حاکم نے ان سے کہا کہ ان دونوں میں سے کس کو چاہتے ہو کہ تمہاری خاطر چھوڑ دوں؟ انہوں نے کہا بربا کو۔ پیلاطس نے ان سے کہا پھر یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے کیا کروں؟ سب نے کہا وہ مصلوب ہو۔ اس نے کہا کیوں اس نے کیا برائی کی ہے؟ مگر وہ اور بھی چلا چلا کر کہنے لگے وہ مصلوب ہو۔ جب پیلاطس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا بلکہ الٹا بلوا ہوتا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں۔ تم جانو۔ سب لوگوں نے جواب میں کہا اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر!۔ اس پر اس نے برابا کو ان کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالہ کیا کہ مصلوب ہو۔

اس پر حاکم کے سپاہیوں نے یسوع کو قلعہ میں لے جا کر ساری پلٹن اس کے گرد جمع کی۔ اور اس کے کپڑے اتار کر اسے قرمزی چوغہ پہنایا۔ اور کانٹوں کا تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا اس کے دہنے ہاتھ میں دیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اسے ٹھٹھوں میں اڑانے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ آداب!۔ اور اس پر تھوکا اور وہی سرکنڈا لے کر اسے کے سر پر مارنے لگے۔ اور جب اس کا ٹھٹھا کر چکے تو چوغہ کو اس پر سے اتار کر پھر اسی کے کپڑے اسے پہنائے اور مصلوب کرنے کو لے گئے۔

جب باہر آئے تو انہوں نے شمعون نام ایک کرینی آدمی کو پا کر اسے

Marfat.com

بیگار میں پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے۔ اور اس جگہ جو گلگتا یعنی کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے پہنچ کر پت ملی ہوئی مے اسے پینے کو دی مگر اس نے چکھ کر پینا نہ چاہا۔ اور انہوں نے اسے مصلوب کیا اور اس کے کپڑے قرعہ ڈال کر بانٹ لئے۔ اور وہاں بیٹھ کر اس کی نگہبانی کرنے لگے۔ اور اس کا الزام لکھ کر اس کے سر سے اوپر لگا دیا کہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے۔ اس وقت اس کے ساتھ دو ڈاکو مصلوب ہوئے۔ ایک دہنے اور ایک بائیں۔ اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اس کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے۔ اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا' اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ اسی طرح سردار کاہن بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے سے کہتے تھے۔ اس نے اوروں کو بچایا' اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔ یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے۔ اب صلیب پر سے اتر آئے تو ہم اس پر ایمان لائیں۔ اس نے خدا پر بھروسا کیا ہے اگر وہ اسے چاہتا ہے تو اب اس کو چھڑا لے کیونکہ اس نے کہا تھا میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اسی طرح ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے۔

اور دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا۔ اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا' ایلی' ایلی' لما شبقتنی؟ یعنی اے میرا خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟۔ جو وہاں کھڑے تھے ان میں سے بعض نے سن کر کہا یہ ایلیاہ کو پکارتا ہے۔ اور فوراً ان میں سے ایک شخص دوڑا اور سپنج لے کر سرکہ میں ڈبویا اور سرکنڈے پر رکھ کر اسے چسایا۔ مگر باقیوں نے کہا ٹھہر جاؤ۔ دیکھیں تو ایلیاہ اسے بچانے آتا ہے یا نہیں۔ یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی۔ اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں۔ اور قبریں کھل گئیں اور بہت سے

Marfat.com

جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے۔ اور اس کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیے۔ پس صوبہ دار اور جو اس کے ساتھ یسوع کی نگہبانی کرتے تھے بھونچال اور تمام ماجرا دیکھ کر بہت ہی ڈر کر کہنے لگے کہ بے شک یہ خدا کا بیٹا تھا۔ اور وہاں بہت سی عورتیں جو گلیل سے یسوع کی خدمت کرتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے آئی تھیں دور سے دیکھ رہی تھیں۔ ان میں مریم مگدلینی تھی اور یعقوب اور یوسیس کی ماں مریم اور زبدی کے بیٹوں کی ماں۔

جب شام ہوئی تو یوسف نام ارمتیاہ کا ایک دولت مند آدمی یا جو خود بھی یسوع کا شاگرد تھا۔ اس نے پیلاطس کے پاس جاکر یسوع کی لاش مانگی اور پیلاطس نے دے دینے کا حکم دیا۔ اور یوسف نے لاش کو لے کر صاف مہین چادر میں لپیٹا۔ اور اپنی نئی قبر میں جو اس نے چٹان میں کھدوائی تھی رکھا۔ پھر وہ ایک بڑا پتھر قبر کے منہ پر لڑھکا کر چلا گیا۔ اور مریم مگدلینی اور دوسری مریم وہاں قبر کے سامنے بیٹھی تھیں۔

دوسرے دن جو تیاری کے بعد کا دن تھا سردار کاہنوں اور فریسیوں نے پیلاطس کے پاس جمع ہو کر کہا۔ خداوند! ہمیں یاد ہے کہ اس دھوکے باز نے جیتے جی کہا تھا میں تین دن کے بعد جی اٹھوں گا۔ پس حکم دے کہ تیسرے دن تک قبر کی نگہبانی کی جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے شاگرد آ کر اسے چرا لے جائیں اور لوگوں سے کہہ دیں کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا اور یہ پچھلا دھوکا پہلے سے بھی برا ہو۔ پیلاطس نے ان سے کہا تمہارے پاس پہرے والے ہیں' جاؤ جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی نگہبانی کرو۔

پس وہ پہرے والوں کو ساتھ لے کر گئے اور پتھر پر مہر کر کے قبر کی نگہبانی کی۔[۱۸۹] اور سبت کے بعد ہفتہ کے پہلے دن پو پھٹتے وقت مریم مگدلینی اور دوسری مریم قبر کو دیکھنے آئیں۔ اور دیکھو ایک بڑا بھونچال آیا

Marfat.com

کیونکہ خداوند کا فرشتہ آسمان سے اترا اور پاس آکر پتھر کو لڑھکا دیا اور اس پر بیٹھ گیا۔ اس کی صورت بجلی کی مانند تھی اور اس کی پوشاک برف کی مانند سفید تھی۔ اور اس کے ڈر سے نگہبان کانپ اٹھے اور مردہ سے ہوگئے۔ فرشتہ نے عورتوں سے کہا تم نہ ڈرو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم یسوع کو ڈھونڈتی ہو جو مصلوب ہوا تھا۔ وہ یہاں نہیں ہے کیونکہ اپنے کہنے کے مطابق جی اٹھا ہے۔ آؤ یہ جگہ دیکھو جہاں خداوند پڑا تھا۔ اور جلد جا کر اسکے شاگردوں سے کہو کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا ہے اور دیکھو وہ تم سے پہلے گلیل کو جاتا ہے۔ وہاں تم اسے دیکھو گے' دیکھو میں نے تم سے کہہ دیا ہے۔ اور وہ خوف اور بڑی خوشی کے ساتھ قبر سے جلد روانہ ہو کر اس کے شاگردوں کو خبر دینے دوڑیں۔ اور دیکھو یسوع ان سے ملا اور اس نے کہا سلام! انہوں نے پاس آکر اس کے قدم پکڑے اور اسے سجدہ کیا۔ اس پر یسوع نے ان سے کہا ڈرو نہیں' جاؤ میرے بھائیوں سے کہو کہ گلیل کو چلے جائیں' وہاں مجھے دیکھیں گے۔

جب وہ جا رہی تھیں تو دیکھو پہرے والوں میں سے بعض نے شہر میں آکر تمام ماجرا سردار کاہنوں سے بیان کیا۔ اور انہوں نے بزرگوں کے ساتھ جمع ہو کر مشورہ کیا اور سپاہیوں کو بہت سا روپیہ دے کر کہا۔ یہ کہہ دینا کہ رات کو جب ہم سو رہے تھے اس کے شاگرد آکر اسے چرا لے گئے۔ اور اگر یہ بات حاکم کے کان تک پہنچی تو ہم اسے سمجھا کر تم کو خطرہ سے بچا لیں گے۔ پس انہوں نے روپیہ لے کر جیسا سکھایا گیا تھا ویسا ہی کیا اور یہ بات آج تک یہودیوں میں مشہور ہے۔

اور گیارہ شاگرد گلیل کے اس پہاڑ پر گئے جو یسوع نے ان کے لئے مقرر کیا تھا اور انہوں نے اسے دیکھ کر سجدہ کیا مگر بعض نے شک کیا۔ یسوع نے پاس آکر ان سے باتیں کیں اور کہا کہ آسمان اور زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے۔ پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو

باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو۔ اور ان کو یہ تعلیم دو کہ ان سب باتوں پر عمل کریں جن کا میں نے تم کو حکم دیا اور دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔[۱۹۰]

یہ واقعہ کم و بیش اسی طرح دوسری اناجیل میں بھی ہے[۱۹۱] اناجیل میں موجود بیان واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ کی موت انتہائی بے بسی اور کربناک حالت میں ہوئی۔ انبیاء و صلحاء پر جو آزمائشیں آتی ہیں ان کے مطابق کسی نبی کا اذیت ناک حالت میں شہید ہوجانا ممکن ہے لیکن ایسے تکلیف دہ حالات میں انبیاء صبر و رضا کا پیکر ہوتے ہیں۔ ان سے بے صبری اور مایوسی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ مسیحؑ کی طرف منسوب جملہ "ایلی ایلی لما شبقتنی" ایک قسم کی مایوسی اور شکرہ سنجی کی کیفیت کا پتہ دیتا ہے جو مسیحؑ جیسی شخصیت کے شایان شان نہیں۔ اسی طرح انجیل ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ مسیحؑ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ موت کا وقت موخر ہوجائے تو ٹھیک ہے ورنہ مجبوراً اسے قبول کرنا پڑے گا۔ متی لکھتا ہے:

> پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو"[۱۹۲]

متی مزید لکھتے ہیں:

> پھر دوبارہ اس نے جا کر یوں دعا کی اے میرے باپ! اگر یہ میرے پیے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو۔"[۱۹۳]

اناجیل میں بیان کردہ واقعہ کی تفصیلات کا جائزہ لینے کے بعد مسلمان علماء کی رائے ہے کہ یہ واقعاتی بیان یہودی تصنیف ہے جسے اناجیل کے مصنفوں نے اختیار کرلیا ہے۔ یہودیوں کے پیش نظر تو مسیحؑ کی تذلیل تھی مگر عیسائیوں نے اسے اسی طرح قبول کرکے اپنی سادگی کا ثبوت دیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سب کچھ یہودی دخل کے باعث ہوا ہو۔ البتہ عیسائیوں نے اس واقعہ کو قبول کرتے ہوئے تھوڑا سا اضافہ کیا ہے اور وہ ہے مسیحؑ کا دوبارہ جی اٹھنا اور آسمان پر چلے جانا ہے۔ یہی تعبیر بالآخر عقیدہ الوہیت مسیحؑ

Marfat.com

کی بنیاد بنی۔ جہاں تک ان کی تذلیل و توہین اور ان کے سولی پر مرنے کا تعلق ہے تو اس کی تعبیر عقیدۂ کفارہ کی صورت میں کی گئی۔ یوحنا ہمیں یہ بتاتا ہے کہ سپاہیوں نے مسیحؑ کی ٹانگیں نہیں توڑی تھیں اور جب ان کی پسلی چھیدی تو اس میں سے خون اور پانی بہہ نکلا۔ جو بظاہر زندگی کی علامت ہے۔ یوحنا لکھتا ہے:

اس کے بعد جب یسوع نے جان لیا کہ اب سب باتیں تمام ہوئیں تاکہ نوشتہ پورا ہو تو کہا کہ میں پیاسا ہوں۔ وہاں سرکہ سے بھرا ہوا ایک برتن رکھا تھا۔ پس انہوں نے سرکہ میں بھگوئے ہوئے سپنج کو زوفے کی شاخ پر رکھ کر اس کے منہ سے لگایا۔ پس جب یسوع نے وہ سرکہ پیا تو کہا کہ تمام ہوا اور سر جھکا کر جان دے دی۔

پس چونکہ تیاری کا دن تھا یہودیوں نے پیلاطس سے درخواست کی ان کی ٹانگیں توڑ دی جائیں اور لاشیں اتار لی جائیں تاکہ سبت کے دن صلیب پر نہ رہیں کیونکہ وہ سبت ایک خاص دن تھا۔ پس سپاہیوں نے آکر پہلے اور دوسرے شخص کی ٹانگیں توڑیں جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے یسوع کے پاس آکر دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ مگر ان میں سے ایک سپاہی نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے خون اور پانی بہ نکلا۔ جس نے یہ دیکھا ہے اس نے گواہی دی ہے اور اس کی گواہی سچی ہے اور وہ جانتا ہے کہ سچ کہتا ہے تاکہ تم بھی ایمان لاؤ۔ یہ باتیں اس لئے ہوئیں کہ یہ نوشتہ پورا ہو کہ اس کی کوئی ہڈی نہ توڑی جائے گی۔ پھر ایک اور نوشتہ کہتا ہے کہ جسے انہوں نے چھیدا اس پر نظر کریں گے۔

ان باتوں کے بعد ارمیہ کے رہنے والے یوسف نے جو یسوع کا شاگرد تھا (لیکن یہود کے ڈر سے خفیہ طور پر) پیلاطس سے اجازت چاہی کہ یسوع کی لاش لے جائے۔ پیلاطس نے اجازت دی۔ پس وہ آکر اس کی لاش لے گیا۔ اور نیکدیمس بھی آیا۔ جو پہلے یسوع کے پاس رات کو

Marfat.com

گیا تھا اور پچاس سیر کے قریب مر اور عود ملا ہوا لایا۔ پس انہوں نے یسوع کی لاش لے کر اسے سوتی کپڑے میں خوشبودار چیزوں کے ساتھ کفنایا جس طرح کہ یہودیوں میں دفن کرنے کا دستور ہے۔ اور جس جگہ وہ مصلوب ہوا وہاں ایک باغ تھا اور اس باغ میں ایک نئی قبر تھی جس میں کبھی کوئی نہ رکھا گیا تھا۔ پس انہوں نے یہودیوں کی تیاری کے دن کے باعث یسوع کو وہیں رکھ دیا کیونکہ یہ قبر نزدیک تھی۔

ہفتہ کے پہلے دن مریم مگدلینی ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا قبر پر آئی اور پتھر کو قبر سے ہٹا ہوا دیکھا۔ پس وہ شمعون پطرس اور اس دوسرے شاگرد کے پاس جسے یسوع عزیز رکھتا تھا دوڑی ہوئی گئی اور ان سے کہا کہ خداوند کو قبر سے نکال لے گئے اور ہمیں معلوم نہیں کہ اسے کہاں رکھ دیا۔ پس پطرس اور وہ دوسرا شاگرد نکل کر قبر کی طرف چلے۔ اور دونوں ساتھ ساتھ دوڑے مگر وہ دوسرا شاگرد پطرس سے آگے بڑھ کر قبر پر پہلے پہنچا۔ اس نے جھک کر نظر کی اور سوتی کپڑے پڑے ہوئے دیکھے مگر اندر نہ گیا۔ شمعون پطرس اس کے پیچھے پیچھے پہنچا اور اس نے قبر کے اندر جا کر دیکھا کہ سوتی کپڑے پڑے ہیں۔ اور وہ رومال جو اس کے سر سے بندھا ہوا تھا سوتی کپڑوں کے ساتھ نہیں بلکہ لپٹا ہوا ایک جگہ الگ پڑا ہے۔ اس پر دوسرا شاگرد بھی جو پہلے قبر پر آیا تھا اندر گیا اور اس نے دیکھ کر یقین کیا۔ کیونکہ وہ اب تک اس نوشتہ کو نہ جانتے تھے جس کے مطابق اس کا مردوں میں سے جی اٹھنا ضرور تھا۔ پس یہ شاگرد اپنے گھر کو واپس گئے۔

لیکن مریم باہر قبر کے پاس کھڑی روتی رہی اور جب روتے روتے قبر کی طرف جھک کر اندر نظر کی۔ تو دو فرشتوں کو سفید پوشاک پہنے ہوئے ایک سرہانے اور دوسرے کو پینتانے بیٹھے دیکھا جہاں یسوع کی لاش پڑی تھی۔ انہوں نے اس سے کہا اے عورت تو کیوں روتی ہے؟ اس نے ان

Marfat.com

سے کہا اس لئے کہ میرے خداوند کو اٹھا لے گئے ہیں اور معلوم نہیں کہ اسے کہاں رکھا ہے۔ یہ کہہ کر وہ پیچھے پھری اور یسوع کو کھڑے دیکھا اور نہ پہچانا کہ یہ یسوع ہے۔ یسوع نے اس سے کہا اے عورت تو کیوں روتی ہے؟ کس کو ڈھونڈتی ہے؟ س نے باغبان سمجھ کر اس سے کہا میاں اگر تونے اس کو یہاں سے اٹھایا ہے تو مجھے بتادے کہ اسے کہاں رکھا ہے تاکہ میں اسے لے جاؤں۔ یسوع نے اس سے کہا مریم! اس نے مڑ کر اس سے عبرانی زبان میں کہا ربونی! یعنی اے استاد! یسوع نے اس سے کہا مجھ نہ چھو کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا لیکن میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں۔ مریم مگدلینی نے آ کر شاگردوں کو خبر دی کہ میں نے خداوند کو دیکھا اور اس نے مجھ سے یہ باتیں کہیں۔

پھر اسی دن جو ہفتہ کا پہلا دن تھا شام کے وقت جب وہاں کے دروازے جہاں شاگرد تھے یہودیوں کے ڈر سے بند تھے۔ یسوع آ کر بیچ میں کھڑا ہوا اور ان سے کہا تمہاری سلامتی ہو۔ اور یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھوں اور پسلی کو انہیں دکھایا۔ پس شاگرد خداوند کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ یسوع نے پھر ان سے کہا تمہاری سلامتی ہو! جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے اسی طرح میں بھی تمہیں بھیجتا ہوں۔ اور یہ کہہ کر ان پر پھونکا اور ان سے کہا روح القدس لو۔ جن کے گناہ تم بخشو ان کے بخشے گئے ہیں۔ جن کے گناہ تم قائم رکھو ان کے قائم رکھے گئے ہیں۔[۱۹۴]

اس حصہ کو پڑھنے سے وہ تضاد واضح ہوتا ہے جو اس کے پہلے حصے کے مابین واقع ہے۔ ایک حصہ بے کسی و بے بسی کی تصویر ہے جبکہ دوسرا اطمینان و انبساط کا مظہر ہے۔ خدائی صفات سے متصف شخصیت یہاں گناہ بخشتی نظر آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان واقعہ نہیں بلکہ واقعہ کی تعبیر ہے جو کسی خاص مقصد کے تحت واقعاتی انداز سے

بیان کی گئی ہے۔ غالباً عقیدہ کفارہ کی وجہ سے یہ ساری رنگ آمیزی کی گئی ہے۔

قرآن کا تبصرہ

قرآن مجید نے واقعاتی تفصیلات کو نظرانداز کرتے ہوئے مسیح کی مصلوبیت کا انکار کیا ہے۔ قرآن مجید نے یہودی سازش کی طرف اشاہ کیا لیکن جہاں تک مسیح کے قتل اور سولی پر چڑھانے کا تعلق تو اس کی صریحاً تردید کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

و مکروا ومکرا اللہ واللہ خیر الماکرین - اذ قال اللہ یعیسیٰ انی متوفیک و رافعک الی و مطہرک من الذین کفروا و جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ ثم الی مرجعکم فاحکم بینکم فیما کنتم فیہ تختلفون(۱۹۵)

پھر بنی اسرائیل نے (مسیح کے خلاف) خفیہ تدبیر کی اور جواب میں اللہ نے بھی اپنی خفیہ تدبیر کی اور ایسی تدبیروں میں اللہ سب سے بڑھ کر ہے۔ (وہ اللہ کی خفیہ تدبیر تھی) جب اس نے کہا اے عیسیٰ میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھالوں گا اور جنہوں نے تیرا انکار کیا ہے ان سے (یعنی ان کی معیت سے اور ان کے گندے ماحول میں ان کے ساتھ رہنے سے) تجھے پاک کر دوں گا اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک ان لوگوں پر بالادست رکھوں گا جنہوں نے تیرا انکار کیا ہے۔ پھر تم سب کو آخرکار میرے پاس آنا ہے' اس وقت میں ان باتوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تمہارے درمیان اختلاف ہوا ہے۔

پہلی آیت میں ایک تو تدبیر الٰہی کا ذکر ہے جو یہودیوں کی تدبیر کا جواب ہے۔ اس آیت سے اشارہ ملتا ہے کہ یہودیوں کی تدبیر کامیاب نہیں ہوئی۔ وہ مسیح کو سولی پر مارنا چاہتے تھے لیکن اللہ کی تدبیر نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ دوسری آیت میں "متوفی" اور "رافع" کے الفاظ استعمال ہوئے جو واپس بلانے' مدت پوری کرنے اور اور اٹھا لینے کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ پیرایہ اظہار واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی غیر

Marfat.com

معمولی طریقہ سے مسیح کو قتل ہونے اور سولی پر چڑھنے سے محفوظ کر لیا۔ مولانا سیوہاروی یہودی تدبیر کا ذکر کرتے ہوئے صورت حال کی تصویر کشی کرتے ہیں:

"آخر وہ وقت آپہنچا کہ بنی اسرائیل کے سرداروں، کاہنوں اور فقیہوں نے حضرت عیسیٰ کا ایک بند مکان میں محاصرہ کر لیا۔ ذات اقدس اور حواری مکان کے اندر بند ہیں اور دشمن چاروں طرف سے محاصرہ کئے ہوئے ہیں لہٰذا اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ کیا صورت ہو کہ جس سے دشمن ناکام رہے اور حضرت عیسیٰ کو کسی طرح کا بھی گزند نہ پہنچا سکے تا کہ خدائے قادر کا وعدہ حفاظت اور دعویٰ تدبیر خیر پورا ہو اور اس کی تدبیر محکم نے عیسیٰ علیہ السلام کو دشمنوں کے ہاتھوں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور صورت یہ پیش آئی کہ اس نازک گھڑی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی الٰہی نے یہ بشارت سنائی عیسیٰ! خوف نہ کر تیری مدت پوری کی جائے گی یعنی تم کو دشمن قتل نہیں کر سکیں گے اور نہ تم اس وقت موت سے دو چار ہوگے) اور ہوگا یہ کہ میں تجھ کو اپنی جانب (ملاء اعلیٰ کی جانب) اٹھالوں گا اور ان کافروں سے تجھے پاک رکھوں گا یعنی یہ تجھ پر کسی قسم کا قابو نہ پاسکیں گے اور تیرے پیروؤں کو ان کافروں پر ہمیشہ غالب رکھوں گا۔ یعنی بنی اسرائیل کے مقابلے میں قیامت تک عیسائی اور مسلمان غالب رہیں گے۔ اور ان کو بھی ان دونوں پر حاکمانہ اقتدار نصیب نہیں ہوگا۔ پھر انجام کار میری جانب (موت کے بعد) لوٹ آنا ہے پس میں ان باتوں پر فیصلہ حق دوں گا جن کے متعلق تم آپس میں اختلاف کر رہے ہو۔[۱۹۶]

قرآن مجید نے ایک اور مقام پر بھی قتل و صلب کی صریح نفی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و قولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله و ما قتلوه و ما صلبوه و لكن شبه لهم و ان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ما

لھم به من علم الا اتباع الظن و ما قتلوه یقینا بل رفعه الله الیه وکان الله عزیزا حکیما و ان من اھل الکتاب الا لیومنن به قبل موته و یوم القیامة یکون علیھم شھیدا(۱۹۷)

اور خود کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم، رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ فی الواقع انہوں نے اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں ہے، محض گمان ہی کی پیروی ہے۔ انہوں نے مسیح کو یقین کے ساتھ قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے۔ اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لے آئے گا اور وہ قیامت کے روز ان پر گواہی دے گا۔

مذکورہ بالا آیات سے جو قابل غور نکات سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ مسیح قتل ہوئے نہ سولی پر چڑھائے گئے ہیں
۲۔ صورت حال لوگوں کے لئے مشتبہ ہوگئی
۳۔ مسیح کو اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا۔

امت مسلمہ میں تواتر کے ساتھ ان نکات پر اتفاق منقول ہے۔ تاآنکہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین نے یہ ثابت کرنا شروع کیا کہ مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں اور اس کے لئے افسانوی تفصیلات تصنیف کیں کہ مسیحؑ کے شاگردوں نے جب نعش حاصل کی تو اس میں زندگی کے آثار تھے۔ ان کی مرہم پٹی کی گئی اور انہیں خفیہ مقام پر رکھا گیا جب وہ ٹھیک ہوگئے تو پوشیدہ طریقہ پر کشمیر آگئے اور یہاں گمنامی کی زندگی بسر کرتے ہوئے فوت ہوگئے۔ وفات مسیح کا یہ افسانہ اس لئے تراشا گیا کہ احادیث مسیح کی آمد کی پیشگوئیوں کو مرزا صاحب پر منطبق کیا جاسکے۔ مسیح کی حیات و وفات کا مسئلہ ہمارے متکلمین کے زیر بحث رہا لیکن سرسید اور غلام احمد قادیانی نے جس انداز سے

Marfat.com

اسے پیش کیا ہے وہ استعماری اثرات کا شاخسانہ ہے۔ مرزا صاحب کے متبعین میں مولوی محمد لاہوری ایک ذہین اور صاحب اسلوب مصنف ہے لیکن وفات مسیح پر ان کے دلائل بھی محض حجت بازی لگتی ہے۔ ہمارے راسخ العقیدہ علماء نے اس مسئلہ کے جملہ اطراف پر مفصل بحثیں کی ہیں۔ قادیانی مذہب پر جتنی تنقیدی کتب لکھی گئی ہیں ان میں اسی مسئلہ پر مدلل بحثیں موجود ہیں۔ اسی طرح مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں قدیم و جدید مفسرین نے سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔ تفسیر اور عقائد کا طالب علم ان بحثوں کو دیکھ سکتا ہے۔

ہم یہاں نمونہ کے طور پر صرف ایک تفسیر سے متعلقہ حواشی نقل کرتے ہیں۔ سید مودودیؒ نے سورہ آل عمران اور سورہ النساء کی ان آیات کے ضمن میں مختصر اور جامع نوٹ لکھے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم انہیں نقل کردیں۔ اس سے قاری کو ایک مربوط اور منضبط تحریر کے ذریعے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت مل جائے گی۔ سید مودودیؒ سورہ آل عمران کی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> اصل میں لفظ "متوفیک" استعمال ہوا ہے۔ توفی کے اصل معنی لینے اور وصول کرنے کے ہیں۔ "روح قبض کرنا" اس لفاظ کا مجازی استعمال ہے نہ کہ اصل لغوی معنی۔ یہاں یہ لفظ انگریزی لفظ (To recall) کے معنی میں مستعمل ہوا ہے، یعنی کسی عہدہ دار کو اس کے منصب سے واپس بلا لینا۔ چونکہ بنی اسرائیل صدیوں سے مسلسل نافرمانیاں کر رہے تھے، بار بار کی تنبیہوں اور فہمائشوں کے باوجود ان کی قومی روش بگڑتی ہی چلی جارہی تھی، پے درپے کئی انبیاء کو قتل کر چکے تھے اور ہر اس بندۂ صالح کے خون کے پیاسے ہوجاتے تھے جو نیکی اور راستی کی طرف انہیں دعوت دیتا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت تمام کرنے اور انہیں ایک آخری موقع دینے کے لئے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام جیسے دو جلیل القدر پیغمبروں کو بیک وقت مبعوث کیا جن کے ساتھ مامور من اللہ ہونے کی ایسی کھلی کھلی نشانیاں تھیں کہ ان سے انکار صرف وہی لوگ

Marfat.com

کر سکتے تھے جو حق و صداقت سے انتہا درجہ کا عناد رکھتے ہوں اور حق کے مقابلہ میں جن کی جسارت و بے باکی حد کو پہنچ چکی ہو۔ مگر بنی اسرائیل نے اس آخری موقع کو بھی ہاتھ سے کھو دیا اور صرف اتنا ہی نہ کیا کہ ان دونوں پیغمبروں کی دعوت رد کر دی' بلکہ ان کے رئیس نے علی الاعلان حضرت یحییٰ جیسے بلند پایہ انسان کا سر ایک رقاصہ کی فرمائش پر قلم کرا دیا' اور ان کے علماء و فقہا نے سازش کر کے حضرت عیسیٰ کو رومی سلطنت سے سزائے موت دلوانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کی فہمائش پر مزید وقت اور قوت صرف کرنا بالکل فضول تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو واپس بلا لیا اور قیامت تک کے لئے بنی اسرائیل پر ذلت کی زندگی کا فیصلہ لکھ دیا۔

یہاں یہ بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ قرآن کی یہ پوری تقریر دراصل عیسائیوں کے عقیدۂ الوہیت مسیح کی تردید و اصلاح کے لئے ہے۔ اور عیسائیوں میں اس عقیدہ کے پیدا ہونے کے اہم ترین اسباب تین تھے :

(۱) حضرت مسیح کی اعجازی ولادت۔

(۲) ان کے صریح محسوس ہونے والے معجزات۔

(۳) ان کا آسمان کی طرف اٹھایا جانا جس کا ذکر صاف الفاظ میں ان کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

قرآن نے پہلی بات کی تصدیق کی اور فرمایا کہ مسیح کا بے باپ پیدا ہونا محض اللہ کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ اللہ جس کو جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ یہ غیر معمولی طریق پیدائش ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مسیح خدا تھا یا خدائی میں کچھ بھی حصہ رکھتا تھا۔

دوسری بات کی بھی قرآن نے تصدیق کی اور خود مسیح کے معجزات ایک ایک کر کے گنائے' مگر بتا دیا کہ یہ سارے کام اس نے اللہ کے اذن سے کیے تھے' بااختیار خود کچھ بھی نہیں کیا' اس لئے ان میں سے بھی کوئی

Marfat.com

بات ایسی نہیں ہے جس سے تم یہ نتیجہ نکالنے میں کچھ بھی حق بجانب ہو کہ مسیح کا خدائی میں کوئی حصہ تھا۔

اب تیسری بات کے متعلق اگر عیسائیوں کی روایت سرے سے بالکل ہی غلط ہوتی تب تو ان کے عقیدۂ الوہیت مسیح کی تردید کے لئے ضروری تھا کہ صاف صاف کہہ دیا جاتا کہ جسے تم الٰہ اور ابن اللہ بنا رہے ہو وہ مر کر مٹی میں مل چکا ہے' مزید اطمینان چاہتے ہو تو فلاں مقام پر جا کر اس کی قبر دیکھ لو۔ لیکن ایسا کرنے کے بجائے قرآن صرف یہی نہیں کہ ان کی موت کی تصریح نہیں کرتا' اور صرف یہی نہیں کہ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو زندہ اٹھائے جانے کے مفہوم کا کم از کم احتمال تو رکھتے ہی ہیں' بلکہ عیسائیوں کو الٹا یہ اور بتا دیتا ہے کہ مسیح سرے سے صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے' یعنی وہ جس نے آخری وقت میں "ایلی ایلی لما شبقتانی" کہا تھا اور وہ جس کی صلیب پر چڑھی ہوئی حالت کی تصویر تم لئے پھرتے ہو وہ مسیح نہ تھا' مسیح کو تو اس سے پہلے ہی خدا نے اٹھا لیا تھا۔

اس کے بعد جو لوگ قرآن کی آیات سے مسیح کی وفات کا مفہوم نکالنے کی کوشش کرتے ہیں وہ دراصل یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ میاں کو صاف سلجھی ہوئی عبارت میں اپنا مطلب ظاہر کرنے تک کا سلیقہ نہیں ہے۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔

آیت میں انکار کرنے والوں سے مراد یہودی ہیں جن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایمان لانے کی دعوت دی اور انہوں نے اسے رد کر دیا۔ بخلاف اس کے پیروی کرنے والوں سے مراد اگر صحیح پیروی کرنے والے ہوں تو وہ صرف مسلمان ہیں' اور اگر اس سے مراد فی الجملہ آنجناب کے ماننے والے ہوں تو ان میں عیسائی اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔[۱۹۸]

سورہ نساء کی آیت ۱۵۷ کے تحت لکھتے ہیں:

یہ آیت تصریح کرتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر

Marfat.com

چڑھائے جانے سے پہلے اٹھا لیے گئے تھے اور یہ کہ مسیحوں اور یہودیوں، دونوں کا یہ خیال کہ مسیح نے صلیب پر جان دی، محض غلط فہمی پر مبنی ہے۔ قرآن اور بائبل کے بیانات کا متقابل مطالعہ کرنے سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ غالبا پیلاطس کی عدالت میں تو پیشی آپ ہی کی ہوئی تھی، مگر جب وہ سزائے موت کا فیصلہ سنا چکا اور جب یہودیوں نے مسیح جیسے پاک نفس انسان کے مقابلہ میں ایک ڈاکو کی جان کو زیادہ قیمتی ٹھہرا کر اپنی حق دشمنی و باطل پسندی پر آخری مہر بھی لگا دی، تب اللہ تعالیٰ نے کسی وقت آنجناب کو اٹھا لیا۔ بعد میں یہودیوں نے جس شخص کو صلیب پر چڑھایا وہ آپ کی ذات مقدس نہ تھی بلکہ کوئی اور شخص تھا جس کو نہ معلوم کس وجہ سے ان لوگوں نے عیسیٰ ابن مریم سمجھ لیا۔ تاہم ان کا جرم اس سے کم نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس کو انہوں نے کانٹوں کا تاج پہنایا، جس کے منہ پر تھوکا اور جسے ذلت کے ساتھ صلیب پر چڑھایا اس کو وہ عیسیٰ ابن مریم ہی سمجھ رہے تھے۔ اب یہ معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ معاملہ کس طرح ان کے لیے مشتبہ ہوگیا۔ چونکہ اس باب میں کوئی یقینی ذریعہ معلومات نہیں ہے اس لئے مجرد قیاس و گمان اور افواہوں کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس شبہ کی نوعیت کیا تھی جس کی بنا پر یہودی یہ سمجھے کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو صلیب دی ہے درآں حالے کہ عیسیٰ ابن مریم ان کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ (۱۹۹)

ان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ کی وضاحت کرتے ہوئے سید مودودی لکھتے ہیں:

اختلاف کرنے والوں سے مراد عیسائی ہیں۔ ان میں مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے پر کوئی ایک متفق علیہ قول نہیں ہے بلکہ بیسیوں اقوال ہیں جن کی کثرت خود اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اصل حقیقت ان کے لئے بھی مشتبہ ہی رہی۔ ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ صلیب پر جو

Marfat.com

شخص چڑھایا گیا وہ مسیح نہ تھا بلکہ مسیح کی شکل میں کوئی اور تھا جسے یہودی اور رومی سپاہی ذلت کے ساتھ صلیب دے رہے تھے اور مسیح وہیں کسی جگہ کھڑا ان کی حماقت پر ہنس رہا تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ صلیب پر چڑھایا تو مسیح ہی کو گیا تھا مگر ان کی وفات صلیب پر نہیں ہوئی بلکہ اتارے جانے کے بعد ان میں جان تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ انہوں نے صلیب پر وفات پائی اور پھر وہ جی اٹھے اور کم و بیش دس مرتبہ اپنے مختلف حواریوں سے ملے اور باتیں کیں۔ کوئی کہتا ہے کہ صلیب کی موت مسیح کے جسم انسانی پر واقع ہوئی اور وہ دفن ہوا مگر الوہیت کی روح جو اس میں تھی وہ اٹھا لی گئی۔ اور کوئی کہتا ہے کہ مرنے کے بعد مسیح علیہ السلام جسم سمیت زندہ ہوئے اور جسم سمیت اٹھائے گئے۔ ظاہر ہے کہ اگر ان لوگوں کے پاس حقیقت کا علم ہوتا تو اتنی مختلف باتیں ان میں مشہور نہ ہوتیں۔(۲۰۰)

اٹھائے جانے کی توضیح کرتے ہوئے سید لکھتے ہیں:

یہ اس معاملہ کی اصل حقیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے۔ اس میں جزم اور صراحت کے ساتھ جو چیز بتائی گئی ہے وہ صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح کو قتل کرنے میں یہودی کامیاب نہیں ہوئے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اب رہا یہ سوال کہ اٹھا لینے کی کیفیت کیا تھی، تو اس کے متعلق کوئی تفصیل قرآن میں نہیں بتائی گئی۔ قرآن نہ اس کی تصریح کرتا ہے کہ اللہ ان کو جسم و روح کے ساتھ کرۂ زمین سے اٹھا کر آسمانوں پر کہیں لے گیا اور نہ یہی صاف کہتا ہے کہ انہوں نے زمین پر طبعی موت پائی اور صرف ان کی روح اٹھائی گئی۔ اس لئے قرآن کی بنیاد پر نہ تو ان میں سے کسی ایک پہلو کی قطعی نفی کی جاسکتی ہے اور نہ اثبات۔ لیکن قرآن کے انداز بیان پر غور کرنے سے یہ بات بالکل نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے کہ اٹھائے جانے کی نوعیت و کیفیت خواہ کچھ بھی ہو، بہرحال مسیح علیہ السلام کے ساتھ اللہ نے کوئی ایسا معاملہ

Marfat.com

ضرور کیا ہے جو غیر معمولی نوعیت کا ہے۔ اس غیر معمولی پن کا اظہار تین چیزوں سے ہوتا ہے:

ایک یہ کہ عیسائیوں میں مسیح علیہ السلام کے جسم و روح سمیت اٹھائے جانے کا عقیدہ پہلے سے موجود تھا اور ان اسباب میں سے تھا جن کی بنا پر ایک بہت بڑا گروہ الوہیت مسیح کا قائل ہوا ہے' لیکن اس کے باوجود قرآن نے نہ صرف یہ کہ اس کی صاف صاف تردید نہیں کی بلکہ بعینہ وہی "رفع" (Ascension) کا لفظ استعمال کیا جو عیسائی اس واقعہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ کتاب مبین کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کسی خیال کی تردید کرنا چاہتی ہو اور پھر ایسی زبان استعمال کرے جو اس خیال کو مزید تقویت پہنچانے والی ہو۔

دوسرے یہ کہ اگر مسیح علیہ السلام کا اٹھایا جانا ویسا ہی اٹھایا جانا ہوتا جیسا کہ ہر مرنے والا دنیا سے اٹھایا جاتا ہے' یا اگر اس رفع سے مراد محض درجات و مراتب کی بلندی ہوتی جیسے حضرت ادریس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ رفعناہ مکانا علیا تو اس مضمون کو بیان کرنے کا انداز یہ نہ ہوتا جو ہم یہاں دیکھ رہے ہیں۔ اس کو بیان کرنے کے لئے زیادہ مناسب الفاظ یہ ہوسکتے تھے کہ "یقیناً انہوں نے مسیح کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو زندہ بچالیا اور پھر طبعی موت دی۔ یہودیوں نے اس کو ذلیل کرنا چاہا تھا مگر اللہ نے اس کو بلند درجہ عطا کیا۔"

تیسرے یہ کہ اگر یہ رفع ویسا ہی معمولی قسم کا رفع ہوتا جیسے ہم محاورہ میں کسی مرنے والے کو کہتے ہیں کہ اسے اللہ نے اٹھا لیا تو اس کا ذکر کرنے کے بعد یہ فقرہ بالکل غیر موزوں تھا کہ "اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے"۔ یہ تو صرف کسی ایسے واقعہ کے بعد ہی موزوں و مناسب ہوسکتا ہے جس میں اللہ کی قوت قاہرہ اور اس کی حکمت کا غیر معمولی ظہور ہوا ہو۔

اس کے جواب میں قرآن سے اگر کوئی دلیل پیش کی جاسکتی ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ صرف یہ ہے کہ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے متوفیک کا لفظ استعمال کیا ہے (آیت ۵۵) لیکن جیسا کہ وہاں ہم حاشیہ نمبر ۵۱ میں واضح کرچکے ہیں' یہ لفظ طبعی موت کے معنی میں صریح نہیں ہے بلکہ قبض روح' اور قبض روح و جسم' دونوں پر دلالت کرسکتا ہے۔ لہٰذا یہ ان قرائن کو ساقط کردینے کے لئے کافی نہیں ہے جو ہم نے اوپر بیان کیے ہیں۔ بعض لوگ جن کو مسیح کی طبعی موت کا حکم لگانے پر اصرار ہے سوال کرتے ہیں کہ توفی کا لفظ قبض روح و جسم پر استعمال ہونے کی کوئی اور نظیر بھی ہے؟ لیکن جب کہ قبض روح و جسم کا واقعہ تمام نوع انسانی کی تاریخ میں پیش ہی ایک مرتبہ آیا ہو تو اس معنی پر اس لفظ کے استعمال کی نظیر پوچھنا محض ایک بے معنی بات ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ اصل لغت میں استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو ماننا پڑے گا کہ قرآن نے رفع جسمانی کے عقیدہ کی صاف تردید کرنے کے بجائے یہ لفظ استعمال کرکے ان قرائن میں ایک اور قرینہ کا اضافہ کردیا ہے جن سے اس عقیدہ کو الٹی مدد ملتی ہے' ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ موت کے صریح لفظ کو چھوڑ کر وفات کے محتمل المعنیین لفظ کو ایسے موقع پر استعمال کرتا جہاں رفع جسمانی کا عقیدہ پہلے سے موجود تھا اور ایک فاسد اعتقاد' یعنی الوہیت مسیح کے اعتقاد کا موجب بن رہا تھا۔ پھر رفع جسمانی کے اس عقیدے کو مزید تقویت ان کثیر التعداد احادیث سے پہنچتی ہے جو قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے دوبارہ دنیا میں آنے اور دجال سے جنگ کرنے کی تصریح کرتی ہیں (تفسیر سورہ احزاب کے ضمیمہ میں ہم نے ان احادیث کو نقل کردیا ہے) ان سے حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی تو قطعی طور پر ثابت ہے۔ اب یہ ہر شخص خود دیکھ سکتا ہے کہ ان کا مرنے کے بعد دوبارہ اس دنیا میں آنا زیادہ قرین قیاس ہے یا زندہ کہیں خدا

Marfat.com

کی کائنات میں موجود ہونا اور پھر واپس آنا؟[۲۰۱]

رفع کے ساتھ قرآن ایک اور دعویٰ بھی کرتا ہے کہ مسیحؑ کی موت سے پہلے اہل کتاب میں سے ہر شخص ان پر ایمان لائے گا۔ قرآن کے الفاظ ہیں و ان من اھل الکتاب لیومنن بہ قبل موتہ" سید مودودیؒ اس فقرے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اس فقرے کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں اور الفاظ میں دونوں کا یکساں احتمال ہے۔ ایک معنی وہ جو ہم نے ترجمہ میں اختیار کیے ہیں۔ دوسرے یہ کہ "اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے مسیح پر ایمان نہ لے آئے۔" اہل کتاب سے مراد یہودی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ عیسائی بھی ہوں۔ پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ مسیح کی طبعی موت جب واقع ہوگی اس وقت جتنے اہل کتاب موجود ہوں گے وہ سب ان پر (یعنی ان کی رسالت پر) ایمان لا چکے ہوں گے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ تمام اہل کتاب پر مرنے سے عین قبل رسالت مسیح کی حقیقت منکشف ہوجاتی ہے اور وہ مسیح پر ایمان لے آتے ہیں، مگر یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ ایمان لانا مفید نہیں ہو سکتا۔ دونوں معنی متعدد صحابہ، تابعین اور اکابر مفسرین سے منقول ہیں اور صحیح مراد صرف اللہ ہی کے علم میں ہے۔[۲۰۲]

منکرین دعوت کا انجام

گزشتہ صفحات سے واضح ہوگیا ہوگا کہ بنی اسرائیل نے مسیح کی دعوت کا نہ صرف انکار کیا بلکہ مسیح کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ سنت اللہ کے مطابق مسیح بچا لیے گئے اور بنی اسرائیل کی تباہی کے آثار شروع ہوگئے۔ اقدام قتل کے واقعہ کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ یہودیوں اور رومیوں کے درمیان سخت کشمکش شروع ہوگئی اور ۶۴ء سے ۶۶ء کے درمیان یہودیوں نے کھلی بغاوت کردی اور ہیرودا گرپا ثانی، اور رومی

Marfat.com

پروکیوریٹر فلورس دونوں اس بغاوت کو فرو کرنے میں ناکام ہو گئے۔ آخر کار رومی سلطنت نے ایک سخت فوجی کارروائی سے اس بغاوت کو کچل ڈالا اور ۷۰ء میں ٹیٹیس نے بزور شمشیر یروشلم فتح کر لیا۔ اس موقع پر قتل عام میں ایک لاکھ ۳۳ ہزار آدمی مارے گئے، ۶۷ ہزار آدمی گرفتار کر کے غلام بنائے گئے، ہزارہا آدمی پکڑ پکڑ کر مصری کانوں میں کام کرنے کے لئے بھیج دیئے گئے، ہزاروں آدمیوں کو پکڑ کر مختلف شہروں میں بھیجا گیا تاکہ ایمفی تھیٹروں اور کلوسیموں میں ان کو جنگلی جانوروں سے پھڑوانے یا شمشیر زنوں کے کھیل کا تختہ مشق بننے کے لئے استعمال کیا جائے۔ تمام دراز قامت اور حسین لڑکیاں فاتحین کے لئے چن لی گئیں اور یروشلم کے شہر اور ہیکل کو مسمار کر کے پیوند خاک کردیا گیا اور اس کے بعد فلسطین سے یہودی اثر و اقتدار ایسا مٹا کہ دو ہزار برس تک اس کو پھر سر اٹھانے کا موقعہ نہ ملا۔ اور یروشلم کا ہیکل مقدس پھر کبھی تعمیر نہ ہو سکا۔ بعد میں قیصر ہیڈریانؒ نے اس شہر کو دوبارہ آباد کیا مگر اب اس کا نام ایلیا تھا اور اس میں مدتہائے دراز تک یہودیوں کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔(۲۰۳)

قرآن مجید کے مطابق بنی اسرائیل اپنے جرائم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی لعنت کی مستحق ہوئی۔ یہ لعنت کئی حوالوں سے مذکور ہوئی ہے۔ اس میں ایک حوالہ ایسا بھی ہے جس میں مسیح کا ذکر ہے۔ مسیح نے بھی ان پر لعنت کی جس کا سبب ان کا کفر اور مسیح کی دعوت کا انکار تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:

لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داود و عیسی ابن مریم ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون(۲۰۴)

جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داوٗد اور عیسیٰ ابن مریمؑ کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لئے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کئے جاتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے نئے دور کا آغاز ہوا تو امکان تھا کہ یہود اپنی روش بدلیں مگر انہوں نے اپنے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور آپ کے خلاف بھی

اسی طرح سازشوں میں مصروف ہو گئے جس طرح انبیاء سابقین کے سلسلے میں کر چکے تھے اور یوں مغضوب ملعون ٹھہرے۔

مسیح کی دعوت اور موجودہ عیسائیت

اب تک جو کچھ پیش کیا گیا ہے اس کا بنیادی فریم ورک قرآن ہے۔ دیگر معلومات کی تائید کی ہے یا اختلافی نقطہ نظر کی ہے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم عیسائی نقطہ نظر سے مسیح کی دعوت کا جائزہ لیں۔ عیسائیت دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے اور اس کے تبلیغی مشن دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں اور اس مشن میں مسیح کی شخصیت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ موجودہ مشنری سرگرمیاں جہاں مسیح کی شخصیت کے گرد منظم ہوتی ہیں وہاں بعض تصورات بھی ہیں جو ہر مسیحی مبلغ کے پیش نظر ہوتے ہیں اس لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مسیح کی تعلیمات کا مسیحی تصور کیا ہے؟ اور اس تصور کی حیثیت کیا ہے؟ آئندہ سطور میں ان کے بارے میں مختصر بات کریں گے۔

مسیح کا نیا امیج

ہم اس پر مفصل بحث کر آئے ہیں کہ مسیح کی حیثیت بنی اسرائیل کے ایک مصلح اور پیغمبر کی تھی وہ یہودیوں کو ان کی اخلاقی پستی سے نکال کر ایک با اخلاق اور صالح قوم بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی دعوت میں تعمیر سیرت پر زور دیا تھا اور انفرادی و اجتماعی اصلاح کے لئے کوشاں رہے۔ وہ شعوری طور پر تعمیر اخلاق کے پروگرام پر عمل پیرا تھے اور اس ابتدائی مرحلے میں حکومت وقت سے ہر قسم کے تصادم سے گریز کر رہے تھے کیونکہ قبل از وقت تصادم اصلاحی کام کو نقصان پہنچاتا ہے لیکن یہودی مذہبی قیادت انہیں اس تصادم کی راہ پر لانا چاہتی تھی تاکہ انہیں اس میں پھنسا کر اصلاحی پروگرام کو ختم کیا جاسکے۔ لوقا ہمیں بتاتے ہیں کہ فقیہ اور سردار کاہن انہیں پکڑنے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وہ اس کی تاک میں لگے اور جاسوس بھیجے کہ راستباز بن کر اس کی کوئی

Marfat.com

بات پکڑیں تاکہ اس کو قبضہ اور اختیار میں دے دیں۔ انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اے استاد ہم جانتے ہیں کہ تیرا کلام اور تعلیم درست ہے اور تو کسی کی طرفداری نہیں کرتا بلکہ سچائی سے خدا کی راہ کی تعلیم دیتا ہے۔ ہمیں قیصر کو خراج دینا روا ہے یا نہیں؟ اس نے ان کی مکاری معلوم کر کے ان سے کہا: ایک دینار مجھے دکھاؤ اور اس پر کس کی صورت اور نام ہے؟ انہوں نے کہا قیصر کا۔ اس نے ان سے کہا پس جو قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو۔ وہ لوگوں کے سامنے اس قول کو نہ پکڑ سکے بلکہ اس کے جواب سے متعجب ہو کر چپ ہو گئے۔(۲۰۵)

تصادم سے بچنے کی یہ وقتی پالیسی آپ کے ارشادات سے ظاہر ہے۔ آپ سے منقول ہے:

میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لینے دے۔(۲۰۶)

مسیح کی اس وقتی حکمت عملی کو ان کی شخصیت کا مستقل اختصاص قرار دیا گیا ہے اور اس سے دین و دنیا کی تفریق' رہبانیت کی ترویج جیسے فکر و عمل کے زاویے تراش لئے گئے۔

الوہیت مسیح

مسیح جو ایک پیغمبر و مصلح تھے خدائی صفات سے متصف کر کے ابن اللہ قرار دیا اور تثلیث کا ایک اہم عنصر مانا۔ باقی دو عناصر باپ اور روح القدس ہیں۔ مسیح نے کہیں اپنے آپ کو ابن اللہ نہیں کہا وہ اکثر اپنے آپ کو ابن آدم کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ یہ سینٹ پال جس نے اعلان کیا کہ واقعہ رفع کے وقت اسی فعل رفع کے ذریعے یسوع کو پورے اختیارات کے ساتھ ابن اللہ کے مرتبہ پر علانیہ فائز کیا گیا۔ مسیح کی معجزاتی پیدائش میں اللہ کے کلمہ کو خاص فلسفیانہ رنگ میں بیان کر کے تثلیث کی

Marfat.com

صورت گری کی گئی۔ یوحنا کی انجیل کی ابتدائی آیات نے مسیح کی الوہیت کے لیے بنیاد فراہم کی۔ یوحنا لکھتے ہیں :

ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر نہیں پیدا ہوئی۔(۲۰۷)

مسیح کی الوہیت موجودہ عیسائیت کا سنگ بنیاد ہے۔ عقلمند سے عقلمند عیسائی بھی الوہیت مسیح کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار نہیں کرتا۔ عیسائیوں نے مسیح کے حوالے سے جو عقیدہ ترتیب دیا ہے اس کے چار اجزاء ہیں۔

حلول' Incarnation

مصلوبیت' Crucifixion

مسیح کا جی اٹھنا' Resurrection

کفارہ' Atonement / Redemption

مسیح کا یہ نیا امیج ہے جس نے عیسائیت کو ایک نئے مذہب کی صورت عطا کی ہے۔ ورنہ مسیح کی حقیقی شخصیت بنی اسرائیل کے ایک نبی کی ہے۔ اور ان کی دعوت شریعت موسوی کی تجدید و احیاء پر مبنی تھی۔ وہ خود کہتے ہیں "کہ یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں' منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔"(۲۰۸)

مسیح نے شریعت موسویہ کی تکمیل کی ہے اور اس میں رحمت و شفقت کے پہلوؤں کا اضافہ کیا ہے جسے پیروان مسیح نے ایک مستقل مذہب کی حیثیت دے دی' مسیح کی الوہیت کی واضح بات سینٹ پال کے ہاں ملتی ہے۔ وہ فلپیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے :

اس (مسیح) نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا بلکہ اپنے آپ کو خالی کردیا اور خادم کی صورت اختیار کی اور انسانوں کے مشابہ ہوگیا اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو

Marfat.com

پست کردیا اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی۔ اسی واسطے خدا نے بھی اسے بہت سربلند کیا اور اسے وہ نام بخشا جو سب ناموں سے اعلیٰ ہے تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا جھکے۔ خواہ آسمانوں کا ہو خواہ زمینوں کا خواہ ان کا جو زمین کے نیچے ہیں اور خدا باپ کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے۔[۲۰۹]

کلیسوں کے نام خط میں پال لکھتا ہے:

کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئی' آسمان کی ہوں یا زمین کی۔ دیکھی ہوں یا ان دیکھی۔ تخت ہوں یا ریاستیں یا حکومتیں یا اختیارات سب چیزیں اس کے وسیلہ سے اور اسی کے واسطے پیدا ہوئی ہیں۔ وہ سب چیزوں سے پہلے ہے اور اسی میں سب چیزیں قائم رہتی ہیں۔[۲۱۰]

آگے چل کر لکھتا ہے:

کیونکہ الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے۔[۲۱۱]

پال سے مسیح کے لئے کوئی ایسا لفظ یا عبارت نہیں استعمال ہوئی جس سے الوہیت یا تجسم کے معنی نکالے جاسکیں یہ پال ہی ہے جس نے مسیح کا نیا امیج پیش کیا۔

عقیدہ کفارہ

مسیح کی شخصیت کے حوالے ایک اہم عقیدہ کفارہ کا ہے اگرچہ کیتھولک علماء بھی یہ کہنے لگے ہیں کہ بائبل میں اس عقیدے کی کوئی بنیاد موجود نہیں۔ اس کے باوجود پیدائشی گناہ اور اس کے لئے مسیح کی قربانی کا تصور پچھلے ڈیڑھ ہزار سال سے عیسائیت کے بنیادی عقیدہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس تصور کی اساس بھی ہمیں پال ہی کے ہاں ملتی ہے۔ پال رومیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

پس جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب سے موت آئی اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی۔ اس لئے کہ سب نے گناہ کیا کیونکہ شریعت کے دیئے جانے تک دنیا میں گناہ تو تھا

Marfat.com

مگر جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا۔ تو بھی آدم سے لے کر موسیٰ موت نے ان پر بادشاہی کی، جنہوں نے اس آدم کی طرح جو آنے والا کا مثیل تھا گناہ نہ کیا تھا۔ لیکن گناہ کا جو حال ہے وہ فضل کی نعمت کا نہیں کیونکہ جب ایک شخص کے گناہ سے بہت سے آدمی مر گئے تو خدا کا فضل اور اس کی جو بخشش ایک ہی آدمی یعنی یسوع مسیح کے فضل سے پیدا ہوئی بہت سے آدمیوں پر ضرور ہی افراط سے نازل ہوئی۔ اور جیسا کہ ایک شخص کے گناہ کرنے کا انجام ہوا بخشش کا ویسا حال نہیں کیونکہ ایک ہی سبب سے وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ سزا کا حکم تھا۔ مگر بہتیرے گناہوں سے ایسی نعمت پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ راستباز ٹھہرے۔ کیونکہ جب ایک شخص کے گناہ کے سبب سے موت نے اس ایک کے ذریعہ سے بادشاہی کی تو جو لوگ فضل اور راستبازی کی بخشش افراط سے حاصل کرتے ہیں وہ ایک شخص یعنی یسوع مسیح کے وسیلہ سے ہمیشہ کی زندگی میں ضرور ہی بادشاہی کریں گے۔ غرض جیسا ایک گناہ کے سبب سے وہ فیصلہ ہوا جس کا نتیجہ سب آدمیوں کی سزا کا حکم تھا ویسا ہی راستبازی کے ایک کام کے وسیلہ سے سب آدمیوں کو وہ نعمت ملی جس سے راستباز ٹھہر کر زندگی پائیں۔ (۲۱۲)

پال اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جتنوں نے مسیح یسوع میں شامل کا بپتسمہ لیا تو اس کی موت میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا۔ پس موت میں شامل ہونے کے بپتسمہ کے وسیلہ سے ہم اس کے ساتھ دفن ہوئے تاکہ جس طرح مسیح باپ کے جلال کے وسیلہ سے مردوں میں سے جلایا گیا اسی طرح ہم بھی نئی زندگی میں چلیں کیونکہ جب ہم اس کی موت کی مشابہت سے اس کے ساتھ پیوستہ ہوگئے تو بے شک اس کے جی اٹھنے کی مشابہت سے بھی اس کے ساتھ پیوستہ ہوں گے۔ چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری

Marfat.com

پرانی انسانیت اس کے ساتھ اس لئے مصلوب کی گئی کہ گناہ کا بدن بیکار ہوجائے تاکہ ہم آگے کو گناہ کی غلامی میں نہ رہیں۔(۲۱۳)

محبت کی تعلیم

محبت کا تصور موجودہ مسیحی علم کلام کی بنیادی قدر ہے۔ "God is Love" ان کا مشہور جملہ ہے جو ہر مسیحی دہراتا ہے۔ یہی فقرہ ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی جان ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک خدا محبت ہے لہٰذا اس نے اپنا اکلوتا بیٹا انسانوں کے گناہوں کو دھونے کے لئے قربان کیا۔ یہ اس کی محبت کا تقاضا ہے کہ وہ ہمارے گناہ معاف کرے اور ہمیں نجات دے۔ انسان کو بھی خدا کی محبت کا مظہر ہونا چاہئے اسے اپنے پڑوسی سے محبت کرنی چاہئے اور انسانوں کی خدمت کرنی چاہئے جو خدائی محبت کا ثمر ہے۔ اس سلسلے میں اناجیل اربعہ میں سے وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جو محبت کا حکم دیتی ہیں۔ مثلاً متی لکھتے ہیں ایک عالم شرع نے مسیح کو آزمانے کے لئے ان سے پوچھا:

"اے استاد توریت میں کون سا حکم بڑا ہے۔ اس نے اس سے کہا کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے۔ اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ انہی دو حکموں پر توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا دارومدار ہے۔(۲۱۴)

متی مزید لکھتا ہے:

تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھو' جو تم پر لعنت کریں' ان کے لئے برکت چاہو جو تم سے نفرت کریں ان سے اچھا سلوک کرو' جو تمہیں ذلیل کریں اور تمہیں ستائیں ان کے لیے دعا مانگو تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بروں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے۔ کیونکہ اگر تم اپنے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو

Marfat.com

تو تمہارے لئے کیا اجر ہے؟۔ (۲۱۵)

لوقا کے مطابق مسیح نے کہا:

لیکن میں تم سننے والوں سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔ جو تم سے عداوت رکھیں ان کا بھلا کرو۔ جو تم پر لعنت کریں ان کے لئے برکت چاہو' جو تمہاری تحقیر کریں ان کے لئے دعا کرو۔ جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور جو تیرا چوغہ لے اس کو کرتہ لینے سے بھی منع نہ کر۔ جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے اور جو تیرا مال لے لے اس سے طلب نہ کر۔ اور جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں تم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی کرو۔ اگر تم اپنے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو تو تمہارا کیا احسان ہے؟ کیونکہ گنہگار بھی اپنے محبت رکھنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ اور اگر تم ان ہی کا بھلا کرو جو بھلا کریں تو تمہارا کیا احسان ہے؟ کیونکہ گنہگار بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور اگر تم ان ہی کو قرض دو جن سے وصول ہونے کی امید رکھتے ہو تو تمہارا کیا احسان ہے؟ گنہگار بھی گنہگاروں کو قرض دیتے ہیں تاکہ پورا وصول کریں۔ مگر تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور بھلا کرو اور بغیر ناامید ہوئے قرض دو تمہارا اجر بڑا ہوگا اور تم خدا تعالیٰ کے بیٹے ٹھہرو گے کیونکہ وہ ناشکروں اور بدوں پر بھی مہربان ہے۔ جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم بھی رحمدل ہو۔ (۲۱۶)

محبت مسیحی تعلیم کا اصل الاصول ہے اور ایک سچے مسیحی کو زندگی بھر محبت کا پرچار کرتے رہنا چاہئے۔ اس اصول کے تحت کسی حال میں بھی ظلم و تعدی اور جبرواستبداد کے مقابلے کے لئے قوت استعمال نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ اپنے حقوق سے خودبخود دستبردار ہوجانا چاہئے۔

آسمانی بادشاہت کا حصول

آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا ایک مسیحی کی معراج ہے۔ آسمانی بادشاہت ایک

خالص روحانی منزل ہے جس کا دنیا اور دنیوی معاملات سے کوئی تعلق بلکہ دنیا سے کلی مغایرت ہے۔ دنیوی زندگی کی آسائشیں ۔آسمانی بادشاہت میں دخول کے راستے میں رکاوٹ ہیں۔ لہٰذا ایک سچا مسیحی جو آسمانی بادشاہت کی آرزو رکھتا ہے اسے دنیوی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہئے۔ مسیح کے منقولہ ارشادات سے اس مغایرت کا اندازہ ہوتا ہے۔:

اے چھوٹے گلے نہ ڈر' کیونکہ تمہارے باپ کو پسند آیا کہ تمہیں بادشاہت دے۔ اپنا مال اسباب بیچ کر خیرات کردو اور اپنے لئے ایسے بٹوے بنواؤ جو پرانے نہیں ہوتے یعنی آسمان پر ایسا خزانہ جو خالی نہیں ہوتا۔(۲۱۷)

میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔(۲۱۸)

اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا ہم کیا کھائیں گے یا کیا پیئں گے؟ اور نہ اپنے بدن کی کیا کہ کیا پہنیں گے؟ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں۔ نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کرکے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے۔ اور پوشاک کے لئے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں۔ تو بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان و شوکت ان میں کسی کی مانند ملبس نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم

اعتقادو تم کو کیوں نہ پہنائے گا؟ اس لئے فکر مند ہو کر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے' کیا پئیں گے۔ (۲۱۹)

اگر کوئی شخص میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور اولاد اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی نفرت نہ رکھے تو وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔ (۲۲۰)

مسیح کی اس تعلیم کو خود مسیحی جس رنگ میں پیش کرتے ہیں اس کا اندازہ ریورنڈ ڈو میلیو (Rev. Dumellew) کے مندرجہ ذیل بیان سے ہو سکتا ہے:

"مسیح نے انسانی سیرت کے لئے وہ طرز پسند کیا جو بڑی حد تک دنیا کے پسند کئے ہوئے طرز سے مختلف ہے۔ خودداری کی بجائے فروتنی' اپنے حقوق پر جمے رہنے کی بجائے بدی کے آگے سر جھکا دینا اور وسعت طلبی کی جگہ قناعت' شرافت' عجز' صبر' ہمدردی' مصیبت میں خوش ہونا' درد سے راحت حاصل کرنا' یہ دنیا کو مسیحیت کے عطایا ہیں...... مگر ایک مسیحی کیریکٹر کی سب سے زیادہ جامع تعریف غالباً" یہ ہے کہ وہ ایک یکسو آدمی ہوتا ہے۔ وہ ایک پاؤں دنیا میں اور دوسرا دین (چرچ) میں نہیں رکھ سکتا۔ وہ ایک ہی وقت میں خدا اور متاع دنیا دونوں کی خدمت نہیں کر سکتا...... مسیح کے نزدیک دنیا کے پاس انسان کو اپنی خدمت پر مجبور کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ دولت ہے لہٰذا ایک مسیحی بننے کے لئے پہلی اور ضروری شرط یہ ہے کہ انسان دولت سے بے تعلق ہو جائے۔ (۲۲۱)

ہمارے پیش نظر دعوت کے ان اصولوں کا تنقیدی جائزہ نہیں ہے تاہم سید مودودی کے تنقیدی جائزہ کی چند سطور کا مطالعہ مفید ہو گا۔ وہ لکھتے ہیں:

ان اقوال سے صاف ظاہر ہے کہ آسمانی بادشاہت کی طرف لے جانے کے لئے مسیحیت جس ڈھنگ پر انسانی جماعت کی تربیت کرنا چاہتی ہے وہ تمدن اور تہذیب کے کامل انقطاع پر مبنی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ خاندانی تعلقات تمدنی زندگی کی بنیاد ہیں۔ جماعت سے انسان کا ابتدائی تعلق اپنے

Marfat.com

رشتہ داروں ہی کے واسطہ سے ہوتا ہے۔انہی کے باہمی روابط سے ہیئت اجتماعی کی تشکیل ہوتی ہے اور درحقیقت انسان کے لئے اخلاق کی بہترین درسگاہ بھی یہی ہے مگر مسیح کے تیشہ کا سب سے پہلا وار اسی اصل الاصول پر پڑتا ہے اور وہ سب سے پہلے اس رشتہ کو کاٹ دیتا ہے جو آدمی کو سوسائٹی سے منسلک کئے ہوئے ہے۔(۲۲۲)

نجات کا تصور

نجات کا تصور مسیحی دعوت کا اہم ستون ہے۔ ہبوط آدم کی وجہ سے انسان ہر وقت گناہ کی حالت میں ہے اور اس حالت سے نکلنے کے لئے عمل نہیں فضل خداوندی کی ضرورت ہے اور وہ صرف اس صورت میں حاصل ہوسکتی ہے جب کوئی شخص مسیح کے نام پر بپتسمہ لے۔ اس اصطباغ کے ذریعہ وہ نئی زندگی حاصل کرے گا اور اصطباغ کے بعد وہ ہمیشہ فضل خداوندی کا محتاج رہے گا۔ اور فضل خداوندی کی یہ دائمی اعانت صرف کیتھولک کلیسا کے حوالے سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ نجات کے اس تصور کا عقیدہ کفارہ سے گہرا تعلق ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ عادل بھی ہے اور رحیم بھی اس لئے اس نے انسانوں کو گناہوں کے اثرات سے نجات دینے کے لئے خود اپنے بیٹے کو چنا اور اس کو انسانی جسم میں دنیا کے اندر بھیجا۔ اس نے یہ قربانی پیش کی کہ خود سولی پر چڑھ کر مرگیا اور اس کی موت تمام انسانوں کی طرف سے کفارہ ہوگئی اور اس کی وجہ سے تمام انسانوں کا نہ صرف اصلی گناہ معاف ہوگیا بلکہ انہوں نے اصلی گناہ کے سبب جتنے گناہ کئے تھے وہ بھی معاف ہوگئے۔(۲۲۳)

تصور نجات اور عقیدہ کفارہ کے لئے اناجیل کی جن عبارات کو استعمال کیا جاتا ہے وہ درج ذیل ہیں:

"اس کے بیٹا ہوگا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔"(۲۲۴)

Marfat.com

"فرشتے نے ان سے کہا . . . تمہارے لئے ایک منجی پیدا ہوا ہے یعنی مسیح خداوند" (۲۲۵)

"ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے۔(۲۲۶)

"ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ اس لئے کہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے فدیہ میں دے۔"(۲۲۷)

انہی جملوں کی تعبیرات سے کفارہ اور نجات کا تصور مستحکم ہوا ہے۔

شریعت کی منسوخی

ہم دیکھ چکے ہیں کہ مسیح نے واضح طور پر کہا کہ میں تورات کو منسوخ کرنے نہیں آیا بلکہ اس کی تکمیل کرنے آیا ہوں۔(۲۲۸) لیکن سینٹ پال نے شریعت موسوی کی تنسیخ کو بنیادی اصول قرار دیا ہے۔ گلتیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے :

مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔(۲۲۹)

وہ مزید لکھتا ہے :

ایمان کے آنے سے پیشتر شریعت کی ماتحتی میں ہماری نگہبانی ہوتی تھی اور اس ایمان کے آنے تک جو ظاہر ہونے والا تھا ہم اس کے پابند رہے پس شریعت مسیح تک پہنچانے کو ہمارا استاد بنی تاکہ ہم ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہریں۔ مگر جب ایمان آچکا تو ہم استاد کے ماتحت نہ رہے۔(۲۳۰)

وہ افسیوں کے نام خط میں لکھتا ہے :

چنانچہ اس نے اپنے جسم سے دشمنی یعنی وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور پر تھے موقوف کردی تاکہ دوں سے اپنے آپ میں ایک نیا انسان پیدا کرکے صلح کرادے۔(۲۳۱)

اور عبرانیوں کے نام خط میں لکھتا ہے۔

پس اگر بنی لاوی کی کہانت سے کاملیت حاصل ہوتی ہے (کیونکہ اسی کی ماتحتی میں امت کو شریعت ملی تھی) تو پھر کیا حاجت تھی کہ دوسرا کاہن ملک صدق کے طور پیدا ہو اور ہارون کے طریقہ کا نہ گنا جائے اور جب کہانت بدل گئی تو شریعت کا بدلنا بھی ضرور ہے۔ (۲۳۲)

گلتیوں کے نام خط میں وہ وضاحت سے کہتا ہے:

مگر میں کہتا ہوں کہ روح کے موافق چلو تو جسم کی خواہش کو ہرگز پورا نہ کرو گے کیونکہ جسم روح کے خلاف خواہش کرتا ہے اور روح جسم کے خلاف اور یہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں تاکہ جو تم چاہتے ہو وہ نہ کرو۔ اور اگر تم روح کی ہدایت سے چلتے ہو تو شریعت کے ماتحت نہیں رہے۔ (۲۳۳)

ان اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ پالؔ مسیحیت کو شریعت موسوی سے بالکل کاٹ دینا چاہتا ہے چنانچہ وہ شریعت موسوی کے تمام مظاہر کو ختم کرنے کے درپے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اب مسیحیت کی دعوت میں' محبت' ایمان اور روحانیت کی بات تو ہوتی ہے شریعت موسوی کی پیروی کا ذکر نہیں ہوتا۔

ختنہ کی منسوخی۔

شریعت موسوی سے قطع تعلق کا ایک اور مظہر ختنہ کی منسوخی ہے۔ ختنہ کا حکم ابراہیمؑ کے وقت سے چلا آرہا تھا۔ تورات میں ہے:

"اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے.... اور میرا عہد تمہارے جسم میں ابدی عہد ہوگا اور فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو' اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے گا کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا۔ (۲۳۴)

موسیٰ کو حکم ہوتا ہے:

Marfat.com

اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے۔(۲۳۵)

مسیح کا ختنہ بھی شریعت موسوی کے مطابق ہوا تھا۔(۲۳۶) مسیح سے کوئی ایسا حکم منقول نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہوگیا ہے۔ یہ سینٹ پال ہے جس نے ختنہ کے حکم کو منسوخ کردیا' وہ گلیتوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

"دیکھو میں پولس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تم کو کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ میں ہر ایک ختنہ کرانے والے شخص پر پھر گواہی دیتا ہوں کہ اسے تمام شریعت پر عمل کرنا فرض ہے۔ تم جو شریعت کے وسیلہ سے راستباز ٹھہرنا چاہتے ہو مسیح سے الگ ہوگئے اور فضل سے محروم۔ کیونکہ ہم روح کے باعث ایمان سے راستبازی کے منتظر ہیں اور مسیح یسوع میں نہ تو ختنہ کچھ کام کا ہے نہ نامختونی مگر ایمان جو محبت کی راہ سے اثر کرتا ہے۔(۲۳۷)

مندرجہ بالا بیانات سے واضح ہوگیا ہوگا کہ موجودہ عیسائیت کی دعوت کا تعلق مسیح کی ذات سے تو ضرور ہے لیکن ان کی تعلیمات سے نہیں پھر ان کی ذات کا جو امیج ہمیں موجودہ عیسائیت سے ملتا ہے وہ اس مسیح سے کلیتاً" مختلف ہے جو ہمیں یہودیوں کی اصلاح میں مصروف شخصیت میں ملتا ہے۔ موجودہ عیسائیت میں نہ صرف ان کی تعلیمات کو بدل دیا گیا ہے بلکہ ان کی شخصیت پر الوہیت کا ایسا خول چڑھا دیا گیا ہے کہ اصل مسیح ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتا۔

قرآنی تبصرہ

عیسائیت کی تعلیمات اور مسیح کے بارے میں ان کے تصورات کا تنقیدی جائزہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں کیونکہ ہم تقابل ادیان کی نہیں دعوت الی اللہ کی سرگرمیوں پر گفتگو کر رہے ہیں۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ اس تبصرے اور تنقیدی جائزے کو ضرور دیکھ لیا جائے جو مسیح اور ان کی تعلیمات کے موجودہ ڈھانچے پر قرآن

Marfat.com

نے پیش کیا ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ دعوت الی اللہ کی تاریخ میں مسیح کی بڑی اہمیت ہے اور ان کے ذاتی یا تعلیماتی تصور کا مسخ ہونا ایک المیہ ہے جس کی حقیقت سے آگاہ ہونا دعوت کے کارکن کے لئے بے حد اہم ہے۔ ہم یہاں نہایت سادہ انداز میں صرف وہی نکات پیش کریں گے جن کا تعلق قرآنی تنقید (Critique) سے ہے۔ مفصل بحثیں تقابل ادیان کی کتابوں میں یا تفسیری لٹریچر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ قرآن نے تین امور پر بحث کی ہے۔ عبدیت مسیح کا اثبات اور ابنیت کی نفی۔ تثلیث کا رد تحریف اور مصلوبیت کی نفی۔

عبدیت مسیح:

قرآن مجید نے اہتمام کے ساتھ مسیح کی عبدیت نبوت اور رسالت کا اظہار کیا ہے۔ قرآن پاک نے مسیح کی زبان سے عبدیت کا اعتراف بیان کیا۔ مھد میں ان کی گفتگو کو نقل کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

قال انی عبداللہ آتنی الکتب و جعلنی نبیا و جعلنی مبارکا اینما کنت و او صانی بالصلوۃ و الزکوۃ ما دمت حیا و برا بوالدتی و لم یجعلنی جبارا شقیا۔ والسلام علیٰ یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیا۔ (۲۳۸)

مسیح نے کہا میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے اور میں جہاں ہوں مجھے صاحب برکت بنایا ہے اور جب تک زندہ ہوں مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے اور مجھے اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے اور سرکش و بدبخت نہیں بنایا اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام اور رحمت ہے۔

سورہ الزخرف میں مسیح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ان ھو الا عبد انعمنا علیہ وجعلناہ مثلا لبنی اسرائیل و لو نشاء لجعلنا منکم ملائکۃ فی الارض یخلفون۔ و انہ لعلم للساعۃ فلا

Marfat.com

تمترن بها واتبعون هذا صراط مستقیم[۲۳۹]

وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا اور بنی اسرائیل کے لئے ان کو (اپنی قدرت کا) نمونہ بنا دیا اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے جو تمہاری جگہ زمین میں رہتے۔ اور وہ قیامت کی نشانی ہیں تو (کہہ دو کہ لوگو) اس میں شک نہ کرو اور میرے پیچھے چلو یہی سیدھا راستہ ہے۔

سورہ النساء میں فرمایا:

لن یستنکف المسیح ان یکون عبدا لله ولا الملئکة المقربون و من یستنکف عن عبادته و یستکبر فسیحشرهم الیه جمیعا[۲۴۰]

مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ خدا کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے اور جو شخص خدا کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو خدا سب کو اپنے پاس جمع کرلے گا۔

Marfat.com

الوہیت مسیح اور ابنیت مسیح کی نفی:

پال کی متعارف کردہ مسیحیت میں عیسیٰ کی الوہیت اور ابنیت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ تثلیث کا عقیدہ مسیحؑ کی ابنیت اور الوہیت ہی پر منحصر ہے۔ قرآن نے جہاں مسیح کی عبدیت کو ثابت کیا ہے وہاں ان کی ابنیت والوہیت کی نفی بھی کی ہے۔ قرآن کا اسلوب حسب معمول اعجاز و ایجاز کا نمونہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

لقد کفر الذین قالو ان الله هو المسیح ابن مریم قل فمن یملک من الله شیا ان اراد ان یهلک المسیح ابن مریم و امه و من فی الا رض جمیعا و لله ملک السموات والا رض وما بینهما یخلق ما یشاء والله علی کلی شئی قدیر۔[۲۴۱]

ان سے کہہ دو کہ اگر خدا عیسیٰ ابن مریم کو اوز ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کسی کی پیش چل سکتی ہے؟ اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر

خدا ہی کی بادشاہی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھوالمسیح بن مریم و قال المسیح یبنی اسرائیل اعبدوا اللہ ربی و ربکم انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماوٰہ النار و ما للظالمین من انصار (۲۴۲)

وہ لوگ بے شبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے مسیح خدا ہیں حالانکہ مسیح یہود سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل خدا ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی اور جان رکھو کہ جو شخص خدا کے ساتھ شرک کرے گا خدا اس پر بہشت کو حرام کردے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

و قالوا اتخذ اللہ ولدا سبحنہ بل لہ ما فی السموت والارض کل لہ قانتون (۲۴۳)

یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے (نہیں) وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمیں میں ہے سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں۔

بدیع السموات والارض انی یکون لہ ولد و لم تکن لہ صاحبۃ و خلق کل شئی و ھو بکل شئی علیم (۲۴۴)

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس کے اولاد کہاں سے ہو جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

و قالت الیھود عزیر ابن اللہ و قالت النصاری المسیح ابن اللہ ذلک قولھم بافواھھم یضاھؤن قول الذین کفروا من قبل قاتلھم اللہ انی یوفکون (۲۴۵)

یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح

Marfat.com

خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے یہ بھی انہیں کی ریس کرنے لگے ہیں۔ خدا ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔

جس طرح ابنیت اور الوہیت کی نفی کی ہے اسی طرح براہ راست تثلیث پر تنقید کی ہے۔ اسے خلاف عقل قرار دیتے ہوئے عیسائیوں کے غلو پر محمول کیا ہے۔ قرآن کی تنقید اور اس کا استدلال ملاحظہ فرمائیں:

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلا ثہ و ما من الہ الا الہ واحد و ان لم ینتھوا عما یقولون لیمسن الذین کفروا منھم عذاب الیم افلا یتوبون الی اللہ ویستغفرونہ و اللہ غفور رحیم ما المسیح بن مریم الا رسول قدخلت من قبلہ الرسل و امہ صدیقہ کانا یاکلان الطعام انظر کیف نبین لھم الایات ثم انظر انی یوفکون قل اتعبدون من دون اللہ مالا یملک لکم ضرا ولا نفعا واللہ ھوالسمیع العلیم (۲۴۶)

وہ لوگ کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے اقوال (و عقائد) سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں وہ تکلیف دینے والا عذاب پائیں گے۔ تو یہ کیوں خدا کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو صرف خدا کے پیغمبر تھے۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ بہت سچی عورت تھیں۔ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم ان لوگوں کے لئے اپنی آیتیں کس طرح کھول کر بیان کرتے ہیں پھر دیکھو کہ یہ کدھر الٹے جارہے ہیں۔ کہو کہ تم خدا کے سوا ایسی چیز کی کیوں پرستش کرتے ہو جس کو تمہارے نفع اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں اور خدا ہی سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

تثلیث پر تنقید کرنے اور اس کے خلاف دلائل دینے کے بعد آخر میں اہل کتاب کے غلو کا تذکرہ ہے جس میں لطیف اشارہ ہے کہ تثلیث اور الوہیت مسیح دراصل غلو ہی کا شاخسانہ ہے۔ مسیح کسے محبت و عقیدت نے انہیں مقام الوہیت پر فائز کردیا ہے۔ اہل مذہب کی انتہا پسندی و بے اعتدالی ہی بہت سی گمراہیوں کا باعث بنتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

قل یا اهل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق ولا تتبعوا اهواء قوم قد ضلوا من قبل و اضلوا کثیرا و ضلوا عن سواء السبیل (۲۴۷)

کہو کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو جو پہلے گمراہ ہوئے اور اکثروں کو بھی گمراہ کر گئے اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے۔

سورہ نساء میں بھی تثلیث پر کلام کیا گیا ہے لیکن وہاں اسلوب مختلف ہے۔ وہاں براہ راست حکم ہے کہ ایسا مت کہو کہ خدا تین ہیں اور ایسا کہنے سے باز آجاؤ۔ ایک اور فرق بھی ہے کہ یہاں آغاز ہی غلو کی نفی سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا اهل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وکلمته القها الی مریم و روح منه فامنوا باللہ و رسله ولا تقولوا ثلثة انتهوا خیرا لکم انما اللہ اله وحد سبحنه ان یکون له و لد له ما فی السموت و ما فی الارض و کفی باللہ وکیلا ۲۴۸

اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم خدا کے رسول اور اس کا کلمہ تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے تو خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں۔ ایسا کہنے سے باز آؤ کہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ خدا ہی معبود واحد ہے اور

Marfat.com

اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین ہے سب اسی کا ہے اور خدا ہی کارساز کافی ہے۔

مصلوبیت کی نفی

یہودیوں کا اصرار تھا کہ انہوں نے مسیح کو سولی پر چڑھا دیا اور عیسائیوں نے بھی اسے تسلیم کرلیا اور اسی پر اپنے علم کا تانا بانا بنا۔ قرآن نے واضح طور پر اس کا انکار کیا اور غیر مبہم انداز میں بیان کیا کہ مسیح کو سولی نہیں دی گئی اور وہ قتل بھی نہیں کئے گئے بلکہ انہیں اللہ نے دنیا سے اپنے ہاں اٹھا لیا۔ مسیحیت کی تنقید میں یہ زوردار موقف ہے قرآن مجید میں آیا ہے:

و قولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله و ما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم و ان الذين اختلفوا فيه لفى شك منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن و ما قتلوه يقينا بل رفعه الله اليه و كان الله عزيزا حكيما (۲۴۹)

اور خود کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کیا۔ حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا۔ اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس اس معاملے میں کوئی علم نہیں ہے محض گمان ہی کی پیروی ہے۔ انہوں نے مسیح کو یقین کے ساتھ قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے۔

قرآن نے مسیح کے رفع کو سورہ آل عمران (۲۵۰) میں بھی بیان کیا ہے اور اسے اپنی تدبیروں میں سے ایک تدبیر قرار دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے مطابق مسیح کو سولی چڑھانے کی یہودی عیسائی داستان ناقابل قبول ہے۔

تحریف

قرآن اگرچہ تورات و انجیل کی تصدیق کرتا ہے لیکن وہ موجودہ تورات و انجیل کی مکمل تصدیق کی بجائے منزل من اللہ تورات و انجیل کی تصدیق کرتا ہے۔ اور موجودہ تورات و انجیل کے اندر تحریف کی نشان دہی کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

یحرفون الکلم عن موا ضعه ونسوا حظا مما ذکروا به (۲۵۱)

اب ان کا حال یہ ہے کہ الفاظ کا الٹ پھیر کر کے بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں۔ اور جو تعلیم انہیں دی گئی تھی اس کا بڑا حصہ بھول چکے ہیں۔

قرآن مسلمانوں کو بتاتا ہے کہ ان سے توقعات نہ رکھو یہ تو اللہ کے کلام میں تحریف کرنے والے لوگ ہیں۔ فرمایا:

افتطمعون ان یومنو الکم وقد کان فریق منهم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونه من بعد ما عقلوه و هم یعلمون (۲۵۲)

اے مسلمانو! اب کیا تم ان لوگوں سے یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری دعوت پر ایمان لائیں گے حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کا یہ شیوہ رہا ہے کہ اللہ کا کلام سنا اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کی۔

ایک گروہ سے مراد ان کے علماء اور حاملین شریعت ہیں۔ کلام اللہ سے مراد تورات زبور اور دوسری کتابیں ہیں جو ان لوگوں کو ان کے انبیاء کے ذریعے سے پہنچیں۔ تحریف کا مطلب یہ ہے کہ بات کو اس کے اصل معنی و مفہوم سے پھیر کر اپنی خواہش کے مطابق کچھ دوسرے معنی پہنا دینا جو قائل کے منشا کے خلاف ہوں۔ نیز الفاظ میں تغیر و تبدیل کرنے کو بھی تحریف کہتے ہیں۔ علماء بنی اسرائیل نے یہ دونوں طرح کی تحریفیں کلام الٰہی میں کی ہیں۔ (۲۵۳)

قرآن نے تحریف کا ذکر بنی اسرائیل اور اہل کتاب کے حوالے سے کیا ہے۔ اس میں عیسائیوں کا بالخصوص ذکر نہیں تاہم تحریف کتاب کی جو روایت بنی اسرائیل میں تھی اسے علماء نصرانیت نے بھی جاری رکھا۔ مسلمان محققین نے انجیل میں تحریف کے سلسلے میں معتدبہ کام کیا ہے۔ مفصل معلومات کے لئے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی

Marfat.com

کتاب "اظہار الحق" کافی ہے۔ امام ابن تیمیہ نے "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" میں عیسائی علماء کی ان سرگرمیوں کو تفصیل سے بیان کیا جو دین کے نئے ایڈیشن کی تیاری میں انہوں نے روا رکھیں۔ قرآن کا ایک عمومی تبصرہ مندرجہ ذیل آیت میں ملاحظہ فرمائیں:

فویل للذین یکتبون الکتب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون (۲۵۴)

پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں اور پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کریں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لئے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی موجب ہلاکت۔

یہ بات اب ثابت ہوچکی ہے کہ موجودہ اناجیل میں مسیح کا کلام تو موجود ہے لیکن مکمل طور پر یہ وہ کلام نہیں ہے جو مسیح پر اتارا گیا تھا۔ اناجیل اربعہ کے لکھنے والے مسیح کے حواری نہ تھے بلکہ انہیں ان سے ملاقات بھی حاصل نہ تھی۔ انہوں نے زبانی روایات کی بنیاد پر مواد اکٹھا کیا اور اسے مسیح کی سیرت کی حیثیت سے مرتب کردیا۔

انتہاپسندی (غلو)

مسیح کی الوہیت اور عقیدہ حلول ہو یا مصلوبیت، دوبارہ جی اٹھنا ہو یا کفارہ، عیسائی دنیا کا اصل مرض ان کا غلو ہے۔ یہ ان کی انتہا پسندی ہے جس نے عیسائیت کے نام پر نیا دین اور ابن اللہ کے نام پر نیا مسیح کھڑا کردیا ہے۔ مسیحیت پر قرآنی تنقید (Critique) کا بنیادی نقطہ یہی ہے۔

قرآن مجید نے عیسائیوں کو اس روش پر تنبیہہ کرتے ہوئے کہا:

قل یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق و لا تتبعوا اھواء قوم قد ضلوا من قبل و اضلوا عن سواء السبیل (۲۵۵)

Marfat.com

کہو اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ان لوگوں کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سواء السبیل سے بھٹک گئے۔

اس غلو کا نتیجہ تھا کہ الوہیت مسیح کے ساتھ ام عیسیٰ کو مادر خدا کا درجہ دے دیا گیا۔ مسیح کے بعد ابتدائی تین سو برس تک عیسائی دنیا اس تخیل سے بالکل نا آشنا تھی۔ تیسری صدی کے آخری دور میں اسکندریہ کے بعض علماء دینیات نے پہلی مرتبہ حضرت مریم کے لئے ام اللہ یا مادر خدا کے الفاظ استعمال کئے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ الوہیت مریم کا عقیدہ اور مریم پرستی کا طریقہ عیسائیوں میں پھیلنا شروع ہوا لیکن اول اول چرچ اسے باقاعدہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا بلکہ مریم پرستوں کو فاسدالعقیدہ قرار دیتا تھا۔ پھر جب نسطوریس کے اس عقیدے پر کہ مسیح کی واحد ذات میں دو مستقل جداگانہ شخصیتیں جمع تھیں مسیحی دنیا میں بحث و جدال کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تو اس کا تصفیہ کرنے کے لئے ۴۳۱ھ میں شہر افسوس میں ایک کونسل منعقد ہوئی اور اس کونسل میں پہلی مرتبہ کلیسا کی سرکاری زبان میں مریم کے لئے مادر خدا کا لقب استعمال کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مریم پرستی کا جو مرض اب تک کلیسا کے باہر پھیل رہا تھا وہ اس کے بعد کلیسا کے اندر بھی تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا۔ حتیٰ کہ نزول قرآن کے زمانہ تک پہنچتے پہنچتے حضرت مریم اتنی بڑی دیوی بن گئیں کہ باپ بیٹا اور روح القدس تینوں اس کے سامنے ہیچ ہو گئے۔ ان کے مجسّمے جگہ جگہ کلیساؤں میں رکھے ہوئے تھے۔ ان کے آگے عبادت کے جملہ مراسم ادا کیے جاتے تھے۔ انہیں سے دعائیں مانگی جاتی تھیں، وہی فریاد رس، حاجت روا، مشکل کشا اور بے کسوں کی پشتیبان تھیں۔ اور ایک مسیحی کے لئے سب سے بڑا ذریعہ اعتماد اگر کوئی تھا تو وہ یہ تھا کہ مادر خدا کی حمایت و سرپرستی اسے حاصل ہو۔ قیصر جسٹنین اپنے ایک قانون کی تمہید میں حضرت مریم کو اپنی سلطنت کا حامی و ناصر قرار دیتا ہے۔ اس کا مشہور جنرل نرسیس میدان جنگ میں حضرت مریم سے رہنمائی طلب کرتا ہے۔ نبیؐ کے ہم عصر قیصر ہرقل نے اپنے جھنڈے پر مادر خدا کی تصویر بنا رکھی تھی اور اسے یقین تھا

کہ اس تصویر کی برکت سے یہ جھنڈا سرنگوں نہ ہوگا اگرچہ بعد کی صدیوں میں تحریک اصلاح کے اثر سے پروٹسٹنٹ عیسائیوں مریم پرستی کے خلاف شدت سے آواز اٹھائی گئی لیکن رومن کیتھولک کلیسا آج تک اس مسلک پر قائم ہے۔[۲۵۶]

قرآن نے اسی غلو کے حوالے سے وہ مکالمہ نقل کیا ہے جو قیامت کے روز مسیح اور اس کے خالق کے درمیان ہوگا' قرآن مجید میں ہے:

اذ قال اللہ یعیسٰی ابن مریم ء انت قلت للناس اتخذونی و امی الھین من دون اللہ قال سبحنک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق ان کت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب[۲۵۷]

> جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنا لو؟ تو وہ جواب میں عرض کرے گا "سبحان اللہ! میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا۔ اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کو ضرور علم ہوتا۔ آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے دل میں ہے آپ تو ساری پوشیدہ حقیقتوں کے عالم ہیں۔

اس غلو کے نتیجہ میں جہاں عقیدے کی نئی عمارت کھڑی ہوگئی وہاں رسوم و اعمال کا ایک نیا ڈھانچہ تیار ہوگیا اور مسیحی مبلغین نے اپنی ساری دعوتی سرگرمیاں اسی حوالے سے منظم کیں۔ اس لئے اب توحید الٰہی' شریعت موسوی' دین کی جامعیت' مسیح کی نبوت اور اصلاح معاشرہ کی بجائے نئی قدروں کا پرچار شروع ہوا۔

قرآن کے ان تنقیدی نکات کو سامنے رکھتے ہوئے مسلم علماء نے مسیحیت کا گہرا تجزیہ کیا ہے اور علم و تحقیق پر مبنی شاندار بحثیں کی ہیں۔ ہمارے پیش نظر چونکہ دعوتی پہلو ہے اس لئے ہم نے تقابل ادیان اور علم الکلام کی دقیق بحثوں سے احتراز کرتے ہوئے دعوتی نقطہ نظر سے مسیح کی شخصیت اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ پیش کیا ہے۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔ آل عمران ۳۳۔۳۷
۲۔ عمران موسیٰ اور ہارون کے والد کا نام تھا۔ بائبل میں جسے عمرام لکھا گیا ہے۔ خروج/ ۲۰
۳۔ تفہیم القرآن، ۱/ ۲۴۷
۴۔ تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۳۳۹
۵۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، ۶/ ۲۶۸
۶۔ ابن کثیر، ۱/ ۳۴۳
۷۔ آل عمران: ۴۴
۸۔ ابن کثیر، ۱/ ۳۴۰
۹۔ ابن جریر، ۳/ ۳۴۴
۱۰۔ ابن کثیر، ۱/ ۳۴۳
۱۱۔ روح المعانی، ۳/ ۱۵۸
۱۲۔ آل عمران / ۳۷
۱۳۔ تفہیم القرآن، ۱/ ۲۴۸
۱۴۔ آل عمران / ۳۸۔ ۳۹
۱۵۔ آل عمران / ۴۲۔ ۴۳
۱۶۔ آل عمران / ۴۵۔ ۴۸
۱۷۔ مریم / ۱۶۔ ۲۶
۱۸۔ مریم / ۲۷۔ ۳۳
۱۹۔ تفہیم القرآن، ۳/ ۶۶۔ ۶۷
۲۰۔ الانبیاء / ۹۱
۲۱۔ المومنون / ۵۰

Marfat.com

۲۲۔ تفسیر ابن کثیر، ۳ / ۲۳۹

۲۳۔ متی ۱ / ۱۸۔ ۲۵

۲۴۔ جبریلؑ نے، لوقا کے مطابق، سزا کے طور پر ان کی زبان بندی کردی کیونکہ زکریاؑ نے جبریل کی باتوں پر یقین نہیں کیا تھا۔ بنی اسرائیل کے مجرمانہ کلچر میں سزا ایک معمول کی بات تھی۔ وہ اپنے ہاں بھی بات بات بار پر سزا دیتے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بھی اپنی معصیت کاری پر سزاوار ٹھہرتے لہٰذا انہوں نے اپنے نبیوں کو سزا کا مستحق قرار دیا۔ اسی کلچر کے پس منظر میں لوقا زکریاؑ کو سزا کا مستحق بیان کر رہے ہیں۔ قرآن نے بھی زکریا کے سوال اور فرشتہ کا جواب بیان کیا ہے اور دونوں کے موازنہ سے الہامی خصوصیت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ سورہ آل عمران اور سورہ مریم میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ہم تقابل کے لئے صرف سورہ آل عمران کی متعلقہ آیات نقل کرتے ہیں۔

قال رب انی یکون لی غلام و قد بلغنی الکبر و امراتی عاقر قال کذلک اللہ یفعل مایشاء قال رب اجعل لی آیۃ قال آیتک ان لا تکلم الناس ثلثۃ ایام الا رمزا و اذکر ربک کثیرا و سبح بالعشی والابکار (آل عمران / ۴۰۔ ۴۱)

زکریا نے کہا: پروردگار! پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا جب کہ میں بہت بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے، فرمایا! اللہ جو چاہے اسی طرح کرتا ہے۔ زکریا نے کہا پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کیجئے فرمایا: یہ نشانی ہے کہ تو تین دن لوگوں سے اشارہ کے سوا (زبان سے بات نہ کرے گا) اور اپنے رب کی یاد میں (اظہار شکر کے لئے) بہت زیادہ رہ اور صبح و شام تسبیح کر)

سورہ مریم (۲۔ ۱۱) میں پورے واقعہ کو مفصل بیان کیا گیا ہے لیکن دو جگہوں پر زکریاؑ کے سوال اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اظہار کا بیان ہے۔ دو مقامات سے کہیں بھی یہ مترشح نہیں ہوتا کہ کلام نہ کرسکنا بطور سزا تھا بلکہ واضح طور پر قبولیت دعا کی نشانی کا اشارہ ملتا ہے۔

Marfat.com

۲۵۔ لوقا، ۱/ ۵ ۔ ۵۶
۲۶۔ ایضا" ۲، /۱ ۔ ۷
۲۷۔ Life and Times of Jesus the Messiah, 13th Editions, 1/221, Longsman Green & Co. 39 Paternosterrow London, 1906
۲۸۔ متی، ۲/ ۱ ۔ ۲۳
۲۹۔ لوقا، ۲/ ۸ ۔ ۵۲
۳۰۔ متی، ۳/ ۱ ۔ ۱۷
۳۱۔ یوحنا، ۱/ ۱۹ ۔ ۳۴
۳۲۔ مرقس، ۱/ ۱ ۔ ۱۱
۳۳۔ لوقا، ۳/ ۱ ۔ ۲۲
۳۴۔ متی، ۴/ ۱ ۔ ۱۱
۳۵۔ مرقس، ۱/ ۱۲ ۔ ۱۳
۳۶۔ لوقا، ۴/ ۱ ۔ ۱۳
۳۷۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، باب واذکر فی الکتاب مریم، ۲/ ۱۴۰
۳۸۔ ایضاً ۔ ۲/ ۱۴۱
۳۹۔ مسلم، کتاب الفتن، باب صفۃ الدجال، ۸/ ۱۹۸
۴۰۔ ایضاً، کتاب الفتن، باب فی خروج الدجال، ۸ / ۲۰۱، ترمذی، کتاب الفتن باب ماجاء فی فتنۃ الدجال، ۲/ ۵۱۲
۴۱۔ لوقا، ۳/ ۲۳
۴۲۔ لوقا، ۲/ ۴۲، ۴۶
۴۳۔ متی، ۱۵/ ۲۱ ۔ ۲۸
۴۴۔ البقرۃ/ ۶۱
۴۵۔ ۲۔ تواریخ، ۶/ ۷ ۔ ۱۰
۴۶۔ ۱۔ سلاطین، ۱۶/ ۳۱

Marfat.com

۴۷۔ ایضاً" ۱۹/ ۱۔ ۹

۴۸۔ ایضاً" ۱۹/ ۱۰

۴۹۔ ایضاً" ۲۲/ ۲۶۔ ۲۷

۵۰۔ ۲۔ تواریخ ۲۴/ ۲۰

۵۱۔ یضاً" ۲۴/ ۲۱

۵۲۔ یرمیاہ ۳۷/ ۱۵

۵۳۔ ایضاً" ۳۷/ ۵۔ ۶

۵۴۔ عاموس ۷/ ۱۰۔ ۱۴

۵۵۔ متی ۳/ ۷۔ ۹

۵۶۔ مرقس ۶/ ۱۷۔ ۲۹

۵۷۔ تفسیر ابن کثیر ۱/ ۳۳۶

۵۸۔ ایضاً" ۱/ ۹۸

۵۹۔ بنی اسرائیل/ ۴۔ ۵

۶۰۔ سید مودودی کے بقول کتاب سے مراد یہاں توراۃ نہیں ہے بلکہ صحف آسمانی کا مجموعہ ہے جس کے لئے قرآن میں اصطلاح کے طور پر الکتاب کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ (تفہیم القرآن ۲/ ۵۹۱)

۶۱۔ استثنا ۷/ ۱۔ ۶

۶۲۔ زبور ۱۰۶/ ۳۴۔ ۴۱

۶۳۔ قضاۃ ۲/ ۱۱۔ ۱۵

۶۴۔ یسعیاہ ۱/ ۴۔ ۵

۶۵۔ یسعیاہ ۱/ ۲۱۔ ۲۴

۶۶۔ ایضاً" ۳/ ۱۶۔ ۲۶

۶۷۔ یرمیاہ ۲/ ۵۔ ۸

۶۸۔ ایضاً" ۳/ ۶۔ ۹

Marfat.com

۶۹۔ ایضاً، ۵/ ۱۔۱۹

۷۰۔ ایضاً، ۷/ ۳۳۔ ۳۴

۷۱۔ ایضاً، ۱۵/ ۲۔ ۳

۷۲۔ حزقی ایل، ۲/ ۳۔۱۶

۷۳۔ متی، ۲۳/ ۳۷۔ ۳۸

۷۴۔ البقرہ/ ۸۸

۷۵۔ آل عمران/ ۴۹

۷۶۔ الصف/ ۶

۷۷۔ آل عمران/ ۱۵۰۔ ۱۵۱

۷۸۔ تفہیم القرآن، ۱/ ۲۵۴۔ ۲۵۵

۷۹۔ مریم/ ۳۶

۸۰۔ الزخرف/ ۶۴

۸۱۔ متی، ۴/ ۱۰

۸۲۔ متی، ۶/ ۱۰

۸۳۔ الزخرف/ ۶۳

۸۴۔ المائدہ/ ۱۱۰

۸۵۔ الحدید/ ۲۷

۸۶۔ المائدہ/ ۴۶

۸۷۔ لوقا، ۱۳/ ۲۳

۸۸۔ لوقا، ۹/ ۳۸۔ ۴۰

۸۹۔ تفہیم القرآن، ۱/ ۲۵۵

۹۰۔ آل عمران/ ۵۰

۹۱۔ تفہیم القرآن، ۱/ ۲۵۴

۹۲۔ متی، ۱۵/ ۳۔ ۹، مرقس، ۷/ ۵۔ ۱۳

Marfat.com

۹۳۔ آل عمران / ۵۰
۹۴۔ الصف / ٦
۹۵۔ المائدہ / ۴٦
۹٦۔ المائدہ / ۴٦
۹۷۔ متی' ۵ / ۱۷
۹۸۔ ایضاً" ۲۲ / ۳۷ ۔ ۴۰
۹۹۔ ایضاً" ۲۳ / ۲ ۔ ۳
۱۰۰۔ الصف / ٦
۱۰۱۔ یوحنا' ۱۴ / ۱٦ ۔ ۱۷
۱۰۲۔ ایضاً" ۱۴ / ۲۵ ۔ ۲٦
۱۰۳۔ ایضاً" ۱۴ / ۳۰
۱۰۴۔ ایضاً" ۱۵ / ۲٦
۱۰۵۔ ایضاً" ۱٦ / ۷
۱۰٦۔ ایضاً" ۱٦ / ۱۲ ۔ ۱۵
۱۰۷۔ تفہیم القرآن' ۵ / ۳٦۳۴
۱۰۸۔ ایضاً"
۱۰۹۔ انسائیکو پیڈیا برٹانیکا (انگلش) ۱۹۴٦' مقالہ بائبل
۱۱۰۔ سیرۃ ابن ہشام' ۱ / ۲۴۸' یہ مفہوم یوحنا ' ۱۵ / ۲۳ ۔ ۲۷ اور ۱٦ / ۱ میں موجود ہے وہاں اردو ترجمہ مددگار اور انگریزی میں Advocate ہے
۱۱۱۔ مسند احمدؒ' ۴ / ۸۱' ۸۴' ٦ / ۲۵
۱۱۲۔ استثناء' ۱۸ / ۱۵ ۔ ۱۹
۱۱۳۔ الاعراف / ۱۵٦
۱۱۴۔ ایضاً" / ۱۵٦ ۔ ۱۵۷
۱۱۵۔ یوحنا' ۱ / ۱۹ ۔ ۲٦

Marfat.com

۱۱۶۔ مسلم' کتاب الفضائل' باب فی اسمائہ ﷺ' ۷/ ۹۰
۱۱۷۔ موطا' کتاب اسماء النبی' ۶۶۵
۱۱۸۔ بخاری' کتاب بدء الخلق' باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ' ۴ / ۱۶۲
۱۱۹۔ مسلم' کتاب الفضائل' باب فی اسمائہ ﷺ' ۷ / ۸۹
۱۲۰۔ دارمی' مقدمہ' ۱/ ۲۷
۱۲۱۔ ترمذی' کتاب الادب' باب ماجاء فی اسماء النبی' ۵ / ۱۳۵
۱۲۲۔ تفہیم القرآن' ۵ / ۴۶۱
۱۲۳۔ آل عمران / ۵۰ ' الزخرف / ۶۳
۱۲۴۔ مریم / ۳۰ ۔ ۳۱
۱۲۵۔ مرقس / ۱۲ / ۲۸ ۔ ۳۲
۱۲۶۔ لوقا' ۴ / ۸
۱۲۷۔ متی' ۶ / ۹ ۔ ۱۰
۱۲۸۔ متی' ۱۰ / ۳۴ ۔ ۳۷
۱۲۹۔ ایضاً' ۱۰ / ۳۸ ۔ ۳۹
۱۳۰۔ خود پرستی اور ذاتی اغراض سے دست بردار ہونا۔
۱۳۱۔ ایضاً' ۱۶ / ۲۴
۱۳۲۔ ایضاً' ۱۰ / ۲۱ ۔ ۲۲
۱۳۳۔ ایضاً' ۱۰ / ۱۶ ۔ ۱۸
۱۳۴۔ دشمنی کرنے سے مراد ان کی محبت اور ان کے مفاد کو دعوت الی اللہ کے لئے قربان کرنا۔
۱۳۵۔ یہ محاورہ پہلے بھی استعمال ہوا ہے ۔ اس کا مطلب سزائے موت کے لئے تیار رہنا ہے۔
۱۳۶۔ لوقا' ۱۴ / ۲۶ ۔ ۳۳
۱۳۷۔ متی' ۱۵ / ۳۹ ۔ ۴۱

Marfat.com

۱۳۸۔ ایضاً" ۱۰ / ۲۸

۱۳۹۔ متی ۷ / ۷

۱۴۰۔ ایضاً" ۶ / ۲۴

۱۴۱۔ متی ۴ / ۲۴ ۔ ۳۴

۱۴۲۔ متی ۶ / ۱۹ ۔ ۲۰

۱۴۳۔ متی ۲۳ / ۱۳ ، ۱۵

۱۴۴۔ ایضاً" ۲۳ / ۱۶

۱۴۵۔ ایضاً" ۲۳ / ۲۴

۱۴۶۔ ایضاً" ۲۳ / ۲۷ ۔ ۲۸

۱۴۷۔ ایضاً" ۲۳ / ۲ ۔ ۸

۱۴۸۔ متی ۱۱ / ۲۵

۱۴۹۔ ایضاً" ۱۱ / ۲۸ ۔ ۳۰

۱۵۰۔ نصرانیت / ۴۰

۱۵۱۔ لوقا ۲ / ۵ ۔ ۲۶

۱۵۲۔ متی : باب ۵ ۔ ۷

۱۵۳۔ الانبیاء / ۹۱

۱۵۴۔ الاعراف / ۴۳

۱۵۵۔ بنی اسرائیل / ۱۰۱

۱۵۶۔ البقرہ / ۸۷

۱۵۷۔ المائدہ / ۱۱۰

۱۵۸۔ البقرہ / ۹۲

۱۵۹۔ آل عمران / ۴۹

۱۶۰۔ المائدہ / ۱۱۰

۱۶۱۔ متی ۴ / ۲۳ ۔ ۲۵

Marfat.com

١٦٢۔ ایضاً" ٬ ٨ / ١ ۔ ٣٤ ٬ ٩ / ١ ۔ ٨
١٦٣۔ متی ٬ ٩ / ١٨ ۔ ٣٣
١٦٤۔ مرقس ٬ ١ / ٢١ ۔ ٤٥
١٦٥۔ لوقا ٬ ٤ / ١٦ ۔ ٤١
١٦٦۔ مریم / ٣٣
١٦٧۔ الانبیاء / ٤٧
١٦٨۔ الانبیاء / ٧٩
١٦٩۔ یوسف / ٢٢
١٧٠۔ آل عمران / ٤٨
١٧١۔ الزخرف / ٦٣
١٧٢۔ متی ٬ ١٣ / ١٠ ۔ ٥٢
١٧٣۔ مرقس ٬ ٣ / ٢٠ ۔ ٣٥ ٬ ٤ / ١ ۔ ٣٤
١٧٤۔ لوقا ٬ ٦ / ٣٩ ۔ ٤٩
١٧٥۔ متی ٬ ١٩ / ١٦ ۔ ٢٤
١٧٦۔ الصف / ١٤
١٧٧۔ آل عمران / ٥٢ ۔ ٥٣
١٧٨۔ المائدہ / ١١١
١٧٩۔ متی ٬ ١٠ / ١ ۔ ١٥
١٨٠۔ مرقس ٬ ٣ / ١٣ ٬ لوقا : ٦ / ١٢ ۔ ١٩
١٨١۔ تدبر قرآن ٬ ٧ / ٣٦٨ ۔ ٣٦٩
١٨٢۔ یوحنا ٬ ١٣ / ٢١ ۔ ٢٧ ٬ متی ٬ ٢٦ / ٢٠ ۔ ٢٣ : یہاں یہ الفاظ ہیں : جس نے میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالا ہے وہی مجھے پکڑوائے گا۔ یوحنا نے کہا کہ وہ چور تھا اور چونکہ اس کے پاس ان کی تھیلی رہتی تھی اس میں جو کچھ پڑتا وہ نکال لیتا تھا۔ (یوحنا ٬ ١٢ / ٦)

۱۸۳۔ یوحنا' ۱۳/ ۳۶ - ۳۸' متی ۲۷/ ۳۴ - ۳۵
۱۸۴۔ متی' ۲۶/ ۵۶
۱۸۵۔ ایضاً' ۲۶/ ۶۹ - ۷۵
۱۸۶۔ قصص القرآن' ۳/ ۹۰
۱۸۷۔ یوحنا' ۱۱/ ۴۷ - ۵۳
۱۸۸۔ مرقس' ۱۴/ ۱ - ۲
۱۸۹۔ متی' ۲۷/ ۱ - ۶۶
۱۹۰۔ متی' ۲۸/ ۱ - ۲۰
۱۹۱۔ مرقس' ۱۵/ ۱ - ۴۷' ۱۶/ ۱ - ۲۰' لوقا' ۲۲/ ۶۶ - ۷۱' ۲۳/ ۱ - ۵۶'
۲۴/ ۱ - ۲' یوحنا ۱۸/ ۱ - ۴۰' ۱۹/ ۱ - ۴۲' ۲۰/ ۱ - ۲۳
۱۹۲۔ متی' ۲۶/ ۳۹ - ۴۰
۱۹۳۔ ایضاً' ۲۶/ ۴۲
۱۹۴۔ یوحنا' ۱۹/ ۸ - ۴۲' ۲۰/ ۱ - ۲۳
۱۹۵۔ آل عمران' ۵۴ - ۵۵
۱۹۶۔ قصص القرآن' ۳/ ۱۰۰ - ۱۰۱
۱۹۷۔ النساء/ ۱۵۸ - ۱۵۹
۱۹۸۔ تفہیم القرآن' ۱/ ۲۵۷ - ۲۵۸
۱۹۹۔ ایضاً' ۱/ ۴۱۹
۲۰۰۔ ایضاً' ۱/ ۴۲۰
۲۰۱۔ ایضاً' ۱/ ۴۲۰ - ۴۲۱
۲۰۲۔ ایضاً' ۱/ ۴۲۱
۲۰۳۔ تفہیم القرآن' ۲/ ۶۰۲
۲۰۴۔ المائدہ/ ۷۸
۲۰۵۔ لوقا' ۲۰/ ۲۰ - ۲۶

Marfat.com

۲۰۶۔ متی، ۵/ ۳۹۔ ۴۱
۲۰۷۔ یوحنا، ۱/ ۱۔ ۴
۲۰۸۔ متی، ۵/ ۱۷۔ ۱۸، لوقا، ۱۶/ ۱۷
۲۰۹۔ فلپیوں، ۲/ ۶۔ ۱۱
۲۱۰۔ کلسیوں، ۱/ ۱۶۔ ۱۷
۲۱۱۔ ایضاً، ۲/ ۹
۲۱۲۔ رومیوں، ۵/ ۱۲۔ ۱۹
۲۱۳۔ ایضاً، ۶/ ۳۔ ۶
۲۱۴۔ متی، ۲۲/ ۳۶۔ ۴۰
۲۱۵۔ ایضاً، ۵/ ۴۳۔ ۴۶
۲۱۶۔ لوقا، ۶/ ۲۷۔ ۳۶
۲۱۷۔ ایضاً، ۱۲/ ۳۲، ۳۳
۲۱۸۔ متی، ۱۹/ ۲۳۔ ۲۴
۲۱۹۔ متی، ۶/ ۵۔ ۳۱
۲۲۰۔ لوقا، ۱۴/ ۲۶
۲۲۱۔ Commentary on the Holy Bible LXXX
۲۲۲۔ نصرانیت، ۴۷
۲۲۳۔ The Enchiridion ۱/ ۶۸۷
۲۲۴۔ متی، ۱/ ۲۱
۲۲۵۔ لوقا، ۲/ ۱۱
۲۲۶۔ لوقا، ۱۹/ ۱۰
۲۲۷۔ متی، ۲۰/ ۲۸، مرقس، ۱/ ۴۵
۲۲۸۔ متی، ۵/ ۱۷
۲۲۹۔ گلتیوں، ۳/ ۱۳

۲۳۰۔ گلیتوں ' ۳ / ۲۳ ۔ ۲۵
۲۳۱۔ افسیوں ' ۲۷ / ۱۵
۲۳۲۔ عبرانیوں ' ۷ / ۱۱ ۔ ۱۲
۲۳۳۔ گلتیوں ' ۵ / ۱۶ ۔ ۱۸
۲۳۴۔ پیدائش ' ۱۷ / ۱ ۔ ۱۴
۲۳۵۔ احبار ' ۱ / ۳
۲۳۶۔ لوقا ' ۲ / ۲۱
۲۳۷۔ گلتیوں ' ۵ / ۱ ۔ ۶
۲۳۸۔ مریم / ۳۰ ۔ ۳۳
۲۳۹۔ الزخرف / ۵۹ ۔ ۶۱
۲۴۰۔ النساء / ۱۷۲
۲۴۱۔ المائدہ / ۱۷
۲۴۲۔ ایضاً / ۷۲
۲۴۳۔ بقرہ / ۱۱۶
۲۴۴۔ الانعام / ۱۰۲
۲۴۵۔ التوبہ / ۳۰
۲۴۶۔ المائدہ / ۷۳ ۔ ۷۶
۲۴۷۔ المائدہ / ۷۷
۲۴۸۔ النساء / ۱۷۱
۲۴۹۔ النساء / ۱۵۷ ۔ ۱۵۸
۲۵۰۔ آل عمران / ۵۴ ۔ ۵۵
۲۵۱۔ المائدہ / ۳۱
۲۵۲۔ البقرہ / ۷۵
۲۵۳۔ تفہیم القرآن ' ۱ / ۸۷

Marfat.com

۲۵۴۔ البقرہ / ۷۹

۲۵۵۔ المائدہ / ۷۷

۲۵۶۔ تفہیم القرآن، ۱/ ۵۱۵ - ۵۱۶

۲۵۷۔ المائدہ / ۱۱۶

Marfat.com

کتابیات

القرآن الحکیم

ابن حجر العسقلانی' فتح الباری شرح صحیح البخاری' مطبعه البهیة قاہرہ

ابن حنبل' المسند' دار المعارف' مصر' ۱۹۳۶ء

ابن جریر الطبری' جامع البیان فی تفسیر القرآن'
تحقیق احمد محمد شاکر' دار الفکر' بیروت' نیز مصر۔

ابن کثیر' اسماعیل بن کثیر الدمشقی' تفسیر القرآن العظیم موسسة الکتب الثقافیه' بیروت

ابن منظور افریقی' لسان العرب' دار صادر' بیروت

ابن هشام' السیرة النبویة' دار احیاء التراث العربی' بیروت

ابوبکر ابن العربی' احکام القرآن' مطبعة السعادة

آلوسی' روح المعانی' ادارة الطباعة المنیریة' قاہرہ

امین احسن اصلاحی' تدبر قرآن' فاران فاؤنڈیشن' لاہور

بخاری محمد بن اسماعیل' الجامع الصحیح' دار الفکر' بیروت

ترمذی محمد بن عیسٰی بن سورة' الجامع الصحیح'
تحقیق احمد محمد شاکر' دار احیاء التراث العربی' بیروت

حفظ الرحمٰن سیوہاروی' قصص القرآن' مکتبہ مدنیة' لاہور

رازی' فخر الدین' تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب)' قاہرہ

Marfat.com

مالک بن انس، الموطاء، دارالفکر، بیروت، ۱۹۸۹ء

مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، دارالفکر، بیروت

سید مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

یاقوت حموی، معجم البلدان، احیاء التراث العربی، بیروت

مجلہ الاضواء، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جلد دوم نمبر ۳، ۱۹۹۳ء

B

1- The Bible.

2- Alfered Edershein, *The Land and times of Jesus The Messiah,* Longman Green & Co. 39. Poternoster Row, London, 1906.

3- Rev. Dumellow, *Commentary on the Holy Bible.*

4- Gibbon Edward, *The Decline and Fall of the Roman Empire,* The Modern Library, New York.

5- *Encyclopaedia of Britannica.* 1946.

Marfat.com

پیغمبرانہ منہاج دعوت

ڈاکٹر خالد علوی

Marfat.com